باب۔۸

شاہی چین

۵۰۰ ق م ۔ ۱۸۴۹ء

ایک آڑو، ایک مچھلی اور ایک آستین:

ابھی تک ہم بدلتے ہوئے رویوں کا سراغ لگاتے رہے ہیں جنہوں نے مغربی دنیا میں ہم جنس پرستی کے متعلق کلاسیکل عہد سے لے کر قرون وسطی تک اور پھر سیفو سے لے کر ڈانٹے تک رنگ بدلا۔ مگر دیگر تہذیبوں میں کیا ہوتا رہا۔ کیا ان میں ایسی ہی پیش قدمی دکھائی دیتی ہے۔ کیا عتاب، حقارت اور شدید سزائیں اسی طرح ''اغلام بازوں'' کو دی گئیں جیسی یورپ میں مسیحیت کی کامیابیوں کے بعد جو عالمی تاریخ میں معمولی سا انحراف سمجھا جائے یا پھر کوئی مثالی علامت۔ ہمارے عربی اسپین کے خسرے میں ہمیں ایک بے قاعدگی نظر آئی تھی۔ مسلم شعرا ممکن ہے دونو جوانوں میں سلگتا عشق جو دو ہم جنسوں کے درمیان ہو نظم کر دیں یہ تمام مذہبی تعلیمات اور سخت قوانین کے علی الرغم ۔ جہاں تک وسیع و عریض برصغیر کا معاملہ ہے جنس کے متعلق چشم نمائی کرنے والی ہندو تعلیمات کی پیچیدگیوں کے باوصف اس میدان میں تحقیقی کام ہونا باقی ہے۔ (موثر قانون منو جسے پہلی صدی عیسوی میں مرتب کیا گیا صرف یہ چاہتا ہے کہ ''دوسرا جنم'' لینے والا آدمی جس نے کبھی بیل گاڑی میں کسی عورت سے مجامعت کی یا پھر تالاب میں، دن کی روشنی میں یا پھر ''کسی نر سے'' اسے طہارت کے واسطے چند مناسک کرنے ہوں گے یعنی اپنے لباس ہی میں نہائے۔ خوش قسمتی سے جدید علوم کی جستجو کے طفیل حالیہ برسوں میں دو بڑی غیر یورپی اقوام میں ہم جنس پرستی

کی روایات اظہر من الشّمس ہوئی ہیں۔ چین اور جاپان ۔ ہم پہلے قدیم تر تمدن پر نظر ڈالیں گے۔

تین چیزوں نے چین میں مردوں کے مابین ہونے والے عشق سے متعلق فراواں دستاویزات کی فراہمی کو یقینی بنایا ہے۔ زمانہ قدیم سے چینیوں کو اس کا شوق رہا ہے کہ وہ تفصیلی اور باریک بینی سے دستاویز تیار کریں۔ اس کے علاوہ ابتدائی سوانح نگاروں پر تذکیرو تانیت کی کوئی پابندی نہ تھی جن میں مردوں کے درمیان عشقیہ امور اور اس میں اتنی کشادگی ہوتی جو مسیحی یورپ میں کبھی سننے میں نہ آئی۔ اور مال کاریہی آزادی شعرا کے حصے میں بھی آ گئی جس میں ڈرامہ نویس اور کلاسیکی چینی طرز کے افسانوی مصنفین بھی شامل ہیں۔ بدقسمتی سے وہ طلباء جو چینی امور پر ماہر نہیں ہیں اس لئے اس کا صرف معمول سا حصہ اب تک ترجمہ ہو سکا ہے اور حال ہی میں مغربی مصنفین کی جو تحریریں آئی ہیں وہ کسی بھی پیمانے سے تاریخی تصاویر کو آشکار نہیں کرتیں۔ چین میں خود خاص طور سے جب عوامی جمہوریہ چین ۱۹۴۹ء میں قایم ہوئی ہے مردوں کے مابین عشق کے متعلق جو رواداری ''وسطی بادشاہت'' کے زمانے میں ملتی تھی اور اس موضوع پر ادب جو دو ہزار برس سے پھل پھول رہا تھا وہ سب نگاہوں سے اوجھل ہو چکا ہے۔

اساطیری چینی تاریخ ہمیں ایک فہرست مہیا کرتی ہے جس میں ان حکمرانوں کے نام ہیں جنھوں نے پانچ ہزار سال تک حکومت کی ہے اس مقبول مگر فرضی داستان کے انکشاف سے کئی تمدنی سورما وابستہ ہیں۔ تہذیب کے موجدین۔ ان میں سے ایک جانوروں کی کہانیوں والا زرد شہنشاہ ہے جو تاؤمت کا ایک مرکزی کردار ہے جسے روایتاً مقناطیس اور پہیہ کا موجد کہا جاتا ہے اس کے ساتھ تاریخ اور علم ہیت کا بھی۔۔۔ اور یہ سب کچھ ایک صدی کے اندر اندر (۲۶۹۷۔۲۵۹۷ ق م) ہوا۔ اس نے چینی جنسی رویے کے متعلق ایک نظیر بھی چھوڑی جس کا بہ مشکل کٹر پن سے کوئی تعلق ہوگا۔ اس سے جو روایت منسوب کی جاتی ہے اس کے مطابق اس کے سلیمانی حصہ میں بیویاں اور داشتایں ملیں۔ معروف سوانح نگار جی یِّن اپنی مقبول یادداشت ''یووی' ' کے نوٹس خانقاہ (۱۸۰۰ء) میں سے ہمیں دلفریب تفصیلات فراہم کرتا ہے۔ زرد شہنشاہ اس بات میں بھی پہلا حکمراں تھا، بقول

مصنف کہ وہ مردوں کو اپنے ساتھ بستر میں سلاتا تھا۔

آٹھویں صدی قبل مسیح سے پہلے کی چینی تاریخ بہتات سے دستیاب ہے مگر زیادہ تر ناقابل تصدیق ہے۔صرف ایک زمانہ جسے ''بہار اور خزاں کا سالنامہ'' (۷۲۲۔۴۸۱ق م) اور اس کے بعد کی آمادہ پیکار سلطنتوں (۴۰۳۔۲۲۱ق م) کے زمانے میں ہمیں مستحکم بنیادوں پر اور تسلسل سے قابل اعتبار منابع ملتے ہیں۔ ہان حکومت کا خاندانی سلسلہ (۲۰۶ ق م سے ۲۲۰ء) اس میں جا کر مکمل اور بے کم و کاست ہو جاتے ہیں۔ اس عہد میں آ کر ماہر مورخین کو باعزت پیشہ ور سمجھ کر ملازمت دی جاتی اور مملکت انہیں تنخواہ دیتی۔ پورے عہد میں ایک ایسا مشہور واقعہ ضرور ہوا جس کا تعلق حکمران کے مرد عاشق سے ہوتا۔ نتیجے میں یہ کہانیاں اتنی مشہور ہو گئیں کہ انہیں درباری نظام میں مردانہ عشق کو کسوٹی سمجھا جانے لگا اور انہیں تین مذہبی قوانین کا دلچسپ حصہ کہا جانے لگا۔ یہ تھے بالترتیب دانت کاٹا آڑو، لونگ یا نگ کی مچھلی اور کٹی آستین۔

پہلے قصہ کا تعلق اس سے ہے کہ شمال وسطی سلطنت کے حکمراں وی کی عارضی فریفتگی، جو کنفیوشس اور ایتھنز کے استبدادیوں کا ہم عصر تھا جس کا زمانہ حکومت (۵۲۴۔تا ۴۹۳ ق م) تھا۔نواب لنگ ایک درباری اہلکار کے عشق میں گرفتار تھا۔جس کا نام میزی زیا تھا جس نے ایک روز اپنا دانت کاٹا مزید ارآڑو دیا جسے وہ چکھ چکا تھا ''تمہاری محبت میرے لئے کتنی مخلصانہ ہے'' ڈیوک لنگ نے خوشی میں کہا، تم اپنی بھوک فراموش کر بیٹھے اور تم پر بس یہی خیال طاری رہا کہ کھانے کی اچھی چیز مجھے دو!'' جب میزی زیا نے حکمران سے اس کی گاڑی اس غرض سے مانگی کہ اپنی بیمار ماں کو دیکھ آئے۔اس پر نواب نے اس کے والدین کی خدمت کے جذبے کی تعریف کی۔ اگرچہ ایسے جرم کبیر کے ارتکاب کا عام حالات میں یہ نتیجہ نکلتا کہ اس کے پاؤں کاٹ ڈالے جاتے۔

دوسرا واقعہ وی کے ایک اور حکمران کا قصہ بتاتا ہے۔اس مرتبہ تیسری قبل مسیح کا ایک بادشاہ جس کے عاشق کا نام لارڈ لونگ یا نگ تھا اس وقت زاروقطار رونے لگا جب دو افراد مچھلی کا شکار کر رہے تھے۔تس پر بادشاہ نے اس غم واندوہ کا سبب پوچھا۔لونگ یا نگ نے اس پر یہ وضاحت کی کہ پہلی مچھلی جو آج میں نے پکڑی اس کی خوبصورتی نے مجھے بہت

متاثر کیا لیکن جب اس نے دوسری پکڑی جو بڑی تھی تو اس کے جی میں آئی کہ اسے پانی میں ڈال دے اس پر اسے خوف نے جکڑ لیا کہ کہیں بادشاہ کسی اور کو مجھ پر ترجیح نہ دیں۔ اس کی خاطر جمع کے لئے بادشاہ نے ایک فرمان جاری کیا: ''جو بھی میرے سامنے کسی حسین کا ذکر چھیڑے گا تو اس کے پورے قبیلہ کا قلع قمع کر دیا جائے گا۔''

تیسری اور سب سے زیادہ مشہور کہانی میں نہ تو کسی نواب کا اور نہ کسی بادشاہ کا ذکر آتا ہے بلکہ ایک شہنشاہ کا۔ نوجوان شہنشاہ آئی جو ہان خاندان کا تھا جس نے ۶ ق م سے ۱ء تک حکمرانی کی ہان مورخ ہان گو کے مطابق ایک مرتبہ شہنشاہ اس وقت بیدار ہو کر اٹھنا چاہتا تھا جب اس کا معشوق اس کی شاہی پوشاک کی آستین پر محو خواب تھا۔ اس کی نیند میں مخل ہونے کی بجائے اس نے اپنی آستین شانے پر سے کاٹ دی اور اسی خستہ حالت میں عوام کو درشن دیے۔ اس کے بعد شہرت یہ ہوئی اور اس کے درباری اپنے عشق و محبت کو منانے کی غرض سے مختصر لباس استعمال کرتے۔

یہ تینوں کہانیاں چینی ادب اور تاریخ میں تواتر سے حوالے کے کام آتی رہیں۔ اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ یہ ضرب المثال بن گئیں۔ اس لئے دو ہزار سال تک ہم جنس پرستی کا عشق باقاعدگی سے ''دانت کاٹا آڑو'' یا پھر ''کٹی آستین'' اور یا پھر پسندیدہ چاہنے والے کو ''لونگ یانگ'' کہا جاتا رہا۔ کہانیوں اور واقعات کی ایک اہم بیاض جو شاہی حکمرانی کے آخری دنوں میں شایع ہوئی اس کا عنوان تھا (کٹی آستینوں کی دستاویز) ڈوان زیو پیان۔

بات واضح ہے یہ معیاری کہانیاں ہم اگر چاہیں تو ایسی لگتی ہیں کہ جیسے احساس ذات سے ماورئ ہو کر ہم جنسی کے تعلقات کو قبول کیا گیا ہو اور یہ قبولیت اس درجہ کی تھی کہ وہ چین میں چوبیس صدیوں تک قائم رہی۔ وہ ان واہموں سے قطعاً مختلف ہیں جو مغربی مسیحیت کے اعصاب پر سوار تھی۔ اغلام بازی کی کہانی معہ مابعد الفطرت دہشت کے۔ لیکن وہ بڑی حد تک قدیم یونانی روایات سے بھی جدا ہیں۔ بجائے ایسی داستانوں کے کہ جن میں جنگجو سماج میں سورما جاں نثاری پر تلے ہوں، ہمیں ایسی نشاط آور اور شائستہ احساسات والی کہانیاں ملتی ہیں جن میں نرم و نازک سلوک ہوتا ہے۔ چینیوں کی نظر میں عشق بہ مشکل یونانیوں، عربوں یا گشتی نغمہ خوانوں کی طرح ولولہ انگیز شئے تھا۔ بجائے اس کے یہ مرتبہ

شرافت پر فایز کرتا۔ مردانہ معاملات عشق قدیم چین میں ایک تابناک انحرافی روایت تھی۔ جو شاعرانہ جذبات سے معمور سمجھی جاتی۔

یہ سب چینی تمدنی تعصّبات کے مطابق تھا۔ کلاسیکی اور جاگیردارانہ مغرب، عہد وسطی کا جاپان کے برعکس چین نے کبھی بھی جنگجوؤں کی ستایش نہ کی بلکہ اہل علم کو۔ صاحبان علم و فضل کی شستگی اور اعلیٰ مذاق کو سراہا۔ یہ فاضل لوگ تھے جو کنفیوشس کے جذباتی رویے تھے اور شاہی امتحانی نظام جسے ہر شے پر بالا دستی حاصل رہی۔ اس سماج میں میانہ روی اور اچھے اطوار کو زیادہ اہمیت دی جاتی۔ ایک اور انکشاف کرنے والے قصے میں جو 'بہار اور خزاں کا سالنامہ' ہے قی کا نواب جنگ جو چین کے شمال مشرق میں ایک جاگیر تھی۔ اس بات پر سخت برہم ہوا جب اسے معلوم ہوا کہ اس کا ایک خدمت گار اس کے عشق میں مبتلا ہے جس پر اس نے اسے قتل کرنے کا حکم دے دیا۔ لیکن اس کے ایک مشیر نے یہ مشورہ دیا کہ کسی عاشق کو ایسی درشتگی سے دھتکارنا چاہے وہ آپ سے کم مرتبہ ہو ناشائستہ اور نحوست ہے۔ نواب نے مان لیا مجرم کو سزا دینے کی بجائے ترقی دی۔ ہم جنس پرستی سے متعلق خواہشات کے متعلق سمجھا جاتا کہ انہیں مفید بنایا جائے اور اس کے واسطے فکر انگیز احتیاط سے کام لیا جائے نہ کہ طاقت اور برہمی سے۔

یہ بھی کوئی کم دلچسپ بات نہیں ہے کہ یہ تمام کہانیاں محبت پر لکھی ہوئی کتابوں کے ذریعے سے ہم تک نہیں پہنچیں اور نہ ہی عشقیہ نثر و نظم کے وسیلے سے بلکہ سیاسی تحریروں کے ذریعے ہم تک آئی ہیں جو پر مغز تجاویز پر مبنی ہیں جنہیں مملکت کو چلانے میں مدنظر رکھا گیا تھا۔ چینیوں کو اس کا گہرا احساس تھا کہ انسانی معاملات میں عشق و محبت کا کردار روانی پیدا کرنے والا ہوتا ہے۔ ہان فی زی جس کی تحریریں ۲۴۰ ق م کی ہیں اس نے دانت کاٹا آڑو کے واقعے کا ایک کسیلے مقالے میں بیان کیا ہے جسے میکاولی کی ''دی پرنس'' سے موازنہ کیا جاتا ہے۔ کہانی کا اخلاقی خلاصہ یہ ہے کہ یہ عشق کی قوت نہیں ہوتی بلکہ طاقتوں کی تلون مزاجی ہے اور یہ حکمرانوں کے اقدام کی راستی ہے جسے قوانین کے ذریعے استحکام ملتا ہے اور نہ کہ ذاتی تعلقات سے۔ جب میزی زیا بوڑھا ہو گیا اور اپنی خوبصورتی سے ہاتھ دھو بیٹھا تو ہان فی زی ہمیں بتاتا ہے کہ وی کے نواب نے اس سے بے اعتنائی اختیار کر لی۔ لگتا ہے

جیسے نواب کا مزاج قدرے مزاج کا حامل تھا کہ اس نے خود کو لاتعلق کرتے ہوئے ایک مشکوک سا بیان دیا'' کچھ بھی کہیے اس نے ایک مرتبہ میری بگھی چرالی تھی اور کسی اور موقع پر مجھے کھانے کے لئے دانت کاٹا آڑو دیا تھا۔''

لونگ یا نگؔ کی کہانی پر روایتی تبصرہ بلا کسی جذباتی شک کے بادشاہ کے فرمان کی خاطر خواہ تاثیر، جس سے رقیب حسینوں پر پابندی عاید ہوئی قدرے مشکوک لگتی ہے۔ جہاں تک شہنشاہ آئیؔ کے ڈونگ زیانؔ سے عشق کا تعلق ہے آخرالذکر کا انجام کہیں زیادہ المناک تھا۔ حالانکہ شہنشاہ تو آخر تک اپنے معشوق سے وفاداری نبھاتا رہا لیکن دربار میں اس بات سے رسوائی ہونے لگی کہ شہنشاہ کہیں اسے وارث تخت بنانے کا اعلان کردے۔ جب بیمار آئیؔ کم عمری میں مرا تو ڈونگ زیانؔ کو مجبور کیا گیا کہ وہ خودکشی کرلے۔ لیکن شاہی چین میں۔ پسندیدہ درباریوں کا انجام اکثر تاریک ہوتا۔ یا تو وہ حکمران کی مرضی کے تابع ہوتا یا پھر حاسد سازشیوں کے پھندے میں۔ وہ پسندیدہ متوسل جو اپنے مربیوں کے بعد بھی جیتے رہتے ان کے لئے یہی زیادہ امکانات ہوتے کہ وہ اپنے مال وثروت سے محروم کردیے جائیں یا پھر ان کی جان ان کے درپے آزاد اعزا یا اہلکار لے لیں۔

اس سب کا ہم جنس پرستی سے کوئی تعلق نہ تھا۔ بیویاں، رکھیلیں اور وزراء سب ہی ایسے انجام سے دوچار ہوسکتے تھے۔ معاشقوں کا خوشگوار انجام سماج کے ادنی تر طبقہ تک محدود تھا۔ مثلاً ایک کہانی جس کا تعلق آمادہ پیکار مملکتوں سے ہے یہ بتاتی ہے پان زھا نگؔ جو ایک عالم تھا اور اس کی وجہ شہرت اس کے چہرے پر پھیلی رواداری کی وجاہت تھی۔ وانگ زونگ زیانؔ اس کے پاس تحصیل علم کے لئے آیا۔ پہلی ہی نظر میں دونوں ایک دوسرے کے عشق میں پڑ گئے۔ ساتھ ساتھ محنت مشقت کرتے اور ازدواجی چین میں سوتے ''مرد اور عورت'' کی طرح اس لئے جب وہ مرے تو انہیں ایک ہی قبہ میں دفن کیا گیا۔ اس کے بعد جیسا کہ کہانی چلتی ہے ایک درخت ان کی مشترک قبر میں سے نکلا۔ چونکہ اس کی شاخیں ایک دوسرے میں بڑی بے تکلفی سے پیوست ہوتیں اس لئے اسے ''مشترک تکیہ دار پیڑ'' کہا جاتا۔

مگر عام آدمیوں کے معاشقوں کی داستانیں اس زمانے کی کم ہی ملتی ہیں۔ خاص

بات تو یہ ہے کہ کتابیں پر مغز کہانیوں سے اٹی ہوئی ہیں جو سماجی پالیسی کے متعلق ہیں جیسے کہ (آمادہ پیکار مملکتوں کی سازشیں)۔ جو اگرچہ جنسی رویوں کو فاش ضرور کرتی ہیں لیکن وہ بلا اظہار خیال کے انسانی رویہ دو جنسیا ہے۔ تاریخیں تو یقینی نہیں ہیں یہ مواد کا حامل مجموعہ پہلی مرتبہ منتشر مخطوطات سے پہلی صدی عیسوی کے آغاز میں مرتب کیا گیا تھا۔ یہ بتاتا ہے نواب زیاںؔ نے جوجن کے نواب تھے کس طرح علاقہ گوکو ایک حسین کنیز روانہ کی جس نے ایک فہمیدہ مشیر کے اثر ورسوخ کو ختم کر دیا اور ملک فتح ہو گیا اور یہ اضافہ کیا کہ یہ بھی ایک لڑکے کا کیا دھرا تھا۔ جس نے ایسی ہی ملتی جلتی خدمات انجام دیں۔'' اس کے بعد نواب زیاںؔ نے چاہا کہ یو پر حملہ آور ہو لیکن اسے یہ خوف تھا کہ گونگ زحیقی وہاں موجود ہوگا۔ زن زیؔ نے کہا'' زہوؔ کی کتاب کہتی ہے کہ'' ایک خوبصورت لڑکا ایک عمر رسیدہ کا دماغ خراب کر سکتا ہے۔'' بادشاہ کی خدمت میں ایک خوبصورت لڑکا بھیج دو جیسے تم نے ہدایت دے کر گونگ زحیقیؔ کو تباہ کرنے کے واسطے بھیجا تھا۔ آخر الذکر کی لعنت ملامت پر کوئی بھی توجہ نہ دے گا اور وہ فرار ہو جائے گا۔ یہ کرنے کے بعد نواب ریاںؔ نے یو پر حملہ کر دیا اور قبضہ کر لیا۔

ہان فی زیؔ نے یہ بھی ظاہر کیا کہ جیسے وہ ان خطرات سے آگاہ ہے جب وہ حکمران کو مشورہ دے رہا تھا۔ وہ کوئی تارک الدنیا شخص نہ تھا۔'' اسے لوگوں سے معاملہ کرنے میں جو ہم بستر رہ چکے ہوں۔'' وہ لکھتا ہے۔'' روشن خیال حکمران ان کے حسن سے متمتع ہو سکتے ہیں۔'' اس کے باوجود وہ فہرست سازی کرتا ہے۔'' ہم بستروں کو کیسے مفید بنایا جائے۔'' ایک حکمراں کو اس طرح متاثر کیا جائے جیسے'' آٹھ بدمعاشوں'' میں سے ایک کے ساتھ کیا تھا اس میں صنفوں سے تمیز نہ کی جائے۔'' حکمراں'' وہ متنبہ کرتا ہے'' بہ آسانی حسین عورتوں اور دلکش لڑکوں کے رجھانے میں آ جاتے ہیں اور ان کے بھی سامنے جوان کے آگے بچھ جاتے ہیں یا اظہار عشق کرتے ہیں یا عشق کا سوانگ رچاتے ہیں۔'' لیکن اگر طے شدہ امور کو عشق سے خطرہ لاحق ہو اس لئے شاہی دربار میں عشق کو بھی سیاسی ہونا چاہیے۔ 'آمادہ پیکار مملکتوں' میں ایک معروف واقعہ دہرایا جاتا ہے جو بادشاہ چوؔ کے دربار میں ہوا جس نے مرکزی چین کے علاقے میں ۳۶۹۔۳۴۰ ق م تک حکومت کی تھی۔ خوبصورت

آن لنگ کو متنبہ کیا گیا کہ بادشاہ کے دل میں اس کی قدر مصنوعی ہے اور اسے چاہئے کہ وہ اپنی حیثیت زیادہ مستحکم بنائے۔ وہ اپنا وقت گزارتا رہا اور پھر مناسب موقع پر اس نے یہ تجویز پیش کی کہ اسے اپنے آقا کے ساتھ دفن کیا جائے تاکہ ''میں چیونٹیوں کے مقابلے میں سپر بنوں۔'' چال کامیاب رہی بادشاہ نے مسحور ہو کر نوجوان کو ایک جاگیر بخش دی۔

ہان شہنشاہان:

آمادہ پیکار مملکتوں میں عدم اتحاد، ناقابل تسخیر پہلے شہنشاہ کی فتوحات پر ختم ہوا۔ جب مشرقی بادشاہت چن نے مغرب کو نئے متحدہ ملک کا ایک نام دیا۔ ایک اعلیٰ منتظم جس نے چینی مملکت کے اساسی اداروں کی تخلیق کی اور دیوار چین تعمیر کرائی مگر شہنشاہ ایک ترش رو جابر بھی تھا۔ چن سلطنت اگرچہ صرف چند برس ہی چلی اور اس کی جگہ لینے والے ہاَن شہنشاہ کہیں زیادہ انسانیت نواز تھے جنہوں نے قوانین کو نرم بنایا زمینیں تقسیم کیں اور روایتی تعلیمات کا احیا کیا اور کنفیوشس کے نظریات کو اپنے مقاصد کے لئے مفید پایا۔ ہاَن کی حکمرانی تلے جس کا دور حکومت اتفاق سے وہی ہے جو رومی سلطنت کا نصف النہار تھا۔ چین نے اپنی سرحدوں میں توسیع کی اور اپنے اثر ونفوذ میں اس طرح اضافہ کیا کہ آنے والے دور کے حب الوطنوں نے یہ سمجھا کہ اس کا زمانہ سنہری دور تھا۔ یہ ایک ایسا عہد بھی تھا بالخصوص ان معنوں میں امیر کہ اس میں دو جنسیے حکمران بھی تھے۔ بلاشبہ پہلے دس ہان شہنشاہوں کے مرد عشاق بھی تھے اور یہ سب کچھ ہم عصر مورخین نے قلمبند کیا ہے۔

ہمیں ابتدائی ہان درباروں کی نہایت واضح تصاویر ملتی ہیں جو سیما قیاَن کی دستاویز میں موجود ہیں۔ چینیوں کی نظر میں جو عظیم مورخ تھا۔ سیما قیاَن کا ٹاسٹیس سے موازانہ کیا جاتا ہے۔ جس کا کام کوئی دو صدیوں کے بعد کا ہے اگرچہ وہ رومیوں کی مشترکہ لعنت ملامت سے محفوظ رہا۔ سیماَ کی نامور تاریخ سالناموں اور سوانح عمریوں کا ملغوبہ ہے جس میں شہنشاہوں کی زندگیوں، مدبروں اور معزز خاندانوں، کنفیوشس مکتبہ کے عالموں، مشہور سپہ سالاروں اور سرگرداں رہنے والے جاگیرداروں کا ذکر ملتا ہے۔ یہ بات بھی قابل ذکر

ہے کہ ان نامور لوگوں کے ہمراہ وہ اس کی گنجایش نکال لیتا ہے کہ ''شہنشاہ کے مرغوب مردوں کی بھی سوانح قلمبند کرلے۔'' یعنی اس کے عشاق۔ سیماآن کے خاکے اس طرح مرتب کرتا ہے کہ اس میں منکشف کرنے والا اجمال ملتا ہے۔''وہ جنھوں نے حکمرانوں کی خدمت کی اور ان کے کانوں میں رس گھولا اور آنکھوں کو خیرہ کیا، وہ جنھوں نے اپنے آقا کے ذہنوں میں طلسم بھر دیا اور ان کی عنایات ملیں اور قربت حاصل کی اور یہ سب کچھ محض اقتدار، ہوس اور عشق کے وسیلے سے نہ حاصل کیا بلکہ ہر ایک چند مخصوص صلاحیتوں کا مالک ہوتا جس میں وہ باکمال ہوتا۔ یوں میں مرتب کرتا ہوں' شہنشاہوں کے مرغوب مردوں کی سوانح عمریاں۔''

اس تمہید کے بعد ہمارے لئے یہ ممکن ہے کہ مردوں کے مابین ہونے والے عشق کی جو یونانی طرز کا تھا قصیدہ خوانی کریں۔لیکن سیما کا انداز بیان رومانس اور کلبیت سے عاری ہے اور ان افراد کا ٹھنڈے دماغ سے حساب کتاب کیا گیا ہے اور شاہی معاملات پر ان کا اثر۔کوئی درجن بھر عشاق کا خاکہ تیار کرتے ہوئے ہان شہنشاہوں کے سلسلے میں طاقتور شہنشاہ وو (۱۴۰۔۸۷ ق م) تک کا ذکر ہے جس کے دربار میں وہ ملازم رہا۔ سیما نامور سپہ سالاروں کا ذکر کرتا ہے (جن کے متعلق وہ کسی اور مقام پر حق ادا کرتا ہے)۔ وہ موسیقاروں اور نجومیوں اور ان لوگوں کا ذکر کرتا ہے جو صرف '' اہل اور محبت کرنے کے لایق ہیں'' اور شاہوں کے مقربین ہیں۔ دیگر کے متعلق وہ تسلیم کرتا ہے کہ بے حیثیت ہیں اور اس مرتبے پر اس لئے فایز ہیں کیونکہ وہ خوش شکل ہیں یا پھر شاہی مزاج کے طفیل۔ جیسا کہ معاملہ شہنشاہ وین (۱۷۹۔۱۴۹ ق م) کے سلسلے میں ہوا۔ اس نے محل کے ملازم ایک ملاح کو اپنا بے تکلف بنایا اور ایک نہایت امیر وکبیر آدمی کو اور یہ سب کچھ ایک حیران کن خواب کا نتیجہ تھا۔لیکن اس باب میں جو انداز بیان اختیار کیا اور خاموش نزاع جس پر یہ قایم ہے نہایت معلمانہ ہے۔سیوٹونئیس کے برعکس عظیم مورخ ان امور کو ضرر رساں گپ شپ نہیں کہتا جس سے ان کے کرداروں پر کوئی منفی اثر مرتب ہو۔ اور نہ ہی وہ پلوٹارک کی طرح انہیں معزز سمجھتا ہے۔ یہ سیدھے سادے فطری مظاہر ہیں'' یہ صرف عورتیں ہی نہیں ہیں'' وہ لکھتا ہے'' جو اپنی چھب دکھا کر حکمرانوں کی نظروں میں آجاتی ہیں۔ درباری اور

خواجہ سرا بھی اس کھیل کو اسی طرح کھیلتے ہیں۔ زمانہ قدیم میں بہت سے لوگ ایسے گزرے ہیں جنہوں نے اسی طرح مفادات حاصل کئے۔ ایسی کوئی اطلاع نہیں ملتی جس سے معلوم ہو سکے کہ مذکورہ معاملات اچھے یا برے ہیں، لوگوں کو محض ان کی کارگزاری پر جانچا جاتا۔

سیما قیانؔ کا انتقال ۹۰ ق م میں ہوا۔ اس کی تاریخ اس واسطے ابتدائی پانچ شہنشاہوں تک محدود رہی۔ بانی شہنشاہ گاوزوؔ جو ایک کسان کا بیٹا تھا اس نے بغاوت کی رہبری کی اور عہد حکومت کو قائم کیا جس سے قن عہد کی سختیوں میں اعتدال آ گیا۔ تاہم وہ اپنے انداز و اطوار میں منہ پھٹ اور بھدا تھا اور ایک مرتبہ تو یہ نوبت آ گئی کہ اس نے ایک عالم کی ٹوپی اچک لی اور اس میں موت دیا یہ محض علم و فضل کے لئے اپنی حقارت ظاہر کرنے کے لئے کیا۔ گاوزوؔ کا ایک قابل اعتبار ذاتی ملازم جیروؔ تھا جسے وہ اپنے ''تکیہ'' کا ساتھی کہتا۔ اسے اپنے سرکاری مایوس اہلکاروں کے مقابلے میں اس تک کہیں زیادہ رسائی حاصل تھی۔ سیماؔ ہمیں بتاتا ہے کہ اپنے کھردرے پن کے باوجود گاوزوؔ کے دل میں ایک حسین و جمیل نوجوان نے جگہ بنالی۔ اس کا بیٹا اور وارث تخت شہنشاہ ہوئیؔ کا بھی اسی طرح ایک پسندیدہ نوجوان تھا جس کا نام ہونگ یوؔ تھا۔ شہنشاہ کی توجہ حاصل کرنے کی غرض سے تمام درباری اس نوجوان کے رنگین لباس اور سنگھار کی نقالی کرتے اور ''خود کو تبدیل کرکے'' بقول سیماؔ کے ''جیسا کہ چاہئے جیرسؔ اور ہونگسؔ کے میزبان بن جاتے۔''

شہنشاہ ووؔ جب تخت نشین ہوا تو وہ ایک نوجوان لڑکا تھا۔ لیکن اس نے جلد ہی اپنی قوت ارادی کو اس طرح منوایا کہ سلطنت کی سرحدوں میں اضافہ کیا اور دارالحکومت کی شان و شوکت میں اضافہ کر دیا۔ اس کا ترپین برس کا دور حکومت چین کی قوت کو بام عروج پر پہنچا گیا۔ یہاں تک کہ قدیم ایران کی مشرقی سرحد پارتھیان سلطنت تک پہنچ گئی بالکل اسی طرح جیسے رومی سلطنت والے اس کی مغربی سرحد پر پہنچ گئے تھے۔ لین لوئیؔ۔۱۴ کی طرح جس سے اس کا اکثر موازنہ کیا جاتا ہے ووؔ نے اقتصادی تباہی کا انتظام فوجی اور تعمیراتی شاہ خرچیوں سے کیا۔ شہنشاہ عورتوں کا بھی بہت شوقین تھا جس کی محبت کی داستانوں کی گونج مقبول چینی ڈراموں میں سنائی دیتی ہے۔ لیکن ان معاشقوں اور ایک قابل ذکر حرم کے جو بیویوں اور داشتاؤں پر مشتمل تھا اس میں مردوں کے لئے رغبت اپنے حکمران اسلاف کے

مقابلے میں کہیں زیادہ طاقتور تھی۔

تین معاشقے خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ وہ ہان یانؔ کے ہمراہ پلا بڑھا تھا جو جوش و خروش والا جوان اور مانا ہوا جنگجو تھا اور اسے بہت ترقی دی گئی جب اس نے ہنوں کو شکست دی تھی۔ اس کی ناموری سے شہنشاہ کے چھوٹے بھائی کے دل میں رشک وحسد کے جراثیم پرورش پانے لگے۔ جس نے اپنی ماں سے شکوہ کیا جو بیوہ مادر شاہ تھی جب اس اڑیل عورت کو یہ معلوم ہوا کہ یانؔ ایک شاہی داشتہ سے مل کر ایک سازش تیار کر رہا ہے تو اس نے اسے یہ پیغام بھیجا کہ وہ فوراً خودکشی کر لے۔ چین میں ان دنوں والدین کے لئے ایسے رحمدلی والے جذبات طاری تھے کہ شہنشاہ نے اگرچہ اپنے عاشق کی جان بچانے کے لئے مداخلت کی لیکن اسے بہرحال ماں کے عزم کے آگے ہتھیار ڈالنے پڑے اور یانؔ کو مجبوراً خودکشی کرنا پڑی۔

شہنشاہ کا دوسرا چاہنے والا نہایت ادنی حیثیت کا آدمی تھا لی ین پنیانؔ کو کسی معمولی جرم میں سزا دے کر خصی بنا دیا گیا تھا اور اسے محل کے تازی خانے میں ملازمت مل گئی تھی۔ شہنشاہ تو پہلے اس کی بہن پر فریفتہ ہوا جسے اس نے محل کے زنان خانے میں تعینات کر دیا مگر بعد میں بھائی اس سے بھی بڑھ کر اس کی پسند کا نکلا۔ لیوؔ کو ترقی دے کر دربار کے موسیقار کے درجہ پر فائز کر دیا گیا اور اس کے بعد مناجاتوں کی دھن سازی میں لگا دیا گیا یہ ایسا عہدہ تھا جس میں اس نے اپنی صلاحیتیں منوالیں۔ بہت دنوں تک وہ شہنشاہ کے پہلو میں دن رات رہتا جیسے ہان یانؔ ہوا کرتا تھا۔ بعد میں چھوٹے بھائی کے تکبرانہ رویے کا نتیجہ یہ نکلا کہ لیؔ شہنشاہ کی نظروں سے گر گیا اور دونوں مرد قتل کرا دیئے گئے۔

شہنشاہ کا آخری مردانہ عشق خوش قسمتی سے اختتام کو پہنچا۔ وی زی فوؔ اور اس کا بھائی وی فینگؔ شہنشاہ کی بہن کے گھر پر غلام تھے۔ شہنشاہ پہلی مرتبہ دی زی فوؔ کی آواز کے سحر میں گرفتار ہوا جس سے شادی کر کے اس نے ملکہ بنالیا۔ مگر ایک انوکھے تواتر کی وجہ سے اس کے سابق عشق کی طرح وہ اس کے وجیہہ بھائی کے عشق میں مبتلا ہو گیا جسے اس نے ایک جنرل بنا دیا۔ بے شک وی فینگؔ اور اس کا بھانجا شمالی حملہ آوروں سے لڑے جس سے وہ عظیم جنرل مشہور ہو گئے۔ جب ووؔ کی بہن کا شوہر مرا تو اس نے بیوہ کی شادی ویؔ سے

کردی اور دونوں بھائیوں کو آپس میں سالے بہنوئی بنا دیا دو مرتبہ۔ وہ باقی ماندہ زندگی ایک دوسرے کے قریب رہے اور پھر شہنشاہ کے احکام پر موت کے بعد ایک ہی جگہ پر دفنایا گیا۔

اس کے بعد چاروں شہنشاہوں کے مرد عاشق تھے لیکن یہ ان کا وارث آئی تھا جس کی ذات پر یہ روایت اپنے عروج پر پہنچ گئی۔ ہم جنس پرستی کا تصور اور اس کی شناخت چین میں ایک نادر واقعہ تھا جہاں شادی کا ادارہ ایک مقدس عمل تھا۔ یہ درست ہے کہ چینی زبان میں ہم جنس پرستی کی حالت کے مفہوم کو ادا کرنے کے واسطے کوئی اصطلاح نہیں ہے۔ ابتدائی تاریخ کے زمانے میں حکمرانوں کے بستر میں مرد ساتھی کو محض مرد کہہ کر بیان کیا جاتا جو عنایت یا 'چونگ' (اسی رعایت سے عورتیں بھی سرفراز کی جاسکتی تھیں) کہا جاتا یا پھر ہان کی عبارتوں میں 'ننگ زنگ' ان لوگوں کے لئے کہا گیا ہے جنہوں نے عشق یا زنگ حاصل کیا ہو۔ اگر چہ چہل کرنے کے لئے 'ننگ' بھی کہتے۔ تاہم آئی کی بن گو نے اس طرح سے کردار سازی کی ہے (و۹۲ ق م) اس نے اپنی کتاب ''گذشتہ ہان سلطنت کی تاریخ'' میں ایسا شخص بیان کیا ہے ''جو فطرتاً۔۔۔عورتوں کی پرواہ نہ کرتا''۔ ایسا عاشق جس کے لئے اس نے اپنی آستین گنوادی وہ شادی شدہ اور بچوں کا باپ تھا۔ اسے بائیس برس کی عمر میں بلند ترین مرتبے پر فایز کر دیا گیا۔ لیکن ملنسار ڈونگ زیان کو آئی کے دیگر وزراء حکمرانی کرنے کا اہل نہ سمجھتے۔ اس کے نتیجے میں آئی کا یہ منصوبہ کہ اسے اپنا وارث تخت بنا دے ناکام رہا اور ڈونگ کے بہ امر مجبوری خودکشی کر لینے پر ایک غاصب نے اقتدار پر قبضہ کر لیا۔

تاؤمت، کنفیوشسزم اور بدھ مت:

مغرب میں ہم جنس پرستی کے خلاف زیادہ مخالفت مذہب کی طرف سے ہوئی ہے۔ لیکن چین میں جنسیت کے بارے میں بالعموم اور ہم جنس پرستی کی بابت بالخصوص رویہ نمایاں حد تک مختلف رہا ہے۔ جہاں تک تاؤ مت کا تعلق ہے جو چین کا قدیم ترین عقیدہ ہے تارک الدنیا رہنا کوئی مثالی بات نہیں سمجھی جاتی۔ تاؤ مت نے اپنا کلاسیکل اظہار تاؤ۔

تے۔ چنگ میں پایا جو کتاب 'جنگ اور نیکی' پر ہے۔ جو لاؤ زیؔ سے منسوب کی جاتی ہے۔
جس میں سادہ زندگی کی تبلیغ کی گئی ہے اور حصول اقتدار و دولت کی جدوجہد سے پاک ہے
اس میں ایک ایسی مابعدالطبیعاتی کاینات کو وضع کیا گیا ہے جس کے نظریات میں جنسی
گوشے بھی پائے جاتے ہیں۔ تاؤ مت میں کاینات اعانت کی بنیاد پر دو اہم قوتوں کی
توسیع کا نام ہے اول یانگ جس کا تعلق عالم بالا، گرمی، آگ، حرکات اور مردانہ پن سے
ہے۔ اور 'ین' جو دھرتی، سردی، پانی، مفعولیت اور نسوانیت سے ہے۔ اساسی جنسی مسئلہ یہ تھا
کہ کس طرح ان دونوں عناصر کو متوازن رکھا جائے۔ ایک مرد پر لازم ہے کہ وہ اپنی یانگ
کی مقدار کو زیادہ نہ ضایع ہونے دے جو مجامعت کا ست ہے جب کہ یہ عورت کی ین کو
اپنے میں جذب کرلیتا ہے۔ یہ اسی کی ذمہ داری ہے کہ خود کو اس سے لبریز رکھے اور کمی نہ
آنے دے۔ مطابقت حاصل کرلینے والا مرد اپنی صحت کو بہتر بناسکتا ہے اور حیات کو طول
دے سکتا ہے اگر وہ مجامعت میں جلد نہ چھوٹے یعنی عورت کو ہیجانی شہوت پر پہنچا دے مگر
اپنی منی نہ خارج ہونے دے۔ یہی بات سمجھی جاتی تھی کہ مرد کے اعزائے رئیسہ کو توانا رکھتے
ہیں۔ چوتیا شہید بن کر جس میں منی کا زیاں ہوا نہتائی خطرناک ہوتا ہے اسی طرح تجرد جس
کی ممانعت کی گئی تھی۔ جب کہ دوسری جانب زرد شہنشاہ جس کا جنسی معاملات کی حد تک
رویہ مثالی مانا جاتا تھا اور اس شعبے میں جس نے لافانی مقام اس طرح سے حاصل کیا کہ اس
نے درست طریقے سے بارہ سو عورتوں سے مجامعت کی۔ کٹر مذہبی چینیوں کی نظر میں
جنسکاری کوئی ایسی کارروائی نہ تھی جس کے گرد بندشیں ہوں یا پھر ربانی پابندیاں ہوں۔ بلکہ
یہ ایک للکار ہوتی ہے کہ کس طرح تمام امور کو خوش انتظامی کے ذریعے جسے ہم عضویاتی
کفایت کہہ سکتے ہیں جو سودمند ہو۔ ان حدود میں مردانہ ہم جنس پرستی چینی تمدن میں جہاں
جہاں سنئے ایک درمیانی جگہ پاگئی۔ وان گولکؔ کے خیال میں جب دو مرد اس رویے میں
مبتلا ہوتے ہیں تو وہ صرف یانگ کے ست کا تبادلہ کرتے ہیں یوں نہ تو کوئی گنواتا ہے نہ ہی
کوئی فیض یاب ہوتا ہے۔ جب کہ سیفو ویت میں اپنی باری آنے پر یہ سمجھا جاتا جیسے عورتیں
جنسی نکاس کی غرض سے اس شغل میں شامل ہیں کیونکہ ان کے گھروں کے سربراہ بڑے
ناغوں کے بعد ان پر نظر کرم ڈالتے ہیں کیونکہ ان کا حرم بہت بڑا ہوتا ہے۔ بسا اوقات جیسا

کہ ہم دیکھیں گے کہ یہ رومانس کا وسیلہ بھی بن گیا۔

امتداد زمانہ کے ساتھ تاؤ مت کے بجائے کنفیوشس ازم تھا جو چینی مملکت کے عوام کے لئے سرکاری پالیسی کی طرح چھا گیا۔ تاؤ مت کے برعکس جس نے یہ اصرار کیا کہ لوگ سماجی آپادھاپی میں پڑنے سے اور مسابقت سے گریز کریں جب کہ کنفیوشسزم نے سماجی فرایض کے ادا کرنے پر زور دیا اوہام پرستی کی ملامت کی اور یہ چاہا کہ خانگی اور سیاسی ہم آہنگی کو اخلاقی مثال، رحم دلی اور دوسروں کے لئے احساس سے استحکام ملے۔ لیکن چند معاملات میں یہ تاؤ مت سے زیادہ قدامت پسند تھا۔ کیونکہ کنفیوشسزم نے اطاعت پر غیر معمولی اصرار کیا، جس میں والدین کا احترام، اساتذہ اور حکام بالا جو سماجی نظام میں ہوتے ہیں اس میں نہایت اہمیت کے حامل ہیں۔ جب کہ تاؤ مت نے عورتوں کو چنداں حیثیت دی اور ایک حد تک آزادی دی کنفیوشسزم نے شوہر کی سخت اطاعت کے علاوہ سماج سے علیحدگی پر زور دیا۔ پیریکلز کی طرح کنفیوشس کے خیال میں بہترین عورت وہ ہے جو نظر نہ آئے۔

اگر چہ کنفیوشسزم جنسکاری کا مخالف نہ تھا۔ کنفیوشس نے یہ اعلان کر دیا کہ جنسکاری اتنی ہی فطری ہے جتنا کہ کھانا پینا۔ اس نے یہ فروغ دینے کی کوشش کی کہ سرعام پردہ پوشی کی جائے اور ظاہری احتیاط اختیار کی جائے۔ چونکہ نظم و ضبط، صاحب اختیار کا احترام کنفیوشس کی نظر میں مرکزی حیثیت رکھتے تھے۔ اس لئے اس میں حیرانی نہ ہونی چاہیئے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ شہنشاہوں نے کنفیوشسی علماء کو انتظامی عہدوں پر تعینات کیا اور ایسے مدرسے قائم کئے جہاں مردوں کو تعلیم دی جاتی اور درجوں میں امتحانات ہوتے جس کے بعد ہی اعلی عہدوں تک رسائی ممکن ہوتی۔ لیکن ہمیں شاید یہ جان کر حیران نہ ہونا چاہیئے کہ اپنی نجی زندگی میں بطور تاؤ مت کے پیروکاروں کے ان کا منتہی لافانیت ہوتا۔

لگتا ہے جیسے تاؤ مت کو مردوں کے مابین ہونے والے جنسی رشتے سے شاید کوئی غرض نہ تھی۔ اگر چہ یہ شادی کی ہمت افزائی کرتا۔ اس کا عورتوں کو تنہا رکھنا اور انہیں کمتر حیثیت دینا۔ اور مردوں کے درمیان ہونے والی دوستی کو بڑی وقعت دینا اور آقا اور مطیع کے درمیان بندھن کو جو توانائی دی جس سے ہوسکتا ہے ہم جنس پرستی کو تحریک ملی ہو۔

کنفیوشسزم کی تحریروں میں جنسی امور پر تفصیلی ذکر شاذ و نادر نظر آتا ہے تاہم، چند ادبی دستاویزات میں سے کسی ایک میں اگر واقعی اس مسئلہ کو چھیڑا گیا ہے تو وہ ''خوبیوں اور خرابیوں کا جدول'' جس کے متعلق وان گولک کا خیال ہے کہ یہ کنفیوشسی تعلیمات کا نچوڑ ہے حالانکہ یہ تاؤ مت کی تحریروں کے ایک مجموعے میں پایا جاتا ہے۔ کوئی بھی اگر چاہے تو کنفیوشسزم کی اقدار کا اس طرح اندازہ لگا سکتا ہے کہ ان اقدامات کو جن کی ہدایات کی گئی ہے یا انہیں بہتر بنایا گیا ہے۔ اپنے والدین کو ناراض کرنا، قتل کرنا یا جماع بالجبر کا ارتکاب ہزاروں بدیوں کو حاصل کرنا ہے۔ کسی پاک دامن عورت پر تہمت لگانا یا ایک بیوی پر دوسری بیوی کو ترجیح دینا پانسو بدیوں کے برابر ہے اور کسی داشتہ یا گنڈی سے تعلق پچاس بدیوں کا حاصل کرنا ہے۔

بدھ مت چین میں زیادہ نہ پھیل سکا یہاں تک کہ پہلی صدی عیسوی آ گئی۔ اس کا اثر ورسوخ تانگ شاہی حلقوں میں کوئی سات سو برس کے بعد اپنے عروج کو پہنچا۔ اور پھر کچھ عرصے کے لئے اس کی سرکاری سطح پر ہمت شکنی کی گئی۔ کنفیوشس کے دانشوروں نے اسے توہمات سے منسوب کیا۔ پست ہمتی کی حد تک قنوطیت آمیز۔ اور ذات کی نجات میں اتنا مگن کہ سماجی فرایض سے غافل۔ اس کے علاوہ بدھ راہبوں اور راہبات کی تجردانہ زندگی پر کنبہ پسند چینی ناک بھوں چڑھاتے۔ جن کی دانست میں تواتر کے ساتھ مجامعت صحت اور ہوش مندی کے لئے پسندیدہ شے تھی اور جنسکاری سے احتراز کو وہ ریاکاری جانتے۔ بدھ مت کی مقبول کہانیوں میں راہبات عموماً خفیہ آشنا رکھتیں یا پھر دوگانائیں۔ جہاں تک کنفیوشسزم کا تعلق ہے جدید اہل علم کو ایسے حوالے ملے ہیں جو ہم جنس پرستی کے متعلق ہیں مگر ساری تحریریں بدھ مت کی کتب میں ہیں۔ ونفرام ریبر ہارڈ اپنی کتاب 'روایتی چین میں جرم اور گناہ' (Guilt and sin in Teaditional China) میں چھٹی صدی عیسوی کی ایک عبارت کا ذکر کرتا ہے جو ہندی الاصل ہے جس میں ہم جنس پرستی کی سزا دی جاتی ہے وہ بھی تیسرے جنم میں کاروکاری کی سزا پانچویں میں اور تزویج محرمات کی ساتویں جنم میں۔ ایک انیسویں صدی کی کتاب میں جس کا نام یو۔ لی ہے جس کے مصنف کا نام یقینی ہے اور نہ ہی مقام تحریر میں اسے مزید سنجیدہ گناہ ٹھہراتا ہے اور اسے دوزخ کی نو منازل

میں سے آٹھویں میں ڈال دیتا ہے۔ یہ مذہبی کتابچہ لگتا ہے جو کم تعلیم یافتہ یا جاہل مطلق لوگوں میں مقبول تھے مگر تعلیم یافتہ لوگوں کی نظر میں بے اعتنائی سے دیکھے جاتے یا پھر نظر تحقیر سے۔

شعرا اور عشاق:

آخری ہان حکمران کی ۲۲۰ء میں موت کے بعد چین میں پھوٹ پڑ گئی اور اس پر الجھن میں پڑے ہوئے لشتم پشتم چھوٹے چھوٹے خاندانوں نے ٹانگ (۶۱۸۔۹۰۷ء) خاندان کی حکومت آنے تک حکمرانی کی۔ وہاں کی سیاسی افراتفری بالکل ان حالات سے ملتی جلتی تھی جیسی کہ سلطنت روما کے زوال کے بعد یورپ میں دیکھنے میں آئی تھی بس اہم فرق یہ تھا کہ تمدنی زندگی اسی طرح پھلتی پھولتی رہی اور کوئی خلل نہ پڑا۔ جیسے جیسے کنفیوشس کی تعلیمات کا اثر گھٹنے لگا مسرت اور حسن کی ترغیبات نے مردوں کی توجہ مبذول کرالی۔ خیال انگیز ملبوسات نمودار ہونے لگے جس میں عورتوں اور مردوں دونوں کے فیشن شامل تھے۔ عورتیں مردانہ کپڑے پہننے لگیں، مردوں نے سنگھار کرنا شروع کر دیا اور ایسے ملبوسات اختیار کرنے لگے یا بے تکلفی میں جنہیں دگر جنسی پوشاک کہا جاتا ہے۔ چند مردوں کے متعلق بتایا جاتا ہے کہ وہ اپنی بیویوں کے لباس میں آیا کرتے جس پر لوگ خوب واہ وا کرتے۔ اس کے برعکس مغرب میں بائیبل نے ایسے ملبوسات پہننے کی ممانعت کی تھی (استثنیٰ ۵:۲۲) توبہ اور کفارے نے اسے گناہ قرار دے دیا اور جسٹینین کے ضابطے نے اسے جرم قرار دے دیا۔

آخری ہان حکمران کے زوال کے بعد ایک لاوبالی گروہ جو نشہ کرنے والوں اور واہی تباہی گفتگو کرنے والوں کا تھا انہوں نے ایک کلب قائم کر لیا اور اس کا نام ''سات صوفیوں کا نیمبو گرو'' رکھا جو چین کی ادبی تاریخ میں غیر تقلیدی اور آزاد لوگوں کی علامت بن گیا۔ وہ دیہاتی جاگیر کے مالک ایک نہایت ممتاز شخصیت کے گھر پر جمع ہوئے جس کا نام زی کانگ تھا (۲۲۳۔۲۲۶ء) جو باغی منہ پھٹ قسم کا شاعر اور موسیقار تھا اور جو دانشورانہ مباحثوں کا

بھی رسیا تھا۔ ایک اور رکن روان ؔجی تھا۔ جو شاید اپنے عہد کا سب سے بڑا شاعر تھا۔ اور ایک آزاد منش تاؤ مت کا صوفی جو مے نوشی اور انوکھے رویے کی شہرت رکھتا تھا۔ چینی تاریخ جوش و خروش سے بھرپور دوستیوں کی داستانوں سے بھری ہوئی ہے۔ ان میں سے کتنی کہانیاں ہم جنس پرستی والی ہیں بتانا دشوار ہے لیکن جہاں زی کنگؔ اور روان ؔجی کا معاملہ ہے (جن کی دوستی کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ دھات سے زیادہ مضبوط اور پھلوں کے باغ سے بڑھ کر مہک دار) ایک عجیب وغریب کہانی اس حقیقت کی تصدیق کرتی ہے۔ ہمیں بتایا جاتا ہے کہ کسی اور صوفی کی بیوی ٹوہ میں پڑ کر ان کی بے تکلفی کی جاسوسی میں لگ گئی اور ان کی جنسی طاقت اور مہارت کو دریافت کر کے دنگ رہ گئی۔ روانؔ جی کی ایک نظم ’’نظمیں جو میرے دل کی ہیں‘‘ ان میں مخصوص تمثیلی انداز میں مردوں کے عشق کا جشن منایا گیا ہے اور سہو زمانی سے آن لنگؔ کو (مقبرے کے واقعے سے) لونگ یانگؔ (مچھلی کے شکار والے) سے بطور عشاق کے منسوب کر دیا گیا جب کہ حقیقت یہ ہے کہ دونوں کے درمیان ایک صدی کا فرق ہے۔

روان ؔجی کی نظم کو عشقیہ نظموں کے مجموعے میں یکجا کیا گیا جنہیں ’نئے گیت جو سبز پتھر کے بنے چبوترے‘ کے نام سے یاد رکھا گیا جس کے متعلق قیاس یہ ہے کہ اسے درباری شاعر زولنگؔ نے ۵۴۵ء کے لگ بھگ مرتب کیا تھا۔ اس بیاض میں ملی جلی نظمیں نہایت پر وقار اور مرصع انداز میں ہوتے ہوئے بھی نئے درباری رنگ میں لیانگ خاندان کی سلطنت (۵۰۲۔ ۵۵۶ء) کے عہد میں سادہ عوامی گیتوں پر منحصر ہیں جو گزشتہ صدیوں کی یادگار تھے۔ ایک گمنام نظم جو ’’یو ملاح کا نغمہ‘‘ ہے جس کا مرکزی خیال ایک کسان کی اپنے آقا سے محبت کا ہے جس کا تعلق ہان کے عہد سے تھا۔

امشب، یہ کیسی رات ہے
میں اپنی کشتی کو منجدھار میں لے جاتا ہوں
آج یہ کیسا دن ہے
کہ میں اپنے آقا کو اپنی کشتی میں بٹھاتا ہوں
حالانکہ شرمسار ہوں کہ کوئی مجھ سے محبت کرتا ہے

اس میں نہ تو افترا پردازی ہے اور نہ ہی سبکی کی سوچ ہے
میرا دل تو آقا میں اٹکا ہوا ہے۔ اگر چہ اسے یہ بھی کبھی نہ پتہ چلے گا۔

ذی لنگ کا مربی خود بھی اپنی ذات میں ایک ممتاز شاعر تھا۔ یعنی دوسرا لیانگ شہنشاہ جیان ون ایک مختصر سی حکمرانی کے بعد ۵۵۱ء میں وفات پا گیا۔ اس کی موروثی حکومت اس کے بعد ختم ہوگئی مگر اس کا سبب یہ تھا کہ اس کے ناکافی وارث تھے۔ تاریخ وضاحت کے معاملے میں اگر چہ ملگجی سی ہے مگر پھر بھی یہ بیان کرتی ہے کہ اس کے "کم از کم" اکتیس بچے تھے۔ شہنشاہ کی نظمیں جو اس بیاض میں ملتی ہیں اس میں ایک ایسی شستہ نظم بھی ہے جو درباری شان اور کنایتاً ایک معشوق لڑکے کا ذکر کرتی ہے۔

دلکش لڑکے۔۔۔ تم کتنے حسین لگے ہو
تم تو حسن میں ڈون زیان اور میزی زیا سے بڑھ کر ہو
ہمارے پروں کے بنے پردے صبح کی مہک میں بسے ہوئے ہیں
ہمارا ململ جیسے پردوں والا بستر جو ہاتھی دانت کا بنا ہے۔۔۔
اور پھر تمہارا چہرہ جو صبح کے گلاب سے زیادہ تر و تازہ اور ابر آلود ہے۔۔۔
تم میں تو وہ بھرا ہے جس سے یان کی دوشیزائیں رشک کرتی ہیں
اور زینگ کی عورتوں کو بھی تم ٹھنڈی سانسیں لینے پر مجبور کر دیتے ہو

بدھ مت کے پیروکار شہنشاہ کی نظم زو کی بیاض میں اس وقت شایع ہوئی جب جسٹینین کا "زلزلہ" چند سال کے بعد فرمان نوویلا ۵۳۸ ہم جنس پرستی کی مذمت کرتے ہوئے اس کی سزا آختہ کرنا اور موت بیان کر رہا تھا۔

ٹانگ سے نغموں تک:

ٹانگ خاندانی حکومت کے ۶۱۸ء میں قایم ہونے پر چین میں اتحاد کا دور دورہ ہو گیا اور وہاں اقتدار اور دولت میں اضافہ ہونے لگا۔ ٹانگ کا دارلحکومت زیان (چانگ آن) دنیا کا سب سے پرشکوہ شہر بن گیا اور اپنے حریف فرنگی شہروں کو گہنانے لگا یعنی قسطنطنیہ اور

قرطبہ کو۔ شاعری لی پو، توفو اور پوچو (جنہیں اب بالترتیب لی بو، ڈوفو اور بوجوی کے نام سے پہچانا جاتا ہے) کے کلام میں نئی بلندیوں کو چھونے لگی سنگ تراشی اور چینی ظروف سازی میں دن دوگنا رات چوگنا اضافہ ہونے لگا۔ بعدازاں مغرب کے میوزیم ان ہی بید مجنوں کی بنی ہوئی خواتین اور شاہانہ گھوڑوں سے مزین کئے گئے۔ لیکن ٹانگ شہنشاہوں کی سرکاری سوانح حیات اگرچہ پسندیدہ لونڈوں کے موضوع پر سابق خاندانوں کی حکومتوں کے مقابلے میں محتاط ہیں۔ شاید اس لئے کہ نئی نوکر شاہی جس میں صلاحیت کو زیادہ اہمیت دی جاتی انہوں نے ان کی سیاسی اہمیت گھٹا دی ہو۔

اس کے باوجود ایک نادر دستاویز جو ٹانگ عہد کی ہے ہم تک پہنچی ہے۔ چینی سائنس کو جنسیات کے ساتھ چینی تاریخ اور سوانح حیات کی بھی بہت فکر رہتی۔ سابق ہان حکومت کی سرکاری تاریخ (۲۰۶ ق م تا ۱ ء) کے زمانے میں آدھ درجن جنسیاتی تصانیف کی فہرست اس کی طبی کتابیات میں ملتی ہیں جن کا عنوان ہے ''بستر استراحت کا ہنر'' ہمیں یہ سب کچھ اقوال کی صورت میں ایک جاپانی طبی رسالے میں ملا جو دسویں صدی کا ہے۔ ان جستہ جستہ تحریروں میں کہیں بھی ہم جنس پرستی کا ذکر نہیں ملتا۔ لیکن ایک مقالہ ایسا ہے جو اس فضا کا ہے جو چینی زبان ہی میں دستیاب ہوا ہے اور امتداد زمانہ سے بچ گیا ہے اور اس مضمون پر بحث بھی کرتا ہے۔ جو ہے ڈا۔ لی۔ فو مصنفہ زنگ جیان (۷۷۵۔۸۲۶ء) جو شاعر بوجوی کا چھوٹا بھائی تھا اور شاہی دفتر میں امور خارجہ کے لئے اہم عہدیدار تھا۔

اپنی پوری حالت میں اس کے عنوان کا ترجمہ 'سیاسی مضمون جنسی اتحاد میں پنہاں عظیم تر مسرت جو ین اور یانگ اور زمین اور آسمان میں ہے' اس میں اصطلاح ''شاعرانہ'' جو عنوان میں ہے ممکن ہے کسی مغربی کو حیران کردے جو جنسیات پر ایسے مقالوں کا عادی ہے جن میں دافع عفونت ادویات سے انداز بیان کو سائنسی انداز میں بے ضرر بنالیا جاتا ہے لیکن چینی اس بات سے بے حد خوش ہوتے اور شہوت انگیز تفصیلات بیان کرنے میں حسن تعبیر میں شائستگی دکھاتے۔ مثال کے طور پر لوڑا ان کے لئے باقاعدگی سے ''سر سراتا سنگ سلیمان'' ہوتا اور چوت ''انمول باب'' اور ٹنا ''جو ہری مہتابی'' اور علی ہذالقیاس۔ درجنوں جنسی ترکیبوں کو اسی طرح کی خیالی عرفتیں۔ عام طور سے چودنے کو زیادہ تر ''بادلوں اور

بارش کا کھیل'' کہا جاتا یوں وہ اپنی شاعری میں مزاح کا عنصر شامل کر دیتے۔ چینی اغلام بازی کی کاروائی کو''اوندھے بادل'' کہتے ۔ بوزنگ جیاآن نے پورا ایک باب (۱۴) اس موضوع کے لئے کتاب میں مخصوص کیا ہے جس کا بلاتکلف چینی دانشوروں میں لین دین کیا جاتا، ہم جنس پرستی کے نفسیاتی مسائل پر بحثیں ہوتیں اور مشہور معاشقوں کا مزے لے لے کر ذکر کیا جاتا بالخصوص جن کا تعلق ہاآن شہنشاہوں سے ہوتا۔ عوامی قصے اور مختصر کہانیاں جو ٹانگ عہد کی تھیں ان کا بھی کبھی کبھی مضمون کی مناسبت سے بیان ہوتا۔

مرغوب لونڈوں کا ماجرا سوانگ خاندان (۹۶۰۔ ۱۲۷۹ء) کی سرکاری تاریخ میں نہایت اختصار سے ملتا ہے جو بلاشبہ اپنی نوعیت کا آخری نمونہ ہے۔ اگر چہ غیر ملکی افواج سے ہراساں اور عسکری طور پر کمزور تھے سونگ عہد میں مادی اور تمدنی طور پر بڑی پیش رفت دیکھنے میں آئی ۔ حکومت نے فن کو فروغ دیا اور سونگ زمانے کے ہرے بھرے قطعات آراضی نے ان کی پینٹگنز میں نکتہ عروج کو چھولیا۔ علاوہ ازیں اس عہد میں چین صنعت و حرفت میں یورپ سے کہیں آگے تھا۔ تجارت روز افزوں تھی، طباعت نے شرح ناخواندگی میں کمی کر دی۔ کاغذ کا روپیہ متعارف ہوا اور قطب نما کی ایجاد نے دساور سے تجارت کو بڑھاوا دیا۔ شہروں کو بہ لحاظ رقبہ وسعت ملی اور شہروں میں آبادی کے اضافے کے جلو میں جسم فروشی پھیلنے پھولنے لگی۔ تاؤ گو اپنی کتاب ''غیر معمولی دستاویزات'' میں یہ کہتا ہے ''ہر جگہ لوگ بہ آواز بلند نان ہای گاتے رہتے ہیں کیونکہ یہ اس کی 'نمناک ماہتابی کارگاہیں، ہیں یہ ایسی اصطلاح ہے جس کے معنی ہوتے آتش ہوس کو بھڑکانا۔ ان دنوں دارالحکومت جہاں دس ہزار سے اوپر وہ لوگ ہیں جو مرد ہوکر اپنے جسموں کو مردوں کو فروخت کے لئے پیش کرتے ہیں اور وہ ان جگہوں میں داخل ہوئے ہیں اور بلا کسی شرم و حیا کے رخصت بھی ہوتے ہیں۔'' کاروباری جنسکاری کے اس مسموم سیلاب کے خلاف یہ ردعمل ہوا کہ زینگ ہی (۱۱۱۱۔۱۱۱۸ء) کے عہد میں ایک قانون نافذ ہوا جس میں مرد جسم فروشوں کے لئے یہ سزا تجویز ہوئی ''سو بید اور پچاس ہزار سکہ رائج الوقت جرمانہ'' یوں لگتا ہے جیسے جلد ہی اس کا غلط استعمال ہونے لگا تاہم کوئی ڈیڑھ سو سال کے بعد بدترین قانون شکنی کی صورت میں بھی یہ حرکت میں نہ لایا گیا۔

منگ خاندان کا چین: مغرب کا ردعمل:

منگ خاندان ۱۳۶۸ء میں برسر اقتدار آیا جب کسی کا شتکار خاندان کے ایک جنرل نے منگولوں کا تختہ الٹ دیا جن کی حکمرانی کا آغاز ہوش مند قبلائی خاںؔ نے اگر چہ بڑی نیک نیتی سے کیا تھا جو بہ مشکل ایک صدی تک چلا۔ پہلا منگ شہنشاہ ایک لائق اور توانا رہنما تھا لیکن وہ مستبد اور تنگ نظر واقع ہوا تھا۔ اس سے پہلے والے منگ چین میں سونگ عہد کے مقابلے میں کم آزادی تھی۔ جس کے نیچے میں عہد کو زوال کا منہ دیکھنا پڑا۔ محل کے مخنث کنفیوشسزم کے علماء کو ہٹا کر درباری قوت سے حاکم بن بیٹھے۔ مگر آرٹ، چینی مٹی کی ظروف سازی، ادب اور فلسفے میں نمایاں ترقی ہوئی یوں لگا جیسے یہ یورپ کے نشاط ثانیہ کے ہم پلہ ہورہے ہوں جو کہ یورپ میں زور شور سے چل رہا تھا۔ منگ اطوار کا سب سے زیادہ باخبر مفسر شیکسپیئر عہد کا زی زہا وز ہےؔ (۱۵۶۷۔۱۶۲۴ء) تھا، طول وعرض کی سیاحت اور عالم، سرکاری اہلکار اور جج جس نے اپنی انسایکلو پیڈیا میں مختلف خطوں کی رسوم کا ذکر کیا ہے 'وو زاز و یا پھر پانچ تہہ کی متفرقات'۔ '' آج کے پیکنگ '' میں وہ لکھتا ہے'' یہاں نو خیز گویے لڑکے ہوتے ہیں جو معززین کے مے خانوں میں جاتے ہیں اور اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہاں کتنی قانونی پابندیوں کا سامنا ہوسکتا ہے، سب ہی ان کو استعمال کرتے ہیں۔۔۔ جیسے ہی کسی کو یہ مل جاتے ہیں تو روایت پھیلتی ہے اور پھر ہر غیر شادی شدہ شریف آدمی اپنی پوری قوت سے ان کی تلاش میں جت جاتا ہے یوں لگتا ہے جیسے پورا ملک دیوانہ ہو چکا ہے اور یہ بس کچھ محض واہیات ہے۔'' جب کہ ہم جنس پرستی جنوب مشرقی چین میں عام طور پر خوب پھیلی ہوئی تھی اب ایسا نہ تھا۔ پیکنگ کے آدھے جسم فروش، زمؔی کے بیان کے مطابق، ان دنوں شمال کے ساحلی خطوں کے رہنے والے ہیں۔ جس کا نام صوبہ شان ڈونگ ہے۔

درباری اور عامی سب ہی شریک تھے سونگ عہد کے بعد مملکت کے احکام پر جو تواریخ لکھی گئیں ان میں شہنشاہ کے مردوں سے معاشقوں کا ذکر بیان نہ کیا جاتا۔ لیکن منگ حکمرانوں کی نجی زندگیوں کے متعلق جو غیر سرکاری دستاویزات ہاتھ لگی ہیں ان میں تمام

چیزیں وضاحت سے بیان کی گئی ہیں شہنشاہ ووزونگ تیرہ برس کی عمر میں تخت پر بیٹھا اور ۱۵۲۱ء میں مراجب اکیس سال کا تھا۔ اس کے مردوں سے معاشقوں کا کچا چٹھا مورخ ماؤ کی لنگ (۱۶۲۳۔۱۷۱۶ء) نے بیان کیا ہے۔ مانچوؤں نے اسے شہنشاہ کے عہد حکومت کی تاریخ لکھنے پر مقرر کیا۔ ماؤ نے پروکوپیس کی طرح اپنی تصنیف کے ساتھ ایک ضمیمہ عبارت بھی چھوڑی جو ایک واضح سوانح حیات ہے یعنی ووزونگ وائے۔جی۔

وہ ایک جان دار اور بے چین طبیعت والا نوجوان تھا جسے تیر اندازی، گھڑسواری، شکار اور موسیقی کے ساز بجانے میں امور مملکت سے زیادہ دلچسپی تھی۔ ووزونگ اپنا زیادہ وقت سیاحت اور تفریح میں بسر کرتا۔ درباری آداب کے مطابق، شہنشاہ نے اپنے تمام اختیارات اپنی متعدد بیویوں اور داشتاؤں میں ایک باضابطہ طریقے سے تقسیم کر دیے جس میں مراتب اور نظایر کا پورا خیال رکھا۔ لیکن ووزونگ محل کے حرم سرا میں مہینے کی محض چند راتیں بسر کرتا اور ان فرایض پر تعینات اہلکار کو فارغ کر دیا جس کی یہ ذمہ داری تھی کہ وہ ان مواقع پر پیش کی جانے والی عورتوں کے نام اور تاریخوں کا اندارج کرے۔ بجائے اس کے وہ اپنا زیادہ وقت صرف مردوں کی محفل میں گزارتا جو اس کے نئے چیتا گھر میں برپا ہوتیں۔ جس میں اس کے جنرل اور فوجی حکام قیام کرتے۔ شاہی آداب کے برعکس وہیں شبیں بسر کرتے اور مرجبھی جاتے۔ اس کے ابتدائی منظور نظروں میں ایک مسلم ہیجڑا تھا بنام سید حسین وہ اس کے ساتھ سوتا اور شہنشاہ تک رسائی اس کی ذمہ داری تھی۔ جب جنرل جیان بن کو ایک بغاوت کو فرد کرنے پر شہرت ملی تو اس نے سید کو رشوت دی تا کہ وہ شہنشاہ سے متعارف کرادے۔ وہ زونگ جس کا فوجی وردیوں کا شوق جنون کو پہنچا ہوا تھا اور اسی طرح عسکری چالوں کا۔ اس لئے وہ جیانگ کی جرأت اور اس کے توانا جسم سے متاثر ہوگیا۔ فوجی معاینوں کے موقع پر وہ یکساں لباس پہنا کرتے اور شہنشاہ اور رعیت کے بجائے جڑواں لگتے۔ منگ دستاویزات کے مطابق مرد ٹونگ۔ وو۔ قی (سوتے جاگتے ایک ساتھ) ہیں۔ کئی سابقہ منظور نظروں کی طرح جیانگ اپنے خصوصی اختیارات کے عہدے کا استعمال کر کے دولتمند بنتا گیا۔ چند دن بعد جب ووزونگ مرا تو اس کے جانشین کے ایک وزیر نے اسے قتل کرادیا اور سارا خزانہ ضبط کرلیا۔

سولھواں منگ شہنشاہ وائی زونگ جو اکیس برس کی عمر پاکر جب ۱۶۲۷ء میں مرا نہایت راسخ العقیدہ تھا اس نے اپنی توجہ دو جدا محلوں پر رکھی ایک تو اس کے مرد چہیتوں کے لئے مخصوص تھا اور دوسرا خواتین منظورِ نظر کے واسطے۔ وہ کنفیوشسی تعلیمات سے اتنا ہی بے بہرہ تھا جتنا ووزنگ سے۔ وہ سادگی پسند شخص تھا جو اپنا زیادہ وقت اپنی کارگاہ میں اعلیٰ درجہ کے فرنیچر تیار کرنے میں صرف کرتا۔ جہاں نہ اسے گرمی لگتی نہ سردی ستاتی ''نہ بھوک لگتی اور نہ پیاس'' اس معاملے میں یوں لگتا ہے جیسے اس کے مرد اور خواتین ہم بستری کرنے والوں میں کوئی رقابت پیدا ہوگئی تھی۔ جب ایک داشتہ نے ایک بااثر مرد منظورِ نظر کو یہ تنبیہ کی کہ میزی زیا (دانت کاٹے آڑو والا) نے وی سلطنت کے زوال میں ہاتھ بٹایا تھا تس پر منظورِ نظر نے وہ حوالہ پیش کر دیا جس کے مطابق کسی شہنشاہ کو اس کی معشوقہ نے بربادی کو پہنچایا تھا۔

لیکن ہم جنس پرستی شہنشاہوں تک محدود نہ تھی جنرلز، درباری بھی شامل تھے۔ ایک منگ مبصر کے مطابق ایسے رشتے بسا اوقات روایتی کنفیوشسی خاندانی ضوابط کا حصہ ہوتے۔ شین ڈے فو (۱۵۷۸۔۱۶۴۲ء) بتاتا ہے کہ کس طرح جنوبی صوبہ فوجیان میں مردانہ جوڑے اکثر ساتھ رہتے جن کی نوعیت ایک ہی جنس کے درمیان شادی کی طرح ہوتی۔

> فوجیانی مرد مردانہ حسن کے بہت شوقین واقع ہوئے ہیں۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کون کتنا امیر یا غریب ہے۔ وہ اپنا ہم مرتبہ ساتھی تلاش کر لیتے ہیں۔ ان میں جو عمر رسیدہ ہوتا ہے وہ تو کہلاتا ہے (مربی بڑا بھائی۔ قی زیونگ) اور کم عمر (متبنی چھوٹا بھائی۔قدی) جب یہی بڑا بھائی چھوٹے بھائی کے گھر جاتا ہے تو آخر الذکر کے والدین اس کی خاطر مدارت کرتے ہیں اور اسے داماد کی طرح چاہتے ہیں۔ اور چھوٹے بھائی کے اخراجات جس میں اس کی شادی بھی شامل ہوتی ہے اس کی کفالت بھی بڑا بھائی کرتا ہے۔ وہ ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور تیس برس کی عمر میں بھی وہ ایک ہی بستر میں سوتے ہیں جیسے کہ میاں بیوی۔

اگرچہ ایسا بھی ہوا کہ ایسے بندھن بیس سال تک چلے اس کے باوجود مرد پر لازم ہوا

کہ وہ شادی کرے۔ اپنی کنفیوشس کی تعلیمات والی گھریلو ذمہ داریوں کو پورا کرے اور پرکھوں کی پرستش کے مسلک پر پورا اترے۔'' کیا کبھی کوئی ایسی نظیر دیکھنے میں آئی ہو جس میں دو مرد تا حیات ساتھ رہے ہوں؟'' اس سب کے باوجود شین ڈے فو اس امر پر بہت متاثر ہوا جب اس نے ایسے جوڑوں کو ایک دوسرے پر جان چھڑکتے دیکھا۔ یہ شوق اتنی وارفتگی پیدا کر دیتا کہ بسا اوقات دو عشاق جب اپنے تعلقات کو جاری رکھنا دشوار پاتے تو خود کو ایک دوسرے سے باندھ کر ڈوب مرتے۔ یہ فوجیانی جوڑے اکثر نان فنگ (جنوبی روایت) کہلاتے یہ ایسا مبہم لفظ ہے جس میں نان کے معنی ''مرد'' کے علاوہ ''جنوبی'' بھی ہے۔

منگ سلطنت کے تحت چینیوں نے مغرب سے اپنے پہلے پہلے رابطے پیدا کئے۔ اور دو مغرور تہذیبوں نے ایک دوسرے کے متعلق شد بد حاصل کی جس میں حیرانی تحسین اور بیزاری بھی موجود تھی۔ پرتگالی تاجروں نے ۱۵۵۷ء میں مکاؤ کے مقام پر اپنا ٹھیا بنایا۔ اور مغربی مشنریوں نے منظّم انداز میں چین کو مسیحی بنانے کی کوشش کی۔ یہ کیتھولک مشنری جو زیادہ تر اسپینی، اطالوی اور پرتگالی جے سوئٹس اور ڈومینکن تھے ان ممالک سے تعلق رکھتے تھے جہاں ابھی تک اغلام بازوں کو ٹکٹکی پر باندھ کر جلایا جا رہا تھا۔ چینیوں کی رواداری دیکھ کر وہ سکتے میں آ گئے۔ ان کٹر پادریوں کی نظر میں مسیحی عدالتوں کی آگ بڑی حد تک آتش ہوس پر ترجیح رکھتی تھی یا پھر عشق اور تعلق جو اس قدامت پسندی کے خلاف ہے۔

نشاۃ ثانیہ کی نئی سائنس کی اعانت سے یورپی لوگ اپنے ہمراہ یورپی توہمات بھی لے آئے۔ ڈومینکن عقاید کا گاسپر ڈا کروز نے ۱۵۶۹ء میں شایع ہونے والی کتاب کے مطابق بارہ برس پہلے آنے والے زلزلے کو جس نے چین کو ہلا کر رکھ دیا تھا چینیوں کی اغلام بازی سے بے اعتنائی کا نتیجہ کہا تھا۔ سب سے مشہور سائینسی مشنری جو چین آیا وہ ممتاز جے سوٹ علوم ہیت کے عالم اور ماہر ریاضی میتو رکی تھے اپنے ہم عصروں کی تشویش میں گہری ہم خیالی رکھتے اور وہاں پائی جانے والی غفلت تھی اس کے متعلق ان کی انتہا پسندی جنوں کی حدود کو چھونے لگتی۔ وہاں ۱۵۸۳ء میں آنے کے چند ہفتوں کے بعد اس نے اپنے سربراہ کو لکھتے ہوئے شدید اظہار غم کیا'' وہ خوفناک گناہ جس میں ہر ایک ڈوبا ہوا ہے اور شوقین

ہے۔ اور جس کے متعلق یوں لگتا ہے جیسے نہ کوئی شرمندہ ہے اور نہ ہی کوئی روک ٹوک ہے۔'' جب اس نے ایک سال کے بعد دس احکام ربانی کا چینی زبان میں ترجمہ کیا تو رکی کے ضمیر میں کوئی خلش نہ پیدا ہوئی کہ وہ خروج پر نظر ثانی کرلیتا۔ جہاں لکھا ہے کہ ''تو کاروکاری نہیں کرے گا' اسے بدل کر'' تو کسی کو بدراہ نہ کرے گا غیر فطری کام یا گندی چیزوں کے لئے۔'' جب ۱۶۰۶ء میں اس سے فرمائش کی گئی کہ چینی کتابوں میں شایع کرنے کے لئے مغربی آرٹ کے خطاطی کے نمونے دے تو اس نے تین ایسے شہ پارے پسند کئے جو مسیح کی زندگی کو بیان کرنے والے تھے لیکن چوتھا سدوم شہر کی بربادی کا منظر پیش کرتا تھا۔ جس پر رکی کا یہ تبصرہ شامل تھا ''بدروی اور پلید چیزیں خود پر آسمانی آگ کو دعوت دیتی ہیں۔'' اپنی موت سے ذرا پہلے ۱۶۱۰ء میں اس نے ایک مرتبہ پھر شدید اظہار غم کیا اور ایک مرتبہ پھر کہا کہ غیر فطری ہوس کی'' نہ تو قانون نے ممانعت کی ، نہ ہی اسے غیر قانونی کہا ہے اور نہ ہی اسے کوئی وجہ شرم سمجھا ہے۔ اس پر سرراہ گفتگو ہوتی اور جب کہ اس پر عمل ہوتا ہے اور کہیں پر اسے روکنے کے لئے کوئی موجود نہیں ہوتا۔''

جب مشرق اور مغرب ان خطوں میں ملے جہاں اہل اسپین کا غلبہ تھا تو نتائج المناک ہی ہوسکتے تھے۔ منیلا کے ایک وکیل سرکار نے ۱۵۹۸ء میں فلپ۔ دوم کو لکھا کہ فلی پانیز کے چینی تجارت پیشہ لوگوں میں اغلام بازی جاری وساری ہے۔'' جس پر ایک تحقیقاتی کام ہوا چودہ یا پندرہ ملزمان دھر لئے گئے تاہم چینیوں نے عدالت میں مقدمات کا سامنا کیا اور یہ کہا کہ چین میں مردوں میں تو یہ روایت عام بات ہے۔ ان کے تمام جواز پیش کرنے کے باوجود دو کو ٹکٹکی پر باندھ کر جلانے کی سزا دے دی گئی باقی کو کوڑے لگائے گئے اور انہیں کشتی کھینے کے بیگار پر لگادیا گیا۔ ان علاقوں میں جہاں چینی زیادہ تر رہتے تھے وہاں اس بابت ہدایت نامے آویزاں کردئے گئے جس میں اس عظیم جرم کے خلاف متنبہ کیا گیا تھا کہ خلاف ورزی پر سولی کی سزا دی جائے گی اور جائے داد ضبط ہوجائے گی۔'' منگ عہد کے ماہر جغرافیہ زھانگ زی نے ان الاؤں کو ۱۶۱۷ء میں قلمبند کیا ''سوختنی لکڑی کے ڈھیر پر۔'' اس نے اپنے مطالعے میں جو'' اسٹڈی آف ایسٹرن اینڈ ویسٹرن اوشینز'' کہی جاتی ہے۔ چینیوں کی نظر میں ایسے سخت اقدام ہونہ ہومغربی بربریت کی علامت ہیں۔

فنگ منگ لونگ کی جسامت عشق کی تشریح:

اگر کسی کو یہ دلچسپی ہے کہ وہ چینی تضادات کا یورپی ہم جنس پرستی کے رجحانات سے موازنہ کرے جو منگ عہد میں تھے تو اسے صرف یہ کرنا چاہئے کہ ایک کتاب دیکھے جو بیاض اور مقالے کا مجموعہ ہے۔فنگ شی یا عشق کی تشریح۔ جو غالباً ۱۶۲۹ء سے ۱۶۳۲ء کے درمیان میں تالیف پائی تھی۔ یہ ایک مجموعہ ہے جو چینی کلاسیکل سے لی گئی ہیں وہ بھی ۸۵۰ کہانیوں میں سے اور واقعات کا موضوع عشق ہے جو ازل سے چلا آ رہا ہے۔ہمیں اس پر توجہ دینا چاہئے کہ فنگ کی اصطلاح اس سباق میں ''عشق'' سے زیادہ مفاہیم رکھتی ہے۔ جس میں ''جذبات'' کے بہت وسیع معنی ہیں یا پھر ''احساسات'' اور یہ بھی کہ یہ ہمیں آفاقیت کی نئی تعبیر کے طرف لے جاتی ہے جیسا کہ فنگ منگ لونگ کی کتاب کے مثالی پیش لفظ میں دیا گیا ہے۔

فنگ منگ لونگ (۱۵۷۴۔ ۱۶۴۶ء) ایک مسلمہ مصنف تھا اور اپنے عہد کے افسانوی ادب کا مدیر بھی تھا۔ وہ محض نگارشات اور تفصیلات کا مخالف نہ تھا۔ وہ اس کا حامی تھا کہ ادب کو قاری کو تعلیم دینا چاہئے اور ان کے جذبات کو بیدار کرنا چاہئے ۔فنگ نے ایک عالمگیر فطرت کو سماجی ذمہ داریوں سے مربوط کرنے پر زور دیا۔شاعر یا قصہ خوانی کرنے والا شخص سماج سے کٹا ہوا فرد نہیں ہوتا جو سماج سے پنجہ آزمائی کرتا ہو بجائے اس کے وہ عوامی فرایض کا پابند رکن ہوتا ہے۔ زندگی کی پت جھڑ میں اس نے فوجیاں کے دیہی علاقے میں بطور میجسٹریٹ خدمات انجام دیں، تعلیم کے فروغ کے علاوہ خانقاہوں کی مرمت کراتا اور طبی سہولتوں میں اضافہ کرانے کی سعی کرتا۔اس کے بہ قول اس کی یہ دیرینہ خواہش تھی کہ وہ فنگ کی بہترین کہانیوں کا مجموعہ تیار کرے جس میں قدیم اور جدید دونوں ہوں۔ اور یوں لوگوں کی بے حسی کو خیال انگیز افراد میں ڈھال دے اور عوامی جذبات کو بدل کر عوامی فکر مندی بنا ڈالے۔۔۔ اور انگنت اشیا کو جو بکھرے ہوئے سکوں کی مانند ہیں۔فنگ ایک ایسی مالا ہے جس میں سب پروئے ہوئے ہیں۔

مردانہ عشق کا مجموعی انداز اس کے ڈھانچے میں نظر آتا ہے۔ اس کے چوبیس ابواب مردوں اور عورتوں کے درمیان ہونے والے عشق کو ایسے عنوانات کے تحت بیان کیا گیا ہے ''پاکدامنی''، ''حقوق زوجین کا انجام''، ''مخفی محبت''، ''شوق'' اور علیٰ ہذا القیاس۔ باب ۲۲ کا عنوان ہے 'دوسرے عشق' (فنگ وائی) اور مردانہ عشق کی چھوٹی موٹی چالیس کہانیوں کا حامل ہے۔ آٹھ تو ہان عہد سے پہلے کی ہیں دیگر آٹھ ہان عہد کی نو زمانہ عدم اتحاد کی، ایک ٹانگ عہد کی دو کو پانچ حکمرانوں (۹۰۷-۹۶۰ء) کے زمانے سے لیا گیا ہے اور پھر پانسو برس کا ناغہ کر کے کوئی درجن بھر قصے منگ عہد کے ہیں۔ ان مردانہ عشقوں کے معاملات کو اس طرح برتا گیا ہے (بالکل اسی طرح جیسے مرد اور عورت کی محبت کو) جیسے نہ ان میں کوئی برائی ہے نہ خوبی لیکن قابل تحسین ہیں یا قابل مذمت، خوش یا بدنصیب جیسی بھی صورتحال ہو۔ یہاں بھی اسی طرح کی غیر جانبداری ہمیں ملتی ہے جیسی کہ عظیم مورخ سیما قیآن کی تحریروں میں جو سترہ سو برس پہلے قلمبند کی گئی تھیں۔

مردوں کے مابین عشق پر جو باب ہے اور جیسا کہ ہمیں توقع ہے وہ اس کی گنجایش پیدا کرتا ہے تاکہ مختلف مصنفین کی مصدقہ کہانیاں شامل کرے مثلاً میزی زیآ، لونگ یانگ، آن لنگ، ڈونگ زیآن جو کٹی آستین کا ہے اور دیگر درباری منظور نظر۔ چند ایک تو شاہ کے جاں نثار ہیں دیگر تشدد اور فریب دہی میں طاق۔ جب لیانگ کا بادشاہ جو منگ سلطنت کی سرحد پر ایک چھوٹی سی ریاست تھی، ایک لڑائی میں مارا گیا تو ہمیں بتایا جاتا ہے کہ اس کا عاشق اس پر آہ و بکا کرتا ہے اپنا سر مونڈوا دیتا ہے اور ایک راہب بن جاتا ہے۔ کوئی اور شخص اپنے معشوق سے عہد و پیمان کرتا ہے کہ اس کی موت کے بعد، جس کی علالت میں وہ تیمارداری کرتا رہا۔ اس نے اپنا عہد اس وقت توڑا جب متوفی کی روح اسے اٹھا کر نشیبی خطوں میں لے جاتی ہے۔ منگ کہانیوں میں پائے جانے والے سماجی طبقات کی تعداد پر ہم دنگ ہو کر رہ جاتے ہیں۔ طلباء اور اسکولوں کے انسپکٹر، کاروباری حضرات، قلی اور ایک عام سپاہی۔ ایک قصے میں تو ایک نوعمر علم دوست بنام وآن ایک لڑکے کے عشق میں مبتلا ہو جاتا ہے جس سے اس کی تھیٹر میں ملاقات ہوتی ہے۔ وہ بچھڑ جاتے ہیں اور لڑکا اپنے خوبصورت خدوخال سے محروم ہو جاتا ہے۔ اس سب کے باوجود جب وہ دوبارہ ملتے ہیں تو

وانؔ اس کا پہلے سے زیادہ شیدا ہو جاتا ہے اور وہ دوبارہ عشاق بن جاتے ہیں۔ باقی ماندہ کہانی اپنے جوہر میں چینی طرز کی ہے۔

> اس طرح جوڑا کئی برس تک ساتھ ساتھ رہا۔ یہاں تک کہ زہینگؔ بالآخر بلوغت کی منزل کو پہنچ گیا۔ اب کسی معنوں میں وانؔ کوئی دولتمند صاحب علم نہ تھا لیکن زہینگؔ تو اس سے بھی غریب تھا۔ جس پر وانؔ نے تنگ آ کر یہ فیصلہ کیا کہ زہینگؔ کی شادی کر دی جائے۔ اس نے اپنے گھر کا ایک تہائی حصہ الگ کر دیا اور اسے زہینگؔ کے حوالے کر دیا اور اس کے والدین کو دعوت دی کہ وہ آ کر اس کے ہمراہ رہیں۔ جب بھی وانؔ اپنے گھر سے نکلتا تو زہینگؔ اس کا تعاقب کرنے لگتا بالکل ایک چاہنے والے چھوٹے بھائی کی طرح اگر وانؔ کو کہیں دور کا سفر درپیش ہوتا تو زہینگؔ گھر پر قیام کرتا اور خانہ داری کے امور اس طرح چلاتا جیسے کوئی لایق ملازم کرتا ہے۔ اگر وانؔ بیمار پڑ جاتا تو زہینگؔ اس کی تیمارداری کرتا، اس کی دوا بناتا جیسے وہ وانؔ کا صلبی بیٹا ہو۔ وان کے کمرے میں ایک علیحدہ بستر تھا اور زوہینگؔ ہر دس راتوں میں پانچ راتیں اسی پر سوتا۔ دونوں ہی خاندانوں کو اس میں کوئی ناقابل قبول بات نہ لگتی اور کسی کو کوئی تعجب بھی نہ ہوتا۔ دونوں کنبوں کے افراد ایک دوسرے کے گھر کے پھاٹک پر کھٹکھٹاتے اور ایک دوسرے کے گھر کمرہ ملاقات میں چلے جاتے اور یہ بات بالکل فراموش کر دیتے کہ وہ لوگ دو خاندان تھے۔

چند دیگر کہانیاں خوفناک سانحات والی بھی ہیں۔ جب کوئی آوارہ گرد کسی لڑکے کو قتل کر دیتا ہے تو اس کا عاشق جو ایک سپاہی ہے الزام خود پر لے لیتا ہے لیکن جب اس کا دوست اسے قید خانے میں کھانا نہیں پہنچاتا تو وہ راز فاش کر دیتا ہے اور آوارہ گرد کو موت کی سزا مل جاتی ہے۔ مگر مارے شرم کے سپاہی خودکشی کر لیتا ہے۔

ان کہانیوں پر جو تبصرے ہوئے ان میں پائے جانے والے معاملات میں ہم ایک قسم کا عدم اعتماد پاتے ہیں۔ جو عارضی حسن کی دین ہے اور یہ تشویش بھی رہتی ہے کہ حکمران کا منظور نظر ممکن ہے خراب سیاسی اثرات ڈالے۔ ان میں رشتوں کی تحسین ہوتی ہے جن کی جڑیں گہری ہیں اور جو زمانے کی کشاکش جھیل سکتے ہیں۔ یوں فنگ منگ لونگؔ کا یہ تبصرہ

''نوجوان مان واںٓ کی کہانی'' اور پوچھنا'' جب یہ فنگ تک پہنچتی ہے کیا لوگ ایسے ہوتے ہیں اور واںٓ اور زہینگ جیسے افراد کہاں ہوتے ہیں۔ کچھ تو کہتے ہیں کہ زہینگ ایک عام آدمی تھا اور اس میں ایسے کوئی اوصاف نہ تھے جیسے آن لنگ اور لونگ یا نگ میں تھے۔'' لیکن اگر اس میں واقعی تھے'' تو یہ سب اس کی خوبصورتی کے طفیل تھا''۔۔۔'' تو اس صورت میں ہم فنگ کا ذکر کیسے کر سکتے ہیں۔''

افسانہ طرازی اور ڈرامہ:

وہ زمانہ جس نے پہلی مرتبہ یورپی مشنوں کی آمد کو دیکھا وہی زمانہ تھا جب مقامی زبانوں میں چینی افسانوی ادب عوامی قصوں سے ڈھلتا ہوا فنکارانہ شستگی کے ساتھ مختصر کہانیوں اور ناولوں کی صورت میں تخلیق پانے لگا۔ جس میں انفرادیت پر اصرار ہوتا اس کے ہمراہ بے ساختگی، جدت پسندی ہوتی۔ جس سے نئے ادب میں نئے فلسفیانہ رجحانات در آئے جنہوں نے روایتی کنفیوشسزم کو آنکھیں دکھانا شروع کر دیا۔ وانگ یا نگ ہنگ (۱۴۹۸۔۱۵۸۳ء) نے ایک نظریہ وضع کیا جسے ''فطری علم'' کہا جس نے اخلاقیات کو فرد کے ضمیر سے منسوب کر دیا اور جو مصنوعی قوانین سے ماورا ہو گیا۔ اس کے پیرو ہی زن ینٓ (۱۵۱۷۔۱۵۷۹ء) کا یہ استدلال تھا کہ 'تمنا' زندگی کا ایک لاینفک حصہ ہے اور اسے زندگی پر استبداد کئے بغیر نیست و نابود نہیں کیا جا سکتا۔ اس نئی موضوعیت نے منگ سلطنت کی آخری دہائیوں کے مصنفین کو یہ راستہ دکھایا کہ وہ چینی زندگی کے ان گوشوں کو بھی موضوع سخن بنائیں جو ''سرکاری تاریخ'' کا حصہ نہ بن سکے۔ چند ایک نے تو روایت شکنی کی اور ہوسناک نظریات پر بہ صراحت گفتگو شروع کی۔ اس عریانیت آمیز ماحول میں دو کلاسیک منصۂ شہود پر آئے سنہری کنول (جن ینگ می۔۱۶۱۰ء) اور 'گوشت کی عبادتی چٹائی'، دونوں ہی کا مصنف لی یوٓ (۱۶۱۸۔۱۶۸۰ء) تھا۔ اس کے سرگرم حامی جتنے ہیں وہ سب ہی عورتوں کے پر جوش رسیا ہیں۔ لیکن وہ اس میں بھی شریک ہیں چاہے سرگرمی سے یا تساہل سے کہ ملازم لڑکوں سے بھی وہی کرتے جس میں رسوائی کے ساتھ شاداں و فرحاں پر جنسیہ ذائقے

کی تبدیلی بھی چلتی رہے۔

اپنے زمانے کا نامور لی یو جسے بعد میں دریافت کیا گیا اور بعد مدت کے تسلیم کیا گیا کہ وہ مختصر کہانیوں کا سب سے ممتاز مصنف تھا۔ اس نے کوئی روایتی زندگی نہ بسر کی۔ وہ پرتعیش (معمولی وسایل کے باوجود) زندگی گزارتا جب کہ وہ کثیر العیال تھا۔ جن میں خواتین اداکاراوں کا ایک دستہ بھی تھا وہ ایبغوریت فلسفے کا مبلغ تھا یہاں تک کہ مانچو فتوحات کے پرآشوب دور میں بھی نچلا نہ بیٹھا۔ اس کی کہانیاں والٹیر کی طرح طنز، ریاکاری ، بے ڈھنگی بعید از امکاں باتوں اور سماجی ناانصافی پر نشتر چلانے والی پردہ دری کرتیں۔ تین تصانیف جو لی یو نے ہم جنس پرستی کے موضوع پر چھوڑی ہیں جو خصوصاً انوکھی ہیں۔

ایک کہانی جو خاموش اوپیرا (ووشنگ۔ زی ۱۶۵۷ء) ایسے عنوان کا حامل ہے جس کا ترجمہ کچھ عجیب سا لگتا ہے ''ایک مرد ماں اپنے بیٹے کی اس طرح پرورش کرتا ہے کہ گھر تین مرتبہ بدلتا ہے'' (ماں مینگ فلسفی من سیئس کی ماں تھی اور مادری چاہت کا نمونہ تھی)۔ مخمصہ یہ تھا کہ ایک ہی جنس کے عشق کی مثالی تصویر تھی اس کے باوجود وہ ایسے معاملات کی مذمت کرتی ہے۔ لی شاکی ہے کہ ''جنوبی شعار'' آسمانی نظام کو بگاڑتا ہے جس میں قدرت نے مرد اور عورتوں کے اعضا ایسے تخلیق کئے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کی دستگیری کریں۔ اس میں نہ تو فریقین کو مزا آتا ہے اور یہ بے ثمر بھی ہے۔ یہ صرف اس وقت قابل معافی ہے جب مرد غربت کے سبب شادی نہ کرسکیں یا پھر خوبرولڑکے بھوکے مررہے ہوں لیکن آج ''ایسے لوگ جو شادی شدہ ہیں اور پھر اس وضع میں آلودہ ہیں اس کے علاوہ وہ بھی نوجوان افراد جوان رنگ رلیوں میں پڑتے ہیں۔ جس کا جواز پیش کرنا ناممکن ہے۔'' اس تنبیہ کے بعد ہمیں ایک مایل بہ احتیاط کہاوت کی توقع کرنا چاہئے۔ اس کے بجائے ہمیں ایک رومانی المیہ ملتا ہے جس میں دونوں ایک دوسرے پر فدا ہیں اور ایسے جاں نثار ہیں جس میں ہمیں اس لئے دعوت دی جاتی ہے کہ ہم دونوں عشاق سے اظہار ہمدردی کریں۔

جی فانگ ایک وجیہہ اور صاحب علم زن بیزار جوان ہے اس کا یہ تبصرہ ''فطرتاً'' جنوبی وضع، پر مایل ہے مگر سعادت مندی میں شادی کرلیتا ہے اور بیوی تو اس کے لئے ایک بیٹا جن کر مرگئی۔ کسی معبد کے میلے میں وہ ایک تیرہ سالہ دلکش لڑکے رولانگ کے عشق میں

گرفتار ہوجاتا ہے جو اس کے عشق کا جواب بھی دیتا ہے۔ جب وہ ولانگؔ کے باپ سے رابطہ کرتا ہے تب جا کر جی فانگؔ کو فوجیان میں ''دلہن کی قیمت'' پتہ چلتی ہے کیونکہ لڑکوں کی تو زیادہ ہے۔ اس شرط کو پورا کرنے کے واسطے اسے اپنی اراضی فروخت کرنا ہوگی ۔ جی فانگؔ جو قربانیاں پیش کرتا رہتا ہے اس سے آتش عشق بھڑکتی جاتی ہے۔ ''حتی کہ وہ اس کی ہڈیوں کے گودے میں اتر جاتی ہے۔'' جب جی فانگؔ کے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہوتا ہے کہ بالآخر کسی دن وہ کسی عورت کی خاطر مجھے چھوڑ کر چلا جائے گا۔ تو رولانگؔ ایک عہد کرتا ہے '' جب تک ہم جئیں گے ایک ہی بستر میں سوئیں گے اور ایک ہی قبر میں سوئیں گے جب مریں گے۔'' اس اتحاد کو یقینی بنانے کی غرض سے رولانگؔ خود کو خصی بنالیتا ہے اور پھر بیوی کا کردار ادا کرنے لگتا ہے۔ لیکن دیگر لوگ جو اس رشتے سے حسد کرتے تھے انہوں نے جی فانگؔ پر کسی نوعمر کو خصی کردینے کا الزام لگادیا۔ جب رولانگؔ سچ کو منکشف کرتا ہے اور خود کو آختہ کرنے (جو متاہلی زندگی کے خلاف اقدام ہے) کے الزام میں گرفتار کرلیا جاتا ہے ۔ جی فانگؔ خود کو سزا پانے کے لئے پیش کردیتا ہے اور ضربوں سے مر جاتا ہے ، وہ اپنے بیٹے کی تعریف کرتا ہے جو سولہ برس کا ہے۔ اگر لڑکا اپنے امتحانوں میں کامیاب ہوجائے تو جی فانگؔ کو دوسرے جہاں میں چین آجائے گا۔ رولانگ جس پر زنانہ بھیس بھرتا ہے اور زنانہ انداز اختیار کرکے اور لڑکے کی ماں کے اطوار اختیار کرلیتا ہے۔ فلسفی من سیئسؔ کی ماں کی طرح ، وہ ، تین مرتبہ حرکت کرتی ہے۔ تاکہ اس وجیہہ نوجوان کو مردوں کی تعشقانہ سرگرمیوں سے محفوظ رکھے۔ آخر میں لڑکا امتحانات میں لیاقت ظاہر کرتا ہے اور ایک ممتاز حیثیت حاصل کرلیتا ہے۔

اگرچہ اس نے ابتدا میں ناپسندیدگی کے اشارے دیے، لی یوؔ اپنے قاری کو 'جنوبی وضع' پر کنفیوشسزم کا ملمع چڑھا کر ستاتا ہے اور اچانک تسلیم شدہ مثالیت کا منہ چڑھا کر تصدیق کرتا ہے ۔ بالکل اسی طرح جیسے یونانیوں نے مردانہ ہم جنس پرستی کو ایک جنگجو سماج کی اقدار میں مدغم کردیا تھا۔ لی یوؔ ان معاملات کا اس طرح رائج تمدن سے ادغام کرتا ہے جہاں فرزندانہ زہد اور علمی کامرانیاں اعلیٰ نیکیاں شمار ہوتی ہیں۔ عسکری طرز حیات کو گھریلو طرز بود و باش بدل ڈالتی ہے، لگن کی آزمایش میدان جنگ میں نہیں ہوتی بلکہ خانہ داری

میں ہوتی ہے۔ لی یو کا خیال ہے کہ اس کی جی فا نگ کی کہانی اور رولا نگ ان نیکیوں کو مثال بناتے ہیں جو شوہروں اور بیویوں میں روایتاً قابل تحسین ہوتے ہیں۔ ''میرا یہ بتانے کا مقصد'' وہ منہ پھٹ بن کر کہتا ہے ''یہ ہے کہ تمہاری نیند میں مچی آنکھوں کو کسی طرح کھول دوں'' اس کے باوجود وہ تکرار کرتا ہے کہ اس کا مردانہ عشق کے خلاف اہم ترین اعتراض یہ ہے۔ '' یہ ایک غیر فطری پیش رفت ہے جس کا ہمارے قدما نے آغاز کیا تھا اور جو معمول سے ہٹے ہوئے راستے پر چلے۔'' ''جنوبی وضع'' قابل ستایش ہوسکتی ہے اگر تمام عشاق رولانگ اور جی فا نگ جیسے ہوں لیکن اکثر وہ ''اپنا جو ہر گنواتے ہیں اور اپنے اطوار کو بے مقصد برباد کرتے ہیں۔'' لی یو اس تضاد کو حل کئے بغیر چھوڑ دیتا ہے جو اس کی عشقیہ کہانی کا لب لباب ہے اور اس کا اخلاقی درس۔ شاید اسے نئے مانچو قوانین کا ڈر ہو جو ہر نوعیت کی تنقید کو ادھر ادھر کر دیتے اور قدامت پسند نتائج نکال لیتے۔

ایک اور مجموعہ بارہ مینار (شیرلو) میں ایک کہانی نہایت دلفگار ہے۔ اس ''اجتماعی صفائی والا گھر'' میں ایک خوبرو نوجوان مرد دو اعلیٰ ذوق کے حامل افراد کی دکان میں کام کرتا ہے جنہیں وہ ''خوش'' بھی کرتا رہتا ہے اور ان پر ریجھا ہوا بھی ہے وہیں پر قوآن ایک سنگدل سرکاری اہلکار کی توجہ کا مرکز بن جاتا ہے جو اسے رجھانے میں کامیاب نہیں ہو پاتا۔ لیکن نوجوان ایک دولتمند ہیجڑے کے پھسلائے میں آ کر اس کے گھر چلا جاتا ہے۔ جو اسے اتنا پلاتا ہے کہ وہ ٹن ہو جاتا ہے اور وہ اسے آختہ کر دیتا ہے اور آخر میں اسے اہلکار کے حوالے کر دیتا ہے جس کی اسے بہ امر مجبوری خدمت کرنا پڑتی ہے۔ آخر میں قوآن اپنے نئے مالک کی بدعنوانی کے طریقوں کا پردہ چاک کر کے شہنشاہ کے علم میں لاتا ہے اور اسے یہ اطمینان ہوتا ہے کہ اس نے اس کا سر قلم کرا دیا۔ بعد ازاں وہ مقتول کا سر حاصل کرتا ہے اور اسے موتنے کا برتن بنا کر استعمال کرتا ہے۔ کہانی تو منگ عہد کے آخری زمانے کی برائیوں کا بیان ہے جب نچلے عہدیدار گرفتار کر لئے جاتے تھے، ان کے بیٹے غلام بنا لئے جاتے اور طاقتور درباری انہیں جنسی طور پر استعمال کرتے۔

لی یو کا ایک اور کھیل کہیں زیادہ ہمدردی کا رنگ لئے ہوئے ہے جس کا نام ہے 'معطر ساتھی پر ملال' (لیان زیانگ بان) جو چینی ادب میں چپٹی کھیلنے والیوں کی سب سے زیادہ

مشہور داستان ہے۔ لی نہ صرف داستان گو تھا بلکہ ایک ڈرامہ نگار بھی تھا جو اپنے ڈراموں کی اداکاراؤں اور گانے والی جوان لڑکیوں کے لئے ناٹک لکھا کرتا۔ اس کھیل میں جس میں کسی حصے میں جو خانہ داری کے امور سے متعلق تھا اس میں ایک جوان بیوی ممی فان جو محض سترہ برس کی ہے ایک بودھ دیول میں اپنے سے دو سال کمسن لڑکی سے ملتی ہے وہ ایک نظر میں ایک دوسرے پر فدا ہو جاتی ہیں اور بودھا کی مورتی کے سامنے ایک ساتھ جینے مرنے کا عہد کرتی ہیں اس وقت ان کے جاں نثار خدمت گار بھی موجود ہوتے ہیں۔ لڑکیاں اس بات پر آہ و بکا کرتی ہیں کہ انہیں جدائی دیکھنا نصیب ہوگی اور یہ تمنا کرتی ہیں کہ آیندہ جون میں وہ زن وشوہر کا روپ پائیں۔ ایک دلکش منظر میں وہ ہنسی ہنسی میں کسی مرد کا لبادہ پہن کر دیکھتی ہیں کہ یہ کس پر جچتا ہے۔ اس کے بعد ممی فان کے ذہن میں ایک عملی حل آ جاتا ہے۔ وہ اپنے شوہر سے کہتی ہے کہ وہ اس نوخیز لڑکی کو گھر میں بطور داشتہ کے رکھ لے وہ تیار ہو جاتا ہے۔ اور ڈرامہ خوشی خوشی اختتام کو پہنچتا ہے۔ بظاہر یہ ڈرامہ سیفو ویت کی شیدایت کا ایک معیاری حوالہ بن گیا۔ فنکار شین فو (۱۷۶۳۔۱۸۱۲ء) اس کا حوالہ اپنے مجموعہ، تیرتی ہوئی زندگی میں سے چھ باب، میں دیتا ہے جو چینی سوانح عمریوں کا چھوٹا سا گلدستہ ہے۔ اس بے تکلف یادداشت میں شین فو بیان کرتا ہے کہ کس طرح اس کی حساس اور ذہین بیوی ایک خوبصورت اور دلکش لڑکی کی محبت میں اس وقت گرفتار ہو جاتی ہے جب وہ دونوں ایک درباری امیر کے گھر ملاقات کے لئے جاتے ہیں۔ جب ین یہ تجویز کرتی ہے کہ وہ اسے داشتہ بنا لے تو وہ پوچھتا ہے کیا میری اہلیہ 'معطر ساتھی پر ملال' کا سوانگ بھرنا چاہتی ہے۔ ''ہاں میں یہی چاہتی ہوں'' اس نے جواب دیا۔ لیکن بدقسمتی سے شین فو اتنا غریب تھا کہ وہ لڑکی کو خرید نہیں سکتا تھا۔ اور اسے ایک مقابلتاً امیر امیدوار کو فروخت کر دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ہمیں بتایا جاتا ہے کہ ین اپنے شوہر کی بنی رہی مگر اس غم میں گھل کر مر گئی۔

لی یو جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں نیم قبولیت اور نیم تمسخرانہ انداز میں ''جنوبی وضع'' کا سامنا کرتا ہے۔ وہ (غالباً) لکھتے وقت ایک سیاح بن جاتا ہے۔ لیکن کیا ایسا ہوا ہے کہ کسی نے ایسا ادب تخلیق کیا ہو جو 'کٹی آستین' پر ہو اور اسی پر فدا ہو یعنی ہم جنس پرستی کا بالخصوص

قاری ہو اور مصنف بھی ہو۔ گی ون نی وائی ٹلو نے مختصر کہانیوں کے تین مجموعوں کو تلاش کرلیا جو منگ عہد کے آخری زمانے کے ہیں (۱۶۲۸۔۱۶۴۴ء) جو لگتا ہے اسی زمرے کے ہیں۔ دو ـــــ لونگ یانگ کی فراموش کردہ کہانیاں (پی چن زنگ چی) اور بہار کے دربار سے مہکتی ہوئی چن زنگ چی) اب اس کے نایاب نسخے جاپانی کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔ تیسرا مجموعہ 'باتوں کی پن جوٹوپی میں ہے' (بیاں ارچانی) اس کے بھی صرف دو نسخے موجود ہیں۔ اس میں بھی شک نہیں کہ یہ نایابی فنگ عہد کی سرکاری پابندیوں کی وجہ سے ہیں۔ جس نے ہر ممکن کوشش کی کہ ۱۷۱۴ء کے بعد ہر قسم کے پرشہوت افسانوی ادب کو برباد کردیا جائے۔ ایک نقاد تو تینوں مجموعوں کی یہ کہہ کر مذمت کرتا ہے کہ یہ ممکن ہے اسے پڑھ کر قاری بداطوار ہو جائیں چاہے مصنفین نے انہیں اخلاقی کہانیاں سمجھا ہو۔

ایسا کوئی مقصد شاید ایک گمنام مصنف سے تو منسوب کیا جاسکتا ہے جس نے 'لونگ یانگ کی فراموش کردہ کہانیاں' یہ چوبیس کہانیاں دو جسم فروش لڑکوں کی دنیا کا حال بیان کرتی ہیں جہاں نوخیز لڑکوں کے حسن کے متوالے مرد خود پرست نوجوانوں کے پیچھے پڑے رہتے جنہیں صرف پیسے سے دلچسپی ہوتی۔ یہاں پر لہجہ اکثر طنزیہ یا پھر مزاحیہ ہوجاتا لیکن وہ چاروں افسانے جن پر 'بالوں کی پن جوٹوپی میں ہے' کا انحصار ہے وہ بنیادی طور پر ایک مختلف رنگ کی حامل ہیں۔ یہ اخلاقی کہانیاں ہیں جن کا دارومدار دھڑلے دار غیر روایتی شہوانی نفسیات پر ہے۔ ہر کہانی میں گنڈیوں کو جسمانی اور نفسیاتی ناگواری سے واسطہ پڑتا ہے۔ تاہم آخر میں ان کے تجربات مثالی اور شریفانہ بنا کر پیش کئے جاتے ہیں۔ چاروں کہانیوں کے سرگرم حامی روز افزوں تذلیل کو جھیل جاتے ہیں تاکہ ان کا بول بالا رہے۔

پہلی کہانی میں جو ''جاں نثار عشق کا روزنامچہ'' ہے یعنی (فنگ زھین) میں ہان لین کا ایک عالم شخص ایک لونڈے کو پٹانے کی کوشش کرتا ہے جس پر وہ فریفتہ ہو چکا ہے۔ لیکن وہ اس بات پر دلفگار اور شرمندہ محسوس کرتا ہے کہ اس نے ایک عورت کا کردار ادا کیا تھا۔ عمر رسیدہ شخص اسے باور کراتا ہے ''اگر ہم منطق کے استدلال کے مطابق چلیں گے تو ہم نے جو کچھ آج کیا ہے تو یہ غلط تھا۔ لیکن اگر ہم عشق (فنگ) کی دلیل استعمال کریں تو ہم درست ہیں۔ کیونکہ کوئی مرد عورت بن سکتا ہے اور عورت چاہے تو مرد کا بھیس بھرلے۔ جس پر

لڑکے کی سمجھ میں بات آ جاتی ہے اور وہ مفعولیت کے جسمانی مزے سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ بعد میں جب اس کا دوست کسی وجہ سے ذلت میں پڑ جاتا ہے تو وہ اپنے خاندان اور حیثیت کو چھوڑ کر اسی کے ساتھ دربدری اختیار کر لیتا ہے۔ اس کے عشق نے اسے یہ سکھا دیا کہ اس میں عورتوں کی خوبی اطاعت شعاری (زہن) کے علاوہ مردانہ وصف کامیاب ذی علم اہلکار بھی آ چکی تھی۔

آخری کہانی۔ ''شاندار عشق کا روزنامچہ'' (فنگ قی) میں ایک ہونہار نوجوان خود کو ایک چکلے کے مالک کو اس نیت سے فروخت کر دیتا ہے تاکہ اپنے خاندان کو ذلت کی رسوائی سے بچا لے۔ ایک وحشیانہ گنڈ مروا بھگتنے کے بعد ایک شادی شدہ ساونت مزاج فدیہ ادا کر کے اسے چھڑا لے جاتا ہے۔ جو اسے اپنے اہل خانہ سے یہ کہہ کر متعارف کراتا ہے کہ یہ داشتہ عورت ہے۔ جب اس کا خیر خواہ اور مربی کسی غلط الزام میں اہل خانہ کے ساتھ قید کر لیا جاتا ہے تو لڑکا جو ایک عورت کے بھیس میں رہتا تھا اس کے چھوٹے بیٹے کو چوری سے جیل سے نکال لے جاتا ہے اور خود کو راہبہ ظاہر کرتا ہے اور اس کی اس وقت تک پرورش کرتا ہے جب تک وہ امتحانات میں امتیازی مقام نہیں حاصل کر لیتا۔ جس کے لئے راہبات کے مسکن میں اسے ایک زنانہ صوفی کا درجہ دیا جاتا ہے۔ آخر کار اسے اپنی صحیح شناخت کا علم ہو جاتا ہے۔ بطور لافانی شخصیت کے وہ ایک عورت پیدا ہوا تھا لیکن اس نے اس زندگی کو مسترد کر دیا جو سختیوں سے بھری ہوئی تھی۔ نئ جون میں وہ لڑکا ہوا اور ایک نہایت حسین مخنث جسم فروش بنا۔ ایک جاں نثار زوجہ اور ماں اور آخر میں ایک راہبہ۔ اس نے تو تمام نسوانی تجربات سے بچنے کی کوشش کی تھی۔ آخر میں وہ بہشت میں اپنے شاگرد کے ہمراہ داخل ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ پھر ہمیں ٹاریسیاس ذات کی طرح ہے جو دونوں اصناف میں نیکیاں ودیعت کرتی ہے۔ ان قابل ذکر کہانیوں کا مصنف ابھی تک نامعلوم ہے۔ وہ ان مختصر ناولوں کا بھی مصنف تھا جن کی اشاعت بہ عنوان 'بہار کے دربار سے معطر مہک' سے ہوئی۔ اس میں محبت سے جان چھڑا لینے والی کہانیوں سے لے کر ایک کہانی خون چوسنے والے لڑکے کی ہے جو سنگین پاداش عمل کا نتیجہ ہے۔ جو اس نے کبھی سنگدلی سے دوسروں کا استیصال کیا تھا۔

چینی کلاسیکی افسانوی تحریروں میں جو مانا ہوا شاہکار ہے 'سرخ دیوان کا خواب' (ہونگلو مینگ) جو کاوزی قن (۱۷۱۵۔۱۷۶۳ء) کی تصنیف ہے جو ایک دولتمند خاندان فنگ کا چشم و چراغ تھا جسے غربت نے گھیر لیا۔ یہ کہانی انگریزی میں 'پتھر کی کہانی' کہلاتی ہے۔اس میں بڑی احتیاط سے دیے ہوئے کردار، آقاؤں، بیگمات، خادموں کا، مانچو عہد میں ایک اشرافیہ کے گھر میں۔ان کی زندگی کا ایک وسیع منظرنامہ پیش کرتے ہیں جولا ثانی ہے۔کاوزی قن ہم جنس پرستی کے واقعات محض اتفاقاً بیان کرتا ہے لیکن انداز بیان منکشف کرنے والا ہوتا ہے بگڑا ہوا جوان ہیرو باؤیو نوجوان حسین عورتوں میں گھرا رہتا ہے۔ جو رشتہ دار اور خادمایں ہوتی ہیں۔جن سے وہ ہیرا پھیری اور سازشیں کرتا رہتا ہے۔ وہ ایک اداکار کے عشق میں بھی ایک مختصر عرصہ کے لئے گرفتار ہوجاتا ہے جس پر اس کا باپ اسے سخت سزا دیتا ہے لیکن یہ محض اس لئے ہے کہ لڑکا ایک اہم سرکاری عہدہ دار کا منظورنظر ہے جو اس خاندان کے لئے مسایل پیدا کرسکتا تھا۔ باؤیو کا رشتے کا اجڈ بھائی جو ایک وجیہہ جوان کے پیچھے پڑا تھا اور جس نے ایک کھیل میں لڑکی کا کردار ادا کیا تھا۔اس کی ٹھکائی ہوجاتی ہے مگر اپنی جنسی سرگرمیوں کی وجہ پر نہیں جو وہ کسی نوجوان میں دلچسپی لیتا تھا بلکہ اپنے اجڈ پن پر۔

ایک موقع پر باؤیو کا ایک ایسی نوجوان اداکارہ سے واسطہ پڑتا ہے جو خاندانی طایفے کا حصہ تھی اور جسے ''روحانی رقم'' کو مردوں کے لئے باغ میں جلاتے ہوئے پکڑا گیا تھا۔ باؤیو لڑکی سے دوستی جتاتا ہے تو کہانی پتہ چلتی ہے۔اس نے ''اہم ترین لڑکے'' کا کردار ادا کیا تھا اور وہ اس لڑکی کے لئے دعائیں کررہی تھی جس نے اس کے مدمقابل کام کیا تھا۔ وہ ایک دوسرے سے اسٹیج پر عشاق کا کردار کرتے ہوئے اس قدر مانوس ہوگئیں، یہ ایک ملازم نے باؤیو کو بتایا ''بتدریج کہ یہ سب کچھ انہیں سچ مچ لگنے لگا کہ نینوفاریوں ہوگیا جیسے وہ دونوں حقیقی چاہنے والے ہوں جب اس کا ہمکار مرگیا تو وہ اس قدر گم صم ہوگئی کہ وہ اس کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں نکال سکتی۔ جیسا کہ ہمیں بتایا جاتا ہے باؤیو اپنا دل مسوس کر رہ گیا کیونکہ اس پر اس کہانی کا بہت اثر ہوا تھا۔مسرت صدقہ اور اس پیاری سی اداکارہ کے لئے بے کنار تحسین و آفرین باب کے آغاز میں جو خلاصہ دیا ہوا ہے وہ اس کے جواب کو درج

کرتا ہے۔'' مرغ قبلہ نما جو اس کے ساتھی کی موت پر اشکبار ہے وہ تو ایک مرغی لگتی ہے اور دستور یہی ہے کہ کوئی سچا دل ہی اپنی نوعیت کے انوکھے عشق سے اظہار ہمدردی کرے۔ '' کاؤ کی عشق کے لئے وارفتگی جو دو عورتوں کے درمیان تھا ایک تضاد کی طرح استادہ تھا جو اٹھارہویں صدی کے یورپی ناول نگاروں کے برعکس تھا جیسے ڈیڈروٹ اور فیلڈنگ۔

فنگ خاندان کی سلطنت:

'سرخ دیوان کا خواب' ہمیں یہ دکھاتا ہے کہ فنگ اور مانچو خاندان کے پھلتے پھولتے عہد حکومت میں چین کیسا تھا۔ منگ عہد کے بعد بدانتظامی کے باعث شکست و ریخت در آئی اجڈ اور گنوار شمالی جنگجو ۱۶۴۴ء میں پیکنگ پر قابض ہوگئے۔ غیر ملکی طاقت کے ہاتھوں ہونے والی اس شکست سے اخلاقیات میں ایک ردعمل کا سبب بنا۔'' بہت سے قدامت پسند چینیوں نے اپنی شکست کا سبب بدیسی مانچو حکمرانوں کو ٹھہرایا اور ان کی لذت پسندی کے رجحانات نے وانگ یانگ منگ مکتب فکر کو جو کنفیوشسزم کی تعبیر نو کے حامی تھے انہیں پروان چڑھایا۔ انہوں نے اس لئے یہ ذمہ داری اختیار کر لی کہ چین کی حیثیت کو بحال کرنے کے لئے وہ کنفیوشسزم کے کٹر اور مبنی بر پارسائی اصولوں کو نافذ کریں گے اور یہ سمجھ بیٹھے کہ اس طرح ان کی مساعی سے مصیبت کے مارے چین کی نجات ممکن ہے۔'' مانچو فاتحین جو چینی تمدن سے بخوبی آگاہ تھے انہوں نے ان کے پروگرام کی منظوری دے دی جو نظم و ضبط کو بحال کرنے کا وسیلہ تھا اور اخلاقیات کو ٹھیک کرنے کی خاطر قانون سازی کی جائے تاکہ سرراہ چدائی اور دیگر قانون کی خلاف ورزیاں جو مردوں (جی جیان) کی وجہ سے ہوتیں بند ہوجائیں۔

دوسرا فنگ شہنشاہ کونگسی چینی علوم، ادب اور آرٹ کا رعب داب والا اور موثر حکمران اور مربی تھا۔ وہ لونڈے بازی کا بھی مخالف تھا اور اس پر فخر کرتا جو ایک خودنوشت سوانح حیات کے خاکے کی صورت میں ہے کہ اس کی خدمت پر ''خوبصورت لڑکے'' تعینات نہیں تھے۔ کانگسی خصوصاً لڑکوں اور لڑکیوں کی جنسی مقاصد کے لئے خرید و فروخت پر فکر مند

رہتا۔ چینی غریب کنبے عموماً اپنے نو عمر بچوں کو اداکاری کی کمپنیوں کو بیچ ڈالتے یا پھر انہیں داشتہ بنوا دیتے یا پھر جسم فروش۔ ایک جامع قانون ۱۶۷۹ء میں تیار کیا گیا تاکہ ان خرابیوں پر پابندی لگے اور اسے فنگ ضابطوں میں ۱۷۴۰ء میں شامل کرلیا گیا۔ اس میں یہ فرمان شامل تھا کہ موت کی سزا برائے اغوا اور لڑکوں کی جبراً مارنے پر ہوگی اور کسی بھی قسم کے جرائم پر اگر لڑکے کی عمر بارہ برس سے کم ہوئی۔ اس میں اتفاق رائے پر مبنی جنسی تعلقات کو بھی قابل تعزیز بنایا گیا۔ جو لوگ گانڑ ماریں گے (جی جیان) ان مردوں سے جو آمادہ تھے انہیں یہ سزا دی جائے گی (لی) ایک ذیلی دفعہ کے تحت جو فوجیوں اور غیر فوجیوں کو سر راہ چودنے کی مقرر ہے۔ یعنی ٹھوس بانس کے سو کوڑے لگائے جائیں اور گلے میں ایک ماہ تک (کانگو) پہنیں۔ (کانگو چپٹی لکڑی کا تختہ ہوتا تھا جسے مجرم کے گلے میں ڈال دیا جاتا تھا) چونکہ سر راہ مجامعت کرنے کے خلاف قوانین عرصہ دراز سے ٹانگ ضابطوں میں چلے آرہے تھے اس نئے قانون میں ہم جنس پرستی کے ارتکاب کو اتفاق رائے سے جنسکاری کرنے کے برابر جرم قرار دے دیا گیا۔ ایم ۔ جے۔ میتجر کے خیال میں مرد اور عورت والے جوڑے صرف اس وقت سزا پاتے جب وہ شرمناک قانون شکنی کرتے ہوئے پکڑے گئے ہوں۔ اور وہ قیاس آرائی کر کے یہ کہتا ہے یہ کیسی تمثیل ہے کہ ہم جنس پرستی کی بھی وہی سزا رکھی گئی ہے۔ یہاں پر ہم جنس پرستی کی علانیہ مذمت نہیں کی گئی خاص طور سے جب کہ یہ قابل مذمت یا ''غیر فطری'' ہے۔ سادہ سی بات ہے اسے عورت اور مرد کے درمیان ہونے والی جنسکاری کے برابر سمجھا گیا۔

کسی برطانوی کی نظر میں اتنا نرم قانون تعجب خیز ہوتا۔ ایک برطانوی مفسر نے ۱۸۹۸ء میں یہ تبصرہ کیا'' بلاشبہ یہ عجیب وغریب لگتا ہے کہ ارتکاب جرم کرنے والوں کی عموماً اس طرح ملامت کی جاتی اور ان سے ادنی سنگینی سے سلوک کیا جاتا لیکن ایسے جرائم درحقیقت سماج کے لئے کم تکلیف دہ سمجھے جاتے بہ نسبت عمومی بدچلنی کے۔'' ان قوانین کو کہاں تک نافذ کیا گیا یہ واضح نہیں ہے۔ میتجر کو یہ ملا کہ جبری گنڈ مروہ کے مقدمات اور سزا یابی کا ذکر ان دستاویزات میں ہوتا جنہیں کثرت سے شایع کیا جاتا مگر اتفاق رائے سے ہونے والی بالغان کی جنسکاری کا ذکر نہ ہوتا۔ ویویں ننگ نے ایک ایسا فیصلہ دریافت کیا جو

فنگ عہد میں ہوا تھا لیکن مقدمہ نہایت غیر معمولی نوعیت کا تھا۔

جوں جوں اٹھارہویں صدی آگے بڑھنے لگی ویسے ہی فنگ پارسائی کمزور ہوتی گئی اور روایتی چینی شعار نے اپنی جگہ بنانا شروع کر دی۔ اس میں بھی کوئی شبہ نہیں ہے کہ کانگسی نے اپنے بیٹے اور وارث تخت کو محل کے افسروں سے جنسی طور پر ملوث پایا۔ جن کو اس نے سزائے موت دے دی۔ آٹھ مانچو حکمرانوں میں سے کم از کم چار ایسے تھے جو اس کے بعد تخت نشین ہوئے جن پر ہم جنس پرستی کے بہتان لگے۔ کانگسی کا پوتا یعنی شہنشاہ قیان لونگ (۱۷۳۶ـ ۱۷۹۶ء) وہ اپنے ہم عصر عظیم فریڈرک اور کیتھراین عظیمہ جن کی بڑائی ''روشن خیال آمر'' والی تھی ان کا ہمسر تھا۔ لیکن اس نے ستالیس بچوں کا باپ بن کر انہیں پس پشت ڈال دیا۔ لیکن پینسٹھ برس کی عمر میں وہ ایک خوبصورت درباری کی محبت میں گرفتار ہو گیا جس کا نام ہی شین تھا جسے اس نے بہت سے اختیارات بھی سونپ دیے (ایک روایت تو یہ ہے کہ ہی شین کو ایک مرتبہ شہنشاہ کو یاد دہانی کرانا پڑی کہ اس کے آنجہانی باپ شہنشاہ نے بیس سال پہلے ایک عورت سے ناکام عشق کیا تھا) بدقسمتی سے ہی شین حلیم الطبع اور ہوشیار شخص تھا مگر لالچی اور بدعنوان بھی تھا اور ملک مصایب میں گرفتار رہا اور وہ خود دولتمند بنتا گیا۔

ساتویں فنگ شہنشاہ زیان فنگ نے مشکل عہد میں حکمرانی کی (۱۸۵۱ـ ۱۸۶۱ء) جب کئی قحط، ٹے پنگ کی بغاوت اور یورپی فوجی دستوں نے چین کو تہس نہس کیا۔ ان ہی دنوں میں اس کا ایک ممتاز ٹان اداکار سے معاشقہ چل پڑا۔ زولیان فنگ نے خودکشی کر لی جب اس کے کسی حاسد دوست نے مسایل پیدا کرنے کی کوشش کی۔ زیان فنگ کا جانشین تو نگ زھی جو بدنام زمانہ بیوہ ملکہ کا بیٹا تھا انیس برس کا ہونے سے پہلے ہی مر گیا۔ اگرچہ وہ خوش و خرم متاہلی زندگی بسر کر رہا تھا لیکن اس کی یہ شہرت بھی تھی کہ اس کا کسی طالبعلم سے مختصر معاشقہ بھی چلا۔ آخری شہنشاہ پوری بطور نابالغ (۱۹۰۹ـ۱۹۱۲ء) کے تخت نشین رہا۔ جاپان کا ۱۹۳۵ء میں منچوریا میں کٹھ پتلی شہنشاہ بن گیا اور اپنے دن اس طرح پورے کئے جیسے پیپلز ریپبلک میں ''سدھائے'' ہوئے شہریوں کو رکھا جاتا ہے، وہ اپنے سابقہ محل میں باغبانی کرتا رہا۔ اسے بھی اس کے سوانح نگار نے عشق کا دیوانہ کہا ہے جو ''دانت کاٹے

آڑو' اور ''کٹی آستین'' پر جان دیتا تھا۔

پوری انیسویں صدی میں غیر ملکی مشاہدین بڑھتے چلے گئے کیونکہ یورپ والوں کی کشتی پر لدی لائی جانے والی توپ والی پالیسی نے چینیوں کو اپنی بندرگاہیں کھولنے پر مجبور کردیا۔ ان کی ملک کے متعلق تحریروں نے ان تمام تعصّبات کو آشکار کردیا جو ان میں مغربی خطوں کے خلاف پائے جاتے تھے۔ یہ روشن خیالی آنے کے بعد کی رپورٹیں سترہویں صدی کے جیسوئٹس کے بیانات کے مقابلے میں کہیں زیادہ متنوع تھیں۔ چونکہ برطانوی ہم جنس پرستی کا خوف اپنے عروج پر پہنچنے والا تھا اس لئے ہمیں اس پر تعجب نہیں ہوتا جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جان بیرو جو نا مورمگر المناک انجام سے دوچار ہونے والے مکارٹنی ایمبسی (۱۷۹۳ء) میں سیکریٹری تھا اس طرح خود کو ظاہر کرتا ہے اور اسی رو میں اپنی تصنیف 'ٹریول ان چاینا' میں کوئی دس برس بعد کہتا ہے چین میں ''عورتوں کی علیحدگی اس بات کا اضافہ کرنے کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ اس نوعیت کے تعلقات ایسے ہیں جو قوانین فطرت کے عظیم ترین انحراف کے زمرے میں آتے ہیں اور جنہیں اخلاقی جرایم میں سرفہرست ہونا چاہئے۔ یہ ایسا سلسلہ ہے جو مرد کو وحشت کے پست ترین درجہ میں غرق کردیتا ہے۔ اس قابل نفرت اور قابل کراہت غیر فطری فعل سے کتنا کم احساس شرم وابستہ ہے یا احساس شایستگی کہ بہت سے نئے نئے افسر بننے والے ہیں لگتا ہے انہیں یہ مان لینے میں کوئی تذبذب نہیں ہوتا جب وہ کھلم کھلا اس کو تسلیم کرلیتے ہیں۔''

نپولین کے زمانے کا فرانس دوسری جانب قتل اور پھانسی دینے کی سزا ختم کرچکا تھا اور مجرمانہ جرمانے بھی ہم جنس پرستی کے ارتکاب پر منسوخ کئے جاچکے تھے۔ باخبر اور متحمل خراج مبصر جین جیکس میٹگنوں جو طبیب بھی تھا اور جس نے پیکنگ میں واقع فرانسیسی سفارتخانہ میں ۱۸۸۰ء تک خدمات انجام دی تھیں کہیں زیادہ روشن خیال فرانسیسی نقطہ نظر پیش کرتا ہے۔

> چین میں اغلام بازی جیسی کہ یہ روم میں تھی قطعاً جسمانی ہے اور اس کا مثالیت سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ لیکن جمالیاتی جذبات نے اسے پاک و طاہر بنادیا ہے۔ حسین صورتوں کے عشق نے۔۔۔ چین میں یہ قریب قریب اجرتی رشتہ ہے، کوئی

> ملازم یا پیشہ ور جو مقعدی ہیر پھیر کا پیسے کے لئے کام کرتا ہے۔۔۔ تاہم یہ تسلیم کرنے کے واسطے ہمارے پاس معقول وجوہ ہیں کہ چند چینی جن میں دانشورانہ شائستگی ہوتی ہے اغلام بازی میں مادی اور روحانی دونوں احساس اطمینان پاتے ہیں۔۔۔ اکثر چینیوں میں شاعرانہ روح پائی جاتی ہے وہ شاعری اور موسیقی سے عشق کرتا ہے فلسفیوں کے اقوال زریں کو ورد زبان رکھتا ہے، وہ چیزیں جنہیں ہم صنف نازک میں نہیں پاتے جو پھولوں کی سلطنت ہے۔ تب وہ انتہائی مردانہ شاہد بازی کی دنیا میں آمد و رفت بڑھاتا ہے جہاں اسے یقین ہوتا ہے کہ نو عمر ہم جنس پرستی۔۔۔ بہت ظاہری علم کے ساتھ ۔ عوامی نقطہ نظر اس معاملے میں قطعاً لاتعلقی والا ہے۔ اس نوعیت کے انحراف میں اور اخلاقیات کا تو اس سے کوئی سروکار ہی نہیں۔ چونکہ یہ بالا دست ساتھی کو خوش کرتی ہے اور مفعول کا کام تو محض یہ ہے کہ سر ہلا دے یہی بہت ہے۔ چینی قانون یہ پسند نہیں کرتا کہ وہ لوگوں کے نجی معاملات میں ٹانگ اڑائے۔ اغلام بازی تو ایک حد تک اچھی خصلت شمار ہوتی ہے ایک مہنگا ذوق اور اس لئے شاندار مسرت۔

ایک فکرمندی جو میٹگنوؔں نے بیان کی ہے اور چین میں جو اس کے کان میں پڑی یہ تھی کہ یہ کارروایاں دیکھنے میں بری لگتی ہیں۔

پیکنگ کا اسٹیج:

ابتدائی زمانے میں چینی ادیب اکثر و بیشتر ہم جنس پرستی کو حکمرانوں اور ان کے منظور نظر افراد کا شوق بتلاتے۔ جیسا کہ اس قصہ میں آیا ہے جو جنگجو ریاستوں اور ہان خاندان کی حکومت میں آ چکا ہے۔ اٹھارہویں صدی کے خاتمے تک ایک اور مثل اولی جوڑا دیکھنے میں آتا تھا۔ ممتاز ذی علم سرکاری اہلکار اور مقبول اداکاروں میں۔ یہ زمانہ ملک کی سب سے زیادہ مشہور تھیٹر کمپنی کا عہد زریں تھا یعنی پیکنگ اوپیرا۔ جس کا عہد اٹھارہویں صدی کے وسط سے شروع ہو کر انیسویں صدی کے درمیان پر محیط ہے۔ اس جگمگاتی دنیا کے ممتاز ترین

اداکار وہ لوگ تھے جو عورتوں کے پارٹ ادا کرتے تھے۔ نام نہاد ٹان اداکار۔ اس روایت کے تمام عشاق جن میں سب سے زیادہ مشہور عالم بی یوآن اور اداکار لی گیگوآن تھے۔

بی یوآن (۱۷۳۰۔۱۷۹۷ء) ایک ممتاز عالم تھا استاد، سرکاری منتظم اور نوعمر، صاحبان علم اور شعرا کا مربی اور کفیل بھی تھا۔ بی یوآن نے ابتدا میں ہان لن اکیڈمی میں خدمات انجام دیں۔ جو شاہی یونیورسٹی تھی۔ اس کے بعد شانگسی اور ہینان صوبوں کی صوبے داری۔ جہاں اس نے قحط زدہ علاقوں کی دستگیری کے کام اور سیلابوں کو لگام دے کر تعریف اور شہرت کمائی اور اس کی کئی بغاوتوں میں فوجی دستوں اور اشیائے رسد کی نقل وحمل میں کامیابیوں نے چار چاند لگا دیے۔ لیکن چین میں جہاں عالمانہ کامرانیوں کو جس قدر عزت و وقار ملتا ہے اتنا ہی میدان جنگ کی فتوحات کو۔ اس کی سب سے بڑی وجہ شہرت اس تاریخی تحقیق پر ٹکی ہوئی تھی جس میں اس نے سونگ اور یوان خاندانوں کی حکومتوں اور قدیم کتبوں کے پڑھنے کا کارنامہ انجام دیا تھا۔ بی یوآن کی حیات کا خاکہ گھاو پینگ نے کھینچا ہے جہاں سے ہم نے یہ حقایق بٹورے ہیں اس میں نوعمر تشنگان علم کی وہ جس طرح مہمان نوازی کرتا ہے اور جس رمزیہ انداز میں اپنی جنسی دلچسپیوں کو بیان کرتا ہے مگر اپنے معروف رشتوں پر لب کشائی نہیں کرتا جو لی گیگیان سے ہے۔ جو اس سے اس حد تک وابستہ تھا کہ جب بی یوآن نے بہ حیثیت ممتحن کامیابی حاصل کی اور اس خوشی پر جب اسے دعوت پر بلایا گیا تو اس نے ایک جوڑے کی طرح گیگیاں کے ساتھ شرکت کی۔ لی اگرچہ ایک اداکار تھا مگر علمی مشاغل میں بھی سرگرداں رہتا۔ ان دونوں نے مل کر یوں لگتا ہے جیسے اس مثالیت کا چھولیا جس کا ذکر میٹگنوں نے کیا تھا۔

بڑی حد تک اس عہد کا سب سے زیادہ کامیاب ٹان اداکار جو تھا وہ وی چانگ شینگ تھا جو ۱۷۴۴ء میں سیچوان کے مقام پر پیدا ہوا تھا۔ اور ۱۷۸۰ء کی دہائی میں وہ پیکنگ کے اسٹیج پر چھایا رہا۔ اور اس کی بے کنار مقبولیت نے اس شہر کو چینی تھیٹر کا دارلحکومت بنا دیا۔ اپنی فیاضانہ اور پرہمدرد شخصیت کی وجہ سے ہر ایک کا محبوب ہونے کی وجہ سے وہ شہنشاہ کے وزیر اعظم کا دوست بن گیا اور منظور نظر ہیشین کا اور جیسا کہ ایک ہم عصر کا کہنا ہے ''ہیشین سے لے کر کٹی آستین تک ہر چیز سے لطف اندوز ہوا۔'' اس کے باوجود اتنا مقبول کہ جتنا کوئی

اداکار ہوسکتا ہے ان کا سرکاری مرتبہ نہایت کمتر رہا اور ان کے سرکاری عہدیداروں سے تعلقات ایسے تھے کہ ان کی پیشانی پر بل پڑ جاتے۔ جب ایک سنسر (اہلکار) وی سے سر راہ اس وقت ملا جب وہ ہیشین کے گھر جا رہا تھا تو اس نے ماتحتوں کو حکم دیا کہ وہ اس سے اس طرح پیٹیں "جیسے مجرموں کو مارا جاتا ہے۔" دیگر بہت سے ٹان اداکاروں کی طرح وی نے اپنی سعادت مندی سے فرایض کو پورا کیا شادی کی اور بچوں کی پرورش بھی کی۔

وی کا شاگرد چن ینگ یوان اپنے استاد کا خلیفہ بنا اور ہراول مترجم بنا جو زنانہ کرداروں کا اپنے زمانے میں ماہر تھا۔ اس کا سب سے زیادہ مشہور جنسی عشق کا واقعہ ایک عالم لی چی یوان سے ہوا۔ جس میں روایتی سلسلہ الٹ دیا گیا۔ نوجوان چن نے لی کے تمام قرض چکا دیے اور یہ ممکن بنا دیا کہ وہ امتحان میں بیٹھ سکے۔ ٹان اداکاروں کی روایت آیندہ صدی تک چلتی رہی جب زھوزیافنگ اور چن یانگ چن ۳۰-۱۸۲۰ء میں اسٹیج پر چھا گئے اور اس کی آرزو کرنے لگے کہ انہیں عالم زہوڈیشان کی شفقت میسر آجائے یقیناً زھو اور زھاوا زیاوفنگ کے تعلقات جو مقابلے میں جیت کر نکلے تھے بالکل ویسے ہی تھے جیسے بی یوان اور لی گیگیان کے مابین۔ یہاں تک کہ متلاطم بیسویں صدی کے دوران میں ٹان اداکاروں نے چینی عوام کو مسحور کیے رکھا۔ ایسا ہی ایک اداکار زبردست می لان فانگ (۱۸۹۴-۱۹۶۱ء) نے یورپ اور امریکہ کا ۱۹۳۰ء میں دورہ کیا اور ناقدانہ تعریف و توصیف کا سزاوار ہوا اور اسے یونیورسٹی کی ڈاکٹریٹ سے سرفراز کیا گیا۔

علماء اور اداکاروں کے رومانی بندھن کو ایک موثر ناول نے ادب کے ربانی کمال پر پہنچا دیا۔ جو ابھی تک ترجمہ نہیں ہوا۔ جو ہوسکتا ہے اس موضوع پر نہایت بامراد چینی افسانہ ثابت ہو۔ یہ چن سن کا 'پن ہوا باو جیان' ہے یہ ایسی تخلیق ہے جس کا ترجمہ ہو چکا ہے بطور 'قیمتی آینہ پھولوں کو دیکھنے کے لئے' یا پھر مزید نثری انداز میں "تھیٹر کی زندگی کا آینہ" (۱۹۴۹ء)۔ ناول نگار اور ادبی مورخ لوزن جس نے پیکنگ یونیورسٹی میں آینہ ناول پر ۱۹۲۰ء کی دہائی میں لیکچر دیا تھا اس کا موازنہ اپنی کتاب 'چینی افسانوی ادب کی تاریخ' میں یوں کرتا ہے۔ درباری زندگی کی روایتی کہانیاں جن میں فطرت نگاری اور لڑکوں کا محلول ہوتا ہے یہ ایک ادبی ورثہ ہے جس کے ڈانڈے ٹانگ خاندانی سلطنت سے مل جاتے ہیں۔ لو کا

خیال ہے ایک ایسا وقت بھی تھا جب علماء اپنے سلطنتی ملازمتوں کے امتحانات میں کامیابیوں کا اس طرح جشن مناتے کہ ان تفریحات میں نیم فیشن پرست خواتین کو بلا کر انہیں رنگین کرتے۔ لیکن ۱۴۲۶ء کے بعد ایک مصلح شہنشاہ نے جب ایسی اٹکھیلوں کی ممانعت کردی تو علماء نے وجیہہ نوجوان اداکاروں سے تعلقات پیدا کر لئے جو آ کر گاتے، ناچتے اور ایک حد تک ادبی مذاق بھی رکھتے۔ چن کا ناول ان کے معاملات بیان کرتا ہے اور معاشقوں کے شانہ بہ شانہ کھلم کھلا جنسی تفصیلات بھی دیتا ہے۔ حقیقت بیانی مثالیت پسندی ملی ہوئی۔ تو اس کے کرداروں کے تنوع سے دنگ رہ جاتا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے مصنف چند اداکاروں کو معزز سمجھتا ہے، چند بدنام بالکل ویسے ہی جیسے ان کے مربی متمدن یا اجڈ ہوں گے۔ مردوں کے باہمی عشق کی وکالت چینی ادب میں شاید و باید ہوتی شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ عام بات تھی۔ چن کے ناول میں تاہم ٹیان چنگ۔ ہانگ ایک معذرت نامہ ایسے انداز میں بیان کرتا ہے جو والٹر پیٹر یا آسکر وائلڈ ہی شاید سراہ سکیں۔

> شگفتہ پھولو، حسین عورتو، منور چاند نایاب کتابو، نفیس مصوری کی تصویرو۔۔۔ یہ خوبصورت اشیا سب ہی پسند کرتے ہیں۔ تاہم یہ تمام خوبصورت اشیاء یکجا نہیں ہوتیں۔ منظور نظر تو شگفتہ پھولوں کی طرح ہوتے ہیں اور گھاس یا پیڑ نہیں ہوتے۔ وہ حسین عورتوں کی طرح ہوتے ہیں جنہیں کسی سنگھار کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ منور چاند کی مانند یا نرم بادلوں کی طرح ہوتی ہیں اس کے باوجود انہیں چھوا جاسکتا ہے اور چہل کی جاسکتی ہے۔ یہ نادر کتابوں کی طرح ہیں اور عظیم مصورانہ تصاویر کی طرح اس کے باوجود یہ بولتی ہوئی اور گفتگو کا ملکہ رکھتی ہیں۔ یہ حسین اور کھلنڈری ہیں اس کے باوصف ان میں تبدیلی اور حیرانی پوشیدہ ہے۔۔۔ یہ امر میری فہم سے باہر ہے کہ اس بات کو تسلیم کیا جاتا ہے کہ ایک مرد عورت ہی سے محبت کرے لیکن یہ مرد کے لئے قابل قبول نہیں ہے کہ وہ مرد سے شادی کرے۔۔۔ شوق تو شوق ہے خواہ یہ جذبہ عورت میں ہو یا مرد میں۔

ناول یہ کہانی سناتی ہے کہ اداکار ڈو قنیان اپنے مربی سے عشق کرتا ہے۔ جس کا نام می زیو ہے۔ می شادی شدہ ہے اور بیمار پڑ جاتا ہے۔ ڈو فکرمند رہتا ہے کہ می کی بیوی اسے

مجھ سے ملنے پر پابندی لگادے گی۔ لیکن جب وہ اپنے عاشق کے گھر پر پہنچتا ہے تو اس کا رویہ دوستانہ ہوتا ہے اور وہ اسے مّی کے کمرے کی جانب روانہ کردیتی ہے۔ مّی بستر مرگ پر ہے اور نیم ہذیانی کیفیت طاری ہے لیکن وہ اپنے عشق کے آغاز والے دنوں کو یاد کرتا ہے۔ (مغربی قاری دل میں ہنسے گا اور شاید اسے یاد آجائے کہ تین برس بعد ۱۸۵۲ء میں اہل پیرس تیز تیز قدموں سے تھیٹر جارہے ہیں تاکہ کاملیاؔس کی بیگم ڈوماؔ کے لئے آنسو بہا سکیں) ناول یہیں پر ختم ہوجاتا ہے—— عملاً—— سلگتے جذبات کے درمیان۔ علماء اور اداکاران نوخوشبوؤں کے باغ میں جمع ہوتے ہیں اور توصیفی نظمیں پڑھی جاتی ہیں۔ ڈراموں کے اداکار اسٹیج کو خیر باد کہہ چکے تھے، جتنے زنانہ ملبوسات تھے انہیں جلا چکے تھے۔ راکھ آسمان سے باتیں کررہی تھی ''بلند سے بلند ہوکر مرغولے بن رہے تھے جس سے تند و تیز نشہ آور مہک ہورہی تھی جو بالآخر محض سنہرے ذرات بن کر نیست و نابود ہوجاتے۔

جب کہ لونڈے بازوں کو ملعون و مردود بنا کر یورپ میں دارو گیر جاری تھی اور انہیں قہر الٰہی کا سبب کہا جاتا۔ چین ایک ہی جنس کے دلکش مظہر کو سکون سے دیکھ رہا تھا۔ جیسے یہ انسانی وجود کا کوئی لاابالی پن ہو۔ بلاشبہ چین انسانی تاریخ کی طویل ترین رواداری کی داستان ہے۔ یعنی دو ہزار سال کی جو پانسو قبل مسیح سے شروع ہوکر منگ خاندانی بادشاہت کی ۱۶۴۴ء میں خاتمے تک چلی۔ اور اگر چہ ہم جنس پرستی کو سرکاری طور پر پیشانی پر بل ڈال کر ابتدائی مانچوؤں کے عہد میں دیکھا گیا لیکن یہ ناگواری لگتا ہے زیادہ تر ایک رسمی آنا کانی تھی۔ چینی تاریخ اور ادب میں شاہی عہد کے خاتمے تک اور مارکسزم کی فتح تک، وہ مرد جو مردوں سے عشق کرتے انہیں حد سے حد اچھا یا برا، ہمدرد یا خودغرض، دیانت دار یا بدنیت، باصلاحیت یا ادنیٰ لیکن انہیں علیحدہ کر کے کوئی ایسی ذات نہیں بنادیا گیا جنہیں ذلیل کیا جائے ملامت کی جائے یا پھر قلع قمع کردیا جائے۔

تاہم کمیونسٹوں کی حکمرانی میں ایک اساسی تبدیلی آئی۔ چین کے سرکاری اہلکار غیر ملکی سیاحوں کے پوچھنے پر ابھی حال تک اس بات کی سادگی سے تردید کردیتے کہ چین میں ہم جنس پرستی کا وجود ہی نہیں ہے۔ نظریہ یہ تھا کہ سوشلسٹ معاشیات میں ایسے عوارض جیسے جسم فروشی اور ہم جنس پرستی ناپید ہوجاتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں ایک مالا مال تاریخی

روایت کافور ہوگئی۔ اگر چہ کوئی قانون بالصراحت ہم جنس پرستی کی ممانعت نہیں کرتا لیکن لاتعداد مرد گذشتہ دہایوں میں معمول کے مطابق مبہم الزامات میں قید و بند کی سزائیں بھگت چکے ہیں وہ الزامات یہ تھے ''باغیانہ رویہ'' یا پھر ''شرانگیزی''۔

باب ۔۹

اطالیہ اور نشاۃ ثانیہ

۱۳۲۱۔۱۶۰۹ء

نئی سماجی اخلاقیات اور قدیمی:

بہت سے لوگوں کی نظر میں نشاۃ ثانیہ کے یہ معنی ہیں کہ جیسے کلاسیکی تمدن نے نیا جنم لے لیا ہو۔ پہلے اٹلی میں اور بعد ازاں باقی ماندہ یورپ میں۔ جس کے نتیجے میں مذہب کا اثر اخلاقیات، فلسفہ اور آرٹ پر کمزور پڑنے لگا۔ کوئی یہ بھی توقع کرسکتا ہے کہ معاملات کے دیوانی ہوجانے سے اور اس آ گاہی نے کہ ہم جنس پرستی نے قدیم یونان میں کیا کردار انجام دیا تھا جس سے رواداری کی نئی لہر آئی۔ ایک حد تک ایسا ہی ہوا علماء نے افلاطون، زینوفینز، لیوسن اور پلوٹارک اور ''یونانی عشق'' کی فطرت کو زیادہ اچھی طرح دانشورانہ بالائی طبقے میں سمجھا۔ فنکار بھی خصوصاً اٹلی کے نئے نئے یونانی ہم جنس پرست اساطیر سے ولولہ پائے تھے۔ اپنی تصاویر، مجسمہ سازی، شاعری اور ڈرامے کے وسط سے حیران کن تعداد میں نشاۃ ثانیہ کے تخلیقی نابغوں نے ان اثرات کو لبیک کہا۔ یوں انہوں نے اپنی شہوانی دلچسپیوں کے لئے قیاس آرائی کی گنجائش پیدا کرلی۔ ایک مصور سوڈوما نے تو اپنی ترجیح کو بلّا بنا کر آویزاں کرلیا۔

مگر یہ تو ہوئی آدھی تصویر، نشاۃ ثانیہ سے تعزیزات میں کوئی کمی نہ آئی اس کی بجائے زمانے نے نئی مساعی کے ذریعے جبر کو بے مثال حد تک دایرہ عمل اور زہریلے پن میں اضافہ کردیا۔ یہ ان اطالوی شہروں میں بھی درست ہے جن شہروں میں نشاۃ ثانیہ نے جنم لیا

تھا۔ بے شک یہ ان کے معاملے میں بھی درست تھا۔ اس کے علاوہ نشاۃ ثانیہ فوقیت میں لاطینی مظہر تھا جسے عجلت میں اصلاح دین والوں نے ہتھیا لیا جس نے شمالی یورپ میں ہیجان پیدا کر دیا۔ آخر میں اور مرد اور عورتیں ہم جنس پرستی کے خوف میں آنے والی تین صدیوں میں شکار ہوتے چلے گئے جو ۱۴۰۰ سے ۱۷۰۰ء تک کا زمانہ ہے مگر اس عرصے میں عہد وسطیٰ سے زیادہ خوف زدہ تھے۔ پروٹسٹنٹ اور کیتھولک درشت قوانین کے نفاذ میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے پر تلے تھے۔ اسپین میں ایک مسیحی عدالت کی ایک سخت شاخ کام کر رہی تھی جسے فرڈی نینڈ اور ازابیلا نے منظّم کیا تھا جو صرف اغلام بازوں کے خون کی پیاسی تھی۔ نئی دانشورانہ اور جمالیاتی آزادی اپنے جلو میں دارو گیر کی لہر بھی لے کر آئی جس نے عورتوں اور مردوں کو کسی اور عہد کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہراساں اور قتل کیا۔ یہ نیا منظّم کیا ہوا استبداد جو بعد میں پھیل کر اسپین اور فرانس تک پہنچ گیا پہلے اٹلی میں استوار ہوا۔

اطالوی شہروں میں استبداد:

ہم دیکھ چکے ہیں کہ کس طرح پوپ کی شروع کی ہوئی مسیحی عدالتوں کا جوش وخروش پھیل کر ۱۲۳۳ء میں پیرو گیا اور بولوگنا شہروں تک پہنچ گیا۔ جو بھی مذہبی تنظمیں تھیں انہوں نے یہ اپنی ذمہ داری سمجھی کہ وہ لونڈے بازوں کا سراغ لگائیں۔ مایکل گودچ کا کہنا ہے کہ یہ تنظمیں مبلغ راہبوں کے نئے ضابطوں کے مطابق اٹلی کے گیولف یا پاپل پارٹی کے قریبی حلیف بن گئے۔ ان شہروں میں جہاں داخلی افراتفری تھی۔ وہاں گیولف درمیانہ طبقہ کا تجارت پیشہ دھڑا تھا جو اشرافیہ بالادستی کا خاتمہ کرنے پر کمر بستہ تھا۔ اس کی وسیع مشرب مہم جوئی جس میں اخلاقی اصلاحات بھی شامل تھیں۔ ''پوپ کی ہدایت کے مطابق بدعتوں کو کھدیڑنا اور دارو گیر'' سود کے خلاف قانون سازی اور علی الاعلان اصراف اور مسیحی اخلاقیات پر دیوانی قوانین کی موجودگی میں عمل درآمد ان قوانین کے ذریعے جیسے قمار بازی، مے خواری، جسم فروشی، اسقاط اور اغلام بازی۔ اس تحریک کو اٹلی کے متعدد شہروں

میں ۱۲۳۰ء کی دہائی میں کامیابیاں نصیب ہوئیں۔ چند جگھوں پر تو مسیح راہبوں نے تو شہری حکومتوں پر قبضہ کرلیا جیسا کہ ساونارولا کو دو صدیوں بعد فلورنس میں کرنا تھا۔ اور مصلحین کے لئے اپنی اصلاحات نافذ کرنے کے لئے راستہ صاف تھا۔

نئے دیوانی قوانین نے صحایف کے اختیارات کلیسائی قوانین اور پوپ کے فرامین کو للکارنا شروع کر دیا۔ پہلی بلدیہ جو ہمارے علم میں آئی ہے جس نے اغلام بازی کے جرم کی سزا موت قرار دی یہ واقعہ ۱۲۵۹ء کا ہے۔ بولوگنا بلا شبہ پوپ کی جاگیر تھا۔ روم نے اسی نقش قدم کو ۱۳۶۳ء میں اختیار کیا۔ اسی طرح کری مونا نے کیا (۱۳۸۷ء) لوڈی (۱۳۹۰ء) میلان (۱۴۷۶ء) میں لمبارڈی۔ پاڈوآ (۱۳۳۹ء) باسانو (۱۳۹۲ء) جو صوبہ وینیشیا میں تھا۔ کارپی (۱۳۵۱ء) اور پرما (۱۴۹۴ء) اگیوامپلیا میں۔ اور جینووا (۱۵۵۶ء) لی گوریا میں ان میں سے زیادہ تر قوانین میں پہلے ارتکاب پر جلانے کی سزا رکھی گئی تھی۔ چند شہروں میں ہلکی سزائیں بھی تجویز کی گئی تھیں جیسے آختہ کرنا اور جرمانہ۔ یہ خاص طور پر ٹسکنی میں ہوا تھا۔ یہ اٹلی کا ایسا خطہ تھا جو اغلام بازی کے خلاف قانون سازی میں لگتا ہے ممتاز مقام رکھتا ہے۔ پیسا میں ۱۲۸۶ء کے قانون کے مطابق پہلی مرتبہ ارتکاب کرنے پر جرمانہ ادا کرنا پڑتا اور لوکاس شہر میں ایسا ہی ۱۳۰۸ء میں ہوا۔ فلورنس میں قانون سازی کے بعد ۱۳۲۵ء میں لونڈے بازوں کو خصی کرنے کی سزا دی جانا شروع کی گئی۔ جیسا کہ اب ہم دیکھیں گے وہاں کئی درجوں کے جرمانے عاید کئے جاتے۔ سینا شہر میں جرمانہ اور تشدد ملا کر دیا جاتا۔ ایک قانون جو ۱۳۳۶ء میں نافذ ہوا اس میں ۳۰۰ لایر کا جرمانہ ہوتا لیکن اگر یہ ایک مہینے کے اندر ادا کر دیا جاتا تو مجرم کو اس کے ''رجولیت رکھنے والے ارکان'' کا مپوڈل مرکاٹو میں ٹانگ دیتے اور وہ سارا دن لٹکا رہتا۔ وینس کے قریب شہر ٹریسوایسو میں بھی ایک انوکھی اور بھیانک شق رکھی گئی۔ جس کا نشانہ عورتوں کے علاوہ مرد بھی تھے۔ ان قوانین میں جو ۱۵۷۴ء میں نافذ ہوئے۔

> اگر کوئی شخص فطری وضع کو چھوڑ کر کسی سے جنسی تعلقات پیدا کرتا ہے یعنی مرد سے مرد۔ اگر تو وہ چودہ برس یا اس سے اوپر ہوئے یا پھر عورت سے عورت اور وہ بارہ یا اس سے بڑی ہوئیں اور وہ اغلام بازی (چپٹی) کی بدی کریں، شناخت ہو جانے

والا اگر تو مرد ہوا تو اسے قطعاً بے لباس کر دیا جائے اور اسے لوکسٹس کے مقام پر ٹکٹکی سے باندھ دیا جائے یا پھر چپٹی کیل اس کے عضو تناسل میں ٹھونک دی جائے اور اس پر ایک ذمہ دار محافظ رات دن کھڑا رہے اور اگلے روز شہر کے باہر لے جا کر اسے جلا دیا جائے۔

عورتوں کا بھی انجام ویسا ہی ہوتا۔ چپٹی کیل کو چھوڑ کر۔ کس تواتر سے ان دہشتناک قوانین پر اٹلی کے چھوٹے شہروں میں عملدرآمد کیا گیا یہ ہمیں نہیں معلوم۔ ہماری حالیہ باخبری جو فقہات کے متعلق ہیں وہ خاکوں کی مانند ہیں اور ان کا دارومدار دستاویزات کے بچ جانے پر ہے اور یا پھر چھدری تحقیقات کے رحم و کرم پر ہے۔

وینس میں موت ۱۳۴۲۔۱۵۹۰ء:

لیکن وینس اور فلورنس مستثنیات ہیں۔ یہاں دستاویزات بڑی ضخیم ہیں اور حالیہ مطالعوں سے ان شہروں کے امور پر بہت روشنی پڑتی ہے کہ انہوں نے کس طرح اغلام بازی کی بیخ کنی کی۔ ہمیں اب معلوم ہے کہ فلورنس (جو دونوں میں چھوٹا ہے) میں بہت سی داروگیر کی مہم چلیں لیکن فلورنس میں سزائیں کہیں زیادہ وحشیانہ تھیں۔ دونوں ہی صورتوں میں اغلام بازی کے خلاف انتہائی موثر مہمیں پندرہویں صدی اور سولہویں صدی عیسوی کے آغاز میں چلائی گئیں۔ بے شک یہی خاص طور پر وہ زمانہ ہے جب نشاۃ ثانیہ نے اپنی سب سے زیادہ تابناک کامیابی حاصل کی تھی۔ وینس کی طرح جہاں بیلینیس، کارپچیو، جیورجیون اور ٹیان پھل پھول رہے تھے اور شہر کو اپنے ٹھاٹھ دار شاہکاروں سے مزین کر رہے تھے۔ چودہویں صدی میں وینس میں لونڈے بازوں کی داروگیر نام نہاد سگنوری ڈی نوٹی (لارڈز آف نایٹ) کے فقہی اختیار کے دایرے میں آتا تھا۔ جس کے فرایض یہ تھے کہ شبینہ گڑ بڑ اور مار پیٹ کی معمولی وارداتوں سے نپٹے۔ سگنوری سے متعلق ملنے والی دستاویز پارہ پارہ ہیں لیکن وہ چند انکشافی تفصیلات مہیا کرتی ہیں وینس میں اطلاعات کے مطابق اغلام بازی پر پہلی سزا ۱۳۴۲ء میں دی جاتی ہے اور کم از کم تیرہ مقدمات آیندہ ساٹھ برسوں میں

عدالتوں میں چلائے گئے۔ سزا یافتگان میں اکثریت کا انجام معیاری ہوا —— انہیں زندہ جلا دیا گیا۔ بعد میں اس سزا کو ہلکا کر دیا گیا۔ شاید وینس کے حاکموں کو مرنے والوں کی چیخیں اعصاب شکن لگتی تھیں۔ لگتا ہے کہ عقوبت خانہ تکلیف دہ حد تک شہر کے ناظم اعلیٰ کے دفاتر سے قریب تھا۔ کچھ بھی کہیے ۱۴۴۶ء سے رسم بدل گئی اور اس سے پہلے کہ مجرموں کی لاشیں جلانے کو روانہ کی جاتیں ان کے سر قلم کئے جانے لگے۔

جن پر شک کیا جاتا انہیں اس لئے شدید تشدد کا نشانہ بنایا جاتا کہ اعترافات حاصل کئے جائیں۔ کوئی شخص جو لگاتار ایذا رسانی جھیل جاتا اور خطا وار ہونا نہ قبول کرتا معمولی سا امکان رہتا کہ اس کی زندگی بچ جائے۔ ایسا شخص جو یہ سمجھ کر کہ اس پر ہونے والی ایذا رسانی ختم ہو جائے گی اور اقرار کر لیتا تو یہ یقینی تھا کہ وہ جلا دیا جائے گا۔ چند مقامات کی تفصیلات تو دستیاب ہیں۔ رونالڈ بینو رونچایا ایک نمایاں خواجہ سرا تھا جس کا ذریعہ معاش جسم فروشی تھا وہ اپنی حقیقی جنس کو اپنے گاہکوں سے پوشیدہ رکھتا۔ اسے ۱۳۵۴ء میں سگنوری کے احکام پر ماخوذ کر لیا گیا اور زندہ جلا دیئے جانے کے احکام جاری ہو گئے اور یہ کارروائی مینار عدل پر جو چوراہے پر واقع تھا ہونا تھی۔ یہ چھوٹا سا چورستہ جو سینٹ مارک کے چوراہے کو بڑی نہر سے ملاتا ہے جو عہد وسطی اور نشاۃ ثانیہ میں وینس کا شہری اور تقریباتی گڑھ تھا، آج سیاحت کا ایک معمولی سا نقطہ ہے۔ عہد وسطی کے عدل کے ستون جو پانی کے چھوٹے سے ذخیرے سے ڈرامائی انداز میں نظر آتے ہیں وہیں پر استادہ ہیں جہاں چھ سو برس پہلے موجود تھے۔ ان پر سینٹ مارک کا پردار شیر لگتا ہے جیسے غالب آ چکا ہو۔ اور دوسرا سینٹ تھیوڈور اور اس کا مگرمچھ ہے۔ غالب امکان تو یہ ہے کہ ہٹلر سے پہلے اس مقام پر یورپ کے دیگر مقامات کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہم جنس پرست مارے گئے۔

عدالتی کارروائیوں کا جھکاؤ ناگزیر طور پر یہی تھا کہ ملزمان کو انسانیت کے مرتبے سے گرا دیا جائے کیونکہ روبکاری میں یہ سادہ سا سوال قانوناً پوچھا جاتا کہ کونسا عضو جسم کے کس روزن میں داخل ہوا۔ لیکن ۱۳۵۷ء میں ایک استغاثہ کی کاروائی سے ہمیں یہ موقع ملتا ہے جس میں دستاویز کے پیچھے ایک انسانی رشتہ نظر آتا ہے۔ ایک کشتی ران نکولیٹو مارماگنا اور اس کا ملازم جی ونی براگنز انے تین چار سال پہلے نکولیٹو کی کشتی میں عشق کا کاروبار شروع

کیا تھا۔نکولیٹو اس کے بعد جی ونّی کو اپنے اہل خانہ کے پاس لے گیا۔اپنی کسی بھانجی سے اس کا بیاہ کر دیا اور اپنے تعلق کو بھی جاری رکھا۔ پوچھ گچھ پر اس نے اپنے عاشق کو بچانے کی اس طرح کوشش کی کہ جی ونّی نے دھمکی کی وجہ سے آمادگی ظاہر کی تھی۔لیکن جی ونّی نے تسلیم کیا کہ اس نے شرکت کے لئے آمادگی ظاہر کی تھی اور دونوں جلا کر مار ڈالے گئے۔

پندرہویں صدی میں وینس دولت اور اقتدار کے معاملے میں نصف النہار کو پہنچ گیا اور اس کے باجگذاروں میں شمال مشرقی اٹلی بھی شامل تھا، ڈالماشین ساحل اور یونان کے چند علاقے اور بالآخر کریٹ اور قبرص۔ دور عروج میں وینس کی مدح و ثنا اس کے مقبوضات ہی کی وجہ سے نہ ہوتی بلکہ اس کی کارگزاری اور اس کی حکومت کے استحکام کی بھی ہوتی جس کی وجہ شہرت یہ تھی کہ وہ اپنے قوانین کا نفاذ سختی سے اور غیر جانبداری سے کرتی۔ زیادہ تر جرایم کی سماعت معمولی عدالتی محکموں میں ہوتی جیسے سگنوری ڈی نوٹ تھا۔تاہم ایک نہایت طاقتور کاونسل بھی تھی جو دس افراد پر مشتمل ہوتی جس کی بنیادی ذمہ داری مملکت کی حفاظت کرنا تھی۔اس کا اصل کاروبار محض دو قسم کے جرایم سے تعلق رکھتا تھا: بغاوت (یہ جرم شہر کی سیاسی ایمان داری سے تھا) اور جعل سازی (یہ جرم اس کی مالیات کے خلاف)۔ بعد میں کاونسل نے سگنوری ڈی نوٹ کی ذمہ داری بھی اس سے لے لی تاکہ تیسرے جرم کی بھی سزا دے یعنی اغلام بازی کی۔اس پر تعجب ہوتا ہے کہ اغلام بازی کسی اتنے محترم ادارے کی ذمہ داری بن جائے۔ یہ اختراع اس وقت قابل فہم ہو جاتی ہے جب ہم ایک معقول حقیقت کو تسلیم کر لیں۔ مذہبی خوف کے سبب اغلام بازی بھی کسی حد تک قومی تحفظ کے لئے ایک خطرہ سمجھی جاتی تھی۔

اس نئی صورتحال کے پیدا ہونے کے لئے ایک وجہ وہ سنسنی خیز مقدمہ تھا جس نے ۱۴۰۷ء میں سلطنت کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔جس میں وینس کے تینتیس شہریوں کو ملوث کر لیا گیا تھا۔ ان میں پندرہ سے زیادہ تو اشرافیہ کے لوگ تھے اور اسی وجہ سے یہ معاملہ اتنا نازک ہو گیا کہ اسے سگنوری پر نہیں چھوڑا جا سکتا تھا۔ ایک شریف آدمی کلارو کنٹارینی کسی نامور خاندان سے تعلق رکھتا تھا جس نے بڑی نہر پر کاڈی اورو بنوایا تھا اور دس کی کاونسل کو کسی اور خاندان کے مقابلے میں زیادہ ارکان دیئے تھے۔ کنٹارینی نے دعوی کیا کہ اس کے پاس

کلیسائی عہدہ ہے یہ مرتبہ اسے اتنا ارفع مقام دیتا ہے کہ معمولی توبہ اور کفارہ کی عدالت سماعت کی مجاز نہیں رکھتی۔ بالآخر یہ ثابت ہوگیا کہ اس کا دعوی حلفیہ دروغ گوئی کے زمرے میں آتا ہے۔اس لئے کارلو کو اگلے دن جلا کر ہلاک کرنے کی سزا سنادی گئی۔ بالکل اسی طریقے اور وضع سے جیسے دیگر اغلام بازوں کے ساتھ ہوتا تھا۔

لاتعداد لوگوں کا گرفت میں آنا اور باقی ماندہ صدی میں لاتعداد گروہوں کا بار بار گرفتار کیا جانا اور بارہا اس مقام کا ذکر جوان کی پسندیدہ تھی یہ ظاہر کرتا ہے کہ وینس میں قابل ذکر ہم جنس پرست تمدن پایا جاتا تھا۔لیکن ۱۴۰۷ء کے رسوا کن واقعہ کا اہم نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ دس کی کاونسل اس قابل ہوگئی کہ سگنوری ڈی نوٹ لونڈے بازی کی سخت سزائیں نہیں دے رہا تھا۔ یہ بھی شکایات تھیں کہ وہ ملزموں سے اعترافات جرم کرانے کے لئے لوگوں پر سخت تشدد نہیں کرتا تھا۔اس لئے کاونسل نے ۱۴۱۸ء میں استغاثے کا کام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔تاکہ اس بدی کو نیست و نابود کیا جا سکے۔" تاکہ نہ تو کوئی اس پر عمل درآمد کے لئے سوچے بلکہ کوئی اس کا ذکر کرنے کی بھی ہمت نہ کرے۔" مستغیثوں کی تعداد میں اضافہ کردیا گیا۔ چارسو سے زاید افراد پر اس الزام پر مقدمہ چلایا گیا کہ وہ دوسرے مردوں سے پندرہویں صدی میں تعلقات رکھتے تھے اور چونتیس پر عورتوں کی گانڑ مارنے پر۔

کس شئے نے اس بربریت پر اکسایا۔ وینس کا نظام عدل اگر چہ غیر جانبدار تھا لیکن اکثر سخت ہوجاتا۔ زہر دینے والے جعل ساز بھی بسا اوقات جلا کر مار ڈالے جاتے۔لیکن جنسی جرایم کے خلاف قوانین کے نفاذ میں دوعملی ظاہر ہوتی ہے اگر وینس قانون اور نظم و ضبط کی شہرت رکھتا تھا تو اس کی یہ شہرت بھی تھی کہ یہ سیاحوں کو جنسی مواقع فراہم کرتا تھا۔ اس کی خانگیاں بھی بین الاقوامی شہرت رکھتی تھیں۔شہر اس سرگرمی کے واسطے پروانے جاری کرتا تھا اور کلیسا اسے قبول کرتا تھا۔ آگسٹاین کا یہ قول ہے کہ جسم فروشی ایک لازمی برائی ہے جسے سلطنت کو گوارہ کرنا چاہئے جس سے بیویوں اور کنواریوں کو تحفظ ملتا ہے اور ایکوناس نے اپنی سمآ میں اس خیال کی توثیق کی ہے۔ وینس کے قانون نے نہ صرف دیگر تمام جنسی سرگرمیوں پر سخت سزائیں دیں۔ یہاں تک کہ جب کوئی بچی بھی شکار بنی جماع بالجبر کی سزا چند ماہ قید و بند کی دی گئی یا پھر ایک یا دوسال کی قید۔

لیکن ہم جنس پرستی ایک مختلف قسم کی تشویش پیدا کرتی۔ دس کی کاونسل نے بارہا یہ کہا کہ لونڈے بازوں نے شہر کو خطرے میں ڈال دیا ہے کیونکہ خدا ''نے اپنے فیصلے کے مطابق شہروں اور شہریوں (مردوں کو) جو ان میں رہتے تھے برباد اور مسمار کر دیا۔'' کاونسل کو خاص طور پر وینس کے بیڑے کی فکر رہتی اور حیرانی ظاہر کرتے ہوئے کہتے کہ اس گناہ کے ارتکاب کی انتہائی کثرت کے سبب ''الوہی عدل نے انہیں کیوں نہیں غرق کیا۔'' ایک بیان میں جو ۱۴۵۸ء میں جاری کیا گیا اور جس نے بائیبل کی تاریخ وار ترتیب کو گڑ بڑا دیا اس میں کاونسل نے یہ کہا کہ خدا ''کہ اس نے سدوم اور عمورہ کے شہروں پر اپنا عذاب نازل کیا اور فوراً ہی بعد بذریعہ سیلاب اس نے پوری دنیا کو اس خوفناک گناہ کی پاداش میں برباد کر دیا۔'' اہل وینس یہ ڈرتے تھے کہ ان کا شہر بحرا ڈریاٹک میں غرق ہو جائے گا جس کے پایاب پانی میں سے کبھی یہ ابھرا تھا۔ گیڈو رگیرو نے یہ نتیجہ نکالا کہ اسی طرح کا دماغی خلل ''جادوگروں کا خوف تھا جسے یورپ کو کچھ ہی عرصے میں گرفت میں لے لینا تھا بعد میں یوں لگا جیسے اس نے وینس کے صاحبان اختیار کو پندرہویں صدی کے نصف میں مغلوب کر لیا۔''

لیکن اگر وینس کو کسی قہر والی اور کینہ پرور دیوی کا ڈر تھا تو یہ خوف ان پر اس وقت کیوں حاوی ہوا جب کہ اس وقت مادی لحاظ سے، فوجی اور نفسی لحاظ سے عروج کا زمانہ تھا۔ ان کامیابیوں نے شہر پر مسلط ہوّا کو رفع نہ کر دیا اس کے بجائے الٹا اثر ہوا۔ ایک مرتبہ جب مذہبی خوف مسلط ہو جائے تو شہری کامرانیاں غیر متعلق ہو جاتی ہیں۔ بلاشبہ اندیشے بہت بڑے لگتے ہوں گے کیونکہ سماج کے پاس گنوانے کو بہت ہوگا۔ ہمیں چاہئے کہ ایک ''شاہی تشویش'' کے متعلق گفتگو کریں۔ ایک کرتبی امتحان جیسے کہ لوگوں کی جان لینے کی سزا کو معطل کر دیں اور یہ دیکھیں کہ واقعی ان کی ضرورت ہے یہ تو لگے جیسے بہت کچھ داؤں پر لگ گیا ہے۔ وینس میں سر قلم کرنے کا تسلسل باعمل کاروباری اور بینک کے اہلکاروں کے لئے بیمہ بن چکا تھا جو شہر پر حکمرانی کر رہے تھے۔

وہ لوگ کون تھے جنہیں عذاب جھیلنا پڑ رہا تھا۔ سزائے موت پانے والوں کی فہرست پر نظر ڈال کر رگیرو نے یہ نتیجہ نکالا کہ ''وہ جو مصلوب ہوئے وہ سب وینس کے سماج کے ہر طبقے کے نمائندے تھے۔'' تمام پیشوں کے جن میں حجام سرفہرست تھے۔ بظاہر اس کی وجہ یہ

تھی کہ عطاروں کی دکانیں حجام جراح چلاتے تھے جو ذیلی تمدن کے لئے ملاقات کا ٹھیا بن گئیں۔ شرفا اور حجاموں کے علاوہ پیٹریشیا لاباآلمے کو بھی یہ معلوم ہوا کہ ''درزی' سنار، مچھیرے، ٹوپیاں بنا کر بیچنے والے، شیشہ گر، پھل فروش، کنجڑے اور مے فروش، مسالہ جات بیچنے والے، طابع، سرکاری قوانین کے مطابق کتابوں کو جانچنے والے، مصور، بزاز، سنگتراش، توپچی، رقص سکھانے کا استاد، دستاویزات کی تصدیق کرنے والا اور سرکاری منادی۔'' جو اسے ملزمان کے ریکارڈ پڑھنے سے معلوم ہوا ہے۔ ایک معقول انعام ۱۴۰۶ء میں ۲۰۰۰ لایر (کوئی بیس ہزار ڈالر) کا اعلان کیا گیا کہ کسی انکشاف سے اگر سزا یابی ممکن ہوئی تو ادا کیا جائے گا۔ دو شرفاء ۱۴۵۵ء میں دو مختلف کنٹراڈا (مقابلتاً مختصر بلدیاتی حلقے) سے منتخب ہوئے تاکہ ان میخوانوں کا معاینہ کریں جہاں ''غیر متوازن عمروں کے ساتھی'' ایک دوسرے سے ملیں۔ ۱۴۴۴ء میں گویوں اور موسیقی کے اسکول اور جمنازیم پر بھی شک کا سایہ پڑنے لگا۔ اور بعد میں شمشیر زنی اور شمار چوکھٹا تک۔ قانون نے دس کی کاونسل کے ارکان کو حکم دیا کہ ''وہ شہر کی اچھی طرح جانچ پڑتال کریں جس میں ماتحتوں اور جاسوسوں سے بھی مدد لیں۔۔۔ لونڈے بازوں کا کھوج لگائیں، ان لڑکوں کا جو اپنے ہم سن لڑکوں کو ساتھی بنانے کے لئے آرزومند ہیں۔ ہر دکان کا جایزہ لیا جائے، اسکولوں کا، پیش دالانوں کا، ہر سرائے کا، چکلوں کا اور پیسٹری تیار کرنے والے نان بایوں کا اور جسم فروش عورتوں کا۔

ایسا حوالہ جو ''ایسے لڑکے جو ہوں'' ظاہر کرتی ہے کہ لڑکوں کی قصور واری کے متعلق رجحانات پندرہوں صدی میں کس طرح بدل رہے تھے اس سے پہلے لڑکے اور مرد جو مفعول کا کردار ادا کیا کرتے تھے وہ عموماً سزا یابی سے بچ جاتے تھے۔ لیکن ۱۴۲۴ء میں کاونسل نے نوجوان لڑکوں کو بھی مایل بہ رضا شریک جرم سمجھنا شروع کر دیا۔ یہ چاہے رقم یا محبت کے لئے ہو۔ اور فیصلہ کیا گیا کہ ایسے لڑکے اگر دس اور چودہ برس کے سن کے ہوں گے اور جرم ثابت ہو گیا تو کم از کم تین ماہ قید کی سزا پائیں گے یا بارہ سے بیس تک کوڑے لگائے جائیں گے۔ بچے بالغوں کی طرح تشدد کا نشانہ بنائے جاتے۔ ایک سولہ برس کا نوجوان کا عضو تناسل بری طرح کاٹ ڈالا گیا اور اس کا بازو اس طرح مروڑا گیا کہ بالآخر اسے کٹوانا پڑا۔ ایک اور بعد کا قانون جو ۱۵۰۰ء میں نافذ ہوا یہ حکم دیتا ہے کہ فاعل اور مفعول دونوں ساتھی کو

یکساں بھگتنا ہوگا۔

وینسی اہل اختیار پر تواتر سے یہ فاش ہوتا رہا کہ کلیسا کے ارکان اغلام بازی کے ذیلی تمدن میں ملوث ہیں لیکن وہ اس بات پر رنجیدہ رہتے کہ یہ لوگ ان کے دایرہ اختیار سے باہر ہیں۔ وہ افراد جو ہالہ مقدس میں ہوتے انہیں سزا نہیں دی جاسکتی تھی (الاشہر بدری کی سزا کے) انہیں صرف کلیسا کے صاحبان اختیار سزا دیتے تھے جو عموماً کلیسا کے پادریوں کی تحقیر ناپسند کرتے تھے۔ یہ ایسا حربہ تھا جس سے وہ تمام اہل وینس کو دیوانی جرمانوں کے دایرہ اثر میں لے آتا۔ کوئی بھی یہ محسوس کرسکتا ہے کلیسا سے منسوب اداروں کا وطیرہ عدم تعاون کا تھا اگر چہ کاونسل برہمی سے احتجاج کرتی رہتی کیونکہ سر عام کٹگھڑ میں کسا جانا یا سولی پانا اس سے کلیسا کی اخلاقی حالت پر حرف آتا تھا۔ جس نے یہ ترجیح دی کہ مردوں کو خانقاہوں میں روٹی اور پانی پر رکھا جائے۔ اس کے باوجود ہم یہ سنتے ہیں کہ چند پادریوں کو موت کی سزا دی گئی۔ ان کے معاملے میں انہیں لکڑی کے پنجروں میں سینٹ مارک کے چوک پر لٹکایا جاتا جہاں انہیں بھوک یا سردی میں مرنے کے لئے چھوڑ دیا جاتا۔

پندرہویں صدی کی داروگیر چلتی ہوئی سولہویں صدی میں داخل ہوگئی لیکن نئ صدی میں سزائیں کم جان لیوا ہوگئیں۔ ملک بدری اور دیس نکالا سے لے کر جو چپٹی کشتیوں سے ہوتا انہوں نے جلانے کی سزا کی جگہ لے لی۔ وینس کو اپنے بیڑے کے لئے ملاحوں کی ضرورت تھی ایک لگا بندھا جملہ اب تنبیہ کرتا کہ اغلام بازی آبادی کے لئے خطرہ ہے۔ اس کے باوجود ہولناک سزائیں اب بھی دی جاتیں۔ ایک آدمی کو ۱۵۵۲ء میں سانٹا کروس کے گرجا سے جو ریالٹو برج کی طرف تھا کھینچ کر لایا گیا۔ جو اس کا موقع واردات تھا اور گھوڑے کی دم سے باندھ کر۔ وہاں پہنچ کر اس کے ہاتھ کاٹ ڈالے گئے۔ پھر اسے مینار عدل پر لایا گیا تا کہ سر قلم کیا جائے اور جلا ڈالا جائے۔ ایک اور مرتبہ زندہ جلانے کا واقعہ ۱۵۹۰ء میں ہوا۔ اس کے باوجود جو تشویش اب کامیابی سے ہم کنار ہو چکی تھی لگتا ہے اس میں اس لئے کمی آنے لگی کیونکہ شہر کی خوشحالی بھی گہنانے لگی تھی۔

فلورنس: عشق کی قیمت (۱۳۲۵ء ——— ۱۵۴۲ء):

نشاۃ ثانیہ کا فلورنس ہم جنس پرستی کی تاریخ میں ایک انوکھا باب پیش کرتا ہے۔ جب کہ وینس میں خوف کا خط مستدیر واضح اور سادہ سا تھا۔ مگر چودھویں اور پندرھویں صدی کے فلورنس کی کہانی پر تشدد اور پیچیدہ ہے۔ وہاں کوئی ایک صدی یا اس سے کچھ اوپر اغلام بازی کے قوانین بدلتے رہے۔ اوسطاً ہر دس برس میں ایک مرتبہ اور ان میں بڑی صراحت سے حد بندی والی سزایں ہوتیں کہ بالکل ایسا لگتا جسے وہ اشیائے تجارت کا نرخ نامہ ہوں۔ اس میں یہ جھلکتا جیسے ان میں فطری فلورینس کے تمدن کا بعد مشرقین موجود ہو۔ کلیسائی تندی و تیزی اور ایک در پردہ رواداری میں ایک آویزش تھی کہ کسی طرح مصالحت پیدا ہو جائے۔ صورتحال نے اپنے متناقضات پیدا کر دیے۔ جس کے نتیجے میں جو قانون سازی ہوئی اس نے سزاؤں کو وینس کی ہلاکت خیزی کے بہت نیچے کر ڈالا۔ لیکن ایک جنونی کوشش تا کہ تسلط قائم رہے بجائے اس کے کہ اسے مٹا دیا جائے اغلام بازی کے رویے نے انگنت الزام تراشیوں اور مقدمے بازی کی راہ کھول دی یہ سب کچھ ایک ہی جانب اشارہ کرتا ہے کہ ہم جنس پرستی کی سرگرمیاں بہت بڑے پیمانے پر ہو رہی تھیں۔ اور امکانی طور پر تمام حدود و قیود سے زیادہ یعنی کسی بھی جدید یورپی شہر کے زمانے سے پہلے والے شہروں سے بڑھ کر۔

حقایق قابل ذکر ہیں اور بادی النظر میں کسی سے منسوب کرنا مشکل ہے۔ لیکن گہری تحقیقات کی روشنی میں جو میخایل روکی نے شہری دستاویزات میں کی ہیں وہ نا قابل تردید ہیں۔ روکی نے فلورنس میں ۲۵۰۰ اغلام بازی کے مقدموں کی تفصیلات درج کی ہیں جو ۱۴۳۲ء سے ۱۵۰۲ء تک چلے تھے یہ وہ زمانہ ہے جب وینس کی مانند فلورنس میں اغلام بازی کے خلاف چلنے والی مہم اپنے پورے شباب پر تھی۔ لیکن یہ کہانی کا صرف ایک حصہ ہے۔ شہری رجسٹر جو ۱۴۷۸ء تا ۱۵۰۲ء کے درمیان میں سے چوبیس برس کی مدت میں سے محض سترہ سال کے ہیں امتداد زمانہ سے بچ کر ہم تک پہنچے ہیں ان میں ۴۰۶۲، افراد پر الزامات عاید کئے گئے گویا اوسطاً ۱۶۰، پر سالانہ۔

چونکہ ان میں سے صرف بیس فیصد سزا یابی کو پہنچے اس لئے ہم یہ سمجھنے میں حق بجانب ہوں گے کہ کوئی (۱۲۵۰۰) مردا ورلڑکے شبینہ افسران کی توجہ کا مرکز بنے (آفیشل ڈی نوٹے) جیسا کہ اغلام بازی کے خلاف پولس کو ان سرگرم سات دہائیوں میں کہا جاتا تھا۔ یہ حیران کن ہے جب ہم یہ اندازہ لگاتے ہیں نشاۃ ثانیہ کا فلورنس تاریک موت (بلیک ڈیتھ) کے بعد مقابلتاً چھوٹا شہر تھا۔

اخلاقیات کی مزاحمت ممکن ہے اسی طاعون نے پرورش کی ہو جس نے ۱۳۴۸ء میں فلورنس پر حملہ کر دیا اور اس کے ایک لاکھ بیس ہزار شہریوں میں سے ۸۰۰۰۰، کو ہلاک کر دیا۔ اپنے آغاز میں بوکاسیو کے ڈی کیمیرون (۱۳۴۸ء۔۱۳۵۳ء) اس نتیجے پر پہنچا کہ اگر زندگی مختصر ہے تو ہم سب کو صرف لطف اندوز ہونا چاہئے اور وہ بھی بالا رادہ۔ یہ کہانیاں نہ صرف کلیسا کے پادریوں کے لتے لیتی ہیں جو جنسی معاملات میں منافقین ہیں اور جن کی عہدوں پر تعیناتی اخلاص سے عاری ہوتی ہے۔ بلکہ بہت سے تو یہ تسلیم کرتے ہیں کہ شادی شدہ عورتوں کا یہ حق ملنا چاہئے کہ اگر ان کے شوہر اطمینان بخش طریقے سے وظیفہ زوجیت ادا نہ کر سکیں تو وہ شادی کے باہر بھی ہمدردانہ انداز میں جنسکاری کر لیں اور اس طرح راہبات پر پڑنے والا گناہوں کا بوجھ بھی ہلکا ہو جائے گا۔

بوکاسیو کی مخرب اخلاقیات تاہم اس نکتے پر آ کر ٹھٹک جاتی ہے اور ہم جنس پرستی کو مباح نہیں قرار دیتی جس کا 'ڈیکامیرن'، میں بہ مشکل تذکرہ ملتا ہے۔ ابتدائی کہانی ایک ہوشیار لفنگے کی ہے جو اعتراف سننے والے اپنے پادری کو جل دیتا ہے اور بیان کیا جاتا ہے کہ ''مردوں کا زیادہ شوقین ہے'' بجائے ''کسی گھٹیا ساتھی کے'' کسی غلط فہمی کے باعث وہ واجب الاحترام بن جاتا ہے اور بعد وفات ایک سینٹ۔ دوسری کہانی میں روم میں پوپ کی عدالت پر الزام عاید ہوتا ہے کہ وہ اغلام بازی کی ہوس کے مزے لے رہی ہے۔ ''وہ بھی بلا کسی ندامت یا شرم کے'' صرف ایک کہانی میں —— جو پانچویں ہے اور دسویں دن —— جس کا دارومدار ہم جنس پرستی پر ہے۔ پیٹرو ونسیلو ایک گانڑ مارنے والا ہے اور اپنی بیوی کی ضرورتوں کو نظر انداز کرتا ہے۔ لیکن جب وہ اسے ایک عاشق کے ساتھ پاتا ہے تو وہ اس کی غفلت کا واویلا کرتی ہے۔ جس پر ان میں ایک نکتے پر مصالحت ہو جاتی ہے۔ تاہم اگلی صبح

میں جب نوجوان اپنے شہر کے چوک پر پہنچتا ہے ''تو اسے ٹھیک سے یاد نہیں آتا کہ گذشتہ رات اس نے کس کے ساتھ زیادہ وقت گزارا تھا، شوہر کے ساتھ یا بیوی کے۔'' گوبوکا سیو کی پیٹرو کی تصویر کشی ہمدردانہ نہیں ہے وہ رسوا کن تگڈم کو لطف لے کر بیان کرتا ہے بجائے برہمی کے۔

وینس کی طرح فلورنس میں ہم جنس پرستی کے خلاف مجسموں کی تنصیب مذہبی بنیادوں پر حق بجانب تھی۔ شہری انتظامیہ نے اعلان کر دیا تھا کہ اغلام بازی سب سے زیادہ گھناؤنا جرم ہے جس سے شہر پر خداوندی قہر آ سکتا ہے (۱۳۶۵ء) اس سے خوفناک فیصلہ اتر سکتا ہے (۱۴۱۸ء) یہ ایک ''قابل نفرت شے تھی، خدا سے جنگ ہے، روح کی موت ہے اور جمہوریہ کے لئے ضرر رساں محض اس لئے کہ اس میں بدی کی کشش ہے (۱۵۴۸ء)۔ لیکن اگر مذہبی جذبہ بالادست ہوتو مقامی تمدن میں کوئی ایسی چیز ضرور تھی جو اسے حد سے تجاوز نہ کرنے دیتی۔ قانون سازی کی تاریخ ہمیں ایک عجیب وغریب صورتحال دکھاتی ہے کہ اس کا پنڈولم پینگیں لیتا رہتا ہے اور کوئی آدھے درجن اغلام بازی کے خلاف تحریکیں بے اثر رہیں۔ ڈانٹے کی موت کے چار برس بعد ۱۳۲۵ء میں ہم صریح قوانین کا ایک سلسلہ دیکھتے ہیں جن سے اسے سماجی طور سے کنٹرول کرنا تھا۔ مقامی قانون شکنوں کو آختہ کرنے سے لے کر غیر ملکیوں اور آوارہ گردوں کو جلا کر مارنے تک اور بھڑووں چشم پوشی کرنے والے باپوں اور کوئی مرد اگر باغ میں کسی لڑکے کے ہمراہ مشکوک حالت میں ملا تو یہ ممکن تھا کہ اسے پانچسو لایر جرمانہ کیا جائے۔ (یہ ایک معقول رقم تھی۔ سولایر کسی کاری گر کی سال بھر کی اجرت ہوتی تھی)۔

اسی پنڈولم نے ۱۳۶۵ء میں الٹی جانب پینگ لی اور بڑی سختی آئی۔ ایک نیا قانون جو قہر الٰہی کی بشارت دیتا اس میں جلا کر مارنے کی شق دوبارہ شامل کر دی گئی اگر کوئی پہلی مرتبہ اس نوعیت کا جرم کرے۔ اٹھارہ سال کے لڑکوں کو اس شرط کے ساتھ مستثنی کر دیا گیا اور دیگر سزاؤں سے بھی اگر وہ رضا کارانہ طور پر چاہنے والے کی مذمت کر دیں۔ لیکن تمام نوجوان لڑکے اس نرمی کے مستحق نہ تھے۔ جس سال یہ منظور کیا گیا ایک پندرہ سالہ گیوونی۔ ڈی۔ گیوونی جس پر ''کئی مردوں'' سے تعلقات رکھنے کے الزام پر پورے شہر بھر میں ایک

گدھے پر بٹھا کر پھرایا گیا، مجمع عام میں اسے خصی کیا گیا پھر اسے ایک سرخ لوہے سے داغا گیا۔ ''جسم کے اس حصے پر جسے اس نے لونڈے بازی کے دوران میں لوگوں کو استعمال کرنے کی اجازت دی تھی'' کوئی پچاس سے اوپر معاملات میں ۱۳۴۸ء اور ۱۴۳۲ء کے درمیان میں مقدمات عدالت میں پیش ہوئے جن میں اکثریت میں بچوں کے ساتھ تشدد یا پھر بچوں کے غلط مصرف کا الزام تھا۔ لیکن ایک مرتبہ پھر چند استثنیات تھیں۔ دو پاطریسی سالویسٹرو۔ ڈی نکولوالامنی چھتیس سالہ اور جاکو پوڈی امریگو ویرازنو کو ۱۴۰۴ء میں سزا ہوگئی۔ وہ دو برس سے باہمی عشق میں مبتلا تھے بظاہر اپنے دوستوں اور عزیزوں کی چشم پوشی سے۔ یہ ان چند ایک مقدمات میں سے ایک ہے جس میں عدالتی ریکارڈ ایک گہرے جذباتی بندھن کا ذکر کرتا ہے۔ حوالے کے مطابق سالویسٹرو یہ کہتا ہے کہ اس کا جاکو پو سے عشق اس کے لئے اپنی بیوی کی محبت سے زیادہ ہے۔ عمر رسیدہ شخص پر ایک خطیر رقم کا جرمانہ کیا گیا اور دونوں کو دیس نکالا مل گیا۔ آخر میں جرمانے کی سزا میں بڑی تخفیف کر دی گئی اور جاکو پو کی سزا ختم کر دی گئی۔ بلاشبہ یہ نرمی خاندانی اثر و رسوخ کا نتیجہ تھی۔

قدامت پسند طاقتوں نے ۱۴۰۳ء میں ایک خصوصی مجسٹریٹ کا نظام قائم کیا ''تاکہ قلع قمع'' کیا جائے اغلام بازی کی بدی کا بالکل ویسی ہی جیسی پندرہ برس بعد وینس والے قائم کرنے والے تھے۔ تاہم اس تحریک کو بڑی صفائی سے ایک جوابی تجویز کے ذریعے غیر موثر بنا دیا گیا۔ سگنوری نے واقعی ایک نیا محکمہ قائم کر دیا۔ شائستگی کے افسران۔ لیکن اس عجیب و غریب نام کے ادارے کی ذمہ داری یہ نہ تھی کہ اغلام بازوں کو تلاش کرے بلکہ یہ فرائض تھے کہ وہ چکلوں کو ڈھونڈے اور عورتوں کو ان میں کام کرنے کی غرض سے بھرتی کرے۔ بظاہر یہ سمجھا گیا کہ یہ ایک نعم البدل راستہ ہوگا جس سے ایک ہی جنس میں سرگرم رہنے والوں کی کارروائیوں میں تخفیف ہو سکے گی۔ پڑوس میں لگا ریاست میں اغلام بازی کی پولس کو خصوصی اختیارات دیئے گئے تھے تاکہ وہ زنانہ جسم فروشی کو فروغ دیں۔

بارہ برس کے بعد ۱۴۱۵ء میں وہ گروہ جو نرمی کا حامی تھا اسے ایک رعایت حاصل کرنے میں کامیابی ہوگئی۔ ایک نیا قانون جس نے بالصراحت موت کی سزا کی ممانعت کر دی یعنی پہلے ارتکاب پر۔ اس کے بجائے سزا یافتہ مردوں پر خطیر جرمانوں کا تخمینہ لگایا

جا تا جو ایک ہزار لا ئر تک ہوسکتا مگر قتل کرنا ،مثلہ کرنا اور ملک بدری نہ ہوتی۔ اگر برادری سر قلم کرنے کی سزا سے صدمے میں چلی جاتی تو اس کا مطلب یہ لیا جا تا کہ سزا ناواجب تھی۔ اس سے بھی بڑھ کر تعجب خیز یہ تھا کہ ایک شق کے تحت سزا یافتہ اغلام بازوں کو ان کے سیاسی عہدوں سے نہ ہٹایا جا سکتا۔ یہ دونوں موضوعات ۔ کہ آیا اغلام بازوں کو موت کی سزا دی جائے جب حالات بگڑنے والے نہ ہوں یا پھر سرکاری عہدہ رکھنے کے حق سے محروم نہ کیا جائے۔ یہ اگلی صدی تک گلے کی ہڈی بنا رہا۔

مذہبی نظریات تاہم متفق علیہ رہے۔ ڈانٹے کے زمانے میں ڈومینیشین مبلغ جیورڈانو ڈاپیسا نے خطبے میں یہ احکام دیے (۱۳۰۵ء) ''آہ ہمارے شہریوں میں کتنے بہت سے اغلام باز موجود ہیں! تقریباً سب ہی اس بدی میں گرفتار ہیں یا پھر کم از کم اکثریت۔ فلورنس ایک اور سدوم بن گیا ہے۔ سب سے پر جوش حملہ تاہم مقامیوں کی طرف سے نہ ہوا بلکہ ایک عیسائی ریاست سینا کے ایک شہری کی طرف سے ہوا۔ برنارڈینو ڈاسینا (۱۳۸۰۔ ۱۴۴۴ء) نے بطور ایک کرشماتی مبلغ کے شہرت پائی جس نے پورے اٹلی میں نئے اخلاقی قانون سازی کے واسطے مہم چلائی۔ پائیس۔ دوم نے اسے نئے سینٹ پال۔ دوم کا لقب دے دیا۔ برنارڈینو نے متعدد گناہوں کے خلاف زہر افشانی شروع کردی۔ مقدس ذاتوں کی توہین، سود خوری، جوا اور عمدہ کپڑوں کے پہننے کے خلاف۔ اور ان کے خلاف سخت ترین قوانین کا مطالبہ کیا۔ لیکن وہ سب سے زیادہ اس لئے قابل ذکر ہے کہ اس نے سب سے زیادہ توجہ اغلام بازی کے گناہ کے خلاف دی۔

چند شمالی اقوام میں (جیسے انگلینڈ) مبلغین کو بڑی متانت سے متنبہ کیا گیا کہ جب وہ مقام وعظ سے بولیں تو اس گناہ کا کنایتہً بھی حوالہ نہ دیں۔ بلاشبہ ہمیں بہت تھوڑے سے وعظ یاد ہیں لیکن برنارڈینو کا ریکارڈ تو نادر ہے۔ تین وعظ تو اس موضوع پر ۱۴۲۴ء میں فلورنس میں دیئے ایک اور ۱۴۳۵ء میں اور دو مزید سینا میں ۱۴۲۵ء اور ۱۴۲۷ء میں۔ بے تاب قلمبند کرنے والوں نے ان —— مقامی زبانوں میں تبلیغ کو محفوظ کرلیا۔ برنارڈینو ایک دیدہ ور اور صاف گو شاہد تھا۔ اس کی تلخ نوای میں ہمیں فلورنس میں ہم جنس پرستی کے کردار کے متعلق بصیرت ملتی ہے جو تفصیلات سے اتنی مالا مال ہے جتنا کسی بھی بچ رہنے

والے وسیلے میں نہیں ملتا۔ برنارڈینو نے اپنے موضوع پر اپنی گہری توجہ مبذول رکھی۔ بالخصوص ٹسکنی کی بنیادوں پر جس کی پوری یورپ میں سب سے زیادہ بدنامی ہو چکی تھی۔ اس کا شاہ خرچی کی حدود والا دعویٰ جرمن استعمال کی وجہ سے آج بھی موجود ہے۔ پورے نشاۃ ثانیہ کے دوران میں اہل جرمنی عادتاً اغلام بازوں کو (اہل فلورنس) کہتے تھے اور فلورنس سے انہوں نے ایک فعل کا بھی اشتقاق کیا (فلوریزن)۔

برنارڈینو کے وعظ اہل فلورنس کے والدین کی حیثیت میں ان کے رویوں کے متعلق نہایت منکشفانہ ہیں۔ وہ الزام لگاتا ہے کہ مائیں یہ چاہتی ہیں کہ ان کے بیٹے اتنے ہی خوبصورت لگیں جتنا کہ ان کی بیٹیاں ہوتی ہیں جس کے لئے انہیں پرکشش اور بھڑک دار کپڑے پہناتی ہیں جیسے مختصر سینہ بند اور ''ایسے اونچے موزے جن کے اوپر پھندنا لگا ہوتا ہے اور ایک پیچھے کی جانب جس سے اغلام بازوں کو بہت سا گوشت نظر آئے۔'' ''جس کے نتیجے میں برنارڈینو کے دعوی کے مطابق لڑکے تحریص دلانے والی پوشاکوں میں ٹسکن کے گلی کوچوں میں چلتی پھرتی ترغیب ہوتے ہیں۔'' یقیناً یہاں پر ہم ایک صوفی منش کی گواہی کو قبول کر سکتے ہیں۔ ان کے جو باپ ہیں وہ بھی اتنے ہی ذات مین مگن ہیں۔ اور اس طرح اپنے لڑکوں کے عشاق کو اپنے گھروں میں خوش کر کے مطمئن ہو جاتے ہیں اور ان کی توجہ ان کے لئے باعث افتخار ہوتی ہے۔ جس کے عوض عشاق کپڑوں اور رقوم کی شکل میں لڑکوں پر بارش کر دیتے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ کنبہ بھر کی شہری آرزوں کو بھی پورا کر دیں۔ جس کے جواب میں لڑکے اپنی فتوحات پر شیخی بگھارتے ہیں اور ان عمر رسید مردوں کا استحصال کرتے ہیں جو ''ہمیشہ ناراض اور فکر مند رہتے ہیں اتنے خوف زدہ کہ کہیں برے گنڈی کی نظروں سے نہ گر جائیں۔'' وجیہہ لڑکے تعظیم کے صنم بن جاتے ہیں۔ اسی قسم کا کوئی آدمی ''بڑی احتیاط سے گنڈی کے احکام کی تعمیل کرتا ہے۔ اور ہر وہ کام کرنے کو تیار رہتا ہے جسے اس سے کہا جائے۔''

برنارڈینو اغلام بازوں کو ایک نادر نوع سمجھتا ہے اور انہیں جسد سیاست میں قابل شناخت دھڑا کہتا ہے۔ اور اسے اس سے کوئی غرض نہیں کہ یہ لوگ توبہ کر لیں اس کے بجائے وہ چاہتا ہے کہ اس طبقے کو نیست و نابود کر دیا جائے۔ اس کی نظر میں ٹسکونی کا اغلام

باز ایک امتیازی نفسیاتی شخصیت کا مالک ہوتا ہے۔ وہ عورتوں سے متنفر ہوتا ہے اور شادی نہیں کرتا۔ اس کے جواب میں عورتیں لونڈے بازوں سے نفرت کرتی ہیں۔ دشمنی دوطرفہ ہوتی ہے۔ اس کا علاج شادی میں تلاش کرنا، برنارڈینو عورتوں کو متنبہ کرتا ہے کہ وہ اغلام بازوں سے شادی نہ کریں کہ ان کے رویے میں تبدیلی آ جائے گی کیونکہ وہ شاذ و نادر شفا پاتے ہیں اور وہ اس لئے ہمیشہ بیویوں کو نظر انداز کریں گے۔ کوئی بھی غیر شادی شدہ مرد جو تینتیس سال سے اوپر ہے۔ غالب بات یہ ہوگی کہ وہ لونڈے باز ہے اور اسے معمول کے مطابق سرکاری سرگرمیوں سے خارج کر دیا جانا چاہئے۔

برنارڈینو نے فلورنس کی نرمی کی برملا مذمت کی اور سخت اقدام کا مطالبہ کیا۔ اس نے ویرونا میں اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ایک شخص کے بطور سزا چار ٹکڑے کئے گئے اور اس کے اعضا شہر پناہ کے پھاٹکوں سے لٹکا دیے گئے تھے۔ جینوا میں مردوں کو اکثر و بیشتر جلا کر مارا جاتا۔ اس نے ساین کے اہل شہر سے کہا کہ وہ بھی یہی کیا کریں ''اگر انہیں شہر کے ہر مرد کو بھی جلانا پڑے۔'' اپنے مخاطب مجمع کو بصیرت بخشنے کی خاطر۔ برنارڈینو نے وینس میں ایک لونڈے باز کو جلانے کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے کہا '' میں نے ایک شخص کو کھمبے سے بندھا ہوا دیکھا اور کنستر بھر تیل اور جنگلی جھاڑیاں اور آگ اور ایک ناہنجار جس نے آگ سلگائی۔ اور میں نے یہ بھی دیکھا کہ بہت سے لوگ چاروں طرف کھڑے ہوئے تماشہ دیکھنے کے منتظر تھے۔'' برنارڈینو نے ان تماشایوں کا موازنہ ''جنت کی روحوں سے کیا کہ ان پر رحمت کی تابندگی ہے جو انہیں عدل خداوندی دیکھنے کا موقع مل رہا ہے۔ اور وہ عالم بالا میں دوزخ میں گناہ گاروں کو عذاب جھیلتا دیکھتے ہیں۔'' یوں اس عہد کے مذہبی عقاید نے انسانی مصایب پر متاثر ہونے والے احساسات کو سن کر دیا تھا۔

سان برنارڈینو نے صوم الکبیر والے تین وعظ وینس میں دیے جو اغلام بازی کے خلاف تھے۔ ان واضح تبلیغی تقاریر کے دوران میں یہ ہوا کہ اس نے سانٹا کروس کے عبادت گزاروں سے کہا کہ وہ اپنی برہمی کا اظہار گرجا کے فرش پر تھوک کر کریں۔ اس کے باوجود اہل شہر نے کوئی فوری کاروائی نہ کی۔ اس کے بعد آٹھ سال تک بھی کچھ نہ ہوا یہاں تک کہ شہر نے اپنی وضع بدل ڈالی۔ جسے وینس اور فلورنس نے اپنا انتہائی قدم اٹھایا تھا ۱۴۳۲ء میں

جب انہوں نے اپنا مجسٹریٹوں کا محکمہ قائم کیا تو شبینہ افسران خاص طور سے مردانہ ہم جنس پرستوں کی داروگیر میں لگ گئے۔

وہ قوانین جو ۱۴۳۲ء میں جاری ہوئے ان کے پیرایہ بیان میں ہیسٹیریا والا خوف سابقہ ضابطوں کے مقابلے میں کم تھا۔ روکے کی دانست میں بلدیاتی اہل اختیار نے لگتا ہے یہ محسوس کرلیا تھا کہ اغلام بازی کو نیست و نابود نہیں کیا جاسکتا اور عوامی خیالات کی نظر میں اب یہ کوئی سنگین جرم نہیں رہا تھا۔ ایک شخص کو ۱۴۳۶ء میں سزا دیتے ہوئے سرکاری اہلکار نے بے تکلفی سے یہ تسلیم کرلیا کہ "[شبینہ افسران] بڑی جانفشانی سے نظر رکھے ہوئے ہیں تاکہ لونڈے بازی کے بھیانک جرم کا شہر سے ممکن ہو تو صفایا کردیا جائے اور ممکن ہو تو پورے خطے سے۔ اور وہ اس کارروائی کے علاوہ کسی اور کام میں ہاتھ نہیں ڈالتے۔ اس کے باوجود ان کی پوری محنت، الفاظ، دھمکیوں اور بہت سوں کو سزائیں دلا دینے کے باوصف ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ تقریباً ناممکن ہے کہ کسی نیکی کو فروغ ملے، یہ شہر اس قدر بدچلن اور آلودگی کا شکار ہے۔" بہترین راہ ہمارے لئے یہ ہوگی اور جس کی امید رکھ سکتے ہیں، انہوں نے بات ختم کرتے ہوئے کہا کہ چند لوگوں کو کسی حد تک احتراز کرنے پر آمادہ کرلیا جائے۔

یوں اغلام بازی ایک ناپسندیدہ رویے کے زمرے میں آ گیا۔ جیسے مے خواری، قمار بازی یا پھر جسم فروشی۔ جنہیں قانون کے دائرے میں لاکر بجائے قلع قمع کرنے کے ٹیکس کے جال میں لایا جائے۔ ان آسیبی شرح قوانین کے جو عرصے سے نافذ تھے جن کے تحت سزا دلانا بہت دشوار ہوتا۔ اس کے مطابق نئے قوانین میں پہلی مرتبہ ارتکاب جرم پر جرمانہ گھٹا کر دس فلورنس کردیا گیا یعنی سابقہ جرمانے کا پانچواں حصہ۔ یہ اب بھی ایک خطیر رقم تھی۔ فلورنس میں ۱۴۳۰ء میں ایک ہنرمند کاریگر کو ساٹھ فلورنس سالانہ اجرت ملتی تھی۔ مگر تاریک موت کے بعد وہاں اجرتوں میں معتدبہ اضافہ ہوچکا تھا۔ فلورنس کے سرکاری اہلکاروں نے ایک اور تجربہ کرنا بھی مناسب جانا۔ ایسے صندوق جنہیں ڈرم (ٹمبوری) کہا جاتا کئی گرجاؤں کے سامنے نصب کردیئے گئے تاکہ الزام تراشی کے کام آئیں۔ انتقامی کاروائیوں کے سدباب کے لئے، الزام لگانے والوں کے نام کو افشانہ کیا جاتا۔ مگر وہ جرمانوں میں سے ایک حصہ وصول کرنے کے مستحق تھے۔ نتائج توقعات سے بڑھ کر نکلے۔

الزامات کا ایک سیلاب آ گیا یہاں تک کہ اہل اختیار کو یہ شک گزار جیسے یہ کوئی لونڈے بازوں کی سازش تھی تا کہ نئے نظام کو درہم برہم کر دیا جائے۔ یہ امر ناگزیر تھا کہ بدطینتی کی وجہ سے جھوٹے الزامات لگائے گئے اور افسران نے بہ آسانی ایسی متعدد شکایتوں کو نظر انداز کر دیا۔ اس کے باوجود اعداد و شمار مرعوب کرنے والے ہیں۔ ان سترہ برسوں میں جب ایسے خطوط جن کی آنے کی رفتار روز افزوں تھی اور محفوظ رہ گئے وہ اوسطاً ۲۴۰ سالانہ تھے۔

وینس کے برعکس جس کا سیاسی نظام کافی مستحکم تھا۔ نشاۃ ثانیہ میں فلورنس طبقاتی معاملات کی وجہ سے تلاطم کا شکار تھا۔ جب ۱۳۸۲ء میں ایک پرولتاری انقلاب کو فرو کر لیا گیا تو فلورنس پر آٹھ دولتمند کاروباری لوگوں کا جتھ حکمرانی کرنے لگا۔ جس کی صدارت عدل کا پرچم اٹھانے والوں کو ملی۔ اور جس کی مدد مختلف مقبول کاونسلیں کرتیں۔ ایک سال کے بعد ۱۴۳۳ء میں جب نئے شبینہ افسران کا تقرر ہو چکا تو کوسیموڈی میڈیسی کو ملک بدر کر دیا گیا کیونکہ وہ مقبول دھڑے کا کچھ زیادہ ہی حامی تھا۔ لیکن اگلے سال وہ فاتحانہ انداز میں واپس آیا۔ اور وہاں میڈیسی کے فلورنس کا سنہری دور شروع ہو گیا۔ کوسیمو کے عنان اقتدار اپنے ہاتھ میں رکھنے تک (۱۴۳۴ء۔۱۴۶۴ء) اس کا بیٹا پیرو (۱۴۶۴ء۔ ۱۴۶۹ء) اور اس کا پوتا لورینزو (۱۴۶۹ء۔۱۴۹۲ء) کے عہد تک فلورنس دولتمند ہوتا گیا اور پھلتا پھولتا رہا۔ اور اپنے دانشورانہ اور فنی کامرانیوں کے نقطہ کمال کو چھونے لگا۔

میڈیسی کی اس شاہی حکومت کے زمانے میں اغلام بازی پر عاید ہونے والی سزائیں چکا چوند کر دینے والی رفتار سے اوپر نیچے ہوتیں۔ اتنے بہت سے لوگوں کو ۱۴۳۲ء کے قانون کے تحت سزائیں سنائی گیں کہ سو فلورنس کا جرمانہ ناکافی سمجھا جانے لگا اس لئے ۱۴۴۰ء میں شرح میں اضافہ کیا گیا۔ لیکن اس کا الٹا نتیجہ نکلا۔ مجسٹریٹوں نے شکایت کرنا شروع کر دی کہ سزا یاب ہونے والوں میں زیادہ تر غریب غربا ہوتے ہیں جو یہ ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ اس لئے انہوں نے جرمانہ عاید کرنا بند کر دیا۔ یوں جرمانوں سے آمدنی صفر رہ گئی۔ اور شعبہ بدل کر جسم فروش بننے والی راہبات (جسم فروش عورتیں ریٹائر ہونے کے بعد اسی رقم کے وظیفے پر گزارہ کرتیں) کی فاقہ کشی کی نوبت آ گئی۔ ہم حیران ہوتے ہیں کہ یہی بھوکی سسٹرز جو ایک عرصے تک لونڈے بازوں کو اپنی دلکشی سے رجھاتی رہیں اب انہیں اس

پر اکسایا جارہا تھا کہ وہ اس کی دعائیں مانگیں کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو جرمانے کی سزائیں دی جائیں۔اس اڑے ہوئے معاملے کے نتیجے ۱۴۵۹ء میں پہلی مرتبہ کے ارتکاب کا جرمانہ بہت کم کرکے ۹۰ فیصد کم کردیا گیا یعنی دس فلورنس ۔ سزا یابیاں ایک مرتبہ پھر بڑھنے لگیں ۔۱۴۷۲ء میں وہ بڑھ کر۱۶۲ ہوگئیں یا قریب قریب ایک دن کے ناغہ سے روز۔

فلورنس میں سزا یابی میں اس اضافے سے اس شک کے مارے شہر پر الٹا اثر پڑا بہ نسبت وینس کے جہاں مساوی اثر پڑا تھا۔ بجائے اس کے کہ ہم جنس پرستی کو سلطنت کے وجود کے لئے خطرہ سمجھا جاتا، اہل فلورنس جب وہ اپنی خوشحالی اور فنی کمال کے نصف النہار پر تھے ایک عرصہ تک اسے محض لایق درگذر چوک سمجھتے رہے۔ وہ دہائی جو۱۴۹۲ء میں آ کر ختم ہوئی۔ جو لورینزو ڈامیڈیسؔی کی حکمرانی کے آخری سال تھے۔ دیگر مشہور مصنفین اور سیاسی اور فوجی رہنماؤں کے مانند طنز نگار آ گنولو فیرنزولؔو نے لکھا کہ فرج عوام کے لئے بنی ہیں مگر سیب اور آڑو (چوتڑ) ''عظیم آقاؤں کے واسطے'' بعد میں آرسؔٹو اس کا شاکی ہوا کہ انسان نواز بالخصوص اس کے عادی ہیں''تمام بدیوں میں سے سب سے بدنام زمانہ'' لیکن جو قدیم دستاویزات ہم تک پہنچی ہیں وہ کوئی اور کہانی سناتی ہیں۔ بڑی حد تک سزا یافتہ لوگوں میں زیادہ تر ان کی تعداد تھی جن کا تعلق درحقیقت غریب اور ناخواندہ لوگوں میں سے تھا اور وہ کام کا جو طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ ایک قانون جو ۱۴۵۹ء میں جاری ہوا اس میں یہ اعلان کیا گیا کہ''تقریباً تمام وہ افراد جن کی برسر عام ملامت کی گئی یا پھر جن پر الزام عاید ہوا (شبینہ افسران کی طرف سے) کہ وہ ایسی برایوں میں پڑے ہوئے ہیں وہ سب بہت غریب تھے۔ جنہیں جرمانوں کی صورت میں سزا نہیں دی جاسکتی تھی کیونکہ وہ قلاش تھے۔ بلاشبہ وہ ۲۶۰۰ افراد جن کے عام طور سے چھ معروف پیشے تھے (اور جن کے پیشوں کو طے کیا جاسکتا ہے جو ۱۴۷۸ء ۔۱۵۰۲ء میں ماخوذ ہوئے ان میں سے (۲۴۱) موچی تھے (۱۳۴) جولاہے۔ بزاز (۱۲۵) قصاب (۹۷) حجام (۹۵) اور کلیسا کے ملازم (۹۴) ۔اہل کلیسا نے خصوصی مسایل پیدا کئے کیونکہ انہیں صرف کلیسا ہی سزا دے سکتا تھا جو کسی اقدام پر تیار نہ ہوتا۔شبینہ افسروں نے ۱۴۷۰ء میں فلورنس کے اسقف اعظم کو ایک سخت تنبیہ جاری کی ''سب سے زیادہ قابل احترام اور عادل فادر۔۔ ہمارے مجسٹریسی محکمے کو یہ ذمہ داری

سونپی گئی ہے۔۔۔ کہ جہاں تک ممکن ہو اس کا تدراک کیا جائے، یعنی اغلام بازی کی بھیانک برائی کو۔ ہم اپنے فرایض کو بجالانا چاہتے ہیں، ہم نے کئی نوجوان لڑکوں کو گرفتار کیا ہے جن کی نہ صرف عام لوگوں نے گانڑ ماری ہے بلکہ متعدد پادریوں نے بھی۔ یہ آپ جیسے مقدس شخص کے نمایندے کو بھی گوش گزار کیا جاچکا ہے لیکن اس کے باوجود اب تک اس سلسلے میں کچھ نہیں کیا گیا۔ جس کی وجہ سے ہماری بہت رسوائی ہورہی ہے۔'' مقبول عقاید کے برعکس کہ معلمین اپنے شاگردوں کو پٹاتے ہیں محض ایکس اساتذہ کا ذکر اس فہرست میں ہے۔ مکرر، ہم جنس پرستی کو اکثر یہ سمجھا گیا ہے کہ خصوصاً اس کا تعلق فنون لطیفہ سے ہے۔ لیکن صرف چوبیس مصوروں کے نام نمودار ہوئے ہیں اگر چہ سناروں کو جنہیں فلورنس میں فنکاروں میں شمار کیا جاتا ہے ان کے چالیس نام مذکور ہیں۔ کل ملا کر روکؔ نے جن مردوں کو شناخت کیا ہے وہ ۲۵۰ پیشوں کے تھے۔ وہ رنگا رنگ مشاغل جو تمام مردانہ محنت کش آبادی میں پائے جاتے تھے۔

ہمارے کہنے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ عالی مرتبت لوگوں کی مذمت نہیں ہوئی انہیں گرفتار کیا گیا، مقدمات چلے۔ بلاشبہ یہ بڑی وجہ پریشانی بنی جب ۱۴۳۲ء میں پہلا شخص جو نئے اغلام بازی کے مجسٹریسی قانون کے تحت سزا یاب ہوا وہ ڈوفو ڈی نیپوسپیئنی تھا۔ جو ذرا پہلے حصول انصاف کا پرچم بردار تھا اور سلطنت میں سب سے بڑے عہدے پر ناظم اعلیٰ کے عہدے پر فایز تھا۔ روکؔ کی بے داغ تحقیق نے یہ راہ ہموار کی جس سے یہ تخمینہ لگایا جاسکا کہ فلورنس کے آدھے سے زیادہ شرفا کے خاندان کے افراد کے نام مورد الزام لوگوں کی فہرست میں شامل تھے۔ جن میں میڈیسیؔ خاندان کے بھی چند لوگ تھے۔ اس کے باوجود دستاویزات ایک سراسیمہ کردینے والے نظریے کے جانب اشارہ کرتی ہیں کہ اغلام بازی تاریخی نقطہ نظر سے متمدن اور اعلیٰ طبقات میں بڑی کثرت سے پائی گئی ہے۔ تاریخ جو اکثر و بیشتر غریبوں کی زندگی کے متعلق قلمبند کرنا فراموش کردیتی ہے یہاں پر فلورنس میں خوابگاہوں کے دروازے کھول کر یہ انکشاف کرتی ہے کہ محنت کش طبقے نے کبھی بھی بالائی طبقے کی انحطاط میں ہمسری نہ کی۔ اس کے بجائے جہاں تک مردانہ ہم جنس پرستی کا تعلق ہے بالائی طبقے نے کثرت سے شرکا مہیا کئے۔ شاید ہمیں کینتھ ڈوورؔ کے نظریہ پر از سرنو غور

کرنا ہوگا کہ ایتھنز کے محنت کش طبقہ کے پاس اتنا تفریح کے لئے وقت ہی نہ بچتا ہوگا کہ لڑکوں پر ڈورے ڈالتے۔ فلورنس میں کارگاہوں میں بے تکلفی پیدا کرنے کے لئے لگتا ہے قدیم مے خانے اور کوچوں کے نکڑ کافی مواقع پیدا کرتے ہوں گے۔

کیا آرٹ اور تجارت کی اس جنت میں ہم جنس پرستی کے ذیلی تمدن کا کوئی وجود تھا۔ روکؔ سہوز مانی کہہ کر اسے رد کر دیتا ہے۔ تاہم ہم دیکھ آئے ہیں کہ سان برنارڈینوؔ لونڈے بازوں کو ایک علیحدہ نسل سمجھتا تھا۔ اور اگر چہ ملزم مردوں میں سے اکثریت کی عمریں بیس اور تیس کے درمیان تھیں جنہوں نے بعد میں شادی بھی کی۔ روکؔ نے دیدہ ریزی کر کے ان میں سے مٹھی بھر ایسے لوگوں کو تلاش کر لیا جن پر یہ شرط صادق آتی ہے۔ ایسا گروہ جنہوں نے کبھی شادی نہ کی اور پوری زندگی میں متعدد بار سزایاب ہوئے۔ لیکن یہ گروہ ایک بڑے مردانہ تمدن میں جکڑا ہوا تھا جو قدرے بے فکری سے ہم جنس پرستی کے رشتوں میں الجھا ہوا تھا اور جنہیں جدید ہم جنس پرست کی ''حیثیت'' نہیں حاصل تھی اور نہ ہی وہ مقبول عام مقامات پر جوق در جوق آتے تھے جیسے فریپر کا کوچہ، دی اولڈ مارکٹ اور مرغوب طعام خانوں میں۔

لورینزو ڈا میڈیسیؔ کے عہد کے آخری برسوں کی رواداری اس کی موت کے ساتھ ہی ختم ہوگئی۔ ایک مرتبہ پھر جھولے نے پینگ لی۔ اس مرتبہ ایک نئی وقیع مذہبی مہم کے نتیجے میں۔ القائی وعظوں کے سبب جو بڑے مجمعوں کو کھینچتے اور پورے شہر میں افراتفری پھیلتی۔ گیرولاموساوناروؔلا ایک ڈومینکن فرایر جو فرارا کا رہنے والا تھا۔ اس نے اعلان کر دیا کہ ردِ مسیح عہد کا آغاز ہو چکا ہے اور موعود مسعود کا وقت جلد ہی آنے والا ہے۔ نشاہ ثانیہ کے نئے آرٹ کی ملامت کی گئی اور اسے شرمناک حد تک بے دینی کہا گیا۔ اس نے پیش گوئی کی کہ لورنیزوؔ اور انوسینٹ۔ ہشتم دونوں ہی ۱۴۹۲ء میں فوت ہو جائیں گے اور چارلس۔ ہشتم فرانس سے اٹلی پر دھاوا بول دے گا۔ اس پر ہونے والے اعتبار کو اس وقت مزید تقویت پہنچی جب مذکورہ پیش گویاں درست ثابت ہوئیں۔

ساوناروؔلا کے مقاصد میں سیاسی کے ساتھ مذہبی جہات بھی شامل تھیں۔ اس کی تبلیغ میں تین مرکزی نکات ہوتے۔ میڈیسیؔ کی اس بنیاد پر مخالفت کہ وہ جابر تھے۔ پاپایت میں

اصلاحات کی جائیں اور اغلام بازی کو نیست و نابود کیا جائے۔ اگر ضروری ہو تو لورینزو کے بیٹے پیرو ڈی میڈیسی کو جلا ڈالا جائے جو ایک نااہل حکمراں ثابت ہوا کیونکہ اس کی مقبولیت میں اس وقت کمی ہوئی جب اس نے چارلس کو چند رعایتیں دیں۔ انجام کار نومبر ۱۴۹۴ء میں پیرو فرار ہو گیا اور ایک نئی عوامی حکومت ساونا رولا کے زیر اقتدار قائم ہو گئی۔ جس نے منبر پر سے یہ مطالبہ کیا کہ ''لونڈے بازوں کو سنگسار کیا جائے یا جلا کر مار ڈالا جائے۔'' اگرچہ نئے ضوابط کا اثر اتنا دیرپا نہ ہوا جتنا کہ فرایر کی آرزو تھی وہ واضح طور پر میڈیسی عہد کی قانون سازی کے مقابلے میں کہیں زیادہ سخت گیر تھے۔ جرمانوں کو منسوخ کر دیا گیا۔ پہلی مرتبہ ارتکاب جرم پر کٹگھڑ میں کسا جانا اور تمام شہری سہولتوں سے محروم کر دیا جاتا۔ دوسرے ارتکاب پر جسم داغا جاتا اور تیسری مرتبہ زندہ جلا دیا جاتا۔ لیکن ایک مرتبہ پھر فلورنس کے عوامی تصورات نے ان امور کو لگام دی۔ سرعام لعنت ملامت ڈرامائی طور پر گر گئی۔ شہریوں کے دل میں یہ بات نہ اترتی کہ ان کے لونڈے باز پڑوسیوں سے کیوں درشتی سے پیش آیا جائے۔ یہ محسوس کر کے ساونارولا ایک قدم پیچھے ہٹا '' اگر تم نہیں چاہتے کہ انہیں قتل کیا جائے تو کم از کم انہیں اپنے علاقوں سے دربدر کر دو۔'' ایک مرتبہ دوبارہ جون ۱۴۹۵ء میں جرمانے متعارف کرائے گئے اور فرد جرم کی شقوں میں اضافہ کیا گیا۔ ساونا رولا تاہم اڑا رہا اور جلانے کی سزا کو جاری رکھا۔ ''آگ کو خوب دہکاؤ'' وہ توراتی مناجات پر اپنے وعظ میں یہ تجویز دیتا۔ '' دو یا تین چوک میں ان اغلام بازوں کے واسطے''۔ ''انہیں نہ تو پیسوں کی مار دو نہ ہی رازداری سے بلکہ ایسی آگ بھڑکاؤ جس کی چراند پورے اطالیہ میں پھیل جائے۔'' چند ماہ بعد مجسٹریٹوں کو ایک آہنی قانون سے یہ اختیار مل گیا کہ وہ پہلی مرتبہ ارتکاب کرنے والے کو بھی سزائے موت دے دیں۔

آغاز ہی سے ساونا رولا کو سخت مخالفت سے پالا پڑا جو نئی عوامی حکومت میں بھی اس کی عوامی مقبولیت کو پیچھے چھوڑ جاتی۔ لیکن وہ متاثر نہ ہوتا وہ صرف میڈیسی کی دیانت ہی کے متعلق سوالات نہ اٹھاتا بلکہ اہل کلیسا کے ساتھ پوپ کے ادارے کو بھی زیر بحث لاتا۔ نیا پوپ الیگزینڈر۔ششم اس وقت فکر مند ہو گیا جب ساونا رولا نے فلورنس سے اتحاد کیا اور فرانس کے چارلس ہشتم کو مدعو کیا کہ وہ اسے بے دخل کر دے۔ اس پر ساونا رولا کو پہلے یہ حکم

دیا گیا کہ وہ تبلیغ کرنا ترک کردے پھر جب اس نے پوپ کے فرمان کو نظر انداز کیا تو اسے کلیسا سے خارج کر دیا گیا۔ عوامی حکومت کے پورے متلاطم دنوں میں ساونا رولا کا نصیب ڈانوا ڈول رہا کیونکہ سرکاری اہلکاروں کا انتخاب مختصر مدت کے لئے ہوتا جس سے سرکاری پالیسیوں میں تواتر سے بدلتے رہنے کی گنجایش رہتی۔ اس تلاطم میں اغلام بازی کی دارو گیر ساونا رولا کی مقبولیت کا پیمانہ بن گئی۔ ان دو برسوں میں جو نومبر ۱۴۹۵ء سے نومبر ۱۴۹۷ء تک کا زمانہ ہے کوئی ۷۳۱ افراد پر الزام لگایا گیا یہ گذشتہ آدھی صدی کی اوسط سے کہیں زیادہ تھے۔ پھر ۱۴۹۷ء کے آخری مہینوں میں عوامی جذبات فرایر کے خلاف ہو گئے۔ نوجوانوں کا ایک گروہ جو پٹریشین پس منظر کا حامل تھا انہوں نے ایک انجمن بنائی تاکہ ساونا رولا کی مزاحمت کی جائے۔ اس میں شامل متعدد رہنما اغلام بازی کا الزام جھیل چکے تھے اور روک کی دانست میں نئے قوانین نے انہیں برہم کر دیا تھا اس جوان دستے نے عظیم کونسل میں داخلے کی عمر کو انتیس سے چوبیس برس کرانے میں کامیابی حاصل کرلی اور پرآیر کی تحت نشینی کے دن وعظ کے دوران ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا جو ۴ مئی کو ہوا تھا۔ یہ خبر چاروں طرف پھیل گئی کہ ایک شہری اہلکار کا یہ تبصرہ کہ پرآیر کی طاقت گھٹ چکی ہے۔ ''خدا کا شکر ہے اب ہم لونڈے بازی کر سکتے ہیں۔''

جب ۱۳ مئی ۱۴۹۷ء کو ساونا رولا کا کلیسا سے اخراج ہو گیا تو اغلام بازی کے مقدمات تیزی سے کم ہو گئے۔ نومبر سے مئی ۱۴۹۸ء تک صرف ایک مقدمہ قائم ہوا۔ جب ایک فرانسیسی مبلغ نے ساونا رولا کو شہر کے چوک میں آ کر آگ کے الاؤ میں مقدمہ لڑنے کے لئے للکارا تو اس نے انکار کر دیا۔ اور اس کی پیروی کرنے ولے چھٹنے لگے۔ اس کے فوراً بعد اسے گرفتار کرلیا گیا اور مسلمہ کلیسائی عقاید سے انحراف اور عوام میں تفرقہ ڈالنے کے الزام پر مقدمہ چلایا گیا۔ مئی ۲۳، ۱۴۹۸ء کو اسے پھانسی دے دی گئی اور پیازا ڈیلا سگنوریا میں جلا ڈالا گیا۔ جاکو پو نارڈی ہمیں بتاتا ہے کہ مجمع میں سے ایک شخص نے متعجب آگ لگانے والے کے ہاتھ سے مشعل چھین لی اور چتا کو یہ چیخ کر آگ لگادی کہ ''جو شخص مجھے جلانا چاہتا تھا وہ خود آج شعلوں کی نذر ہو رہا ہے۔'' حقیقت تو یہ ہے کہ اغلام بازی واحد جرم تھا جس کے لئے ساونا رولا خصوصاً یہ چاہتا تھا کہ مرد جلائے جائیں۔ گیووانی کامبی

ایک ہم عصر وقایع نویس کے خیال سے تین امور ایسے تھے جن کی وجہ سے پرآیر کا زوال ہوا۔ اس کا پاپایت پر حملہ، اس کا میڈیسی پر ہاتھ صاف کرنا اور یہ کہنا کہ ''لونڈے بازوں کو جلنا چاہئے۔''

جب ۱۵۰۲ء میں عوامی حکومت (ریپبلک) بحال ہوگئی تو شہری حکومت نے شبینہ افسران کا محکمہ ختم کر دیا۔ یہ خصوصی مجسٹریٹوں کا محکمہ وجہ پشیمانی بن چکا تھا جس سے فلورنس میں لونڈے بازی کے دور دورہ کا چرچا ہوتا تھا۔ اس کے باوجود سولہویں صدی کے پہلے نصف میں اغلام بازی فلورنس کے قانون سازی کی فہرست میں ایک اہم شق رہی۔ ۱۵۱۲ء میں چند نوجوان شرفا نے حکومتی محل پر قبضہ کرلیا اور عوامی حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ دیگر مطالبات کے علاوہ اس میں یہ بھی تھا کہ وہ تمام افراد جنہیں اغلام بازی کے الزام میں ملک بدر کیا گیا ہو یا سرکاری عہدوں سے الگ کیا گیا ہو تو ان کی سزائین منسوخ کی جائیں۔ جب ان کے نمایندے جولورینزو کے بیٹے گولیانی ڈی میڈیسی نے اقتدار سنبھالا تو اس نے فی الفور ان معافیوں کی منظوری دے دی۔ لیکن جب ۱۵۲۷ء میں میڈیسی کا ایک مرتبہ پھر تختہ الٹ دیا گیا تو بحال ہونے والی عوامی حکومت نے تبدیلی کو مستحکم کرنے کی غرض سے نئے قوانین متعارف کرائے جن میں لونڈے بازوں پر یہ الزام دھرا گیا کہ انہوں نے عذاب الٰہی کو للکارا ہے اور بہت سی سزائیں مقرر کر دیں۔

فلورنس کی سیاست جو ہمیشہ سے غیر مستحکم تھی دوبارہ ۱۵۳۰ء میں میڈیسی کو برسر اقتدار لے آئی۔ تاہم اس مرتبہ بحالی مستقل تھی۔ کوسیمو۔ اول کو ۱۵۳۷ء میں ڈیوک آف فلورنس مقرر کیا گیا۔ اور اس کے وارثان فلورنس کی ڈچی پر دوسو برس تک حکمرانی کرتے رہے۔ جہاں ابتدا میں میڈیسی خانوادہ کم و بیش اپنے اطوار سے روشن خیال لگتے تھے بعد کے ڈیوک تحکم پسند اور اوہام پرست تھے۔ جب ایک مرتبہ آسمانی بجلی کی کڑک سے کیتھڈرل گرجا کا گنبد زمین بوس ہوگیا تو وہ سراسیمہ ہوگیا۔ جیسا کہ ہم عصر برنارڈ وسگتی نے لکھا ہے'' ڈیوک کوسمو نے نہایت خوفزدہ ہوکر خود کو خدا کے سپرد کر دیا اور کلیسا کے تمام اہلکار اس کے حامی تھے۔ اس نے دو نہایت سخت قوانین نافذ کئے۔ ایک تو مقدس ذاتوں کی عزت کی حفاظت کے لئے اور دوسرا اغلام بازی کے خلاف۔ اور نہایت درشت سزائیں مرتکبین کے لئے مقرر

کیں یہاں تک کہ موت کی سزا۔ آغاز میں جیسا کہ سگنی بیان کرتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ ''بڑی مختصر مدت میں (قوانین) غیر موثر ہو گئے اور یہ ڈیوک کی لا پرواہی سے نہ ہوا بلکہ دیگر مجسٹریٹوں کے بے اعتنائی اور وزرائے عدل کی لا پرواہی سے۔'' نیا قانون جو ۱۵۴۲ء میں نافذ ہوا تھا تاہم پوری طرح بے مصرف نہ ہوا۔ اسی ضابطے کے تحت یہ ہوا جب ۱۵۵۷ء میں بنو ینوٹو کو گرفتار کرلیا گیا۔

ڈونا ٹیلو، بوٹا سیلی، لیونارڈو:

اطالوی نشاہ ثانیہ کے مجرموں سے متعلق قدیم دستاویز تا حال خصوصی علوم کے ماہرین کی دسترس میں ہیں۔ اس کے برعکس نشاہ ثانیہ کے عہد کے فن پارے ایسا ورثہ ہیں جنہیں پورے عالم کی تہذیب اپنا مانتی ہے۔ عجایب گھر اس کی نمائش فتح مندی اور افتخار کے جذبے سے کرتے ہیں اور باتصویر وزنی کتب ہماری کافی پینے والی میزوں پر چھائی رہتی ہیں۔ اگر کسی کو اس ہم جنس پرستی والے آرٹ سے واقفیت حاصل کرنا ہو تو اسے نہ تو اطالوی زبان سیکھنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی دستاویزات کھنگالنے کی کھکھیڑ اٹھانا پڑے گی۔ ہمیں تو صرف یہ کرنا ہوگا کہ ان بیش قیمت نسخوں کی ورق گردانی کرنا ہوگی۔ ماضی کے چند صناعی کے نمونے ہم جنس پرستی کے حامل عناصر کو معاً ظاہر کرتے ہیں اور اتنے لطیف انداز سے سموئے ہوئے اور قابل فہم۔ نشاہ ثانیہ کے دور کی سنگتراشی اور مصوری بڑے جوش وخروش سے بے دینی کے دور کی شبہات کو حیات بخشتی نظر آتی ہیں۔ گینی میڈ اور ہیا سنتھ دونوں وینس اور اپولو کی شکل میں نمودار ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ مذہبی آرٹ بھی فہم ایمایت کا حامل ہے۔ فرشتے بھی چڑھانے کی حد تک دو جنسیا لگتے ہیں۔ سینٹ سباسٹین خوبصورت برہنہ جوان ہیں، اور یہ بھی کہ پرہیز گاری جون دی باپٹسٹ بھی بے کلی کی حد تک لیونارڈو کے ہاتھوں زنخا لگتا ہے اور کاراوگیو کی چابک دستی اسے مانا ہوا کو چہ گرد بچہ بنادیتی ہے۔

ان پیچیدہ تبدیلیوں میں سے ایک نظروں کو خیرہ کرنے والی چیز۔ وہ کانسی میں ڈھلا ڈیوڈ آف ڈونا ٹیلو کا مجسمہ ہے۔ جو آج کل فلورنس کی عمارت بارگلو میں محفوظ ہے ڈوناٹو

ڈی نکولو ڈی بیٹو بارڈی (۱۳۸۶ـ۱۴۶۶ء) اپنی نابغہ روزگار ذہانت کی وجہ سے پندرہویں صدی کی اطالوی سنگتراشی پر حاوی ہے۔ اس کی ایجادات اس قدر مسرفانہ ہیں اور اس کی طویل زندگی بھی۔ اس کے متعلق کہا جاتا تھا کہ اس کی ذات میں پہلی مرتبہ مایکل اینگلو پیدا ہوا تھا۔ جو اس کی موت سے دو برس بعد پیدا ہوا تھا اور جسے ڈوناٹیلو نے اس کے عظیم ترین اسلاف میں شمار کیا۔ جیورگیو و ساری اپنی تصنیف (Lives of the Printers, Sculptors and Architects) (۱۵۵۰ء) میں اس کو ایسے فنکار کے طور پر تسلیم کیا ہے جس کے فن پارے شاہکاری کی حدود کو چھوتے ہیں۔ ''جو قدیم یونان کے ہوں اور رومی ہوں اور باقی ماندہ سے بھی بہتر۔'' اپنی شہرت اور طولعمری کے باوصف ہمیں ڈوناٹیلو کی نجی زندگی کے متعلق بہت کم معلوم ہے جس کا زیادہ عرصہ فلورنس میں بسر ہوا۔ وساری اس کی خوبیوں کے متعلق بڑی گرم جوشی سے بولتا ہے۔ اس کی فیاضی کے متعلق مگر بعد میں (۱۵۶۸ء) میں جب اس نے اپنی کتاب دوبارہ چھاپی تو مبالغہ آمیز مدح سرای کو حذف کر دیا۔ ڈوناٹیلو نے کبھی شادی نہ کی اور یہ ترجیح دی کہ اپنے دیگر فنکاروں کے ساتھ رہے اور اپنے کئی معاونین کے ساتھ جو اس کی کارگاہ میں کام کرتے تھے۔ آرٹ کے مورخ ہورسٹ جانسن نے (۱۹۵۷ء) میں تین ایسے مجسموں کی جانب توجہ مبذول کرائی جس کے مصنفین کے متعلق یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا جو ڈوناٹیلو کی موت کے کوئی دس برس بعد شایع ہوئے تھے جن کے مطابق اس کی جذباتی زندگی کا دارومداران نوجوانوں پر تھا۔ ہمیں بتایا جاتا ہے کہ ''ڈوناٹیلو'' ''کو خاص طور سے خوبصورت نو آموز کارکنوں کی رفاقت میں بہت خوشی ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ کوئی اس کے لئے لڑکا لے آیا جس کی یہ کہہ کر تعریف کی کہ خاص طور پر حسین ہے۔ لیکن جب اسی شخص نے ڈوناٹیلو کو مذکورہ لڑکے کا بھائی دکھایا اور دعویٰ کیا کہ وہ اس سے بھی زیادہ خوبصورت ہوگا جس پر فنکار نے جواب دیا۔ ''تو وہ میرے ساتھ کم ہی ٹھہرے گا!'' ہمیں یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ڈوناٹیلو اپنی دریافتوں کو مارے حسد کے چھپائے رکھتا: ''وہ اپنے معاونین کے چہرے پوت دیتا تا کہ دوسرے کہیں اس پر ریجھ نہ جائیں۔'' یہ تعلقات بسا اوقات باعث فساد ہو جاتے اگر چہ ایک ڈرامہ عروج کے بدلے زوال پر ختم ہوا۔

ایک مرتبہ ڈونا ٹیلو اپنے ایک نوجوان شاگرد سے لڑ پڑا جو فرار ہو کر فرآرا کے پاس پہنچ گیا۔ جس پر ڈونا ٹیلو کوسیمو (ڈی ۔ میڈیسی) کے پاس جا پہنچا اور کہا کہ اسے فرآرا کے کاونٹ کے نام خط چاہئے۔ اور اس پر اڑا رہا کہ وہ اس لڑکے کو بہلا پھسلا لے گا چاہے کچھ بھی ہو جائے نہیں تو اسے قتل کر دے گا۔ کوسیمو ڈونا ٹیلو کی فطرت سے آگاہ تھا۔ اسے خط تو دے دیا لیکن اس نے کاونٹ کو اطلاع دینے کی خاطر دوسرا راستہ اختیار کیا کہ ڈونا ٹیلو کس طبیعت کا آدمی ہے۔ کاونٹ نے اس پر ڈونا ٹیلو کو اجازت دے دی کہ وہ جہاں پائے اسے قتل کر دے۔ لیکن جب فنکار کو ایسے شاگرد سے آمنا سامنا ہوا تو شاگرد نے ہنسنا شروع کر دیا اور ڈونا ٹیلو نے فی الفور اسے تسلی دینا شروع کر دی اور قہقہہ مار کر ہنسا اور اس کی جانب ملنے کے لئے دوڑا۔

کوسیمو کو پتہ چل چکا ہوگا کہ ڈونا ٹیلو میں موجود جنسی تعشق کا تموج تشدد کی نوبت نہ آنے دے گا۔

بارگیلو کی ڈیوڈ آج ڈونا ٹیلو کی سب سے زیادہ مشہور تخلیق ہے۔ کینتھ کلارک نے اسے ''قریب قریب نا قابل یقین خلاقی کا کام'' کہا ہے۔ جو نشاہ ثانیہ کے فن کا مختلف پہلوؤں سے سنگ میل ہے۔ اس کی وجہ شناخت یہ ہے کہ گذشتہ ایک ہزار برس میں پہلا برہنہ اور بغیر کسی کو ٹیک لگائے استادہ مجسمہ ہے۔ قدیم زمانے سے ہم سے کہا جاتا تھا کہ خوبصورت اور برہنہ شبیہہ کی تعریف و توصیف کریں۔ اس کی وجہ سے نشاہ ثانیہ کی دین یہ پہلی صنف تھی جس کا افتتاح ہوا۔ یہ اپنی ذات میں معنی خیز ہے اگر ہمارے مدنظر یہ ہو کہ ان دنوں فلورنس میں اغلام بازی کے خلاف کیسی خونخوار مہم جاری تھی۔ علاوہ ازیں اس نے یہ کیا کہ ایک مذہبی شبیہ کو مصرف میں لے آیا اور اسے مکمل طور پر بدل ڈالا۔

روایت تو یہ چلی آ رہی تھی کہ داؤد کو ایک باریش پیغمبر۔ بادشاہ بنا کر پیش کیا جاتا جس کے ہاتھ میں ہارپ یا قدیم قنتور ساز ہوتا۔ مگر کانسی کا بنا ڈیوڈ بالکل مختلف چیز ہے۔ اس میں مشتعل کرنے والی برہنگی پر زور دیا گیا ہے جس میں گڈریے لڑکے کے نرم گوشے دار ٹوپ اور فوجی جوتے جو یہ لڑکا پہنے ہوئے ہے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ مایکل انجیلو کا کوئی

تنا ہوا کھلاڑی نہیں ہے جو اپنے کام پر ارتکاز کے وقت تیوری چڑھا لیتا ہے۔ یہ ایک نوسکھیا کا بنایا ہوا کام ہے جو بڑی ڈھٹائی سے لبھانے والے گینی میڈ کو ہمارے دیکھنے کے لئے پیش کرتا ہے۔ وساری کی نظر میں شبیہ ''اتنی فطری اور بہ انداز زندگی پیش کی گئی ہے اور اس میں نرم گوشت کو جس طرح محفوظ کیا گیا ہے کہ یہ سب کچھ فنکاروں تک کو ناقابل یقین لگتا ہے کہ اسے ڈھالنے کے لئے کیا واقعی ذی حیات فرد سے سانچہ بنایا گیا تھا۔''

ہمیں یہ بھی نہیں معلوم کہ اس مجسمے کا سانچہ کب ڈھالا گیا۔ اکثر و بیشتر اسے سال ۱۴۳۰ء کا کہا جاتا ہے جو برنارڈینو کے وعظوں کے بعد اور 'شبینہ افسران' کے ادارے کے افتتاح کے بعد (۱۴۳۲ء)۔ یہ بھی لازمی امر ہے کہ اسے دیکھ کر چند شناسا مسکراہٹیں بھی دیکھنے میں آئی ہوں گی۔ فلورنس کے ذات میں مگن نوجوانوں نے اس زمانے تک بین الاقوامی بدنامی بھی کمائی ہوگی جیسا کہ صاف گوسینٹ نے کہا تھا کہ ''وہ لونڈے بازوں کے واسطے کچھ زیادہ ہی گوشت دکھاتے ہیں۔'' مجسمے کی رعنائی جیسا کہ بونی بینٹ اور ڈیوڈ والکنز نے کہا تھا کہ '' جس میں آنکھیں ٹک جائیں اور چھونے کو جی چاہے اس کی دعوت ہوتی ہے۔'' ایک عجیب وغریب واقعہ یہ بھی ہے کہ وہاں گولا یتھ کا قلم کیا ہوا سر بھی موجود ہے جس پر ڈیوڈ کھڑا ہے۔ اس کا بڑا سا خود جس میں ایک آرایشی پر بھی لگا ہوا ہے۔'' اسی طرح مڑا ہوا ہے کہ وہ اس کی رانوں سے مس ہو رہا ہے۔'' بلکہ چوتڑوں تک سے۔ ایک تمثیلی منظر جو ٹوپ کا ہے یہ دکھاتا ہے تین پر دار لڑکے ایک رتھ کو کھینچ رہے ہیں اور دو دیگر ایسے شخص کو بندگی کر رہے ہیں جو اس پر سوار ہے۔ اسے کہا گیا ہے ''عشق کی فتح'' اور اسے فائیڈرس کی علامتی رتھ سے منسلک کر دیا ہے۔

لیکن جو بھاری بھرکم گاڑی خود پر دکھائی دیتی ہے ہوا میں نہیں اڑ رہی۔ اور بندھا کسا شخص جو بھدے سے ادھیڑ عمر شخصیت کے سامنے تمسخرانہ حد تک مضحکہ خیز لگتا ہے۔ کیا ڈونا ٹیلو ہمیں اکسا رہا ہے کہ ہم ڈیوڈ کی فتح کو جو عمر رسید شخص پر ہوئی ہے اور جس کے سر پر وہ کھڑا ہے ایک نوعمر یونانی سپاہی کی فتح سمجھیں جسے ایک گرویدہ امیدوار پر کامیابی ہوئی ہو، ایسے مردوں میں سے ایک جن کے متعلق برنارڈینو نے شکایت کی تھی کہ وہ فلورنس کے لڑکوں کے لئے خود کو بے وقوف بناتے ہیں۔ اطالوی زبان میں اسی طرح انگریزی میں کوئی

شخص (اپنے حواس کھوسکتا ہے) اسی ''فاتح'' ڈیوڈ کی نظریں مایکل اینجیلو کے ہیرو ڈیوڈ سے بالا بالا 'وکٹری' مجسمے پر لگی ہوئی ہیں جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ ایک وجیہہ جوان ایک عمر رسیدہ شخص کو زیر کررہا ہے جسے مایکل اینجیلو سے مماثلت دی جاتی ہے جو وہ خود ہے۔ جانسن اسے ڈیوڈ کہنے میں حق بجانب تھا۔ ڈیوڈ میں ہم جنس پرستی کے رجحانات صاف لگتے ہیں۔ اگر ایک قابل ذکر نقاد جان پوپ۔ہن ایسے نے خاموشی اختیار کیئے رکھی۔

فلورنس کے محکمہ آثار قدیمہ کی دستاویزات میں ڈوناٹیلو کے خلاف کسی قسم کے الزامات کے شواہد نہیں ملے جو کہ اس کے عرصہ حیات کے ہیں اور نامکمل ہیں۔ اگر ڈوناٹیلو توجہ حاصل کرنے سے بچ گیا ہو بوٹی سلی کم خوش نصیب نکلا۔ ایک دوٹوک خلاصہ جس سے بلاشبہ ایک نہایت تفصیلی الزام ان دستاویزات میں نمودار ہوتا ہے جو ۱۶ نومبر ۱۵۰۲ء کو قلمبند ہوئی تھیں۔ ان میں یہ درج ہے کہ ''بوٹی سلی ایک لڑکا رکھتا ہے'' ترتیب الفاظ سے یہ جھلکتا ہے جیسے ایک استمراری رشتہ ہو۔ مصور اس وقت اٹھاون برس کا تھا۔ چونکہ تفصیلات دستیاب نہیں اس لئے مورخین کی سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ اس نوٹس کو کیا معنی پہنائیں۔ جیکس مسنل جس نے ۱۹۳۸ء میں یہ کھوج لگالیا اور اسے یہ کہہ کر ایک طرف ڈال دیا کہ ''یہ ایک روایتی افترا پردازی ہے جس کے ذریعے ساونارولا کے مشتہرین اور ناحق پاسداری کرنے والے ایک دوسرے پر لعنت ملامت کرتے ہوں گے۔'' بوٹی سلی اپنی بے دینی والی شوخی کے جو 'پری ماویرا' اور 'دی برتھ آف وینس' میں نمایاں ہے اپنی بعد کی زندگی میں فرایر کا پر جوش پیروکار بن گیا اور مسنل نے یہ مناسب سمجھا کہ ان الزامات کو بدنیتی پر محمول اقدام سمجھے جو فرایر کے مخالفین میں سے تھے۔

بوٹی سلی، ڈوناٹیلو، لیونارڈو، اور مایکل اینجیلو کی طرح غیر شادی شدہ تھا اور شادی کے نظریے سے کراہت ظاہر کرتا تھا۔ اس کے متعلق سوچنے سے بھی اسے ڈراؤنے خواب آنے لگتے۔ اس کی کارگاہ جس میں بہت سے نوسکھیے ہوتے اس کی یہ شہرت تھی کہ وہ نکموں کا اڈہ تھا۔ ان میں سے ایک جس کی عمر اٹھائیس برس تھی مصور تھا اور اس کا نام بٹو پیالا تھا ۱۴۷۳ء میں لونڈے بازی کے الزام میں ماخوذ ہوگیا۔ مسنل نے اگرچہ بوٹی سلی کے خلاف لگنے والے رسمی الزامات کو چنداں اہمیت نہ دی اس کے باوجود یہ سوچا ''کہ

عورت ہی واحد شے نہیں ہے جس پر وہ اپنے عشق کو ارزاں کرے۔'' اسے اس راہ پر ڈالنے والی بوٹی سلی کی ایک تصویر تھی '' دونوں جنس رکھنے والے بوٹی سلی کے فرشتے، نوجوان لڑکوں کے چہروں پر جو شان اس نے پیدا کی تھی اور نوجوانوں کی چند صورتوں میں جو اس نے حسن کی فراوانی کی تھی اس سے وہ بطور خاص اس وقت باحواس لگتا ہے جب اس کا آغاز بلوغت کی دلکشی سے واسطہ پڑتا تھا۔'' مثالیں لاتعداد ہیں۔ کوئی بھی اس مبہم فرشتے کو دکھا سکتا ہے جو بی بی مریم کی خدمت کرتا ہے اور تصویر 'میڈونا آف میگنی فشنٹ' میں ہے۔ اور پر تعیش برہنہ جنگ کا دیوتا جو اپنے ملبوس معشوق لڑکے کے ساتھ ''مارس اور وینس'' میں نظر آتا ہے۔ فنکار کی تصویر 'سینٹ سیباسٹین' اور ایک صالح نوجوان جو تصویر کی بائیں جانب اوپر کی طرف 'پری ماویرا' میں دیکھتا ہے۔ ایک مرتبہ پھر جیسا کہ قدیم ایتھنز میں ہوا ہم حیران ہوتے ہیں کہ آیا بوٹی سلی اپنے عہد اور خطے کے جمالیاتی جذبات ظاہر کر رہا تھا یا پھر نجی شہوانی احساسات کا۔ خیالات منقسم ہیں۔ آندرے چاسٹیل کا یہ کہنا ہے کہ مسنّل نے الزامات کو جو رد کیا ہے وہ محض چرب زبانی ہے لیکن رونالڈ لائیٹ براؤن اپنی ایک حالیہ تحقیق میں مسنّل سے اتفاق کرتے ہوئے گمنام لوگوں کی الزام تراشی کو ''فلورنس کی تلخ دھڑے بندی کا'' شاخسانہ کہتا ہے۔

لیونارڈو بوٹی سلی سے آٹھ برس بعد کا ہے اور وہ اس کے فن کا مداح ہے۔ شاید وہ ایک دوسرے سے ورّاکچی کی کارگاہ میں ملے تھے جہاں پر 'حسین فرشتہ لڑکے' کی روایت نے پر پرزے نکالے۔ یہ وہی زمانہ تھا جب وہ وراکچی کے ساتھ مقیم تھا اور لیونارڈو پر اغلام بازی کا الزام لگا۔ اپریل کی ۸، ۱۴۷۶ء اس کی چوبیسویں سالگرہ سے ٹھیک ہفتہ بھر پہلے۔ ایک گمنام مذمتی، اشتہار (ٹمبورو) میں پالازووے کیو کے بالمقابل چسپاں ملا۔

> میں تمہیں آگاہ کرتا ہوں سینوری اہلکاروں کو جو بالکل سچ ہے۔ جس کا نام جاکو یو سلتاریلی ۔۔۔ جو سیاہ پوشاک میں ملبوس رہتا ہے اور سترہ برس کا ہے۔۔۔ متعدد افعال شنیع میں ملوث رہا ہے اور ان افراد کو خوش کرنے کی حامی بھر لیتا ہے جو اس سے چند برے مزے حاصل کرتے ہیں۔ اور اس طرح اس کے ۔۔۔ کئی درجن لوگوں سے جن کے متعلق میرے علم میں بہت کچھ ہے۔ یہاں میں چند نام ہی لوں

گا: باتھولومیو ڈی پاسقینو، گولڈ سمتھ جو ولچسپر یسا میں رہتا ہے۔ لیونارڈو ڈی سر پیرو ڈاونچی جو آندرے ڈی وراکچی او، بکسینو ایک درزی ہے جو اورسان میکل پر رہتا ہے۔۔۔ لیونارڈو ٹورنا بونی جو الٹیری کے نام سے پکارا جاتا ہے اور سیاہ پوش رہتا ہے۔ انہوں نے مذکورہ جاکوپو سے اغلام بازی کا ارتکاب کیا اور میں تمہارے سامنے گواہی دیتا ہوں۔

جاکوپو کا نام سرکاری اہل کاروں کے لئے نامعلوم نہ تھا۔ ایک اور شخص بھی اغلام بازی میں اسی سال کے ماہ جنوری میں سزا پا چکا تھا۔ اس نئے الزام کا نتیجہ تاہم مشروط رہا۔ لیونارڈو اور دیگر اسی شرط پر معاف کردیے گئے ''کہ ان کا نام دوبارہ نہ آنے پائے'' اس کے باوجود الزام عاید کرنے والوں نے ۷ویں جون کو پھر الزام لگایا اس مرتبہ عالمانہ زبان لاطینی میں متناقض خیالات کے تحت دوسرا فیصلہ پہلے والے سے ملتا جلتا تھا۔ لیونارڈو جو ایک حساس طبیعت والا شخص تھا اپنی گرفتاری سے پریشان ہوا اور سخت خفت محسوس کی۔ اگرچہ اس کی بیزاری اور رنج یہ جان کر بہت گھٹ گیا ہوگا کہ لاتعداد دیگر لوگ پہلے بھی ایسے مقدمات بھگت چکے ہیں۔ یہ بھی درست ہے کہ فلورنس میں سزایابی ان دنوں بلند ترین حد (۱۶۱) کو چھونے لگی تھی یعنی چار برس پہلے ۱۴۷۲ء میں۔

بے شک ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ ہم ڈوناٹیلو اور بوٹی سلی کے مقابلے میں لیونارڈو کی زندگی کے متعلق کہیں زیادہ جانتے ہیں۔ سالٹارلی کا معاملہ پہلی مرتبہ ۱۸۹۶ء میں روشنی میں آیا، ایک دہائی بعد سگمنڈ فرائیڈ اپنے انکشافات سے چوکس کر چکا تھا اور اس نے اپنا مشہور مقالہ شایع کیا۔ اگرچہ فرائیڈ کی شاندار مساعی میں جب نظریاتی کلیے سازی ہونے لگی تو چنداں بے ڈھنگا ہوگیا۔ اس نے لیونارڈو کی جنسی فطرت کو مباحثے کے قابل ایک موضوع بنادیا جس سے بحث مباحثہ شروع ہوگیا۔ اس نے ہم جنس پرستی کو نسوانیت سے منسلک کردیا جس سے نقادوں کا لیونارڈو کی انسان نواز حلم سمجھ میں آنے لگا۔ اس کے نفسیاتی نفیس عورتوں کی پورٹریٹس اور اس کا خوبصورت اور پر تعیش کپڑوں سے عشق۔ لیکن وہ شخص جس نے مونا لیزا بنائی اس نے ایک اور اشتعال انگیز کارٹون بھی 'جنگ الغیاری' پر بنایا اور نوابوں کے گھروں کے اندر کی زیبائش اور آرایش کا ڈیزائنر بھی ایک ہنرمند شہ سوار نکلا جس کی

قوت دیکھ کر لوگ دنگ رہ گئے۔ اور اگر چہ فنون لطیفہ کو اکثر لوگ ہم جنس پرستوں کی اقلیم کہتے ہیں۔ لیونارڈو تشریح الابدان کا پیشرو اور موجد تھا جسے نشاہ ثانیہ کے ایسے بے رحم اساتذہ نے ملازم رکھا جن کے نام لوڈو ویکا سفورزا، سیسیر لور جیا اور لوئیس۔ ہفتم اور اس حیثیت میں جسے بہت سے لوگ فوق المرد سمجھیں گے۔ یعنی فوجی انجینئر نگ۔

ہمارے لئے لیونارڈو کے نجی اور ذاتی تعلقات ہیں۔ اس کی گرفتاری کے پانچ سال بعد وہ لوڈو ویکو کی خدمت کرنے کی غرض سے روانہ ہوا اور میلان میں اٹھارہ برس گزارے۔ جہاں پر اس نے لاسٹ سپر (The last supper) کی مصوری کی اور ۱۴۹۰ء میں جب وہ اڑتیس برس کا تھا وہ اپنے گھر میں ایک دس سالہ لڑکے کو لے آیا جس کا نام جیان گیا کومو کا پروتی تھا اور اس کی عرفیت سلائے رکھی۔ اپنی فنکارانہ زندگی میں وہ اسے یوں کہتا ''ایک طرحدار اور خوبصورت جوان جس کے گھونگھریالے بال ہیں جو لیونارڈو کے لئے بڑے دلفریب تھے۔'' یہ رشتہ لیونارڈو کی زندگی بھر چلتا رہا۔ یہ جان نثاری خلاف معمول تھی۔ اگر لڑکے کا طرز عمل مدنظر ہو۔ اس کی آمد کے ایک سال بعد لیونارڈو نے اس کی خطا کاری کی ایک طویل روداد تحریر کی اور اسے ان لفظوں میں یاد کیا ''چور، کاذب، اڑیل اور پیٹو۔ لیونارڈو کو سلائے کا رقم چرانا یاد رہا یا پانچ مختلف مواقع پر بیش قیمت اشیا اور اس سال کی پوشاکیں جو بیش بہا تھیں۔ جن میں چوبیس جوڑ جوتے بھی شامل تھے۔ بات عیاں ہے کہ سلائے میں ایسی کشش اور حسن تھا کہ وہ لیونارڈو کو اس کی ''نا ہنجاری'' سے صرف نظر کرنے پر مجبور کرتی جب کہ وہ رفیق کے علاوہ خدمت گار بھی تھا۔ کچھ بھی کہیں لیونارڈو کے روزنامچے اس گھونگریالے بالوں والے نوخیز کے خاکوں سے بھرے ہوئے ہیں جو ماہرین کی نظر میں جوانی کی دہلیز پر قدم رکھ رہا تھا۔ لیونارڈو نے تاکستان کا ایک حصہ میلان میں کرائے پر لے کر سلائے کے باپ کو دیا۔ اس کی بہن کو جہیز دیا اور ترکے میں اپنی جایداد کا ایک حصہ۔ وہ لیونارڈو کی معیت میں چھبیس برس رہا قریب قریب دم واپس تک۔ جب وہ فرانس سے لوٹ کر میلان پہنچا تاکہ اپنی جایداد کی دیکھ بھال کرے جو لیونارڈو نے دی تھی۔

ہمیں نہیں معلوم کہ لیونارڈو کے قریبی ہم عصر اس معاملے کو کیسی نظروں سے دیکھتے

تھے۔ ایک تعجب خیز دستاویز برٹش میوزیم میں چند دہائی قبل منظرعام پر آئی تاہم اس کا مصنف فنون کا نظریہ ساز گیان پاولولوماؔزو (۱۵۳۶-۱۵۸۴ء) جس نے متعدد مقالے تحریر کیئے جن میں سے ایک کا انگریزی میں ترجمہ ہوا جس سے شیکسپیئر مانوس تھا۔ یہ ممکن نہیں کہ لوماؔزو لیونارڈؔو سے واقف ہو مگر وہ اس کے کم عمر پیروکار سے ضرور آگاہ تھا اور یہ بھی ممکن ہے کہ براہ راست اطلاعات ملی ہوں۔ نو دریافت مکالمے میں لوماؔزو صاف صاف بیان کرتا ہے لونارڈؔو لونڈے باز تھا۔ ''فیڈ یاسؔ'' لیونارڈؔو سے پوچھتا ہے کہ آیا اس نے سلائؔئے کی لی ہے ''ویسا کھیل جو پیچھے سے کھیلا جاتا ہے اور اہل فلورنس جسے بہت چاہتے ہیں۔''

لیونارڈو: اور کے مرتبہ! یہ ذہن میں رکھو کہ وہ بہت خوبصورت جوان مرد تھا خاص طور سے جب اس کا سن پندرہ برس کا تھا۔

فیڈیاسؔ: کیا تمہیں یہ بتاتے ہوئے حیا آتی ہے؟

لیونارڈو: شرماؤں کیوں؟ کوئی ایسی بات نہیں ہے جس کی اس سے زیادہ تعریف کی جائے اور وہ بھی صاحبان وصف میں۔ اور یہ بھی کہ یہ سچ ہے اور میں معقول دلایل سے تمہیں سمجھا دوں گا۔

لیونارڈؔو لونڈے بازی پر فاخرانہ انداز میں ایک شذرہ بھی لکھتا ہے۔ ''اس سب کے علاوہ پورے ٹسکونی نے اپنی دکانیں سجا رکھی ہیں اور بالخصوص فلورنس کے دانشوروں نے۔ میرا وطن جہاں پر ان وطیروں سے اور عورتوں کی چرب زبانی کی روانی سے فنون میں کئی نادر روحیں داخل ہوئی ہیں۔

سلائؔئے ہی لیونارڈؔو کا کوئی واحد طویل عرصے تک رفیق نہیں رہا، ۱۵۰۸ء میں جب استاد وقت میلان لوٹا اور وہ اس وقت شہرت کے نصف النہار پر تھا بطور مصور اور انجینئر۔ تو وہ قریب کے ایک قصبے میں مقیم ایک امیر زادے کے محل میں اس سے ملنے گیا۔ وہاں وہ کنبے کے ایک لڑکے سے ملا جس کی عمر مختلف لوگوں کے تخمینے کے مطابق پندرہ سے اٹھارہ سال ہوگی اور اس نے بالفعل اسے متبنی بنالیا۔ وساریؔ جس نے فرانسسکو میلزیؔ کو بہ زمانہ پیری انٹرویو کیا تھا۔ وہ ہمیں بتاتا ہے کہ وہ ''ایک خوبصورت لڑکا تھا'' ۔ جب میں فنکار سے ملا تھا۔ ''وہ اس پر لہلوٹ بھی تھا۔'' ذہین، شستہ، بااخلاق اور باصلاحیت مصور۔ میلزیؔ نے

عمر رسیدہ شخص کی اس کی آخری علالت کے دوران میں دیکھ بھال کی جب وہ فرانس۔ دوم کے دربار سے منسلک تھا اور وہ خود اس کا خاص الخاص وارث تھا۔ اس کے ترکے میں لیونارڈو کی متعدد نوٹ بکس بھی تھیں۔ جنہیں اس نے محفوظ کرلیا اور مرتب کیں۔ لیونارڈو کے بھائیوں کو لکھے جانے والے خط میں وہ بوڑھے شخص کے لئے اپنے احساسات کو بیان کرتا ہے اور کہتا ہے ''میں شدت سے اس کی محبت میں سلگ رہا ہوں۔''

مایکل اینجیلو، عشق، فن اور احساس جرم:

دیگر فنکاروں کی طرح جوساونا رولا کے مذہبی ہیسٹیریا میں الجھے ہوئے تھے بوٹی سلی نے اس کی متعدد تصاویر پھاڑ ڈالیں—— پندرہویں صدی کی آخری دہائی کا فلورنس بڑی کشیدگی کا زمانہ تھا جب نظریات کی متضاد لہروں میں تصادم شروع ہوا۔ ایک رخ تو انسان نوازی کی تھی۔ مالی کفالت اور پرورش لورینزو ڈی میڈیسی کررہا تھا جس کا انحصار افلاطونی اکیڈمی پر تھا جس کی صدارت یونانی عالم مارسیلیو فسنیو کررہا تھا۔ اکیڈمی نے سمپوزیم کے نام کا ایک خصوصی گروہ تیار کیا۔ اور نومبر کی ۷، کو جو افلاطون کی مفروضہ تاریخ پیدایش تھی اور وفات بھی۔ اس کے ارکان، مکالمہ، کو پڑھنے کی غرض سے جمع ہوئے۔ جس کا ترجمہ فسنیو نے کیا تھا۔ فسنیو نے ایک اور طویل شرح بھی مرتب کی تھی (۱۴۶۹ء) جس میں دو مردوں کے درمیان عشق کی تعریف کی گئی تھی۔ مرد اپنی آنکھوں سے نوجوانوں کے جسمانی حسن سے لطف اندوز ہوتا ہے اور نوجوان اپنے ذہن میں مرد کی وجاہت سے حظ اٹھاتا ہے۔ نوجوان تو صرف جسمانی طور پر حسین ہوتا ہے لیکن اپنے شیوے سے اس کی روح بھی رعنا ہوجاتی ہے۔ ایسا فرد جس کی محض روح حسین ہوتی ہے تو وہ جسمانی خوبصورتی سے اپنی آنکھوں کو نوازتا ہے۔ لیکن فسنیو جس نے افلاطونیت اور مسیحیت میں اتفاق کو مقصد حیات بنالیا تھا اس لئے اس نے جسمانی اظہار کو رد کرکے اسے ''بدی کا جرم'' قرار دے دیا۔ ''عشق اور جسمانی وصل'' اس نے لکھا ''ملتی جلتی جبلتیں نہیں ہیں بلکہ۔۔۔ضدین ہیں۔'' اس افلاطونی سانچے میں فسنیو گیوونی کاولکانٹی سے عشق کرتا تھا جو اکیڈمی کا کم عمر رکن تھا اور

اسے وفور جذبات والے عشقیہ خطوط لکھا کرتا جو۱۴۹۲ء میں اپسٹو لائی کے مجموعے میں لاطینی زبان میں شایع ہوئے۔ اس فضا میں جہاں مردانہ وجاہت کی پرستش تحفہ ایزدی سمجھ کر کی جاتی ہو اور جسے خدا کی الوہی خوبصورتی کا مظہر مانا جاتا ہو وہیں اٹھارہ برس سے کم عمر مایکل اینجیلو آتش عشق میں مبتلا ہوگیا۔ لیکن ۱۴۹۱ء میں لورینزو کی موت سے سال بھر پہلے ساونارولا بے دین والے آرٹ کے خلاف اپنی مہم شروع کر چکا تھا۔ برہنگی اور فلورنس کے اغلام بازوں کے خلاف زہریلا اور برہمی والا سلسلہ جاری ہو چکا تھا۔ یہ دوسرا اثر تھا جس نے نوجوان مایکل اینجیلو کی نابغہ روزگار بننے والی شخصیت کو متاثر کیا۔ جب وہ سولہ برس کا خام اور ڈھلنے کے قابل نوجوان تھا۔

مایکل اینجیلو کا مزاج مسابقت میں شریک نظریات سے متاثر ہونے کو مستعد رہتا۔ جب وہ پندرہ برس کا تھا تو اسے چوکس لورینزو نے دریافت کیا، ایک بیٹے کی طرح اپنی میز پر بٹھایا اور اسے فسنیو، پولی زیانو، پیکوڈولا مرنڈولا کے حلقے سے متعارف کرایا۔ یہیں پر وہ فن اور اساطیر کی قدامت میں غرق ہوکر رہ گیا اور فسنیو کے پرشہوت نظریات کی مثالیت پسندی سے واقف ہوا۔ مایکل اینجیلو کی جمالیاتی اور جنسیات پر مایل فطرت اس وقت اپنے جوش میں آئی جب وہ نوجوان کھلاڑیوں کے حسین جسموں پر نظر ڈالتا۔ اپنے ساتھیوں کے تعاون سے اس نے سمپوزیم کی بایبل تیار کی۔ لیکن وہ ایک نہایت متدین کیتھولک بھی تھا جس کے اندر پورے روایتی گناہ کا تصور موجود تھا جس سے وہ ساونارولا کے آتشیں وعظوں سے بھی متاثر ہوتا۔ ساٹھ سال کے بعد اسے اپنی سوانح حیات لکھنے والے کو بتلانا پڑا کہ فرایر کی صدا اب بھی اس کے کانوں میں گونج رہی ہے۔

اس تنازع کو کیسے حل کیا جائے۔ مایکل انجیلو کے خیال میں اس نے مسئلہ کا حل افلاطون میں نکال لیا۔ یہی ایک فلسفی تھا جس نے مردوں کے عشق کو نہ صرف مباح قرار دے دیا بلکہ فایڈرس میں اسے برگزیدہ روایت قرار دیا۔ اور اس کے ساتھ مجرد زندگی کو مسیحی تعلیمات کے عین مطابق بتایا۔ کیا مایکل اینجیلو اپنی ذاتی زندگی میں اس مثالیت پسندی پر کاربند رہ سکا۔ ہم اس مسئلے پر بعد میں کھوج لگائیں گے۔ تاہم مایکل اینجیلو نے مردوں کے عشق میں مبتلا افراد کی صورت میں خود کو سولہویں صدی کے اطالوی عوام کے سامنے پیش

کیا۔

جب ۱۵۵۳ء میں مایکل اینجیلو اسی بھر کے لگ بھگ تھا اس کے جوان پیرو آسکانیو کونڈیوی نے لایف شایع کی۔ اس کی تالیف میں اسے اتنی دستگیری حاصل تھی کہ اسے خود نوشت کہا جاسکتا ہے۔ اس میں مایکل اینجیلو اس موضوع کو چھیڑتا ہے کہ جوان مردوں کو اس میں کتنی دلکشی ہوا کرتی تھی اور یہ سب ایک معذرت نامہ کی صورت میں ہے جس کی مذہبی اصطلاحات میں نہایت احتیاط سے انشا پردازی کی گئی ہے۔

اسی طرح اس نے تمام مقدس صحایف کا مطالعہ کیا اور ان پر خضوع وخشوع کے ساتھ عمل کر کے۔ دونوں انجیلوں عہد عتیق اور جدید اس کے علاوہ ان کی تحریروں کا بھی مطالعہ کیا جنھوں نے ان صحایف کا مطالعہ کیا تھا جیسے ساونارولا جس کے لئے اس کے دل میں بہت احترام تھا اور جس کی آواز اب بھی اس کے دل میں گونجتی تھی۔ وہ انسانی جسم کے حسن پر بھی فریفتہ تھا جو اس کے ہر پیچ وخم سے پوری طرح آگاہ تھا۔ اور وہ اسے اس طرح چاہتا تھا جس سے دیگر مردوں کو دبری معاملات میں ولولہ خیزی آئے۔ جن میں حسن سے عشق کرنے کی صلاحیت ہے اور نہ ہی فہم الا ان چیزوں کے جو ہوسنا کی پر مایل کرتی ہیں یا پھر نا شایستہ ہیں۔ جن کے متعلق وہ برا سوچتے ہیں بدگوئی کرتے ہیں۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے السی بیاڈز جو ایک نہایت خوبصورت جوان تھا۔ کیا اس سے سقراط نے انتہائی پاکدامنی سے عشق نہیں کیا تھا۔ جس کے لئے وہ یہ کہنے کا عادی تھا اور جب بھی اس کے ساتھ لیٹتا اور جب وہ بیدار ہوکر کھڑا ہوتا تو بالکل اس کے باپ کی طرح۔ جہاں تک میرا تعلق ہے میں نے مایکل اینجیلو کو اکثر عالمانہ انداز میں عشق کے موضوع پر بولتے سنا اور بعد ازاں اسے بھی جو اس کی مجلس میں ہوتے کہ جو کچھ اس نے عشق کی بابت کہا وہ کسی طرح بھی اس سے مختلف نہ تھا جو افلاطون کی تحریروں میں ملتا ہے۔

ان الفاظ کے ساتھ ڈومینیکا کے فرایر اور یونانی فلسفی یوں لگتا ہے جیسے شانہ بہ شانہ بطور صفائی کے گواہ کے کھڑے ہوں۔

مایکل اینجیلو کے فن میں دو رو ملتی ہیں۔ کیتھولک راسخ العقیدگی اور بے دینوں کا

برہنہ مرد کے لئے اشتیاق ۔کبھی کبھی یکے بعد دیگرے اور کبھی خلط ملط ۔ بولوگنا میں جہاں وہ سیاونا رولا کے ہاتھوں میڈیسی کا تختہ الٹنے کے بعد فرار ہو کر ۱۴۹۴ء میں گیا۔ وہاں مایکل اینجیلو نے کسی مقامی سینٹ کا روپ دھار لیا۔ پروکلس جس کے ماتھے پر بل والے مجسمے سے ایک نوعمر کی تشویش جھلکتی ہے۔ اور جب وہ فلورنس لوٹا تو اس نے اپنا پہلا شاہکار پر تعیش برہنہ مرد تخلیق کیا۔یعنی مخمور بیکس ۔جس کے انگور کے خوشے بے چبائے نگلتے ہوئے شریر چھو کرا (جس کے کان گھوڑے جیسے ہوں) ہے۔اس کے بعد اس نے جو دو اور کام کئے یعنی پیٹا اور ڈیوڈ جن میں مسیحی اور بے دین جمالیات کی یکجائی ملتی ہے۔ دونوں ہی اپنے عقیدے اور ایروز کی بندگی پیش کرتے ہیں۔ نہایت نفیس مریم جو اپنے ہاتھوں میں مسیح کو اٹھائے دکھائی دیتی ہے وہ آرٹ کے مورخین کی نظر میں ان شبیہوں سے مستعار لی ہوئی لگتی ہیں جن میں مردہ اڈونس کو وینس لٹا رہا ہے۔ جب کہ ڈیوڈ جو بعد میں فلورنس کا شہری نشان بنا وہ کوئی یہودی پیغمبر نہیں ہے بلکہ ایک یونانی کھلاڑی ہے جس سے اس کی جسمانی قوت اور ملال ہویدا ہے۔

کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ آویزش والے عناصر کا وجود عجیب وغریب انداز میں دوش بدوش پایا جاتا ہے ۔جیسا کہ ڈونی ٹونڈو میں ہوا۔ جہاں پر ہولی فیملی اور ابلتی آنکھوں والا جوان سینٹ جون کے پیچھے ایک کلاسیکل پٹی برہنہ جوانوں کی ہوتی ہے جو یونانی طرز کے اکھاڑے میں بیٹھے ہوں۔ ان کی کسمسا دینے والی موجودگی نے کوئی درجن بھر متضاد تفسیروں کو جنم دیا ہے۔ ایک باریک بین عالم نے انہیں اس طرح شناخت کیا ہے کہ یہ ایسے اغلام باز ہیں جو بپتسمہ کے ذریعے طہارت پانے کے منتظر ہیں۔ یہ قدرے عریاں لگتا ہے۔ اور منظر لگتا ہے گویا افلاطونی دنیا کو کوئی عمومی خراج عقیدت پیش کیا جا رہا ہو۔ اور روایتی گڈریوں یا ماجی کو ایسی مصورانہ تصویروں میں دیکھنے کی توقع رکھتے ہیں۔ سو یہ بھی ہوا کہ جب جولیس دوم کے لئے بلند حوصلہ مقبرے کا منصوبہ بننے لگا تو اس کے عقب میں ایک موسیٰ ؑ کا مجسمہ بھی رکھا گیا جو جذباتی انداز میں تڑپتے ہوئے ''قیدی'' ہوں۔ یہ ایسے انوکھے رفیق ہوتے جو قانون ساز ہے ور جو برہنگی کی مذمت کرتا ہے اور مردانہ عشق کی بھی۔ بسا اوقات ان رفاقتوں نے رسوا کن احتجاجوں کو جنم دیا۔ جیسا کہ دیوقامت اگنوڈی جس

نے تخلیق کے مناظر میں جو سسٹاین کی اندرونی چھت پر تھے ان میں اوقاف لگوائے اس کے علاوہ ''آخری فیصلہ'' کی برہنہ شبہیں تھیں۔ جن کی احساسات سے پر کشش نے تقریباً اصلاح دین کے مخالف دو پوپ یعنی پوپ ۔ چہارم (۱۵۵۵۔ ۱۵۵۹ء) اور گری گوری۔ ہشتم (۱۵۷۲۔۱۵۸۵ء) کو اکسایا کہ وہ ان مصوری کی شاہکاروں کی صورت بگاڑ دیں۔

مایکل اینجیلو کی مصورانہ شبیہات اور مجسمے محرکات پر اکساتے ہیں۔ لیکن اس کی اپنی زندگی کیا تھی۔ نشاہ ثانیہ کے دیگر فنکاروں کے برعکس مایکل اینجیلو نے اتنا بڑا تحریری ریکارڈ کا ترکہ چھوڑا ہے جس سے اس کی شہوانی دلچسپیوں پر کما حقہ روشنی پڑتی ہے۔ اس کے دستخط کئے ہوئے ۴۸۰ خطوط اور ان کے علاوہ ۱۸۸۰ ایسے خطوط جو دوسروں نے اسے لکھے ہاتھ آئے ہیں۔ اس کے علاوہ اس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ۳۰۰ نظمیں بھی ملی ہیں۔ ان کاغذات کے پلندے کے علاوہ ہم اس قابل ہوئے کہ اس کے دیگر مردوں سے جذباتی بندھنوں کو قدرے تفصیل سے جمع کر سکیں۔

ان میں سے اس کی زندگی میں سب سے زیادہ شہرت پانے والا معاشقہ وہ تھا جو ٹوما سوڈی کاوالیری سے ہوا۔ مایکل اینجیلو اس جوان رومی شریف زادے سے ۱۵۳۲ء میں ملا جب وہ ستاون برس کا اور ٹوماسو تئیس سال کا تھا۔ اور اس نے فوراً ہی اسے ایسے خطوط لکھنے شروع کر دیے جو فریفتگی سے پر ہوتے۔ یکم جنوری ۱۵۵۳ء کو مایکل اینجیلو نے لکھا اور ٹوماسو کو چند نہایت نفیس تصاویر دینے کی پیش کش کی ۔ اصل زبان میں اس خط کا لب ولہجہ انتہائی فیاضانہ ہے۔ مایکل اینجیلو اسے خط میں یہ کہہ کر مخاطب کرتا ہے ''بے مثال اور لاثانی۔'' ہماری صدی کی روشنی اور دنیا کی لاجواب ذات''۔ اور عہد کرتا ہے کہ اس پر فدا رہے گا۔ ''یہ لمحہ اور میرا جو بھی وقت بچا ہے۔'' ایک اور خط مورخہ جولائی۔ ۲۸، ظاہر کرتا ہے ''بے کنار محبت'' کو جو اس کے دل میں ٹوماسو کے لئے ہے۔ آیا وہ اس کا نام بھول سکتا ہے ''کیا کوئی کھانا بھولتا ہے جس پر میری حیات کا دارومدار ہے۔ بالکل نہیں۔ خوراک تو میری جسم کی پرورش کرتی ہے لیکن تمہارا نام تو جسم اور روح دونوں کی بالیدگی کرتا ہے اور ان میں ایسی مسرت بھر دیتا ہے کہ میں غم، خوف یہاں تک کہ موت کو بھی فراموش کر دیتا ہوں۔''

مایکل اینجیلو نے کئی درجن عشقیہ نظمیں کاوالیری کو لکھیں۔ جن میں بہت سی چودہ

مصرعوں والی نظمیں تھیں اور ٹوماسو کی تعریف کی ''حسین چہرہ'' ''خوبصورت بازو'' وہ جسمانی وصل کے لئے مر رہا ہے اور آرزومند ہے کہ اسے '' جسے اتنا زیادہ چاہتا ہوں'' کسی طرح گلے لگالوں میرے شیریں آقا۔ اور وہ بھی میرے خستہ پھیلے ہوئے ہاتھوں سے ہمیشہ کے لئے۔'' وہ کہتا ہے کہ کاش میں ریشم کا کیڑہ ہوتا کہ میری باقیات سے پوشاک بنتی جو''اس کے حسین جسم سے مارے خوشی کے لپٹ جاتی۔'' فایڈرس سے مستعار لے کر کہتا ہے کہ میرا عشق تمہیں کاش پر لگا دیتا تا کہ ہم جنت میں پہنچ سکیں۔ لیکن وہ اپنے عشق کو حق بجانب بنانے کی خاطر افلاطون سے بھی ایک قدم آگے بڑھ جاتا ہے اور دینیاتی بنیادوں پر بھی ثابت کرتا ہے۔ کاوالیری کا حسن تو خدا تک پہنچاتا ہے جو'' اپنی مہربانی سے اب دیدار نہیں کراتا لیکن مجھے کسی پردے کے ذریعے جو فانی اور خوبصورت ہے۔ میں بھی اس سے محض اس لئے عشق کرتا ہوں کیونکہ میں اس کا آئینہ ہوں۔'' یہاں پر مایکل اینجیلو عہد وسطی کے ایرانی تصوف کی ہم جنس پرستی والی عشقیہ شاعری کے قریب نظر آتا ہے بجائے شیکسپیئر کے یا قدیم یونانی ادب کے۔

افلاطون کا عشق کے متعلق انداز بیان جس میں پروں کے دینے کا ذکر ہے لگتا ہے جیسے ان ڈرائنگوں میں بھی نمایاں تھا جنہیں مایکل اینجیلو نے کاوالیری کو روانہ کی تھیں۔ اطالوی اہل ذوق میں بھی ہاتھوں ہاتھ لی جانے والی تصاویر جن کی متعدد مرتبہ نقلیں بھی تیار کرائی گئیں ان میں شہوانی رنگ واضح ہے۔ تصویر، ریپ آف دی گینا مایڈ، میں ایک شاہین ایک پورے ڈیل ڈول کے نوعمر کو آسمان کی طرف لے جاتا ہے۔ گینا مایڈ والی تصویر مایکل اینجیلو کی واحد تصویر ہے جس میں کلاسیکی ہم جنس پرستی کے نظریے کو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے۔ نشاۃ ثانیہ کے زمانے میں جیوپٹر جو لڑکے کا اغوا کرتا ہے جو کھر درے حد تک شہوانی ہے لیکن اسے نوافلاطونی بھی سمجھا جاسکتا ہے یا کسی رمزیہ کے ذریعے مسیحی بھی (مایکل اینجیلو کا دوست سیبا سٹیانو ڈیل پیومبو نے مذاقاً یہ تجویز دی کہ وہ اس کے سر پر ہالہ نور بنا سکتا ہے اور اسے سینٹ جان کی شکل میں ڈھال کر اسے کسی گرجا کے قبے میں لگا سکتا ہے) لیکن کسی جدید اسکالر نے یہ بات کہی کہ چڑیا اور لڑکے کا اجماع کوئی خصوصیت رکھتی ہے۔ وہ شاہین میں تجسیم الوہیت جیسے جنون کو پاتا ہے۔ پرندہ حریصانہ انداز میں اپنے پنجے میں لڑکے کے

نازک جسم کو جکڑ لیتا ہے اور پرندے کی گردن اس کے دھڑ کی جانب بڑھتی ہوئی ہے۔۔۔ لڑکا اس اغوا پر بڑے مفعولی انداز میں صبر وشکر کر لیتا ہے اور یوں لگتا ہے جیسے وہ پر مسرت خواب میں ڈوبا ہوا ہو۔ ایک فاصلے سے یوں لگتا ہے جیسے جوڑا کوئی اکلوتی پردار ذات ہو۔ اور اس صوفیانہ اتحاد کا اظہار ہو جن کا مایکل اینجیلو نے اپنی چند نظموں میں ذکر کیا ہے۔ دو اجسام میں ایک روح امر ہو جاتی ہے دونوں آسمان کی بلندیوں پر انہیں پروں سے پہنچ جاتی ہیں۔ ایک زیادہ جراتمند مفسر کا خیال ہے کہ لڑکا اور پرندہ مجامعت میں مشغول ہیں۔

اپنی عشقیہ نظموں میں مایکل اینجیلو ایک ایذا پسند کی طرح اس طرح سے مزا لیتا ہے کہ کاوالیری کا مفعول بن جاتا ہے جس کے نام سے فایدہ اٹھا کر صنعت ایہام سے کام لیتا ہے۔

اگر میں گرفت میں آ جاؤں اور شکست ہو جائے تو یہ میرے لئے خوشی ہوگی
اس میں بھی حیرانی نہ ہوگی کہ میں تنہا اور ننگا ہوں
میں تو اسیر رہتا ہوں مسلح نواب کا

یہ محسوس کیا گیا ہے کہ مایکل اینجیلو کی کامیابی (وکٹری) بیان کرتی ہے کہ کوئی جوان آدمی جب ایک عمر رسیدہ کو مغلوب کر لیتا ہے جس کا چہرہ اس کے مجسمے سے ملتا تھا۔ اگر چہ زیادہ تر مفسرین نے مایکل اینجیلو کے کاوالیری سے تعلقات کو افلاطونی تسلیم کیا ہے لیکن ہمارے پاس ایک اہم شہادت اس کے برعکس ہے۔ فریڈرک ہارٹ نے لکھا ہے کہ ۲، اگست ۱۵۳۳ء کو مایکل اینجیلو کو کاوالیری نے خط لکھا ''میں اعمال بد سے دور بھاگ رہا ہوں اور چاہتا ہوں کہ وہ بھی دفع ہو جائیں کیونکہ میں اب کسی اور سے عشق نہیں کر سکتا تمہارے علاوہ۔'' اس سے زیادہ صاف عہد کی کوئی بھی توقع نہیں کر سکتا۔

یونان اور جاپان میں ہونے والے مردانہ عشق کے چند اور وکلا کی طرح مایکل اینجیلو عورتوں سے عشق کا درجہ کمتر بتاتا ہے جسے وہ رد کر کے قطعاً شہوانی کہتا ہے۔ ''جس عشق کا میں ذکر کر رہا ہوں وہ بلندیوں کو چھوتا ہے'' عورتیں بھی جسے زیادہ ناپسند کرتی ہیں۔ کسی کا بھی دل اگر صحیح ہے تو خاتون کے لئے دھڑکنا چاہیئے۔ اگر عقلمند ہے اور مرد ہے ''ایک تو آسمان کی جانب جاتا ہے دوسرا دھرتی کی جانب''۔ اگر چہ کاوالیری نے اس سے ملاقات

ہونے کے چار سال بعد شادی کر لی لیکن وہ اور مایکل اینجیلو آخری دم تک دوست رہے۔ ٹوماسو مایکل اینجیلو کے بستر مرگ پر موجود تھا اور بعد میں اس نے روم میں اس کے تعمیراتی منصوبوں کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔

مایکل اینجیلو اس امر سے پوری طرح آگاہ تھا کہ اس کی نظموں اور فن پاروں کو اس کے ہم عصر علمی انداز میں شک کی نظر سے دیکھیں گے۔ ''یہ بد، احمق اور قبیح مجمع۔'' اسے اندیشہ تھا کہ ''میرا نکتہ اور دوسروں کے مذاق پر تھوپنا'' اس کی پیش گوئی صحیح نکلی۔ پیٹرو آری ٹینو جو اٹلی کا سب سے رعب داب والا طنز نگار گزرا ہے۔ اس پر برہم تھا کہ مایکل اینجیلو نے اپنی تصاویر اسے نہ بھیجیں اور یہ سوچ کر کہ وہ میرے شایان شان نہیں ہیں اور اس نے فنکار کو ایک تنبیہ کی تھی۔ تمہارے لیے یہ بہتر ہے کہ مجھے تصاویر بھیجو اس نے چوکس کیا۔ ''اگر صرف یہ چاہتے ہو کہ چلتی زبانوں کو بند کیا جائے جو یہ قینچی چلاتی ہیں کہ صرف گیراڈو اور ٹوماسو ہی جانتے ہیں کہ تمہیں شایستہ رکھا جائے۔'' اس کے بعد اس نے ایک اور طعن کیا۔ ''اگر تم الوہیت پر فایز ہو تب بھی تم مردانہ جوڑے پر تکبر نہ کرو۔''

دو برس کے بعد بینی ڈٹو وارچی نے فلورنس میں مایکل اینجیلو کی نظموں پر لکچر دیے اور ۱۵۵۰ء میں ان لکچروں کو شایع کرایا۔ مایکل اینجیلو اس پر خوش ہوا اور شکریہ ادا کرنے کی غرض سے خط لکھا۔ وارچی نے کاوالیری کے لئے لکھا تھا کہ وہ ایک معزز فرد ہے اور ''لاثانی حسن'' کا اور ''ایسے شاندار اطوار اور ان خوبیوں کا امین ہے اور اس دلکش طور طریق کا مالک ہے کہ اس کے گن گائے گئے اور اب بھی وہ اس کا مستحق ہے یہاں تک کہ جتنی اس سے محبت کی جائے اتنا ہی وہ مشہور ہوتا ہے'' لیکن اگر مایکل اینجیلو نے کہیں یہ سمجھ لیا کہ وارچی کے اس کی نظموں سے پر احترام سلوک سے شکوک رفع ہو جائیں گے تو اسے سادہ لوحی کہنا چاہئے۔ گیوانی ڈال اور ٹو نے یہ ثابت کیا ہے کس طرح مردوں کے درمیان ہونے والے افلاطونی عشق کا نظریہ اس وقت تک اٹلی میں مشکوک بن چکا تھا۔ سولہویں صدی کے وسط تک اطالوی ادبی نقاد اس پر قدرے مایل ہو چکے تھے اور افلاطونی عشق کو ہم جنس پرستی کی دھوکے کی ٹٹی سمجھتے تھے اور ''سقراطی عشق'' کو طنزیہ وفور مسرت۔

وارچی کا اپنا دور یہ ظاہر کرتا ہے کہ افلاطونی احساسات کسی طرح پسپا ہو رہے تھے۔

وارچیؔ نے خود بھی نوجوان لڑکوں کے لئے لاتعداد سونیٹ کا ایک سیلاب پیدا کر دیا اور اس پر مصر رہا کہ اس کی آتش شوق فطرتاً ظاہری تھی۔ لیکن ڈال آرٹوؔ ہمیں بتاتا ہے کہ ''وہ رسوا کن حد تک ہم جنس پرستی والے تعلقات رکھتا تھا۔۔۔ معروف لڑکوں سے جنہیں وہ لسانیات کی تعلیم دیتا اور ایک مقبول نوارسطوی فلسفہ بھی پڑھاتا۔'' وارچی ۱۵۲۶ء میں گیلیا نو گونڈیؔ پر فریفتہ ہو گیا۔ جو جلد ہی ان زخموں کو تاب نہ لا کر انتقال کر گیا جو اسے محلے کی لڑائی میں آئے تھے۔ اور گونڈیؔ کی جگہ لورینزو لیزیؔ نے لی اور پھر گیوبوگیلا سٹوؔفا نے۔ گیولوؔ کو جو نظمیں ملیں ان سے وہ اتنا پریشان ہوا کہ ۱۵۵۳ء میں اس نے وارچیؔ کو متنبہ کیا کہ اس کے اتقا کے دعوی کا دیگر شعرا مضحکہ اڑاتے ہیں جن میں سے ایک فرانسکو گرازینیؔ نے درج ذیل پھکڑ پن اور ٹھٹھول میں یہ لکھا ہے۔

اے فادر وارچیؔ نئے سقراط۔۔۔
تم تک پہنچیں جوق در جوق
شاگرد اور وہ بھی پوری دنیا سے۔۔۔
آلیبیاڈیؔز اور فائڈرسؔ تھے مکمل
شاگرد، ایسے ایتھنز نے کہاں دیکھے اور جانے ہوں گے
کیونکہ وہ وجیہہ اور جوان تھے۔۔۔
ایک کے بازو کھلے ہوئے اور ایک کا ازار گھٹنوں پر، یوں
تمہارا بےمبوؔ الیسین کے کھیتوں میں تمہارا منتظر ہے۔

ایسی رسوائیوں کے باوجود وارچیؔ کی فاریٹینا اکیڈمی کا کونسل نامزد کیا گیا اور اسے یہ اعزاز بھی ملا کہ اس نے ۱۵۶۴ء میں مایکل اینجیلوؔ کی موت پر تدفین کے وقت قصیدہ خوانی کی۔ لیکن جو ستایش ایک ہم عصر نے ۱۵۸۳ء میں اسے عطا کی وہ مشروط اور ایک مفہوم میں محتاط تھی۔ ''وہ معروف تھا، آنکھوں کا تارا تھا اسے تمام اہل علم عزت دیتے جوان دنوں اٹلی میں تھے۔ لیکن چونکہ وہ ہمہ وقت لڑکوں کی محبت میں الجھا رہتا اور جسے وہ افلاطونی کہتا۔ اکثر وہ ان کے ناموں کو اخفا میں رکھتا جنہیں وہ چاہتا۔ (اپنی نظموں میں) اس نے اپنی اعلیٰ شہرت کو گہنا دیا جس کا وہ مستحق بھی تھا۔'' اس سبب سے یہ لگتا ہے کہ مایکل اینجیلوؔ اور

کونڈیوی کو غلط مشورہ دیا گیا کہ وہ سقراط اور آلسیبیاڈز کا حوالہ دیں جب وہ ۱۵۵۳ء میں 'لایف' میں مایکل اینجیلو کے جنسی معاملات میں تقوی کی وکالت کریں۔ ایسی کوئی بھی سعی اس زمانے میں زیادہ امکان یہ تھا کہ شکوک کو رفع کرنے کے برخلاف غوغا بڑھائے گی۔

مایکل اینجیلو کی نظمیں ۱۶۲۳ء تک شایع نہ ہوئیں اور یہ بھی اس وقت ہوا جب اس کے پُت بھانجے نے تدوین کی۔ ان کے ذیلی اشاروں سے مایکل اینجیلو کے پوتے نے عمداً (بالکل اسی طرح جیسے شیکسپیئر کی سونیٹس کو چند سال بعد پہلے مدیر نے بدلا تھا) تذکیر و تانیث بدل دیں اور بدل کر ایسے اشارے درج کر دیے جس سے مخصوص مردوں کی جانب اشارہ ہوتا۔ جسے یوں پڑھا جاتا ''میں تو دل کا قیدی ہوتے ہوئے نیکیوں سے مسلح ہوں۔'' اس کے علاوہ پت بھانجے نے ایک بالصراحت دستی نوٹ بھی لکھا اس نے شکایت کی کہ وارچی'' نے یہ شایع کر کے غلطی کی ہے کہ اصل عبارت چھاپ دی۔ اچھی طرح ذہن نشین رہے کہ یہ سانیٹ اور اس سے پہلے والی اور دیگر کا ایسا تعلق ہے اور جیسا کہ عیاں ہے کہ ان کا تعلق مردانہ عشق سے ہے جو افلاطونی نوع کے تھے'' مایکل اینجیلو کی نظموں کا کوئی بھی درست مجموعہ ۱۸۱۳ء تک شایع نہ ہوسکا۔

وساری اپنی 'زندگیوں' میں بڑی خوش تدبری سے مایکل اینجیلو کے ٹوماسو سے تعلقات کو پیش کرتا ہے جیسے وہ مخاطب کرنے کے لئے رومی شریف زادہ کہتا ہے۔ ۔ ۔ ۔ جس کے واسطے (مایکل اینجیلو نے) جلیل القدر ڈیزاین کالی اور سرخ کھریا میں بنائے جس میں گینی میڈ کی جبراً گانڑ مارنا بھی شامل ہے اور گدھ (کذا) جو ٹیٹیس کا کلیجا چبا رہا ہے۔۔۔ مایکل اینجیلو نے ایم ٹوم ماسو کی قدم آدم تصویر بنائی جو اس کی پہلی اور آخری بھی تھی۔ کیونکہ اسے چلتی پھرتی زندگی سے اخذ کرنا سخت ناگوار تھا جب تک اس میں حسن اپنے کمال تک نہ موجود ہوتا۔ وساری ایک اور وصول کنندہ کا ذکر کرتا ہے جسے مایکل اینجیلو کی تخلیقات وصول کرنے کی عزت ملی۔ جو غیر آرڈو پیرینی تھا جو یوں لگتا ہے وہی غیر آرڈو ہے جس کا ذکر آرٹینو کے خط میں کنایتاً آیا ہے۔ پیرینی کے متعلق ہمیں بہت کم معلوم ہے اگر چہ ۱۵۲۲ء میں مایکل اینجیلو کے چند معمولی سے الفت والے خطوط جو اسے لکھے گئے تھے امتداد زمانہ سے بچ گئے ہیں۔

مایکل اینجیلو نے متعدد نظمیں ایسی لکھی ہیں جن میں اپنے معاشقوں اور پرعصیاں زندگی پر اشکباری کی ہے اور اندیشہ ظاہر کیا ہے کہ اس سے اس کی آخری نجات دبدھا میں پڑ گئی ہے۔

آہ، اے عشق تو کس سرعت سے نمودار ہوتا ہے
مسلح اور پرزور، بے لگام اور نڈر
اور تو مجھ سے نکال باہر کرتا ہے
موت کا ڈر یہاں تک کہ جب وہ بروقت آئے۔۔۔
کبیرہ گناہوں کے ہمراہ جان لیوا انتقام بھی ہوتا ہے
تم مجھے کہاں رکھو گے
تا کہ میرے آخری ایام (جنہیں خوشگوار ہونا چاہیئے)
کیا شرمناک اور تباہ کن ہوں گے؟

بات واضح ہے ان اندیشوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ مایکل اینجیلو اپنی ہم جنس پرستی کی خواہشات سے آگاہ تھا۔ جنہیں وہ اپنے لئے پرخطر جانتا تھا جیسی کہ طاقتور عذاب والی تصویر 'لاسٹ ججمنٹ' میں اس نے دکھائی ہے۔

واضح طور پر مایکل اینجیلو کی سسٹاین دیوار گیر تصاویر اکثر یہ سمجھی جاتی ہیں جیسے وہ مسیحی فن کے عروج پر پہنچ گئی ہوں۔ یہ حالات کی ہلکی سی ستم ظریفی ہے کہ جب ہم یہ غور کرتے ہیں کہ پوپ کا یہ چیپل جو ۱۴۷۳ء میں تعمیر کیا گیا اپنے اندر ہم جنس پرستوں کی جمعیت کی کمک رکھتا ہے۔ یہ بھی درست ہے دو پوپ جو اس سے بہت قربت رکھتے تھے وہ گپ شپ کا موضوع بھی بنے۔ ہم عصر ماجرے اس کے خالق سکسٹس ششم کو اپنے خوبصورت بھانجے پیٹرو ریاریو کا عاشق کہتے ہیں جسے اس نے پچیس سال کی عمر میں کارڈینل مقرر کر دیا تھا اور اس پر دولت وثروت کی بارش کر دی کہ اس شاہ خرچی کا موازنہ رومی شہنشاہوں سے کیا جانے لگا۔ سکسٹس کو تواتر کے ساتھ اسٹیفانو انفیسورا کی ڈائریوں میں ''لونڈے باز'' کہا گیا۔ یہ ایسا الزام ہے جس سے جدید مورخین اس لئے چشم پوشی کرتے ہیں کیونکہ انفیسورا ''ایک عوامی حکومت کا پرجوش حامی اور پوپ کا سیاسی دشمن تھا۔''

لیکن کوئی ایک صدی پہلے جان ایڈنگٹن سائمنڈز نے یہ اشارہ کیا تھا کہ یہی الزام وینس کے سفیر کے پیغامات میں بھی موجود ہے جو وہ سرکار کو بھیجا کرتا اور اس کی تصدیق عموماً ذمہ دار ذرائع کی ڈائریوں سے بھی ہوتا ہے جو جون برکارڈ کی قلمبند کی ہوئی ہیں جو پوپ کے ہاں ہونے والی تقریبات کا مہتمم تھا۔

سکسٹس ہی کوئی اپنے خاندان کا واحد رکن نہ تھا۔ ایسے ہی الزامات اس کے بھتیجے جولیس۔ دوم پر لگے۔ ''جنگجو پوپ'' جس نے مایکل اینجیلو کو دھونس دے کر سسٹاین کی اندرونی چھت میں مصوری کرائی جولیس کی ۱۵۱۱ء میں کونسل آف پیسا نے یہ کہہ کر مذمت کی کہ ''یہ لونڈے باز اور ایسا شخص ہے جس کے پورے بدن پر شرمناک پھوڑے نکلے ہوئے ہیں۔'' کونسل کا اجلاس لویس۔ دواز دہم نے طلب کیا تھا تاہم اس کی اس سے چلی ہوئی تھی اور وہ چاہتا تھا کہ اسے سبکدوش کر دیا جائے اور اس میں مسیحی قانون سازی کی کوئی سوجھ بوجھ بھی نہیں ہے۔ ان تمام الزامات پیدا ہونے کی ظاہری وجہ جولیس کی فیڈریگو گونزاگا، فرانسکو الیڈوسا اور دیگر نوجوانوں میں بڑھتی ہوئی فریفتگی تھی۔ روزنامچہ نویس گیرولاموپرولی نے یہ بھی بتایا ہے کہ جولیس گینی ماڈ سے ''بے شرمی سے'' اوسشیا اور سٹا کاسٹلانا میں اٹکھیلیاں کرتا۔ تاریخ کو ابھی ان افواہوں کو تولنا ہے۔

سوڈوما اور سیلینی:

خود آزار مایکل اینجیلو نے خود کو دنیا کے سامنے ایسا پیش کیا کہ جو مردانہ حسن کا عاشق ہوتے ہوئے بھی افلاطونی طور پر پاک دامن ہو۔ گیووِنی انٹونیو بزی (۱۴۷۷۔ ۱۵۴۹ء) بڑا جری اور بہت صاف گو نے اپنے ہم عصروں کو یہ اختیار کر کے تعجب میں ڈال دیا۔ اور آنے والی نسلوں تک یہ پہنچایا۔ اور ایک اشتعال انگیز عرفیت ال سڈوما (لونڈے باز) اختیار کی۔ میلان کے قریب ورسیلی میں پیدا ہوا، ممکن ہے بزی نے لیونارڈو کے اس شہر میں قیام کے دوران میں اس سے تعلیم پائی ہو۔ یہ اس کے چہرے پر چھائی لیونارڈوی صفت سے جھلکتا ہے جس سے اس امکان کو تقویت ملتی ہے۔ وہ ۱۵۰۰ء تک شہر سینا میں بس

چکا تھا اور جلد ہی شہر کا ممتاز فنکار اور سنکی ہونے کے باوجود مقبول آدمی بن چکا تھا۔ اس نے کس وقت اپنی دشنام بھری عرفیت اختیار کی ٹھیک سے بتانا دشوار ہے۔ لیکن اس نے ۱۵۱۳ء میں ان ہی ہجوں میں دستخط کیے جب کہ اس کے ساتھ چھوٹا نواب اور گرجا کا سربراہ بھی تھا جب اس نے مقامی گھڑ دوڑ میں اپنا گھوڑا داخل کیا تھا۔

اگر چہ نشاۃ ثانیہ کو اس وجہ سے بہت شہرت ملی (جس کی وہ حقدار نہ تھی) کہ رواداری کا راج تھا۔ بزّی ان معنوں میں یکتا تھا کہ وہ اپنے جنسی مشاغل کو سرعام بیان کر دیتا۔ کوئی دوسرا یورپین آندرے گاؔیڈ تک ہمیں نظر نہیں آتا جس نے ایسا کیا ہو۔ ہم عصروں کو کیا ردعمل تھا؟ جو دستاویزات ہم تک پہنچیں ہیں وہ واضح طور پر غیر مربوط ہیں۔ وساریؔ تسلیم کرتا ہے کہ بزّی سینا کے عام لوگوں میں مقبول تھا اس میں سختی سے مین میکھ نکلتی ہے۔ ''اس کا طرز بودو باش عیاشی پر مایل اور گھٹیا تھا اور جیسا کہ اس کا دستور تھا کہ وہ لونڈوں اور بے ریش نوجوانوں کے جھرمٹ میں رہتا جن کا وہ حد سے زیادہ شوقین تھا۔ اسی بات سے اس کا نام سوڈوماؔ پڑ گیا۔ لیکن اس پر بجائے شرمانے کے وہ اس پر فخر کرتا اس موضوع پر مصرعے اور اشعار کہتا اور انہیں بربط کی دھن پر لہک لہک کر گایا کرتا۔''

وساریؔ کا نوٹس ۱۵۶۸ء میں کونسل آف ٹرینٹ کی طویل محنت کے خاتمے کے فوراً بعد ظاہر ہوا۔ لیکن اس صدی کے اس ابتدائی حصے میں جب عوامی قبولیت غیر یقینی ہوتی تھی۔ تو سینا میں سوڈوماؔ سے ممکن تھا کہ لوگ ہراساں نہ ہوتے۔ لیکن جب ۱۵۱۵ء میں فلورنس کے ایک اور گھوڑے نے دوڑ جیت لی تو ایک بہت برا واقعہ ہوا۔ وساریؔ اس کی تفصیل بیان کرتا ہے ''وہ لڑکے جو کامیاب گھوڑے کے مالک کے نام پکارا کرتے تھے تو نفیری بج چکنے کے بعد انہوں نے اس سے پوچھا کہ وہ کون سا نام کا اعلان کریں اور جب جواب میں اس نے کہا ''سوڈوما، سوڈوما'' انہوں نے وہی دہرادیا۔ یہ کیا ہرزہ سرای ہے؟ ایسا نام ہمارے شہر میں کیوں لیا گیا؟ سو بہت عجلت میں غریب سوڈوماؔ، اس کا گھوڑا اور ایک بندر کا بچہ جو وہ اپنے ساتھ لئے ہوئے تھا ان پر لڑکوں اور مجمع نے سنگساری کر کے سب کو مار ڈالا۔

بندر کا بچہ ممکن ہے قاری کو حیران کرے لیکن جانوروں کا شوق اس کی ایک اور سنک تھی جس کے لئے سوڈوماؔ بدنام تھا۔ وہ اپنے گھر کو ہر قسم کے عجیب و غریب جانوروں سے

بھرے رکھتا جیسے بجو، گلہریاں، لنگور، پہاڑی شیر، بونے گدھے، دوڑ کے بربری گھوڑے، ایلبا گھوڑیاں، چھوٹے سر کے سفید کوئے، اصیل مرغے، جنگلی فاختایں اور ایسی ہی مخلوقات۔۔۔ یہ جانور اتنے سدھائے ہوئے تھے کہ وہ ہمیشہ اسے گھیرے رہتے اور اپنی عجیب وغریب کلیلوں سے یوں لگتا جیسے یہ گھر نہ ہو بلکہ کشتی نوح ہو۔

سوڈوما کے ہم عصر ہی لوگ مداح نہ تھے جو اس کے نام پر فکر مند ہوئے۔ ایک اسکالر نے ۱۹۰۸ء میں جس نے ایسی کتاب شایع کی جو آج تک انگریزی زبان میں جامع ترین سوانح حیات ہے۔ اس نے بیان کیا کہ متعدد ڈرائنگ اور پینٹنگز'' جو بلاشبہ اس کی بنائی ہوئی ہیں مگر جنہیں دوسروں سے منسوب کر دیا گیا، لگتا ہے تا کہ ان کی شہرت برقرار رہے۔ لیکن وساری تک کو تسلیم کرنا پڑا کہ سوڈوما کو اپنے ناہموار کام اور رسوائے زمانہ کارگذاریوں کے باوجود ارفع مقام حاصل تھا۔ حالانکہ اس نے اس کی ''حیوانی'' عادات کی وجہ سے اس کی چمڑی ادھیڑ دی جس میں قیمتی پوشاک اور محنت کے ساتھ کام نہ کرنے کی عادت شامل ہے۔ اس نے اس کی تیکھی تصویر، کرایسٹ ایٹ پلر' کی تعریف کی، اس کی 'سینا کی سینٹ کیتھراین کی شدت جذبات میں غش کھاتی اور مسیح کو صلیب سے اتارنے (Deposition from the Cross) والی تصویر اور بے ہوش ہوتی ہوئی کنواری اور چاق و چوبند دستہ (Elegent Legionnaires بھی شامل ہیں۔ سوڈوما کی بنائی ہوئی سینٹ سیباسٹین جو ایک برہنہ مرد ہے مگر مذہب کے بھیس میں' جون اڈنگٹن سائمنڈز جس نے یہ لکھا کہ یہ آمیزش ہے ''یونانی ہیلاس کے حسن کو مسیحی احساسات شہادت سے''

اسے ویٹیکن میں اس لئے طلب کیا گیا تا کہ اسے اس کہکشاں میں شامل کر لیا جائے جس میں پہلے سے لیونارڈو، مایکل اینجیلو، رافایل، پیروگینو اور سگنوریلی، بزی اتنا خوش ہوا کہ پوپ لی او۔ دہم نے اسے مسیح کا شہ بالا بنا دیا ہے۔ اس کے بعد پر افتخار فنکار نے ہمیشہ خود کو ''انٹونیو سوڈوما' نایٹ آف سینا'' ہی لکھا۔ اس کے باوجود اسے اب بھی ذلتیں برداشت کرنا تھیں۔ جب کسی اسپینی سپاہی نے جو شہنشاہ کی فوج کے سینا میں چھاؤنی چھانے کی وجہ سے مقیم تھا تو وہ اس سے توہین سے پیش آیا سوڈوما چونکہ اس کا نام نہیں جانتا تھا اس

لئے اپنا چہرہ نکالا تا کہ شناخت ہو سکے۔ اسپینی گورنر نے سپاہی کو سزا دلوائی اور جیسا کہ ہمیں بتایا جاتا ہے وہ سوڈوما کا دوست اور مربی بن گیا۔

وساری کا زندگی بھر یہی نظریہ رہا کہ سوڈوما کو بہت عظیم پینٹر ہونا چاہیئے تھا اگر وہ مداری پن پر نہ اتر آتا یا ''حیوانی'' مشاغل میں نہ پڑ جاتا۔ لیکن اس کی دیوانگی نے اسے اپنے دوستوں کا چہیتا بنا ڈالا۔ آرٹینو نے اس کے طنزیہ انداز کو ایک جانب کر کے اسے نہایت گرم جوشی اور محبت سے بھرا خط لکھا اور یہ اس وقت ہوا جب انہیں جدا ہوئے تیس برس کا عرصہ گزر چکا تھا۔ رفائیل نے اسے سراہا اور پوپ جولیس۔ دوم کے پر ہیبت احکام سے یہ کہہ کر سرتابی کی کہ وہ ویٹیکن میں اس کی تعمیرات میں آ کر کوئی رنگین تصاویر نہیں بنائے گا۔ ان غیر شادی شدہ فنکاروں کے دھڑے کا یہ مخمصہ لگتا ہے جن میں سوڈوما واحد شخص تھا جس نے شادی کی۔ یوں لگتا ہے جیسے شادی نے انہیں ہمیشہ بے چین ہی رکھا لیکن وساری کا اصرار کہ سوڈوما کی بیوی اسے چھوڑ کر چلی گئی محض اس کے ''حیوانی پن'' سے جو بظاہر غلط ہے۔ ایک ٹیکس کا گوشوارہ یہ دکھاتا ہے کہ وہ دونوں ایک ہی گھر میں ۱۵۴۱ء میں رہتے تھے اس وقت سوڈوما چونسٹھ برس کا تھا۔ نہ ہی وساری کا یہ دعوی کہ سوڈوما قلاش مرا کیونکہ وہ بہت شاہ خرچ تھا۔ جس کی تصدیق ریکارڈ سے نہیں ہوتی۔ جن سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ معقول حد تک خوشحال تھا۔ اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ وساری کو ان کہانیوں میں اپنے زمانے کی روایت کے مطابق سبق آموز حالات لگے ہوں۔

سوڈوما اپنی بدنام ذات کے باوجود خود کو قانون شکنی سے دور رکھتا۔ بن ونوٹو سیلینی (۱۵۰۰۔۱۵۷۱ء) اتنا خوش نصیب نہ نکلا۔ جو فلورنس میں پیدا ہوا۔ اس نے اپنے وطن مالوف کو ۱۵۱۹ء میں چھوڑ دیا تا کہ اپنے نصیب بطور سنار کے روم میں بہتر بنائے اور اس کے بعد فرانس۔ اول کے پاس فونٹین بلیو میں۔ اس کی مختلف مقامات سے عاجلانہ روانگی کے مختلف اسباب تھے۔ تنخواہ پر جھگڑے، خیالی اہانت، سیاسی تبدیلیاں اور اکثر و بیشتر ہاتھا پائی جو اس کے غضبناک مزاج کا نتیجہ تھا۔ وہ ۱۵۴۵ء میں فلورنس میں دوبارہ آ کر بس گیا اور نواب کوسیمو۔ اول کے لئے کام کرنے لگا۔ جس نے بدمزاج آرٹسٹ کا پرتپاک استقبال کیا۔ سیلینی کا قیام گیارہ مقدمات کی وجہ سے یادگار بنا جن میں دھینگا مشتی ہوئی تھی۔

سیلینیؔ ایک سرگرم رنڈی باز تھا۔ اور وہ مشہور خودنوشت جس کا معتد بہ حصہ اس نے ۱۵۵۷۔۱۵۵۹ء کے عرصے میں لکھا جب اسے گھر پر نظر بندی کا سامنا تھا۔ تمام معاشقوں کا ذکر کرتا ہے جو اس نے ماڈل لڑکیوں اور خانگیوں سے رکھے۔ اس میں یہ بھی کمزوری تھی کہ نوخیز نوجوانوں پر بھی ریجھ جاتا جو اس کے اندر ایسے نازک جذبات پیدا کر دیتے جو اس کے عورتوں سے پیدا ہونے والے ہوش پن والے تعلقات میں بہ مشکل ملتے ہیں۔ اپنی آپ بیتی کے آغاز میں وہ ایک چودہ سالہ رومی لڑکے پاولینیؔ کے ساتھ پیدا ہونے والے احساسات بیان کرتا ہے۔

> پاولینیؔ نیک اطوار، نہایت دیانت دار اور میری زندگی میں آنے والا سب سے خوبصورت لڑکا تھا۔ اس کے منکسرانہ طریقے اور اقدام جس میں اس کی اعلیٰ درجہ کی خوبصورتی بھی شامل ہوتی اور اس کی مجھ پر جاں نثاری۔ جس نے مجھ میں ایسی الفت کا جوت جگادیا جتنا کہ کسی کے چھاتی میں سما سکے۔ یہ جنون عشق اکثر مجھے وارفتہ کر کے اس لڑکے کو موسیقی سے خوش کرنے پر لگا دیتا، کیونکہ میں نے محسوس کیا کہ اس کے حسین خدوخال جن پر عموماً ایک منکسرانہ اداسی کا رنگ طاری رہتا، اس وقت دمکنے لگتا جب میں اپنے کورٹینٹ کو لے کر بیٹھ جاتا جس سے وہ مسکرانے لگتا اور شگفتگی کے ساتھ مٹھاس ٹپکنے لگتی، مجھے تو اہل یونان کی لکھی ہوئی احمقانہ کہانیوں میں کوئی مزا نہیں آتا جو انہوں نے آسمانی دیویوں کے متعلق تحریر کی ہیں۔ بلاشبہ اگر میرا لونڈا اس زمانے میں پیدا ہوتا تو وہ ان کو مزید دیوانہ بنا دیتا۔

ان ''احمقانہ کہانیوں'' میں اووڈؔ کی کہانی گینی میڈؔ اور ہیاسنتھؔ بھی شامل ہیں جنہیں اپنے فن کے ذریعہ سیلینیؔ نے مصورایہ ہے۔

لڑکوں کے لئے اس کا جنون کسی بھی طرح ہمیشہ افلاطونی نہ رہتا۔ جنوری ۱۵۲۳ء میں فلورنس کے ایک مختصر قیام کے دوران میں سیلینیؔ اور ایک شخص پر ایک لڑکے سے اغلام بازی کرنے کا مقدمہ چلا لڑکے کا نام ڈومینیکو ڈی سرگیلیا نوڈار یپاؔ تھا۔ اپنے نام کی طوالت سے غالباً وہ کسی متوسط طبقے کے گھرانے کا چشم و چراغ تھا۔ مقدمہ کا زمانہ پہلی میڈیسین (پندرہویں صدی کے فلورنس کے حکمران) بحالی ۱۵۱۲۔۱۵۲۷ء کے دور میں تھا۔ جس نے

اپنے نوجوان حامیوں کے دباؤ میں ساونارولاؔن سے پہلے رائج قانونی نظام کو متعارف کرادیا تھا جس میں معمولی رقم کا جرمانہ کیا جاتا۔ سیلینؔی کو بارہ پیمانے بھر آٹا دینے کا جرمانہ ہوا جو مقابلتاً معمولی سی سزا تھی۔

جب سیلینؔی ایک مرتبہ پھر ۱۵۴۵ء میں فلورنس آیا تاکہ نواب کے لئے کام کرے تو اس نے ایک دلیرانہ فیصلہ یہ کیا کہ اپنے ہر کام پر سونے کا پانی چڑھانا چاہیئے وہ کانسی کے مجسمے ہوں یا سنگ مرمر کے اس کا پہلا بامراد منصوبہ کانسی کا پرسیوز (Perseus) تھا۔ یہ ایسا کام تھا جو آج بھی بالادست مقام جو لوگیا آف لانسرز پر واقع ہے اور فلورنس کے مرکزی چوک کا نظارہ کررہا ہے۔ جب سیلینؔی پرسیوز پر کام میں جٹا ہوا تھا تو نواب نے اسے ایک قدیم مجسمے کا ٹوٹا ہوا حصہ دکھایا اور اسے بطور تحفہ بھیجا۔ ''جب میں نے صندوقچہ کھولا۔'' سیلینؔی ہمیں یہ بتاتا ہے تو میں ڈیوک پر زور سے چیخا 'میرے آقا'' یہ تو یونانی سنگ مرمر کا بنا ایک مجسمہ ہے (جو دراصل ایک دھڑ تھا) اور حسن کا شاہکار ہے اور مجھے کہنے میں کوئی باک نہیں کہ میں نے کبھی بھی کسی لڑکے کی شبیہ اس قدر عمدہ نہیں دیکھی جو اس طرح اوزاروں سے ڈھالی گئی ہو اور اس نفاست سے کہ میں نے جتنی بھی قدیم اشیا کا معاینہ کیا ہے اگر عالی جاہ اجازت مرحمت فرمائیں تو میں اسے مرمت کرکے اصل حالت میں لے آؤں۔ سر، بازو اور پاؤں سب ہی۔ میں اس میں ایک شاہین کا اضافہ بھی کردوں گا تاکہ ہم لڑکے گینی میڈ کا مسیحی بپتسمہ کرسکیں۔''

سیلینؔی کے مترنم انداز میں کلام کرنے کے بعد ایک تناؤ والا لمحہ آیا جب اس کے سامنے ہوّا بانڈی نیلی کا مجسمہ لایا گیا اور اس شکستہ مجسمے پر استہزا ہوا۔ کوسیمو کے ہوا خواہوں نے شرارتاً فریقین کو بحث میں لگادیا اور سیلینؔی نے موقع مناسب جان کر اور ولولے سے ایک جلا کٹا مقالہ پڑھ ڈالا جس کا موضوع بانڈی نیلی کا 'ہرکولیس اور کاکس' تھا۔ برہم مجسمہ ساز نے جواب دیا ''اوہ بکواس بند کراے سب سے بڑے لونڈے باز!'' اس جیسی عوامی بے عزتی عام طور سے سیلینؔی کو انتقام پر اکساتی لیکن ڈیوک کی موجودگی میں مارکٹائی اسے بہت مہنگی پڑسکتی تھی۔ اس کے بجائے اس نے معاملے کو اس طرح ٹھنڈا کیا کہ مطلبی خوش طبعی کا مظاہر کیا۔ ''ارے پگلے! تم تو شائستگی کو پھلانگ گئے۔ تم تو خدا کی جانب سے جیسا

کہ میں سمجھا ہوں اتنے نیک فن سے وابستہ ہو جس کی طرف تم نے اشارہ کیا ہے۔ بقول کسے مشتری نے اسے گینی میڈ کے خلاف جنت میں استعمال کیا تھا اور یہاں اس دھرتی پر چند عظیم ترین شہنشاہ اور بادشاہ اس پر عمل درآمد کرتے ہیں۔ لیکن میں جو ایک غریب اور ہیچمقدار مخلوق ہوں جس میں نہ تو طاقت ہے اور نہ ہی دانش اس لئے میرے حواس الجھن میں پڑ چکے ہیں جو اتنی قابل ستایش بات کی وجہ سے ہوا ہے۔'' جس پر تناؤ والا دربار دھماکے دار قہقے میں اڑ گیا اور لوگ ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو رہے تھے۔

سیلینی نے گینی میڈ کو مرمت کر کے بحال کر دیا جو آج کل فلورنس کے میوزیو نازینیل ڈل بارگلو میں موجود ہے۔ اس میں کوئی بھی افلاطونی علامتیں نہیں ملتیں جو مایکل اینجیلو کی تخلیقات میں ہوتی ہیں۔ اس میں ایک شریر خوبصورت لڑکا اپنے ہاتھ پر دھاری دار ستریلا پرندہ بٹھائے ہوئے تا کہ موجود شاہین کو ستائے جب کہ وہ اپنی گردن کے پروں کو اپنے دوسرے ہاتھ کی ایک انگلی سے پھڑ پھڑا رہا ہے۔ جس میں ہم جنس پرستی کا عنصر حاوی ہے اور ولولہ خیز ہے اور دو اور تخلیقات جو سیلینی نے کسی معاوضے کی غرض سے نہیں بلکہ اپنی خوشی کے لئے شروع کیں پہلا والا تو 'اپالو اور ہیاسنتھ' تھا جس میں خدا جو اپنی ڈسکس پھینکنے والا ہے اپنا ہاتھ حفاظت کی غرض سے لڑکے کے سر پر رکھتا ہے جو اس کے پیچھے اکڑوں بیٹھا تھا۔ دوسرا یہ دکھاتا ہے کہ ایک نہایت باوقار انداز میں بیٹھا ہوا ناسی سس جس کے بازو اس کے سر پر اونچے ہیں اور تالاب میں اس کے پاؤں ڈوبے ہوئے ہیں اور وہ اپنے چہرے کے عکس پر نظر گاڑے مبہوت ہو چکا ہے۔ سب ملا جلا کر یہ تینوں کام نشاۃ ثانیہ کی مجسمہ سازی میں ہم جنس پرستی کے شعبے کے لئے ایک نادر عطیہ ہیں۔

ڈونا ٹیلو کی مانند سیلینی بھی اپنے اسٹوڈیو کے کام کے اوقات میں نوجوان مددگار رکھتا تھا اور اپنی خود نوشت میں بسا اوقات وہ ان کے حسن کا ذکر کرتا ہے۔ پاولینو کے علاوہ، آسانیو تھا جسے وہ ''روم کا حسین ترین لڑکا'' کہہ کر پکارتا۔ سیلینی نہایت تعریفی انداز میں ڈیگو کا بھی ذکر کرتا ہے جو اسپینی لڑکا ہے جو اس کا ہمسایہ بھی ہے جس کا ''سر اور چہرہ قدیم اینٹی نوس سے بھی زیادہ خوبصورت ہے۔'' ایک موقع پر سیلینی نے ڈیگو کو لڑکیوں کی طرح کپڑے پہنائے اور پارٹی میں لے گیا جہاں دیگر فنکار اپنی داشتاؤں کو چلوا کر دکھا رہے

تھے' ڈیگو جسے سیلینی ایک ''دیانت دار، نیک خو اور محنتی لڑکا'' کہتا وہ اس شام پر چھا گیا اور اس کی جنس کا راز فاش ہونے پر سب ہی بہت خوش ہوئے۔ لیکن جب اس نے کسی دوسرے لڑکے کو ملازمت میں رکھا جس کا نام سینسیو تھا۔ ''جس میں حسن کوٹ کوٹ کر بھرا ہو'' جس سے ایک بحران پیدا ہو گیا۔ سینسیو کی ماں جو گمبیٹا نام کی طوایف تھی اسے کوسیمو کے حاسد داروغہ محل نے اکسایا کہ وہ کوشش کر کے سیلینی پر نامناسب تعلقات رکھنے کا الزام لگا کر رقم اینٹھے۔ اپنی خودنوشت میں سیلینی دعوی کرتا ہے کہ اس نے براہ راست سینسیو سے سوال پوچھ کر کہ ''تم تو جانتے ہو سینسیو آیا میں نے تم سے کوئی گناہ کیا ہے!'' جس پر روتے ہوئے لڑکے نے جواب دیا ''نہیں!'' اس کے باوجود سیلینی نے مقدمہ بازی کے ڈر سے اس میں عافیت دیکھی کہ فلورانس کو چھوڑ کر وینس جا بسے حالانکہ اس کا مطلب تھا کہ پرسیوز پر جاری کام کی معطلی۔

ہمدرد، فیاض، نازک اور خطرناک جب وہ خود کو مجروح پاتا، سیلینی کوئی ایسا شخص نہ تھا جو اپنی خواہشات پر قدغن قبول کرتا۔ مایکل اینجیلو کی طرح وہ ساونا رولا کے وعظوں کی ستایش کرتا لیکن وہ اس کی اخروی نجات کے واسطے آزاد رہنے کو تیار نہ تھا۔ اس کے خیال میں خدا اس کا طرفدار ہے چند قتلوں کے باوجود۔ وہ روم میں ایک غلیظ بھنورے میں قید بھی رہا۔ سیلینی کا دعوی تھا کہ اس کی تسکین کی خاطر اسے چند الوہی کشف ہوئے جنہوں نے کئی شاہکاروں کی تکمیل میں مدد کی۔ قد آدم سنگ مرمر کا مصلوب جو آج کل ایسکوریل میں نصب ہے۔

لیکن سیلینی کو تائید ایزوی کا یقین تھا اس کے باوجود اسے شہری انتظامیہ سے ڈرنا لازم تھا۔ سولھویں صدی کی نرمی نے فلورنس میں بڑی تنظیمی سختی کی راہ دی تھی۔ جب ۱۵۳۰ء میں دوسری ریپبلک کا زوال ہوا تو دوسری میڈیسی کی بحالی نے یہ نہ ظاہر ہونے دیا کہ پہلی کی آزاد روی واپس آجائے گی اور نواب کا سیمو نے اغلام بازی اور مقدس ذاتوں کی توہین کے خلاف نئے درشت قوانین نافذ کر دیے۔ سیلینی قید سے رہا ہونے کے کچھ ہی دنوں بعد ان کے پھندے میں آ گیا، فنکار نے فرنانڈو نام کے ایک لڑکے کو ۱۵۵۱ء میں ملازم رکھا، اس کے لئے وصیت میں ترکہ رکھا اور اس کے بعد ایک جھگڑے کے بعد اسے جون ۱۵۵۶ء

میں منسوخ کر دیا۔ جون پوپ ہینےسی کے خیال میں اس گڑبڑ نے ممکن ہے بعد میں ہونے والی مقدمہ بازی میں سیلینی کو الجھایا ہو۔ کیونکہ فروری ۲۷، ۱۵۵۷ء کو اس پر الزام عاید کیا گیا کہ "تقریباً پانچ سال تک اس نے ایک نوجوان کو بطور نو آموز اپنے پاس رکھا۔ فرنانڈو ڈی جیوونی ڈا مونٹے پل سیانو جس کی وہ بار ہا گانڑ مارتا رہا اور اغلام بازی کا جرم کیا اور ایک ہی بستر میں اس کے ساتھ اس طرح سوتا رہا جیسے کہ وہ بیوی ہو۔"

اسے چونکہ چوکس کر دیا گیا تھا اس لئے سیلینی فلورنس سے فرار ہوا مگر شناخت کر لیا گیا اس سے پہلے کہ وہ ٹسکنی کی حدود سے دور ہوتا۔ اس اعتراف کے بعد کہ "اس نے مذکورہ فرنانڈو سے اغلام بازی کی تھی" اسے چار سال قید کی سزا ہو گئی اور اس کے تمام شہری حقوق زایل ہو گئے۔ اس نے چند ہفتے اور اسٹنچ میں بسر کئے اور بعد ازاں جب اسقف پاؤیا نے ڈیوک سے اپیل کی تو اسے رہا کر کے گھر پر نظر بند کر دیا گیا۔ یہ اس جبری نظر بندی کا ثمر ہے کہ ہمیں لاثانی خودنوشت ہاتھ آئی۔ ماہ جولائی میں اس نے چودہ برس کے ایک منشی لڑکے کو اپنا مسودہ املا کرانا شروع کیا اور دو سال بعد اس نے اپنا دستی مسودہ بینی ڈٹو وارچی کو بھیج دیا۔ اس کی رہائی کے دو برس بعد ۱۵۶۳ء میں اس نے خفیہ طریقے سے اپنی خادمہ سے شادی کر لی اور ساٹھا تو پاٹھا کی مثل چار بچے ہوئے جو اس کے دیگر ناجایز بچوں کی جھول میں شامل ہو گئے۔ جب اس کا شہری مرتبہ بحال ہو گیا تو اس نے وارچی سے مل کر سب سے بڑی ذمہ داری یہ لی کہ مایکل اینجیلو کے جنازے کے ۱۵۶۴ء میں تمام انتظامات اپنے ہاتھ میں لے لئے۔ وہ خود سات سال کے بعد جب مرا تو اکہتر برس کا تھا۔

روم اور کاراوگیو:

ٹرینٹ کی کونسل کا کام یہ تھا کہ وہ جوابی اصلاح دین کی تعریف متعین کرے، جو پہلی مرتبہ ۱۵۴۵ء میں ملی جب کہ اس زمانے میں پال۔سوم پوپ تھا۔ لیکن پال جس کے لئے مایکل اینجیلو نے خون پسینہ ایک کیا تھا اور سیلینی نے اس کے واسطے سکے اور رکابیاں وضع کی تھیں وہ وقت کے تقاضے کے مطابق نشاۃ ثانیہ والا پوپ تھا۔ ایسا ہی اس کا جانشین بھی تھا

یعنی خوشی کا آرزومند جولیس۔ سوم (۱۵۵۰-۱۵۵۵ء) جس کے اغلام بازی کے قصوں کو مزے لے لے کر پروٹسٹنٹ مناظرین ایک صدی سے زیادہ مدت تک دھراتے رہے۔ لیکن پال۔ چہارم (۱۵۵۵- ۱۵۵۹ء) دوسری مٹی کا بنا ہوا تھا۔ سخت مرتاض، اس نے پاپائی عدالتیں بحال کر دیں تا کہ پروٹسٹنٹ بدعتوں سے نمٹا جائے۔ پال۔ چہارم کو ہر طرف مسلمہ مسیحی عقاید سے انحراف نظر آتا۔ اور بقول کیتھولک مورخ لڈوگ پاسٹر "دہشت کا ایک واقعی دور کا آغاز ہوا جس نے پورے روم کو خوف سے بھر دیا۔" علاوہ ازیں کلیسائی عدالتوں کا دایرہ اختیار بڑھا کر اب اس میں جنسی جرایم بھی شامل کر دیے گئے مثلاً اغلام بازی، دو بیویاں یا زاید رکھنا اور جماع بالجبر۔ اس کٹر پن اور پرتشدد فضا میں اغلام بازی نے کیسے دن گزارے، جس میں پایس۔ پنجم (۱۵۶۶-۱۵۷۲ء) پاپایت کا زمانہ شامل تھا، جو پوپ کے مرتبہ پر فایز ہونے سے پہلے کلیسائی عدالتوں کے ناظم اعلیٰ کے عہدے پر فایز تھا۔ اہل علم کو اب بھی ہمیں بتانا ہے۔ کوئی اور تحقیقی کام اس پائے کا نہیں ہے جیسا کہ روک، رگیرو اور لاباکمے نے فلورنس اور وینس میں قانون پر عملدرامد کرانے میں کیا ہے۔

پایس کا جانشین گریگوری۔ ہشتم کی تاریخ میں بڑی وجہ شہرت تقویمی، اصلاحات ہیں۔ لیکن اس کی پاپایت کے عہد میں ایک غیر معمولی واقعہ درپیش آیا جس کا ماجرا وینس کے سفیر برائے ویٹیکن آنٹونیو ٹی پولو کی ارسال کردہ رویدادوں میں ہے جو ۱۵۷۸ء میں بھیجی گئی۔ "گیارہ پرتگالی اور اسپینی افراد گرفتار کئے گئے ہیں۔" وہ ایک گرجا جو سینٹ جون لاٹیران کے قریب ہے جہاں انہوں نے چند مناسک ادا کئے جو بھیانک بدی والے تھے جس سے شادی کے مقدس نام پر داغ لگ گیا، انہوں نے ایک دوسرے سے بیاہ کر لیا اور زن وشو کی طرح اقرار کر لیا۔ ستایس یا اس سے کچھ اوپر جیسا کہ کہا جاتا ہے کسی اور موقع پر دریافت ہوئے لیکن اس وقت وہ پکڑے نہ جا سکے ان گیارہ کی طرح جنہیں فی الفور آگ میں ڈال دیا گیا جس کے وہ مستحق تھے۔"

اس روداد کو کیا چیز قابل ذکر بناتی ہے وہ ہے دعویٰ کہ ان کی شادی کسی خفیہ تقریب میں نہیں ہوئی بلکہ سر عام اور رومن کیتھولک کلیسا کے اندر۔ کیا کسی پادری نے واقعی ازدوجی بندھن باندھا تھا؟ ٹی پولو کی باتوں سے یہی لگتا ہے۔ کلیسا کی غیر متزلزل جارحیت جو

لونڈے بازی کے خلاف تھی کہ یہ گناہ کبیرہ ہے اور زمانے کی برہمی کے باوصف یہ سب حیران کن ہے۔ جون بوسوؔل ایک ایسے مطالعے کے ذریعے جو شر سے خالی نہیں ہے اس نے کتاب الادعیہ کے متن میں تحقیق کی ہے جس کے متعلق کہتا ہے کہ قدرے ابہام کے ساتھ ''ہم جنس اتحاد'' لیکن ان تقریبات کا مقصد بندھن پیدا کرنا تھا وہ بھی ''روحانی بھائی بندی والا'' وہ بھی مرد دوستوں کے مابین۔ کیا یونانی اور سلاوی مناسک دسویں سے تیرہویں صدی تک بلقانی کلیساؤں سے مستعار لئے جاتے رہے اور جو بہ مشکل جنسی رشتوں سے درگزر کرتے۔

تاہم ہمارے پاس کوئی جواز نہیں ہے کہ ہم سفیر کی کہانی پر شک کریں۔ مونٹیسؔن جس نے تین سال بعد روم کا دورہ کیا نے یہی واقعہ سنا جو اپنی سنسنی سے تازہ تازہ سا لگتا تھا۔ ٹریول جرنل جو ۱۵۸۰۔۱۵۸۱ء کا ہے اس سے تصدیق ہوتی ہے کہ یہ تقریبات نہایت سنجیدگی سے منعقد کی جاتی تھیں اور یہ ایک کوشش ہوتی جو جان پر کھیل کر برپا ہوتیں تاکہ یہ رشتے باتوقیر ہوجائیں جنہیں مرد صاحبان اس سنجیدگی سے دیکھتے تھے۔ مونٹین رقم طراز ہے۔

> جب میں سینٹ پیٹر سے لوٹا تو میں ایک ایسے شخص سے ملا جس نے مجھ سے مزاحاً دو چیزوں کے متعلق بات کی کہ پرتگالیوں نے پوپ کے سامنے اپنی زندگی اس طرح ظاہر کی کہ ہفتہ شوق (یعنی اسے منانے میں انہوں نے جھیلا) اور پھر اسی دن مقام سان گیوونی پورٹا لاطینا یہ وہی گرجا ہے جس میں چند برس ہوئے کچھ پرتگالی داخل ہوکر عجیب وغریب، بھائی بندی، میں بندھے تھے۔ انہوں نے ایک دوسرے سے شادی کی، مرد سے مرد اور پھر بڑی عبادت کے وقت ایسی ہی تقریباب جیسی ہم شادی کی تقریبات برپا کرتے ہیں، بالکل ویسا ہی انجیلی طریقہ، اور اس کے بعد وہ بستر میں چلے جاتے ہیں اور رہنے لگتے ہیں۔ اہل روم کی ظرافت دیکھئے کہ وہ کہتے ہیں کہ بالکل ایسے ہی دوسرے اجماع میں جو مرد اور عورت کا ہوتا ہے کیا ایسی مماثلت اکیلی اسے قانونی اور جایز بنانے کو کافی نہیں ہے۔ ان تیز طرار لوگوں کو لگتا ہے جیسے ان کا دوسرا گُن اتنا ہی قانونی ہوجائے گا اگر

اسے انہوں نے تقریبات اور کلیسا کی بھول بھلیوں سے مزین کر دیا۔ آٹھ یا نو
پرتگالی جو اس عمدہ فرقہ سے تعلق رکھتے تھے جلا کر مار ڈالے گئے۔

(ظرافت کا پہلا ایڈیشن ۱۷۷۴ء جس کے مدیران نے اس میں ترمیم و اصلاح کی اور اسے ایکسپرٹ (ماہر) بنا دیا)۔ بوسوئیل بعد کی اشاعت پر تکیہ کرتا ہے مگر پہلی والی لگتا ہے کہ عبارت کے رنگ ڈھنگ سے مناسبت رکھتی ہے۔ جو ایک لطیفے کی شکل میں اس کی توجیہہ پیش کرتی ہے۔

یہ ترسانا ہے کہ ان لوگوں کے متعلق مزید کچھ نہ معلوم ہو لیکن ہم ان مختصر رودادوں سے چند نتائج کا ضرور استنباط کر سکتے ہیں۔ پہلا یہ ہے کہ پرتگالی اور اسپینی جو روم میں مقیم تھے انہوں نے لازماً ایسے سماجی گروہ بنا لئے ہوں گے جو رومی کلیسا میں چھوٹے اجتماعات منظّم کر سکتے تھے۔ وہاں پر، بہت سے۔ یہ بات صاف نہیں ہے کہ گنتی میں کتنے۔ ایسے مناسک کے ذریعے شادی کے بندھن میں بندھے ہوں گے جو قانونی شادی کے بندھن میں لازم ہوتے ہیں۔ لیکن اس ''حسینہ فرقہ'' نے یہ نام مونٹینؔ نے دیا ہے، اپنے رشتوں کے واسطے اسی تقدس کے لئے کلیسا کی جانب دیکھا جو روایتی شادی شدہ جوڑوں کو ملتا ہے اور ان کے مناسک کو اہل کلیسا توہین مذہب اور مقدس مناسک کی تمثیل کو خلاف دین کہتے ہیں۔ ہمیں اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جلانے کے عمل کو کلیسائی تائید حاصل تھی۔ غالبًا یہ واقعہ اس جگہ ہوا جس کا طنزیہ نام کامپوڈی فیوری (پھولوں کے میدان) میں ہوا۔ یہ روم میں کلیسای سزاؤں پر عملدرآمد کے لئے روایتی جگہ تھی۔ جہاں پر آج کل ایک مجسمہ نصب ہے جو فلسفی گیورڈانو برونوؔ کا ہے جسے ۱۶۰۰ء میں جلا کر مار ڈالا گیا۔

گریگوری کا جانشین سکسٹسؔ۔ پنجم (۱۵۸۵۔۱۵۹۰ء) جو وینس میں کلیسائی عدالتوں کا پرجوش افسر رہ چکا تھا۔ وہ جرائم کی لہر پر اس طرح قہر بن کر ٹوٹا تھا جس سے روم لرز کر رہ گیا۔ ایک ڈراؤنا لطیفہ گردش میں آ گیا ''زیادہ سروں کو قلم کرو۔۔۔ اور انہیں سینٹ اینجیلوؔ کے پل پر نصب کر دو جو بازار میں دستیاب تربوزوں کی تعداد سے بڑھ جائیں۔'' اس کی انتہا پسندی بڑھ کر اتفاق رائے والی جنسکاری پر بھی ٹوٹ پڑی۔ اس نے اہل شہر کو دہشت زدہ کر دیا اور یہ دھمکی دی کہ میں کارو اور کاری دونوں کو موت کی سزا دوں گا۔ جون ۱۵۸۶ء

میں اس نے نہ صرف ایک پادری کو جلوا دیا بلکہ اس کے ساتھ ایک لڑکے کو بھی جس نے اس کے ساتھ گناہ کیا تھا۔ نگراں پادری ہمیں بتاتا ہے کہ یہ جوڑا اس بات کے باوجود جلا ڈالا گیا جب کہ ''دونوں نے رضا کارانہ طور پر اعتراف کرلیا تھا کہ وہ غلطی پر ہیں۔''

اس کے باوجود جب سترہویں صدی کی صبح نے آنکھ کھولی تو روم اب کوئی تنگ نظر پارسائی مایل شہر نہیں تھا۔ مثال کے طور پر انی بیل کرراسی نے فرانسس پیلس کی اندرونی چھت کی آرایش ان مناظر سے کی جو اووڈ سے لئے گئے تھے اور جن میں ہر نوعیت کی عشقیہ ادھم چوکڑی والے مناظر تھے۔ جس میں ایک حسین گینی میڈ کی جبراً گانڑ ماری جا رہی تھی یہ منظر بھی شامل تھا اور اپالو کا ہیاسنتھ سے معاشقہ بھی۔ ایک اور کلیسا کا شہزادہ جو فن کا مخالف نہ تھا خصوصاً شہوانی۔ اور بالخصوص ہم جنس پرستی کے۔ ڈھکے چھپے انداز میں وہ سربراہ فرانسسکو ماریا ڈل مونٹے تھا جو کاراوگیو کا پہلا مربی بن گیا۔ جو نئی صدی کا سب سے بڑا مصور بنا۔ مایکل اینجیلو ڈی میریسی ڈا کاراوگیو کی وجہ شہرت وہی قصبہ بن گیا جہاں میلان کے نزدیک اس کی پیدایش ہوئی تھی۔ انیس برس کی عمر میں وہ روم چلا گیا۔ جہاں وہ کلیسا کے سربراہ کے گھر افراد خانہ کی طرح رہا۔ جس کے متعلق سوانح نگار نے یہ لکھا ''وہ نوجوانوں کی قربت کو پسند کرتا تھا۔۔۔ (ابتدا میں) اس نے سرزنش کا کوئی موقع نہ دیا، دانشمندی سے ہر چیز نجی بنا کر رکھی۔ اربن۔ ہشتم کے انتخاب کے بعد (۱۶۲۳ء میں)۔۔۔ اس نے کھلم کھلا اپنے میلانات پر زور دینا شروع کردیا۔ اپنی شورہ پشتی کی وجہ سے بارہا دشواریوں میں پڑا کاراوگیو ـــــــ وہ ایک متکبر شمشیر زن تھا اور اہل مافیا کی طرح کا مزاج رکھتا۔ روم سے ۱۶۰۶ء میں فرار ہوکر مالٹا چلا گیا جب ٹینس کے کھیل کے دوران میں جھگڑا ہوا اور اس نے ایک شخص کو قتل کردیا۔ وہاں پر بطور پینٹر اپنی صلاحیتوں کی بنا پر منتخب ہوکر مالٹا کے معززین میں شمار ہونے لگا۔ اس سب کے باوجود وہ کسی شریف زادے کو زدوکوب کرنے کے الزام میں بالآخر سزائے قید پا گیا۔ جس کے بعد وہ فرار ہوکر سسلی چلا گیا۔ جہاں پر اس نے بہت پر اثر مذہبی شاہکار پینٹ کئے۔ ہمارے پاس اس نوعیت کی قانونی اور ادبی شہادتیں کاراوگیو کے لئے نہیں ہیں جیسی لیونارڈو اور سیلینی کی بابت ملی ہیں۔ ہم تو محض یہ جانتے ہیں کہ ہتک عزت کے ایک مقدمہ میں جو ۱۶۰۳ء میں چلا تھا اس میں

ایک گواہ نے اس پر الزام لگایا کہ اس نے گیوانی باٹسٹا کے ساتھ بستر میں شرکت کی تھی جو اس کا دیرینہ دوست برونولونگھی تھا۔ کاراوگیو نے تاہم لڑکے سے واقفیت سے بھی انکار کردیا۔ اس کے باوجود جدید فن کے مورخین اس کی ابتدائی تصاویر میں ہم جنس پرستی کے واضح عناصر پاتے ہیں کہ جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے کہ انہیں ڈل مونٹے کے حلقے سے تقویت ملی۔ یہ تصاویر دکھاتی ہیں ''پر گوشت، بھرے ہوئے ہونٹوں والے نڈھال لڑکے'' جو لگتا ہے جیسے وہ تماشایوں سے اپنی پیش کشوں کا معاوضہ مانگ رہے ہوں، شراب پھول—— اور انہیں خود کاراوگیو کی نر مادہ والی تصویر، لڑکا پھلوں کی جھابی، کے ساتھ اس سلسلے کا آغاز کرتا ہے۔ اپنی تصویر ''لڑکا جسے گرگٹ نے کاٹ لیا۔'' میں ایک لڑکیوں جیسے چہرے کا لڑکا چھوئی موئی کی طرح زنخوں جیسی آہ وزاری کررہا ہے۔ ڈل مونٹے کی ایک تصویر میں 'موسیقار' ظاہر کرتا ہے ''ناز برداری والا گل مہندی'' بے لباس ہو یا لباس شانے پر سے پھسل رہا ہو جب کہ مرکزی شخصیت کی صنف 'بربط نواز' میں زیر بحث رہی ہے اور یہ سلسلہ فن کار کی زندگی سے جاری ہے۔

سب سے زیادہ حیران کن اس کی تخلیقات میں سینٹ جون ہے جس میں اس نے ایک کوچہ گرد لڑکا دکھایا ہے جس کی باچھیں کھلی ہیں اور یہ پوز نمایشی ہے جو آغوش میں ''خدا کا دنبہ'' نہیں لئے ہوئے بلکہ ایک جسمانی طور سے پلا ہوا مینڈھا اور پھر 'اومور ونسٹ اوینا' ہے جس میں ایک پھٹے حالوں لڑکا بناوٹی ہنسی ہنس رہا ہے اور ہمارے دیکھنے کے لئے بڑی ڈھٹائی سے کھڑا ہے۔ جیسا کہ ہاورڈ ہبرڈ نے تبصرہ کیا ہے وہ کاراوگیو کے لونڈے کو ملتے جلتے نام والے گینی میڈ سے موازانہ کرتا ہے۔ مایکل اینجیلو نے شہوانی کہانی کی تطہیر کرکے الوہی بنادی ہے جو نیم افلاطونی استعارہ ہے جس میں روح کا خدا سے وصال ہوتا ہے۔ کاراوگیو بدل کر بے دین ہوجاتا ہے اور پرجنسیہ کی علامت بن جاتا ہے جو کوچہ گرد لڑکوں کے لئے گھسا پٹا فقرہ بن جاتا ہے اور لونڈے بازی سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے موضوع۔

اٹھارہویں صدی کے ایک قلمی مسودے کے مطابق کاراوگیو کو لڑکوں میں دلچسپی نے ایک استاد کو میسینا میں بے چین کردیا جس کے شاگردوں کا تعطیلات کے زمانے میں اس

نے تعاقب کیا ''مشاہدہ کرنے کے لئے ان کھلنڈرے لڑکوں کی اور اپنی ایجادات کی صورت گری کے لئے ۔'' جب مذکورہ شخص نے شکایت کی تو کاراوگیو نے اسے زخمی کردیا اور ایک مرتبہ اور فرار ہونا پڑا پہلے نیپلز اور پھر پورٹ اریکول جوٹسکنی کے ساحل پر تھی۔ جہاں وہ غلطی سے قید کرلیا گیا۔ رہا ہوا اور وہ ساحل پر جولائی کی چلچلاتی دھوپ میں مارا مارا پھرتا رہا۔ اسے بخار نے گھیر لیا اور انتالیس برس کی عمر میں ۱۶۱۰ء میں مرگیا۔ اس کا دلربا آرٹ جو جوانوں کی تصاویر سے جن میں مبہم سی افیزی بیکس سے لے کر کندہ نا تراش کسانوں کی تصاویر ہیں جو نہایت طاقتور طریقے سے محسوس کی گئیں اور مذہبی مناظر پیش کرنے والی ہیں اور ڈرامائی طریقے سے منور ہیں اور کبھی اپنی حقیقت پسندی میں حیران کن ہیں اور جو نسلوں کو متاثر کریں گی اور بیسویں صدی کے نقادوں سے داد و تحسین وصول کریں گی۔

باب: ۱۰

اسپین اور مسیحی عدالتیں

۱۴۹۷۔۱۷۰۰ء

اسپینی مسیحی عدالتیں:

ٹسکنی میں معمولی سی وسیع النظری نے جان لیوا قوانین کو معتدل بنادیا اور مصایب میں کمی آ گئی۔ اسپین میں ایسی کسی طاقت نے خوانخوار کلیسا کا ہاتھ پکڑا نہ ہی ریاستی تعزیراتی نظام کو لگام دی یہ مسیحی یورپ کی ایسی قوم تھی جس میں ہم جنس پرستوں سے نفرت دیگر ملکوں سے زیادہ گہری تھی اور داروگیر بھی قیامت کی۔ سیاسی مطلق العنانیت، تاریخی نسلی تصادم اور مقبول اوہام ان سب نے مل کر تعصّبات کی آگ کو بھڑکایا۔ کاسٹائلی میڈرڈ اور اندلسی سیول میں دیوانی صاحبان اختیار کی کارروائی بے رحمانہ اور عاجلانہ تھی۔ اور آدھی نئ سلطنت میں۔ صوبوں آراگون والنشیا اور کیٹالونیہ میں۔ ہم جنس پرستی کا شکار پوری صدی بھر نشاۃ ثانیہ کے یورپ کے اثر ونفوذ میں آنے تک ناقابل تسخیر حد تک آلہ استبداد بنا رہا۔ اسپین کی مسیحی عدالتیں، اسپین کی سگلوڈی ایرو، اس کی پرشکوہ سنہری صدی، اس کے تمدن کا نصف النہار دولت اثر ونفوذ یہ سب ہم جنس پرستوں کے لئے ایک عہد دہشت ہی بنا رہا۔

پندرہویں صدی کے اختتامی برسوں میں آراگون کے فرڈی ننڈ اور کاسٹائل کی ازابیلا کے تحت اسپین کے اتحاد نے شاہی اقتدار میں بے محابہ اضافہ کرنے کے ساتھ جاگیرداری کو محدود کیا۔ بدنصیبی کی بات یہ ہے کہ شاہی اختیارات کو رواداری اور خیرخواہی کے لئے نہ استعمال کیا گیا۔ یوں جب ۱۴۹۲ء میں اسپین نے آخری مسلمان بادشاہت کو ''آزاد'' کیا

اور کولمبس نے سلطنت کو توسیع دے کر سمندر پار پہنچانے کی نیو ڈالی اور جن یہودیوں نے مذہب تبدیل کرنے سے انکار کیا انہیں ملک بدر کر دیا گیا۔ اگر چہ جاگیرداروں کی قوت گھٹنے لگی مگر عہد وسطیٰ کا خوف اور اوہام میں کوئی کمی نہ آئی۔ اس کے بجائے طاقتور ہوتے چلے گئے جب فرڈیننڈ اور ازابیلا نے نئی خصوصی اسپینی مسیحی عدالتیں قائم کرنا شروع کیں۔ تقلید کے بخار نے پورے ملک کو گرفت میں لے لیا۔ ایک اور خطرہ جو لاحق ہوا وہ نئے عیسائی بننے والے یہودیوں سے تھا کہ آیا ان کی وفاداری پر اعتبار کیا جائے اور اسی طرح بچے کھچے مورس (مسلمانوں) سے اتنے میں نئی صدی نے انگڑائی لی اور شمالی یورپ میں پروٹسٹنٹ ازم نمودار ہوا۔ اس مذاہب اور نسلی تشویش کی دیگ میں اسپین کو وہ بھگتنا پڑا جو بقول اورٹیگا وای گاسیٹ ''اجتماعی تصورات کی عظیم ترین مریضانہ وحشت۔'' غیر ملکی کسی بھی نوعیت کے ہوں شک کے اردب میں آ گئے اور غیر ملکی بالخصوص مشکوک بن گئے۔ اہل جرمن ،فرانسیسی اور برطانوی جو ''لوتھر ازم والے'' تھے۔ اطالوی اور سوڈومیا کے مسلمان۔

سیٹ پارٹی ڈاس نے (۱۶۲۵ء) میں قدرتی آفات کو اغلام بازوں پر خدا کا عذاب ٹھہرا دیا۔ جو آزمائش کے زمانے میں قربانی کے بکرے بنائے جانے لگے۔ جب ایک مرتبہ ۱۴۷۶ء میں بارسیلونا میں طاعون پھیلا تو شہری حکومت نے ایسے پانچ افراد کو جلا کر مار ڈالا اور متعدد کو اسی طرح ۱۴۹۳ء سے ۱۵۰۱ء کے درمیان میں مرنا پڑا۔ الفانسو۔ دہم کے نافذ کردہ بھونڈے قوانین میں یہ رکھا گیا کہ لوگوں کو آختہ کرنے کے بعد انہیں لٹکایا جائے۔ ہمارے پاس بطور چشم دید گواہ ایک جرمن شہری ہے جو یہاں ۱۴۹۵ء میں آیا تھا اور اس نے ان قوانین پر عملدرآمد ہوتے دیکھا۔ اس نے چھوٹی سی جنوبی بندرگاہ المیر یہ کا حال لکھا ہے جسے حال میں مسلمانوں سے آزاد کرایا گیا تھا۔ ہیرونائمس مونظر نے چھ ننگی لاشیں دیکھیں ''انہیں پاؤں سے باندھ کر الٹا لٹکایا گیا تھا اور ان کے اعزائے تناسل ان کی گردنوں میں ہار کی طرح پڑے ہوئے تھے۔'' اسے بتایا گیا کہ یہ اطالوی تھے۔ لیکن یہ سزا صرف غیر ملکیوں ہی کے لئے مخصوص نہ تھی۔ بعد میں مونظر نے یہ بھی دیکھا کہ اہل کاسٹیلیا میڈرڈ میں اسی عذاب سے گزر رہے ہیں۔

جلا کر مارنا ایک کم دلخراش موت ہوتی تھی۔ فرڈی ننڈ اور ازابیلا راسخ العقیدگی کی وجہ

سے اس کے حامی تھے۔ میڈینہ ڈل کامپو کے مقام پر ۱۴۹۷ء میں ریس کاٹولیکوس نے ایک فتوی جاری کیا کہ یہ سزا عاید کی جائے۔ اس کا لفاظی سے پر پیرایہ بیان ان تمام تعصّبات اور خوفوں سے لبریز تھا جو ہزار برس سے چلے آرہے تھے۔

چونکہ دیگر گناہ اور جرایم جن سے خدا خصوصاً ہمارا آقا ناراض ہوتا ہے اور زمین پر عذاب ڈھاتا ہے وہ ان جرایم کی وجہ سے ہے جو فطری وضع کے خلاف کئے جاتے ہیں اور ان کا خصوصاً ذکر ہونا چاہئے، اور قوانین کو ایسی سزاؤں سے مسلح کرنا چاہئے جس سے اس قابل ملامت جرم (اغلام بازی) جس کا ذکر کرنا بھی مناسب نہیں ہے۔ جو فطری نظام کو برباد کرنے والا ہے اور اسے منصف قدرت متعدد مرتبہ سزا بھی دے چکا ہے۔ یہ خدا سے پرستش سے تنفر پیدا کرتی ہے جو اپنی برہمی میں زمین پر طاعون اور دیگر آزار نازل کر دیتا ہے۔ جس سے مزید ذلت و رسوایاں جنم لیتی ہیں لوگوں کی بے عزتی ہوتی ہے اور وہ دھرتی جو اسے برداشت کرتی ہے (اٹلی؟) جو اس بات کی حقدار ہے کہ اس پر سخت ترین سزا عاید کی جائے جو کسی بھی جرم کے لئے دی جاتی ہو۔۔۔ کیونکہ آج تک دی جانے والی سزائیں اتنی ناکافی ہیں جن سے سب خصی کئے جائیں یا پھر ان کا قلع قمع ہو جائے۔۔۔ ایسا گھناؤنا جرم۔۔۔ ہم حکم دیتے ہیں اور ہدایت دیتے ہیں کہ کوئی شخص جو کسی بھی عہدہ پر فایز ہو، کسی حالت میں، کتنا ہی ممتاز ہو یا صاحب حیثیت ہو اور جو اس قدر ذلیل جرم کا ارتکاب کرے وہ بھی فطرت کے خلاف اور سزا یاب ہو اس طریقے سے جس کے مطابق قانون کافی ہو جس سے ثابت ہو کہ جرم کی نوعیت بدعت کی ہے یا سرکشی ہے۔ (جن سے سلطنت کو ضرر پہنچا ہو) جس کے معنی ہیں بغاوت تو سب ہی کو شعلوں والی آگ میں جلا ڈالا جائے۔

اس قانون میں ایک شق ایسی تھی جس کے تحت اس شخص کو بھی جلایا جاتا تھا جس نے گانڑ مارنے کی کوشش کی ہو مگر جھڑا نہ ہو۔ ایک ذیلی دفعہ سے کام لے کر اسپین کے بادشاہ کو سزا سنانے کا جو ہوکا تھا اس سے سزا یافتگان کی تمام اشیا کو ضبط کر کے سرکاری خزانے میں جمع کرایا جا سکتا تھا۔

حالانکہ اٹلی کی آبادی کی اکثریت سزاؤں کو معتدل بنانا چاہتی تھی۔ مگر اسپین میں ہجوم لونڈے بازوں کو اسی خشونت سے دیکھتا جیسے بدعتیوں، یہودیوں اور مراقشی باشندوں اور بربروں کو۔ یہ عناد بولیوں کی مالا مال گالیوں سے جھلکتا تھا۔ ایسے مرد جنہیں ہم جنس پرستی پر مایل سمجھا جاتا انہیں سوڈومیٹاز کہا جاتا۔ خصوصاً ان اصطلاحات میں مردوں کی ناقدری کے لئے یہ تصور کیا جاتا جیسے وہ عورتوں کی طرح کام کراتے ہوں۔ برداجے (گانڈو، جو اطالوی سے لیا گیا تھا) ماریسا (چھوٹی مریم) اور پوٹو (مرد جسم فروش) یہ انتہائی ذلیل کرنے والی توہینیں تھیں)۔ یہ آخری کلمہ جو تمسخر آمیز تھا۔ ازابیلا کے بھائی کے مجسمہ پر بولا گیا۔ ہنری۔ چہارم جو کاسٹایل کا تھا ایک عوامی تقریب کے نقطہ عروج پر اور آویلا میں جب ۴ جون ۱۴۶۴ء کو تخت سے اتارا جا رہا تھا۔

اس سے نفرت نے اسپین کی سماجی تاریخ کے سب سے زیادہ مشہور واقعے کو جگمگایا۔ یعنی جرمانیا (برادری) کی بغاوت جو ۱۵۱۹ء میں ہوئی۔ جو شہر والینشیا میں نئے کم سن حکمران کے خلاف شورش تھی۔ چارلس اول نے ایک انقلابی قلابازی لی کہ جب محنت کش طبقہ کم اجرت اور انجمن سازی پر پابندی کے قانون سے سخت برہم تھا اور اس نے ہتھیار اٹھا لئے تھے۔ تو جون کی ۱۴ کو لویس کاسٹیلو نام کے فرانسکن فرایر نے ایک آتشیں وعظ سے یہ تبلیغ کی اور بتایا کہ طاعون پھیل چکا ہے اور اس کی وجہ سے خدا کا یہ عذاب نازل ہوا ہے۔ ایک بپھرے ہوئے ہجوم نے چار مشکوک افراد کو پکڑ لیا جنہیں اہل اختیار نے ۲۹، جولائی کو جلا کر مار ڈالا۔ پانچواں شخص جو کسی معمولی سے مذہبی عہدے پر فائز تھا اس پر مذہبی عدالت میں مقدمہ چلایا گیا اور جب اسے ہلکی سزا سنائی گئی تو اژدھام نے اسے خود ہی دبوچ لیا، اس کا گلا گھونٹ کر ہلاک کر دیا اور اس کی لاش کو جلا ڈالا۔ سزا کے خوف سے رہنماؤں نے جرمانیہ کا اجلاس طلب کیا تا کہ اپنی مدافعت کر سکیں اور جو انقلاب شروع ہوا تھا اسے فرو کرنے میں چارلس کو دو سال لگے۔

دیوانی قوانین بھی درشت تھے اس سے برا ہونے والا تھا۔ مسیحی عدالتوں کو اغلام بازوں کو جلا دینے کا اختیار تھا اس کا انحصار پوپ کے دعوی پر تھا اور جس کے طریقہ کار کی ایک کتاب میں توثیق کی گئی تھی۔ جس کا نام ڈایرکٹوریم انکزی ٹورم آف نکولس ایمیرک تھا۔

ایمیرک کٹالونیہ میں مسیحی عدالتوں کا ناظم اعلیٰ تھا۔ اس نے پوپ کی عدالت میں ۱۳۷۶ء
میں اویگنان میں مینول لکھی تھی۔ جس کی متعدد بار اشاعتیں ہوئیں۔ یہ ایک معیاری رہنما
کتاب برائے طرایق رہی اور سولہویں اور سترہویں صدی میں اس پر خم ٹھونک کر دعوی کیا
جاتا تھا کہ اس پر پوپ نے صاد کیا ہے۔ ایمیرک کی دانست میں پوپ کو یہ اختیار حاصل
ہے کہ وہ تمام مسیحی حکمرانوں اور ان کی رعیت کا انجیل اور پوپ کے جاری کردہ قوانین کی
روشنی میں کارکردگی کا جایزہ مسیحی عدالتوں کے ذریعے لے۔ یہودی اور مسلمان اور دیگر کفار
عموماً عقاید کی حد تک اس کے دایرہ اختیار میں نہیں آتے۔ مگر مسیحیت میں داخل ہونے کے
بعد وہ یہ استثنیٰ گنوا دیتے ہیں۔ مگر چند اخلاقی معاملات میں اس کے استدلال کے مطابق
تمام کفار دیگر مسیحیوں کی طرح کلیسا کے فیصلوں کے پابند تھے۔ کیونکہ مسیحؑ نے پوری دنیا
کے لوگوں کو جانچنے والے اپنے الوہی اختیارات پیٹر کو اور ان کے وارثوں کو سونپ دیے
تھے۔ اس دلیل کے برتتے پر یہ لازم ہوجاتا ہے کہ رومی پوپ قانوناً چاہے عملاً نہ ہو ساری
دنیا کے لوگوں پر بااختیار ہوجاتا ہے۔ ان اختیارات کے مل جانے سے یہ بات میری سمجھ
میں نہیں آتی کہ پوپ کیوں نہ کسی بے دین کو سزا دینے سے اجتناب کرے جس نے قانون
وضع فطری کی خلاف ورزی کی ہو۔ چونکہ آخری الذکر کسی اور کو نہیں جانتا۔ اب ثبوت؟ خدا
نے اس اغلام باز کو سزا دی جس نے فطری قانون کے خلاف گناہ کیا (پیدایش ۔۱۹) اب
خدا کے کئے ہوئے فیصلے ہمارے لئے نظیر ہیں! اس نتیجے میں پوپ کیوں اقدام نہ کرے او
راگر اس کے پاس وسایل بھی ہوں بالکل اسی طرح جیسا کہ خدا نے کہا تھا! اس دم بخود کر
دینے والے ادعا نے تمام اغلام بازوں کی زندگی اور موت پر پوپ کو بااختیار بنادیا نہ صرف
مسیحی یورپ پر بلکہ دوسرے عقائد کے خطوں پر بھی جنہیں سمندر پار بھی تلاش کیا جانا تھا۔

ایمیرک نے کلیسا سے منسوب اختیارات کا جواز سدوم کی اساطیر کا حوالہ دے کر اخذ
کیا۔ لیکن پوپ کے اختیار کا دارومدار اس دعویٰ پر تھا کہ وہ مسیح کا نمایندہ ہے۔ کیا یہ ممکن
نہیں ہے کہ مسیح خود بھی ہم جنس پرستی کے خوف میں مبتلا ہوں حالانکہ انہوں نے اس موضوع
پر خاموشی اختیار کئے رکھی؟ والینشیا کے ٹریبونل کے ایک گمنام اہلکار نے اس تبدیلی کا ۱۴۹۴ء
میں سراغ لگالیا جب وہ ''ڈکشناریو ڈی لوس انقی ای ڈیورس'' کی تالیف کررہا تھا جس میں

ایک مخفی عہد وسطیٰ کی کہاوت کا ذکر تھا کہ تمام ہم جنس پرست اس وقت مر گئے جس وقت جناب مسیح کی ولادت ہوئی تھی۔ ہمارے آقا جیسس مسیح کا یوم پیدائش سینٹ آگسٹاین کے مطابق پہلے سے طے تھا اور سینٹ جیروم کے مطابق سدوم میں آگ بھی برسی۔ کیونکہ دنیا بھر کے تمام اغلام باز اس رات کو نیست و نابود کردیئے گئے تھے۔ یہی سینٹ جیروم یسعیاہ (۸:۱۰) پر تبصرہ کرتا ہے، روشنی اتنی زور دار تھی کہ اس نے ان سب کو برباد کردیا جو اس بدی میں پڑے ہوئے تھے۔ یہ تو سارا مسیح کا کام تھا۔ اس غلاظت کی رو سے زمین پر سے صفائی انہوں نے کی۔ یہاں پر ایک رمز ہے۔ جدید تحقیق کو جیروم اور آگسٹاین کے کاموں میں بیان ہونے والے اساطیر کا کوئی ماخذ نہیں ملا حالانکہ جوانوں کا ذکر بہت خاص طور پر کیا گیا ہے اور کسی چیز کا بھی سراغ تیرہویں صدی سے پہلے کے دور تک نہیں پہنچتا۔ لیکن یہ شاندار اور بدصورت کہانی جس نے امن اور نیکی کے شہزادے کو لاتعداد لوگوں کا قاتل بنادیا اس نے آئبیرین (اسپینی) تصورات پر بہت اثر ڈالا۔ اس کا بعد میں دینیاتی مقالوں میں کیوبا کے اسقف اعظم نے (۱۸۶۰ء) میں حوالہ دیا۔

اس سب کے باوجود پوپ کے ادارے نے ہمیشہ یہ مناسب نہ سمجھا کہ اپنے نظریاتی اختیارات کو مسیحی عدالتوں کے ذریعے اغلام بازوں پر استعمال کریں۔ یہ ایک ایسا اختیار تھا جو انہیں کچھ مواقع کے لئے عطا کیا جاتا اور دیگر مواقع پر واپس لے لیا جاتا۔ فرڈی نینڈ اور ازابیلا نے ۱۴۷۸ء میں یہ پاپائی اختیار اس لئے حاصل کیا تاکہ اسپینی مسیحی عدالتیں قائم کی جائیں جن کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ مذہبی تقلید کو اسپین کے ان یہودیوں پر نافذ کیا جائے جنہوں نے مسیحیت اختیار کی تھی۔

اس مہم کے نتیجے میں نئے مذہب میں داخل ہونے والے ہزاروں جن کا بپتسمہ جبراً کرایا گیا تھا یا پھر خوف کا نتیجہ تھا اس الزام پر جلا کر مار ڈالے گئے کہ وہ چوری چوری یہودی روایات پر عمل پیرا رہتے تھے۔ تب جنوری ۱۵۰۵ء میں فرڈی نینڈ نے ایک فرمان جاری کیا جس میں کاسٹیلیا کی کلیسائی عدالتوں کو اغلام بازوں پر مقدمہ چلانے کا اختیار دے دیا۔ ایک سال بعد ساول میں گرفتاریوں کا ایک سیلاب سا آ گیا، بہت سے مرد فرار ہوگئے لیکن آخر کار بارہ ماخوذ ہوئے اور انہیں مقامی ٹریبونل کے احکام پر بطور سزا جلا کر مار ڈالا گیا۔

تاہم ۱۵۰۹ء میں میڈرڈ کی مسیحی عدالتوں کی سپریم کونسل نے۔ جو عموماً سپریما کے نام سے جانی جاتی نے یہ حکم دیا کہ تنظیم کو اپنے اساسی کام یعنی بدعتیوں اور یہودیا نے والوں کو کھدیڑ کر پکڑنے سے انحراف نہ کرنا چاہئے۔ اس کے بعد کاسٹیلیا کی مسیحی عدالتوں نے اغلام بازوں کی داروگیر ترک کردی اور انہیں دیوانی عدالتوں پر چھوڑ دیا۔ جن کا اپنا ترس کھانے کا جوش اور تعصب کا اندازہ دی جانے والی سزاؤں اور ان کی سختیوں کا موازنہ ہی بتا سکتا ہے۔

آراگون میں ایک ''نتیجہ خیز حادثے'' میں چیزوں نے خلاف توقع موڑ لے لیا۔ ولیم مونٹر نے اپنی فرنٹیرز آف ہیرسے (Frontiers of Heresy) میں اس واقعے کی مالا مال تفصیلات بیان کی ہیں۔ کس چیز نے اسپینی مسیحی عدالتوں کو یکتائے روزگار بنادیا وہ تھی فرڈی نینڈ کا عزم کہ اسے سلطنت کی قوت کا ایک حربہ اور قومی اتحاد کے لئے اسے ایک وسیلہ بنایا جائے۔ چونکہ مسیحی عدالتوں کا صدر دفتر کاسٹیلیا کے میڈرڈ میں واقع تھا۔ اس لئے صوبوں نے اس کی مزاحمت کی جن سے مل کر آراگون کی حکومت بنی تھی اور انہیں اندیشہ تھا کہ اس سے ان کے مقامی قوانین اور آزادیوں پر زد پڑے گی۔ (تاجور آراگون قدیم بادشاہت آراگون، کاٹالونیہ، بادشاہت والنشیا جو اسپین کے مشرقی ساحل پر واقع تھی، ماجور کے جزایر، سارڈینیا اور سسلی اور شدید متنازع نیپلز کی بادشاہت پر مشتمل تھی) والینشیا اور اراگونی مخالفت جو فرڈی نینڈ کے خلاف پیدا ہوئی وہ وہاں کی اشرافیہ کی طرف سے تھی جو اپنے نئے مذہب کو اختیار کرنے والے یہودیوں اور مسلمانوں کے تحفظ کی خواہاں تھیں۔ اس کشمکش نے آخرکار آراگونی مسیحی عدالتوں کو اغلام بازی کی داروگیر میں الجھا لیا۔

آراگون میں مسیحی عدالتوں کی مخالفت ایک ممتاز نو عیسائی نے کی جس کا نام ڈون سانچو ڈی لاکبالیریا تھا۔ یہ ایک مذہب بدل کر یہودی ہوجانے والے کا پوتا تھا۔ ڈان سانچو اس کے باوجود شک و شبہ سے بالاتر راسخ العقیدہ تھا۔ جب اس کے خلاف مسلمہ کلیسائی عقاید سے انحراف کا الزام نہ لگ سکا تو ساراگوزا کے ٹریبونل نے اس پر اغلام بازی کا الزام عاید کردیا اور پوپ کلیمنٹ ہفتم سے اس کی اجازت چاہی کہ اس الزام پر اس پر مقدمہ چلایا جائے۔ سال ۱۵۲۴ء میں مطیع پوپ نے 'شکاری لائیسنس'' جاری کردیا اور تین خاص ٹریبونل کو—— جو آراگون، ویلنشیا اور کٹالونیہ کے تھے۔ انہیں اغلام بازی کے

مقدمات چلانے کی اجازت دے دی۔کلیمنٹ نے اس نئی پالیسی کو یہ رنگ دیا کہ اسے مسلمانوں کے جرائم سے منسلک کردیا۔''ہمیں معلوم ہوا ہے جس میں ہماری روح بھی بے چین ہوگئی کہ آراگون اور والینشیا کے صوبوں میں اور کٹالونیہ کی بلدیاتی حدود میں۔جیسی کہ یہ دنیا تسلسل سے بگڑتی جارہی ہے، ہائے۔کافروں کے چند بچوں میں (مراد مسلمان) ہولناک اور قابل نفرت اغلام بازی کے جرم میں توسیع کا آغاز ہوچکا ہے۔اور یہ بھی کہ اگر ان گھٹیا قسم کے مردوں کو الگ کرکے علیحدہ نہ کردیا گیا تو یہ خوش عقیدہ لوگوں کو بھی کھینچ کر اسی قعر مذلت میں گرالیں گے۔اس لئے کلیمنٹ نے مسیحی عدالتوں کو اجازت دے دی کہ ان تین صوبوں میں۔جن کے ٹریبونل ساراگوزا، بارسلونا اور شہر والینشیا میں ملے ہیں۔وہ اغلام بازوں پر مقدمہ چلائیں۔

تاہم اس فرمان میں وضاحت کی گئی کہ ایسے مقدمات کو مسیحی عدالتوں کے ضابطوں کے مطابق نہ چلایا جائے بلکہ ان قوانین کے ضابطوں کے مطابق چلایا جائے جو مقامی قوانین میں درج ہیں۔جن کے نتیجے میں ملزم کو اجازت ہوتی کہ وہ ان گواہوں کا سامنا کرے جو اس کے خلاف پیش ہوئے ہوں یوں اس پر تشدد نہ ہوتا۔مسیحی عدالتوں کے اتنے اختیارات تھے کہ ٹریبونل نے آخری شقوں کو نظرانداز کردیا اور باقاعدگی سے ملزموں پر اعترافات حاصل کرنے کے لئے تشدد ہوتا رہا۔جب بالآخر ۱۵۹۳ء میں ایک وکیل میں یہ ہمت پیدا ہوئی کہ شکایت کرے کہ یہ تشدد غیر قانونی ہے تو میڈرڈ کی سپریما نے جواب دیا کہ روایت نے عرصے سے اس کی اجازت دے رکھی ہے۔

ڈان سانچو جس کی گرفتاری نے مسیحی عدالتوں کے اختیارات میں توسیع کا مسئلہ پیدا کیا تو اس نے ساراگوزا کے اسقف سے اس معاملے میں مدد چاہی تو اس نے فیصلہ ہونے میں مداخلت کی۔مسیحی عدالت نے تاہم پوپ سے شکایت کی کہ اس کی سزا بہت نرم ہے۔ اس کا شکار ملزم ۱۵۳۱ء تک جیل ہی میں تھا۔اس نے حالت اسیری میں مرکر موت کو فریب دیا۔لیکن دیگر ایسے افراد جن پر ہم جنس پرستی کا الزام لگا وہ کم خوش قسمت تھے۔۱۵۴۱ء میں ایک دیہی پادری بنام سالواڈر وائیڈآل دیوانی شعبے کی وجہ سے ''قدرے مطمئن'' ہوا۔ ''اطمینان'' کا سبب کلیسا سے منسوب وفور مسرت تھی کہ ایک سزا یافتہ فرد کو سزائے موت

کے لئے سونپا جانا تھا۔ (کلیسا کو اس کی اجازت نہ تھی کہ وہ کسی کی جان لے۔ مگر یہ ایک کھوکھلی منافقت تھی کیونکہ یہ سب کو معلوم تھا کہ سول صاحبان اختیار کا کیا رویہ ہوگا)۔ ایک عام آدمی کو ۱۵۴۶ء میں اغلام بازی پر (عقیدے کے مطابق) جلایا جاتا تھا۔ دوسروں کی سزا یابی کے بعد سر عام نمائش کی جاتی اور سواریوں پر چسپاں کر دیا جاتا۔ اور بعد از اں کشتیوں پر کھینے والے غلاموں کے لئے طویل سزائیں دی جانے لگیں ۱۵۵۸ء میں سار گوزا کے ٹریبونل نے چار اور لونڈے بازوں کو ایک عدالتی فیصلے پر جلا کر سزا دی۔ جن میں ایک وکیل، دو پادری اور ایک گڈریا لڑکا تھا۔ جیسا کہ یہودیت ترک کر کے مسیحیت اختیار کرنے والوں کے خلاف اور تابڑ توڑ مہموں کے بعد دوبارہ بگڑ کر مسلم مذہب تبدیل کرنے والوں اور بدعتی اہل پروٹسٹنٹ کے خلاف انہوں نے اپنے مقاصد اس طرح حاصل کئے کہ ان مخالفین کا قلع قمع کر دیا اس کے علاوہ اغلام بازی پر مقدمات۔ ان کی یہ تعبیر کی جاتی جیسے جانور چودنے پر ہوتی —— یوں تینوں ٹریبونل کی سرگرمیوں کا زیادہ حصہ بن گیا جو سولہویں صدی کی آخری دہائی اور سترہویں صدی کے آغاز میں اسپین میں سب سے زیادہ مصروف رہیں۔

سال ۱۵۷۱ء میں سپریما نے ٹریبونل کو تنبیہ کی کہ ''لونڈے بازی کے مقدمات میں قیدیوں سے رحم کرنے کا وعدہ نہ کیا جائے۔'' ٹریبونل نے اشارہ سمجھ لیا اور گرفتاریاں تیز کر دیں۔ اگلے سال بارہ اور افراد عدالتی فیصلے پر جلا ڈالے گئے، جن میں تین پر ہم جنسی پرستی کا الزام تھا اور نو پر جانوروں کو چودنے کا۔ (عہد نامہ قدیم کے قوانین کے مطابق ''مجرم'' جانوروں کو بھی مردوں کے ساتھ سزا دی گئی)۔ اس موقع پر مقدس دفتر کو اس وقت سخت دشواری پیش آئی جب انہیں اتنے بہت سے ذی حیاتوں کو جلانے کے لئے لکڑی کا بندوبست کرنا پڑا۔ سال ۱۵۷۰ء کے زمانے کے سارا گوزا میں ۷۰، افراد پر اغلام بازی کا مقدمہ چلایا گیا اور ۳۶ کو اس لئے جلا ڈالا گیا کہ انہوں نے محض جانوروں کو چودا تھا۔ وہ زمانہ جو ۱۵۷۰ء سے ۱۶۳۰ء کا تھا جب مسیحی عدالتیں ان معاملات میں زور شور سے لگی ہوئی تھیں۔ اغلام بازی کے ارتکاب کی سزا یابی (دونوں معنوں میں) آراگون کی حکومت میں بدعتی ملزمان سے بھی تعداد میں بڑھ گئی۔ سب ملا کر کوئی ۴۰۰، افراد پر مقدمہ چلا اور ۷۰،

افراد ہم جنس پرستی پر آراگون، والنیشیا اور کیٹالونیہ میں اس عرصے میں سزا یاب ہوئے۔ یوں اگر ہم ۱۵۷۰ء سے پہلے کی اموات کو جو ساراگوزا میں ہوئیں اور کوئی درجن بھر افراد ساویل کے مقام پر ۱۵۰۶ء میں جلائے گئے تو اسپینی مسیحی عدالتیں جب سے ایسے مقدمات میں شامل کی گئیں لگ بھگ کوئی سو افراد کو مردوں سے جنسی تعلقات رکھنے میں جلوانے کی ذمہ دار ہیں۔

جب ہم یہ غور کرتے ہیں کہ جب کاسٹیلیا کے ایسے شہروں جیسے سیویل اور میڈرڈ کی دیوانی عدالتوں نے اتنے ہی لوگوں کو جلا کر مار ڈالنے کی سزا دی اور ان قوانین کے تحت جو براہ راست مذہب ہی سے ماخوذ تھے۔ یہ بالکل عیاں ہو جائے گا جب ۱۵۵۰ء کے بعد ان لوگوں کی تعداد جنہیں ہم جنس پرستی کے الزام کے تحت اسپین میں سزا دی گئی ان کی تعداد پروٹسٹنٹ بدعتیوں کی تعداد (کوئی ۲۰۰) سے بڑھ گئی جنہیں جلا ڈالا گیا تھا۔ یہ سولھویں اور سترہویں صدی میں ہوا۔ چونکہ جنھوں نے ہم جنس پرستی کے الزام میں دیگر درشت سزائیں مسیحی عدالتوں کے ہاتھوں اٹھائیں ان کی تعداد کوئی چار سے پانچ گنا زیادہ ہے جنہیں موت کی سزا دی گئیں۔ اس لئے کلیسا کو اس جرم کا احساس ہونا چاہئے کہ اس نے غیر ضروری بے رحم کٹھور مصایب بڑی مہیب مقدار میں ان پر ڈھائے۔ یہ بات بلا خوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ اس طاقتور ادارے کا تاریخ میں یہ بدترین لمحہ تھا۔ جسے اگر موقع ملتا تو اس قابل تھا کہ اپنے عہد کے عظیم ترین لوگ پیدا کرتا اور عظیم فن اور خیرات کے قابل ذکر کام کرتا۔

اگرچہ اس زمانے میں دیوانی عدل بھی سخت تھا لیکن مسیحی عدالتوں کی جس چیز نے اسے ممتاز بنادیا وہ تھا اس کا دہشت گردی کا باضابطہ استعمال۔ مسیحی عدالتی فیصلے لوگوں کے بڑے بڑے مجمعوں کی تفریح طبع کا وسیلہ بن گئے۔ اور ہمارے عہد حاضر کے کھیلوں کے میچوں کی مانند جو تھیٹر والے اثرات کی انجذابی کیفیت سے مزین ہوتے ہیں۔ مانوسوں کے دستے (سادہ افسران) پورے ضلع سے آخر جمع ہو جاتے جو کلیسائی وردی میں ملبوس ہوتے بڑے متین جلوس نکلتے جس میں دیو قامت صلیبیں اور سبز موم بتیوں کے جلوس سے چرچا کیا جاتا۔ مخصوص انداز میں ملبوس اسیران جو کبھی کبھار ایسی تختیاں اپنے گلے میں لٹکائے ہوئے

نکلتے (وہ اسیر جو لونڈے بازی پر سزا یافتہ ہوتے ان کے ہار پر سوڈو میٹا لکھا ہوتا) مسیحی عدالتوں کے اہلکاروں کے سامنے ڈنڈوت کرتے تا کہ خطا بخشی ہو۔ عدالتوں کا انعقاد لوگوں کی نظروں میں پھولوں سے پوری طرح آراستہ ایک فی الحقیقت واقعہ ہوتا۔

مگر مسیحی عدالتوں کا طے شدہ مقصد یہ نہ ہوتا کہ مجرموں کو سزا دی جائے بلکہ عوام کے تمام طبقوں میں خوف پیدا کرنا مقصود ہوتا۔ ایمیرک کی ضابطوں کی کتاب ۱۵۷۸ء میں دوبارہ گریگوری ہشتم کی اجازت سے جاری کی گئی جس پر ایک حتمی تفسیر فرانسسکو پینا نے لکھی۔ جو صدیوں سے پوپ کے جاری کردہ قوانین کا ایک عالم تھا اس نے یہ پہلا کلیہ بنایا ''ہمیں یاد رکھنا چاہئے'' پینا لکھتا ہے ''کہ ان مقدمات اور سزائے موت دینے کا اہم ترین مقصد یہ نہیں ہے کہ سزا یافتہ کی روح کو بچایا جائے بلکہ اس کا مقصد عوامی بھلائی کو فروغ دینے کے علاوہ لوگوں کو دہشت زدہ کرنا ہے۔'' مسیحی عدالتوں کے قیام کے پہلے پچاس برسوں کے ریکارڈ کے مطابق جب ان دنوں بڑا قتل عام کیا گیا وہ نامکمل حالت میں ملتا ہے۔ لیکن ایسے مطالعات جو ۱۵۴۰ء تا ۱۷۰۰ء کے زمانے کے لئے کئے گئے ہیں ان سے ابتدائی تخمینہ ۴۴۰۰۰، مقدمات کا لگایا جاتا ہے۔ مسیحی عدالتوں کا اسپینی سماج میں ٹوہ لینا اور دارو گیر کا تسلسل حیران کن تھا۔ والینشیا کا اکیلا ٹربیونل ۱۶۳۸ء ''مانوس'' رکھتا تھا یعنی ایسے عام لوگ جو اس سے منسلک تھے اور جو جاسوسی کے علاوہ صاحبان اختیار سے مل کر مردوں اور عورتوں کو گرفتار بھی کرتے تھے۔ یہ سب عموماً عام شہری ہوتے۔ کسان پیشہ اور کاری گر جو پڑوسیوں کی تمام سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھتے ان کی گفتگو اور یہاں تک کہ چھوٹے چھوٹے گاؤں کے لوگوں کی سرگرمیوں پر بھی۔ ان حالات میں ایسے مرد جو دیگر مردوں کے لئے دلفریب ہو جاتے یا عورتیں جو دوسری عورتوں کو چاہنے لگتیں ان پر ملامت کی تلوار کا خطرہ ہر وقت لٹکتا رہتا۔

جیسا کہ ڈون سانچو کے معاملے میں ہوا جس نے ۱۵۲۴ء میں آراگون میں اغلام بازی کے خلاف دارو گیر کا آغاز کیا۔ یوں اشرافیہ سے تعلق رکھنے والے ایک شخص کی گرفتاری سے والینشیا کی بادشاہت میں افتتاح ہوا اور متعدد گرفتاریاں ہوئیں۔ یہ سوال ایک مرتبہ پھر کھڑا ہو گیا کہ آیا والینشا کے ٹربیونل کے پاس یہ اختیارات ہیں کہ وہ اغلام بازوں کے

خلاف مقدمہ چلائے۔ معاملہ یوں طے ہوا کہ پوپ کلیمنٹ ہفتم سے درخواست کی گئی اور اس کے ۱۵۲۴ء کے فرمان کے ذریعے طے ہوا۔ جب ایک مرتبہ رکاوٹ میں سیندھ لگ گئی تو مقدمات کا سیلاب آ گیا۔ والینشیا میں ۱۵۷۳ء میں دو افراد کو جلا کر مارا گیا۔ جو عقیدہ تثلیث کے ماننے والے راہب تھے۔ (ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ پائیس ہفتم کے ۱۵۶۸ء کے فرمان سے یہ ممکن ہوا) آیندہ پندرہ برس میں دو درجن مزید افراد اغلام بازی کے جرم میں جلائے گئے۔ جن میں سے آدھے لوگوں پر ہم جنس پرستی کا الزام تھا۔ اس کے بعد قانونی چارہ جوئی میں سناٹا طاری ہوگیا۔ اور آیندہ تین دہائیوں میں والینشیا میں صرف چار افراد کی جان لی گئی۔

والینشیا میں جلانے مارنے کا سلسلہ اپنے عروج پر ۱۶۲۵ء میں پہنچا۔ اگرچہ ۱۶۲۲ سے ۱۶۲۳ء تک اغلام بازی کے سولہ مقدمات قائم ہوئے لیکن کوئی بھی نہ جلایا گیا۔ اس ظاہری رعایت کے شوق کے خلاف میڈرڈ کی سپریما نے یہ شکایت کی کہ والینشیا کا ٹریبیونل پورے خلوص سے تشدد کو بروئے کار نہیں لا رہا۔ ان ہدایات سے لیس ہوکر والینشیا کی مسیحی عدالتوں نے آیندہ کئی سال تک اغلام بازی کے ملزمان پر بڑے زوردار طریقے سے تشدد کیا۔ چھ مردوں نے ۱۶۲۵ء میں ایک اٹھارہ سال سے کم عمر نوجوان جسم فروش کو پہنچان لیا جس کے ساتھ وہ سو چکے تھے۔ پوچھ گچھ پر وہ نوجوان جس کا نام نکولس گونز آلیز تھا اس نے ساٹھ مردوں اور لڑکوں کو ملوث کرلیا۔ اگرچہ وہ جب ملوث کیا گیا تو وہ ابھی بلوغت کو نہ پہنچا تھا لیکن گونز آلیز کو موت کی سزا دی گئی اس کے ساتھ گیارہ دیگر مردوں کو ٹکٹی کی راہ دکھائی گئی جو نومبر ۱۶۲۵ء میں والنیشیا میں مسیحی عدالتی فیصلے کا پرشکوہ مظاہرہ تھا۔ ناظرین کی ایک لاثانی منظر سے سواگت کی گئی جب کوئی درجن بھر افراد ارغوانی رنگ کی قمیصوں میں ملبوس اور اسقفی کلاہیں سر پر سجائے اور سرخ کالروں سے مزین اور ان نشانات کی پٹیاں باندھے جن پر صرف واحد لفظ درج تھا سوڈومیٹا۔ ایک عینی شاہد کا بیان ہے کہ انہیں جلانے کے لئے ۱۲۸، کوینٹل (۶۴۰۰ کلو) لکڑی استعمال کی گئی اور کام کی تکمیل میں سات گھنٹے صرف ہوئے۔ یہ ایسا واقعہ تھا جیسا والنیشیا میں نہ اس سے پہلے سنا گیا اور نہ دیکھا گیا۔ ان میں سے سات غلام تھے، ان میں سے ایک چالیس سالہ ترک تھا۔ جس نے یہ شکایت کی کہ ''تمھیں تو

آزادی میسر ہے اور تمہارے آقا بھی ہیں جو تمہاری نگہداشت کریں گے اور تمہیں چھڑوا بھی لیں گے لیکن ہم غلاموں کی کیا پوچھتے ہو ہم تو دھر لئے جاتے ہیں اور پھر سیدھے سیدھے جلا ڈالے جاتے ہیں۔"

اغلام بازی پر قانونی چارہ جوئی آراگونی مسیحی عدالتوں میں ۱۵۷۰ء سے ۱۶۳۰ء کے عرصے میں اپنے عروج پر پہنچ گئی۔ میری پیریؔ کے تخمینے کے لحاظ سے ان برسوں میں ایک ہزار کے نزدیک مقدمات قائم ہوئے تھے (جس میں ہم جنس پرستی اور جانور چودنے والے شامل ہیں) اور ۱۵۰، افراد مارے گئے۔ جب کہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس دادگستری کے زمانے میں اتنے ہی افراد اغلام بازی کے الزام میں جلائے گئے جتنے مسلمہ کلیسائی عقاید سے انحراف کے الزام میں۔ اس کے علاوہ الحاقی مدت ۱۵۴۰ء سے ۱۷۰۰ء تک پیریؔ کے حساب سے ۱۶۰۰، مقدمات قائم ہوئے۔ تاہم اب والینشیا کے قتل عام کے ساتھ ساتھ سپریما کا اغلام بازوں کو جلانے کا جوش وخروش سرد پڑتا گیا۔ اور اس نے اب اغلام بازوں کے عدالتی فیصلوں کی سرراہ نمایش کی ممانعت کردی۔ ۱۵۲۶ء میں دو افراد کو مسیحی عدالتوں کے اندر محل میں خاموشی سے سزائے موت دے دی گئی۔ والینشیا میں ایک پھانسی۔ جو عرب بربر کو دی گئی جس پر ایک عیسائی لڑکے کی جبراً گانڑ مارنے کا الزام تھا—— جو دو برس کے بعد ہوئی تھی۔ ہینری چارلس لیؔ قلمبند کرتا ہے کہ اسے ایک عوامی فیصلے میں جلایا گیا اور ۱۶۴۷ء میں بارسیلونہ کے مقام پر۔ لیکن یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ اغلام بازی کے مقدمات اس کے ساتھ ہی ختم ہوگئے۔ کم تو ہوئے مگر سزائیں سخت رہیں جن میں قید وبند، سینکڑوں کوڑے، طویل عرصہ تک جہازوں کو کھینے کی سزا، جرمانے اور شہر بدری یہ سب اسی طرح جاری رہیں۔ لیؔ نے اچھی طرح گن کر بتایا ہے کہ اغلام بازی کے سو مقدمات مسیحی عدالتوں کے ٹریبونل کے سامنے پیش کئے گئے جو ۱۷۸۰ء سے ۱۸۲۰ء کے آخری زمانے میں ہوا جو ان کے وجود کا آخری زمانہ تھا۔

ہیپس برگ اسپین کی ان عورتوں کے لئے کیا کہا جائے جو دوسری عورتوں سے عشق کرتی تھیں۔ مسیحی عدالتیں شہری صاحبان اختیار کی طرح یوں لگتا ہے جیسے شاید ہی سیفو یت کے معاملات سے کوئی تعلق رکھتی ہوں۔ تاہم ۱۵۶۰ء میں آراگون کے ایک قصبے میں کئی

عورتیں مورد الزام ٹھہرائی گئیں کہ وہ اس قسم کی کاروائیوں میں مصروف ہیں۔ جس پر سپریما نے تاہم یہ فیصلہ دیا کہ ٹربیونل اس وقت تک مقدمہ نہ شروع کرے جب تک کوئی صبورانہ استعمال کیا گیا ہو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یوں وہ دیوانی نظام کے خیالات سے متاثر لگتے ہیں۔ لیکن الفانسو دہم کی پارٹی ڈاس میں سزائے موت صرف مردوں کے لئے تجویز کی گئی تھی۔ لیکن پارٹی ڈاس پر جو معیاری تشریح تسلیم کی جاتی ہے اور جسے گری گوریو لوپیز نے ۱۵۵۵ء میں شایع کیا تھا اس میں بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے کہ یہی قانون عورتوں پر بھی لاگو ہوتا ہے اگر ۱۴۹۷ء کے فرڈی نینڈ اور ازابیلا کے قانون کی مدد لی جائے جیسا کہ لوپیز کے استدلال کے مطابق کسی سے متعلق ہو ''کوئی بھی شخص جو کسی بھی حالت میں ہو اور اس نے غیر فطری ہم بستری کی ہو۔'' انٹونیو گومیز جو نشاۃ ثانیہ کا اسپین میں فوجداری قوانین کا ممتاز مفسر گزار ہے اور جسے یورپ کے ہم عصر صاحبان اختیار ہمہ وقت بطور نظیر پیش کرتے تھے اس کی دانست میں کوئی عورت کسی اور عورت سے کسی بھی دھاتی اوزار سے تعلقات رکھے تو دونوں کو جلا کر مار ڈالا جائے۔ ورنہ کوئی ہلکی سزا بھی دی جاسکتی ہے۔

دو عورتوں کو ۱۶۲۰ء میں کاسٹایل کے مقام پر دیوانی عدالتوں نے موت کی سزا دی۔ یہ سزا بدل کر ۴۰۰ کوڑے کر دی گئی اور دایمی شہر بدری بھی۔ انہیں بعد آزاں ۱۶۲۵ء میں معاف کر دیا گیا کن بنیادوں پر یہ معلوم نہ ہوسکا۔ تین دہائی کے بعد مسیحی عدالت نے ایک بیوہ اور ایک دھوبن کو سزا دے دی جن کی سارا گوزا میں ان کے ہمسایوں نے جاسوسی کی تھی۔ ہمیں ان کا انجام معلوم نہ ہوسکا۔

اسپینی حکمرانوں میں فلپ۔ دوم بطور خاص اس پر مصر تھا کہ اغلام بازوں پر مسیحی عدالتوں کے اختیارات میں اضافہ کیا جائے۔ اپنی حکمرانی کے آخری سال میں اس نے پوپ کلیمنٹ۔ ہشتم سے کہا کہ ان مسیحی عدالتوں کو جو سسلی میں قائم ہیں انہیں بھی اغلام بازوں پر عدالتی اختیارات تفویض کر دیے جائیں۔ وہ تنازع جو اس جزیرے پر پیدا ہوا جو اسپینی عدم رواداری اور اطالوی عدم آمادگی کی وجہ سے تھا جو کلیسا کی ایسی تعلیمات پر مبنی تھیں جو جنس کے بابت تھیں ان پر غور کرنا دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔ اسپین پالرمو کے علاقے کے دیوانی اور مسیحی عدالتوں کے نظام عدل کا فی الواقع ناظم تھا۔ (اغلام بازی جیسا کہ ہم دیکھ

چکے ہیں جسے یہاں روایتی طور پر مکسٹی فوری کہا جاتا۔ جو ایسا جرم تھا جس کی سلطنت اور کلیسا دونوں ہی سزا دے سکتے تھے)۔ فلپ نے بظاہر یہ سوچا کہ پالرمو کی شاہی عدالت بہت ڈھیلی سی ہے۔ اس لئے اس نے ۱۵۶۹ء میں یہ حکم دیا کہ موت کی سزا کے قانون کو سختی سے نافذ کیا جائے ''بغیر مستثنیات کے'' اس کے باوجود اسے اطمینان نہ ہوا۔ اس پر اس نے اپنی حکومت اور پوپ کے درمیان ۱۵۹۷ء میں ایک معاہدہ کرایا جس کے تحت اس جرم کو مسیحی عدالتوں کے دائرہ اختیار میں دے دیا گیا۔ فلپ تو اگلے سال مرگیا تاہم اسپینی وائسرائے نے بااثر سسلی اشرافیہ کی تحریک پر پوپ کو ترغیب دی کہ وہ اپنے اس فرمان کو منسوخ کردے۔

ہم جنس پرستی کے متعلق اطالوی اور اسپینی بے میل ہم جنس پرستی کے خیالات نے سسلی میں ہونے والے مسلمہ کلیسائی عقاید کے مقدمے میں کئی ڈرامائی رنگ دکھائے۔ روایتاً سر راہ چدائی کسی حال میں مسیحی عدالتوں کے دائرہ اختیار میں نہ آتی تھی۔ اگر کوئی اس عقیدے کا اظہار کرتا کہ چودنا تو گناہ نہیں ہے تاہم اس سے پیدا ہونے والی صورت حال سے ''دشوار بدعتی مسئلہ'' پیدا ہوجاتا جس سے ایک اور مقدمے بازی کا راستہ کھل جاتا۔ جب ٹرینٹ کی کونسل نے جنسی پارسایت کے ایک نئے عہد کا آغاز کیا۔ جس پر اسپین کو مسیحی عدالتوں نے اس نوعیت کے اخلاقی اختلافات کے خلاف ایک مہم کا آغاز کردیا۔ اور متعدد باضمیر شک کرنے والوں کو مودب بنادیا گیا۔ تاہم سسلی میں پرجنسیہ تعلقات کے گناہ آلود ہونے کے متعلق تشکیک اتنی عام تھی کہ مسیحی عدالتیں ان معاملات میں بہ مشکل ہاتھ ڈالتیں۔ اس اطالوی فضا میں یہ ضروری تھا جیسا کہ ولیم مونٹر نے اشارہ کیا ہے کہ اس امر کی توثیق کرنے کے لئے کہ اغلام بازی کوئی گناہ نہیں ہے تاکہ مقدس محکمے کی توجہ مبذول کرائی جاسکے۔

سسلی کی عدالتی چارہ جوئیاں یہ ظاہر کرتی ہیں کہ اطالویوں کی ایک حیران کن تعداد کو تلاش کیا جاسکتا ہے جنہوں نے اس معاملے میں عوامی اعلانات کئے تھے حالانکہ انہیں مسیحی عدالتوں کی جانب سے قانونی چارہ جوئی کا خطرہ بھی تھا۔ زیادہ تر مرد اپنے ان دبری رشتوں کی قانونی مدافعت کرتے جن کا مقصد ضبط تولید تھا۔ ۱۶۴۴ء میں ایک طویل عرصے

تک چلنے والی مہم کے بعد جو مسلمہ کلیسائی عقاید کے خلاف تھی ۔جس میں ایک پادری کو پانچ سال کی سزا سنائی گئی تا کہ وہ جہازوں میں کھینے والی مشقت اٹھائے اس کا محض یہ جرم تھا کہ اس نے برسر عام یہ موقف اختیار کیا تھا ''کہ سرعام چودنا گناہ نہیں ہے اور اغلام بازی بھی۔'' پالیرمو میں پائی جانے والی مسیحی عدالتوں کی دستاویزات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ چند اطالویوں کو قدامت پسند اسپینیوں کو رسوا کرنے میں بہت مزہ آتا تھا۔شمالی اطالیہ کا ایک ملازمت پیشہ شخص مسیحی عدالت کے روبرو پیش ہوا اور یہ دعوی کیا کہ ہم جنس پرستی کسی صورت میں موجب گناہ نہیں ہوسکتی۔ ''کیونکہ فطرت اس کی اجازت دیتی ہے۔'' ایک مقدمے میں ۱۵۷۸ء میں رومی شادیوں کے ذریعے ایک اریبی کرن پڑتی ہے اور یہ ظاہر کرتی ہے کہ اطالوی پادریوں کے دلوں میں گونہ خفیہ ہمدردی پائی جاتی تھی۔ایک فرانسسکن فرایر نے یہ استدلال کیا تھا کہ ہم جنس پرستی والا عشق ''مقدس اور جایز'' ہوسکتا ہے ۔اسے برسر عام کوڑے لگانے کے علاوہ سال بھر کی قید کی سزا دی گئی۔

حالانکہ سسلی کی مسیحی عدالتوں کو بالعموم اس کی اجازت نہ تھی کہ وہ اغلام بازی کے مقدمات کی سماعت کریں تاہم انہیں اس کی اجازت تھی کہ وہ مردوں کی تادیب کریں جنھوں نے اپنے وسیع دیوانی دستے ترتیب دے رکھے تھے۔یعنی منہ چڑھے۔ بے شک انہوں نے ۱۷۳۱ء الزامات کی ایسے مردوں کے خلاف سماعت ۱۵۹۵ء سے ۱۶۳۵ء تک کی۔ مدافعت کرنے والوں میں نچلے درجہ کے ایک نواب اور ایک امیر زادہ بھی تھا۔جن سب پر جرمانہ عاید کیا گیا اور انہیں سسلی کے قلعوں میں طویل قید کی سزائیں بھی ہوئیں۔ اسی اثنا میں پالیرومو کے شاہی دربار نے فلپ کی ہم جنس پرستی دشمن مہم کو پھانسیوں کے ذریعے نافذ کردیا۔ایک مذہبی باہمی تنظیم۔ دی بیانچی (یا پھر ''سفید'' راہبان) سرکاری طور پر سب سے زیادہ مقدس مرتبے والی شبیہ کی صلیب—— کو اختیار دیا گیا کہ مردوں کو موت کی سزائیں دے۔ واصل جہنم ہونے والوں کی فہرست سے یہ تخمینہ لگایا گیا ہے کہ کوئی سو افراد کو ''سولی دی گئی یا پھر جلایا گیا''۔ پالیرمو میں ۱۵۶۷ء سے ۱۶۴۰ء تک ''اس لعنتی گناہ'' میں ۔

والینشیا اور سیول کے ذیلی تمدن:

مندرجہ بالا اعداد وشمار میں اگر ہم ان گرفتاریوں کو جوڑ لیں جو اسپینی شہروں سیول اور میڈرڈ میں ہوئیں (جن کی ہم جلد ہی جانچ پڑتال کریں گے) تو ہم معقولیت کی حد تک فرض کرسکتے ہیں کہ ایسے مقدمات جو بالخصوص ہم جنس پرستی پر قائم ہوئے وہ بھی اسپین میں اور سولہویں اور سترہویں صدی میں ان کی تعداد ہزار سے دو ہزار کے درمیان تھی۔ اس قانونی شہادت کی بنیاد پر کیا ہم کسی ہم جنس پرستی کے ذیلی تمدن کی مذمت کرسکتے ہیں جو اسپین میں سگلوڈی اورو کا تھا۔ بات واضح ہے اس سوال کے جواب میں درپیش دشواریاں ناقابل تسخیر ہیں۔ ایسی مقدمہ بازی کے درمیان میں جن میں زندگیاں تقریباً سولی پر لٹکی ہوتیں کوئی بھی توقع کرسکتا ہے کہ ہم جنس پرستوں کا ٹولہ کتنا خوفزدہ ہوگا اور کس حد تک پوشیدہ رہتا ہوگا۔ بیسویں صدی کے آنے تک کیا یورپ کے ہم جنس پرست یہ ہمت کرسکتے تھے کہ اپنی کوئی انجمن سازی کریں اور کھلم کھلا اپنی تاریخ مرتب کریں۔ اس امنڈتے عوامی شک وشبہات کو دیکھتے ہوئے اور منظّم چوکسی کے ہوتے ہوئے اسپین میں یہ کتنا خطرناک ہوگا کہ کوئی واضح روزنامچہ لکھتا، بے تکلفانہ خطوط لکھتا یا پھر مایکل اینجلو اور شیکسپیئر کی طرح سونیٹ کی طرح کی عشقیہ نظمیں کہتا۔ مذہبی فرقوں پر گزرنے والی داروگیر کے برعکس کوئی ایسی خاندانی روایات نہ ہوں گی جو آنے والی نسلوں کو ان مصایب کی روداد یا دداشتوں کی صورت میں دے جاتے۔ جرایم کی تاریخ میں ''جس کا ذکر نہ آنے پائے'' اس کے متعلق طے تھا کہ انہیں دستاویزات میں ثبت کیا جائے گا جو ایسی عدالتوں کا ہوگا جو تسلسل سے معاندانہ رویہ رکھے تھیں۔

مسیحی عدالتوں کا ریکارڈ نہایت تفصیل سے ملا ہے تاہم ۱۵۵۰ء اور اس کے بعد کا ہے اور جسے جانفشانی سے محفوظ رکھا گیا تھا۔ مقدمات کے سلسلے جن کا تعلق والینشیا میں اغلام بازی سے تھا اس کی چھان پھٹک اسپینی اسکالر رافایل کاراسکو نے کی ہے۔ اس کی ساری سعی اس پر مرکوز رہی کہ وہ بتا سکے کہ شکار ہونے والے لوگ اپنی روزمرہ زندگی کس طرح بسر کرتے تھے۔ بات واضح ہے دستیاب دستاویز کی اس معاملے میں اہمیت محدود ہے۔ وہ

سوالات جو مسیحی عدالتیں پوچھتی تھیں وہ ان کے معمولات میں تھا جس سے وہ معلومات حاصل کرتیں کہ کوئی جنسی کارروائی خاص طور پر کیسے انجام پائی۔ پوری گواہی لگتا ہے جیسے جانگھ پر مرکوز ہوکر رہ گئی ہو۔ ایسا اس لئے ہے کیونکہ پادریوں کا نقطہ نظر صرف یہ تھا جوان تحقیقات کو چلانے کے ذمہ دار تھے۔ ملزمان سے یہ نہ پوچھا جاتا کہ انہوں نے کس حالت میں پایا اور خود کو کہاں پایا یا پھر ان کی محبت کی حدود کیا تھیں یا وفاداری کس منزل کی تھی، نہ ہی انہیں اس کا مشورہ دیا گیا ہوگا کہ وہ ایسی اطلاعات رضا کارانہ بیان کردیں۔ ان حالات میں بیان کرنے کی کوئی بھی کوشش کہ انہوں نے کیا دیکھا جو معنی خیز بھی ہو وہ مسلمہ مسیحی عقاید کو مسمار کرسکتی تھی۔

کراساکو نے ۲۵۹، مقدمات کا ذکر کیا ہے جس پر دستاویزات کے مطابق والنیشیا کی مسیحی عدالتوں میں ۱۵۶۶ء سے ۱۷۷۵ء تک اغلام بازی کے الزام پر قانونی کارروائی کی گئی۔ جیسا کہ ہم توقع کرسکتے ہیں مردوں کے ناموں سے ہمیں شہری سماج کی دھنک کے تمام رنگ نظر آتے ہیں۔ اس کے برعکس اطالیہ میں فلورنس اور وینس کی دستاویزات جنہیں سب سے زیادہ ضخیم پیشہ ورانہ گروہ (کل تعداد ۱۴۱) میں سب سے زیادہ گرجا کا عملہ، پادری، مدرسے کے متوسلین اور (ناموزوں حد تک) راہبان جن کی تعداد اکیس تھی۔ ان میں پانچ اشرافیہ کے تھے اور سات پیشہ ور (دستاویز کی تصدیق کرنے والے، وکلا اور اطباء) بیس خدمت گار اور اتنے ہی غلام۔ اناسی افراد یا تو ہنرمند تھے یا کارکن۔ اڑتیس مزید افراد حرکت میں رہنے والی آبادی تھی جن میں سپاہی، ملاح اور آوارہ گرد جو اس بندرگاہی شہر میں کلبلا رہے تھے۔ جیسا کہ ہم توقع کرسکتے ہیں، غیر ملکیوں میں، اطالویوں میں شکار بننے والوں میں سب سے زیادہ تھے (۲۹)۔

کراساکو ہمیں بتاتا ہے کہ یہ تمام مردوں کو تقسیم کیا جاسکتا ہے اگرچہ بالکل ٹھیک ٹھیک نہیں مگر دو گروہوں میں۔ ''ایسے جن کے تعلقات دیگر مردوں سے سرسری تھے اور موقع پرستی کی دین تھے اور دوسرے وہ قابل فہم اور بندھن والے میلانات مردانہ ساتھ کے لئے ظاہر کرتے۔ یعنی ایسے مرد جنہیں ہم آج کل ہم جنس پرست کہتے ہیں۔'' یہ بھی صاف ہے کہ یہ تمام خفیہ طور پر ورغلانے والے پہلے مایوس پر جنسیے ہوں گے یا کبھی کبھار ایسی محبت

کرنے والے کہ جو کچھ بھی ہاتھ آ جائے۔ بہتوں نے اپنی شہوانی ترجیحات کا اعتراف بلا کسی ابہام کے کیا۔'' عوامی برہمی بہت زوروں پر ''ماریکاز'' کے خلاف تھی —— ایسے مرد جن میں زنانہ اوصاف ہوں اور اسی لئے ان کی مفعولیت نفرت کا شکار تھی۔ ''مردانہ صفت مردوں کے درمیان جو مزے کے حصول کے لئے ہر قسم کے جسم سے فایدہ اٹھاتے اور وہ ہیرا پھیری کرنے والے مرد بھی جو بظاہر دوسرے مردوں سے دوستی کے لئے شکاریوں کی طرح مارے مارے پھرتے جب کہ سماج نے ایک اہم معیاری فرق طے کر رکھا تھا۔ دینیاتی اور قانونی نقطہ ہائے نظر کو اغلام بازی کی رسمی وضاحت میں امتیازی حیثیت ملی اور پہلے گروہ کی بلا کسی رورعایت کے مذمت کی گئی۔ مقبول حساسیت کو اس کے برعکس دوسرے گروہ نے کہیں زیادہ بڑھ کر ترغیب دی تا کہ نفرت کو فروغ ملے۔''

نشاۃ ثانیہ کے عہد میں اسپین بہرحال ایک ایسا سماج تھا جو دنیا کو دینیاتی نقطہ نظر سے دیکھتا تھا۔ انسانی رویوں کے متعلق سیاسی رویہ شاذ و نادر ہوتا۔ جب سترہویں صدی کے اہل اسپین ہم جنس پرستی کے متعلق سائنسی نقطہ نظر سے لکھنے کے قابل ہوئے۔ تب انہوں نے وہی کیا جو دوسرے اہل طب، مادی فلسفہ یا پھر نام نہاد سائنسدانوں (جیسے جیوتشی) نے جیسا کہ یونانیوں کے عہد سے موجودہ زمانے تک بالعموم کیا ہے۔ انہوں نے ''میلانات'' کے متعلق گفتگو کی انہوں نے ہم جنس پرستی کو ایک مخصوص نفسیاتی مزاج کہہ کر تشخیص کی۔ اور اس کے اسباب کے متعلق قیاس آرایاں بھی کیں۔ مثلاً ہم جون ہوارٹے ڈی سان جوآن کی نفسیاتی قیاس آرائی پر غور کر سکتے ہیں۔ ہوارٹے باسق کا ایک طبیب تھا جس نے ۱۵۷۵ء میں ایک مضمون شایع کیا جو اسپینی اور نشاہ ثانیہ کے ادب کا ایک چھوٹا سا کلاسیک بن گیا۔ جس کے ۱۷۰۰ء سے پہلے ستر ایڈیشن شایع ہو چکے تھے جس نے ایسے مفکرین مونٹین، بیکن، ڈیکارٹس اور روسوتک کو متاثر کیا تھا۔ اس کا عنوان 'ایکزمن ڈی انجینوز پارالاس سینیاس' جس کا بڑی حد تک یہ ترجمہ ہوتا ہے ''ذہانت کے رجحانات کا مطالعہ برائے حصول علم'' اس کی شہرت ایسی تھی کہ ممکن ہے شیکسپیئر نے اس کا انگریزی ترجمہ پڑھا ہو جو ۱۵۹۴ء میں شایع ہوا تھا۔ لیسنگ نے اس کا جرمن ترجمہ ۱۷۵۲ء میں کیا۔

ہوارٹے جو پوری طرح طبی مادیت پسند ہے ہم جنس پرستی کی ''وضاحت'' یوں کرتا

ہے۔

درحقیقت یہ کچھ اس طرح ہوتا ہے، کئی مرتبہ فطرت ایک مادہ بناتی ہے اور اسے جب ماں کے پیٹ میں ایک یا دو مہینے گزر جاتے ہیں اس وقت تولیدی اعضا پیدا ہوتے ہیں، لیکن کسی وقت خلاف توقع انہیں کچھ زیادہ حدت مل جاتی ہے اور یہ الٹ پلٹ ہوجاتے ہیں اور بدل کر یہ مرد بچہ بن جاتا ہے (دیکھنے میں)۔ اور بعد ازاں ہم صاف صاف جان جاتے ہیں کہ یہ تبدیلی بطن مادر میں کیونکر ہوتی ہے جو متعدد حرکات کے ذریعے ہوتی ہے جو موجود رہتے ہیں اور مردانہ جنس کے لئے شایستہ نہیں ہوتے۔ بلکہ یہ نسوانی اور زنخا مایل ہوتے ہیں اور ایک آواز کے ذریعے جو نرم اور مترنم ہوتی ہے۔ اور ایسے مرد کا میلان عورتوں کے برتاؤ کی مانند ہوتا ہے اور عام طور سے گھناؤنے گناہ کی تعریف میں آتا ہے۔

ہوارٹے نے اس کے بعد ایک متوازی نظریہ کی مدد سے سیفو ویت کی ابتدا کی وضاحت کی۔ درجہ حرارت کے کم ہوجانے سے مردانہ جنین کے اعضائے تناسل اندر کی جانب مڑ جاتے ہیں جس سے ایسا بچہ بننے لگتا ہے جو اس وقت مادہ سمجھا جاتا ہے جب کہ نفیساتی طور پر وہ نر ہی رہتا ہے۔ یعنی اس کا رویہ مردانہ ہوتا ہے اور عورت اس لئے دوسری عورتوں کے لئے مرتی ہے۔ دونوں ہی صورتوں میں ہمیں یہ صرف ایک مخصوص نوعیت کا رویہ دیکھنے کو ملتا ہے بلکہ یہ خیال کہ مذکورہ رویہ ایک مخصوص جنسیاتی حیثیت متعین کرنے میں مدد دیتا ہے۔ کبھی کبھار مسیحی عدالتوں کی دستاویز سے یہ ظاہر ہوا کہ اس نوعیت کی نفسیاتی توضیح وہ افراد بتاتے تھے جن سے پوچھ گچھ کی جاتی تھی۔

تحقیقات سے کس نوعیت کے رشتوں کا پتہ چلا۔ چند الزامات کا سبب ذاتی اور سیاسی دشمنیاں، حسد یا بغض ہوتا۔ لیکن اکثر و بیشتر مردوں کو پارکوں اور باغوں میں، سرایوں میں یا پھر مے خانوں میں یا خانقاہوں کے کمروں میں جنسی سرگرمیوں کے الزام میں پکڑا جاتا۔ یہ جوڑے عموماً نہایت عارضی سے ہوتے۔ لیکن بسا اوقات مرد ایسے گروہوں سے تعلق رکھتے جن کے ارکان ایک دوسرے کو اشاروں کنایوں، اعضا کی حرکت، انداز گفتگو، لباس یا بالوں کی آرایش سے شناخت کر لیتے۔ کراسکو یوں ختم کرتا ہے۔

یہ حقیقت کہ اغلام بازی ایک ایسا مشغلہ تھا جو جوان مردوں کے لئے کھلا تھا جن کے درمیان کوئی چیز زنخوں سے مشترک نہیں ہوتی۔ جس کے یہ معنی نہ ہوئے بے شک یہ ایسے لوگوں کی جنسی تعشق بازی نہ تھی کہ جنہیں ہم ہم جنس پرست کہیں بجائے لونڈے باز کے۔۔۔ اس کے بجائے درحقیقت (ابتدائی) زمانہ میں والنیشیا ایک مکمل زمین دوز سماج تھا جس کی تنظیم ہم جنس پرستی کی بنیادوں پر ہوئی تھی۔۔۔ ہونے والے مقدمات میں ہم دیکھیں گے۔۔۔ کہ مردوں کے چھوٹے چھوٹے گروہ جن کا طرز گفتار اور خود کو افشا کرنے کا انداز یا اپنی نسوانیت پر اصرار اور وہ ضابطے جس سے وہ لوگوں سے رابطے پیدا کرسکیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ درحقیقت ایک سچ مچ کے ہم جنس پرستی کے اقلیتوں کے پاڑے میں رہتے تھے۔

وقتاً فوقتاً دولتمند اور طاقتور لوگ اپنے ملازموں یا چمچوں کا بازو مروڑ کر اپنا کام نکال لیتے یا پھر ان پر مشروط دست درازی کرتے۔ چند کلیسائی اسکولوں کے اساتذہ ان لڑکوں کو جو ان کے تحت ہوتے انہیں پھانس لیتے۔ اجنبیوں کے درمیان اس نوعیت کے معاملات بھی دستاویزات میں کہیں کہیں محفوظ ہیں۔ ایک موقع پر دو مرد زندگی بھر دوست رہے تھے ایک ساتھ مر گئے۔ میگل سالواڈور ڈی موزالیس اور باپٹسٹا ٹافلا بچپن میں بھی ایک کمرے میں سو چکے تھے۔ جب ٹافلا طویل سفر کے بعد اطالیہ واپس ہوا تو اسے اپنے قدیم دوست کی تلاش ہوئی جو تثلیثی راہب بن چکا تھا۔ انہیں اس وقت گرفتار کیا گیا جب وہ موزالیس کے زمین دوز کمرے میں گانڑ مار یا مرا رہے تھے اس لئے انہیں والنیشیا میں ۲۵، جون ۱۵۷۴ء کو جلا کر مار ڈالا گیا۔ دیگر اموات کا سبب تو دیوانگی کی حد کو پہنچی ہوئی فریفتگی ہی کو کہا جائے گا۔ جوز ایکسٹرا وگانٹے عمر ۳۱، سال اور مارٹو لومبوٹکسیڈر عمر ۲۰ برس دونوں کو کشتی کھینے کے لئے غلام بنالیا گیا آخر الذکر لونڈے بازی کے الزام میں اور اول الذکر کسی اور جرم میں وہاں پر انہوں نے ایک مختصر جنونی عشق کیا۔ ان کے ساتھیوں نے بالاعلان ان کی مذمت کی اور انہیں مسیحی عدالتوں کے سپرد کردیا جنہوں نے سزا دے کر انہیں ۱۶۰۷ء میں جلوادیا۔

ایک گروہ جسے مسیحی عدالت کے ہاتھوں درشت سلوک جھیلنا پڑا وہ والینشیا کے انیس برس سے کم عمر نوجوان تھے۔ ان میں زیادہ تر جوڑے مرد اور لڑکے والے قرینے پر تھے جیسا

کہ کلاسیکل عہد میں اور نشاۃ ثانیہ والے اٹلی میں ہوتا تھا۔ ان معاملات میں کم عمر ساتھی سے جو رویہ اختیار کیا جاتا اس میں بڑا فرق ہوتا اور اس کا تعلق خطوں کے سماج پر ہوتا۔ قدیم کریٹ میں لڑکے کے ساتھ کچھ تحقیر ضرور وابستہ رہتی جو اس نوعیت کے رشتے نہ قائم کر پاتا۔ پندرہویں صدی کے وینس میں صاحبان اختیار آغاز میں صرف بالغ فاعل کو سزا دیتے لیکن پھر بعد میں عذاب ٹوٹا اور دس برس سے اوپر آمادگی ظاہر کرنے والے لڑکے کو بھی جیل کی ہوا کھانی پڑتی۔ ہمارے اپنے سماج میں کم عمر ساتھی کو عموماً ایسا سمجھا جاتا ہے جیسے وہ شکار کیا گیا ہو اور ''بال بال بچا ہو'' اگر چہ ایسا بھی ہوا ہے کہ چند لڑکوں نے فی الواقع ایسے تعلقات کا خیر مقدم کیا ہو یا پھر ان کی خواہش کی ہو۔ بالعموم اسپین میں ہم جنس پرستی کی کاروائی میں شریک لوگوں میں سے چند ایک ہی کو معصوم سمجھا جاتا تھا۔ ان کی عمر چاہنے جتنی ہو۔ ولیم مونٹر نے اسے بھی طے کر دیا ہے کہ ''اغلام بازی میں ماخوذ تقریباً آدھے سے زیادہ ملزمان جن کا مسیحی عدالتوں میں مقدمہ چلایا گیا وہ بلوغت کی قانونی عمر سے کم تھے۔ انتہائی سزا جو موت کی تھی تاہم وہ بالغ مردوں کے لئے مخصوص تھی جو قانونی طور پر معین عمر کے ہوتے۔ ساراگوزا میں یہ حد سترہ برس کی تھی۔ مگر سات نوعمر اغلام بازی کے الزام کے تحت جلا ڈالے گئے (دونوں قسم کے) جو آراگون کی سلطنت میں ۱۵۸۷ء میں ہوا اور دو اور سترہ سالہ اگلے سال جلائے گئے۔ ایک سترہ سال سے کم عمر لڑکا بنام فورسکو جسے حال ہی میں مسلمہ کلیسائی عقاید سے انحراف کے الزام میں آراگون میں عوامی عدالت میں سزا ہو چکی تھی فوراً ہی بعد اسے مسیحی عدالت کی حوالات میں گانڑ مارتے ہوئے پکڑ لیا گیا جس پر اسے تو جہازوں پر کھینے کے لئے بھیج دیا گیا لیکن اس کے غلام ساتھی کو جلا کر ہلاک کر ڈالا گیا۔

چند منصفین کے خیال میں لونڈے بازی کو ختم کرنے کا بس ایک ہی راستہ ہے کہ لڑکوں کو جلا ڈالا جائے۔ ڈیگو ڈی سمانکاز جو میڈرڈ میں سپریما کا کاونسلر تھا ۱۵۰۰ء کے آخری دنوں میں اس نے یہ خیال ظاہر کیا ''انہوں نے مجھے روم میں بتایا کہ یہ ناممکن ہے کہ اٹلی میں اسے روکا جائے یا اس قابل نفرت گناہ پر سزا دی جاسکے۔ میں نے جس پر یہ جواب دیا کہ مجھے تو ایسا نہیں لگتا۔ بلکہ اس کے بجائے یہ رک جائے گا اگر یہ حکم جاری کر دیا

جائے اور عمل بھی ہو کہ کوئی بھی مجرم ہو اسے جلا کر مار ڈالا جائے گا اگر اس نے اس معاملے کی ایک دن کے اندر اندر سرکار کو اطلاع نہ دی کہ اس سے بدفعلی کی گئی ہے۔ اور پھر اس کے بعد لڑکوں کو معلوم ہوگا اور وہ خوف کے اندر جاگزیں ہو جائے گا جسے وہ آج بہ مشکل سمجھتے ہیں۔''

والینٹیا میں نظری طور پر سن بلوغت کی حد پچیس برس ہوتی تھی۔ لیکن اس سے اکثر نظر انداز کر دیا جاتا۔ دو بائیس سالہ مراقشی باشندوں کو ۱۵۸۸ء میں جن کا نام گسپر اری مین اور پیڈرو والا چے تھا جلا کر مار ڈالا گیا۔ جب کہ کم عمر سزائے موت سے بچ جائے تو بھی انہیں نہایت سخت قید کی سزائیں ملتیں۔ ۱۶۲۵ء میں ایک فیتہ ساز کاریگر جو پندرہ برس کا تھا اسے ۲۰۰ کوڑوں کی سزا سنائی گئی اور چار سال تک جہازوں کو کھینے کی سزا کے علاوہ اسے یہ دیکھنے پر بھی مجبور کیا گیا کہ اس کا عاشق اس کے سامنے ہی جلایا جائے۔ جب دو سال بعد ایک نوجوان آوارہ گرد فرانسیسی لڑکا جون بیلٹر آن عمر سولہ سال کو والنیٹیا میں سزا دی گئی کہ چھ برس تک کشتی میں چپو رانی کرے تو سپریما نے پہلے ہی سے اس سخت سزا کو بڑھا کر دس سال کر دیا۔ وہ بھی ایسی سزا جسے صرف نہایت جفاکش جھیل کر بچ سکتے تھے۔ اس ریکارڈ کو دیکھ کر ہم سمجھ سکتے ہیں کہ جب نیپلز کا ایک نوجوان سپاہی جس نے ۱۶۴۰ء میں والنیٹیا کی شہری جیل سے فرار ہونے کی کوشش کی اور جب دیگر اطالوی سپاہیوں نے اس پر مرد طوائف ہونے کا الزام لگایا۔ تو وہ دہشت زدہ رہ گیا'' کیونکہ وہ میڈرڈ میں کسی شخص کو اغلام بازی کے الزام میں جلتے ہوئے دیکھ چکا تھا۔''

مسیحی عدالتوں نے میڈرڈ میں یا سیول میں کسی کو گھناؤنے گناہ کے لئے نہیں جلایا تھا بلکہ اس لئے کیونکہ ان شہروں میں دیوانی عدل متحرک تھا۔ بالخصوص سیول میں، اس کے باوجود کہ اس کے کئی مذہبی گھرانے اور بظاہر متقی ہونے کے، یہ شہر ۱۵۰۰۰۰، قانون شکن باسیوں سے بھرا ہوا تھا جس میں متعدد ممالک کے لوگ رہتے تھے۔ یہ مہم جو لوگوں کا مرکز تھا جو نئی نو آبادیوں پر قبضہ کرنے جا رہے تھے یا پھر وہاں سے لوٹ رہے تھے۔ تشدد عام بات تھی، قید خانے ابل رہے تھے اور پھانسی اس تواتر سے دی جاتی کہ پادریوں کے لئے زندگی بھر کے لئے روزگار کا بندوبست ہو گیا جو سزا یافتگان کی وجہ سے ہوا تھا۔ ان ہی میں

سے ایک پیڈرو ڈی لیوٓن تھا جس نے شاہی جیل میں جو سیول کے مقام پر تھا اڑتیس سال تک خدمات انجام دی تھیں۔ یعنی ۱۵۷۸ء سے ۱۶۱۶ء تک اس کی یادداشتوں (۱۶۱۹ء) میں ہمیں نادر روزگار تفصیلات ملتی ہیں جو شہر کے اغلام بازوں کے متعلق ہیں۔ دونوں صورت میں یعنی انفرادی طور پر اور بطور مخفی برادری کے۔

اس کا تخمینہ لگایا گیا ہے کہ جلائے جانے والے مردوں کی تعداد جو اغلام بازی کے الزام میں سیول میں اس زمانے میں ''بہ آسانی سو ہوتی ہے'' پاڈرے لیوٓن نے ان میں سے چون سے بڑی بے تکلف گفتگو کی جب وہ وہاں پادری کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ اور اس نے وہ تمام کہانیاں لکھ ڈالیں اور اسے ''مجرمین کے ضمیمے'' کہا۔ جب کہ وہ اس کے تمام مقدمات کا چھٹا حصہ ہے۔ چند چھوٹے ذرایع کا اور وجود ملتا ہے جو اس زمانے کی خانہ پری کرتے ہیں جب ڈون پیڈروٓ سیول سے دور گیا ہوا تھا۔ ایک گمنام مخطوطہ جس کا عنوان (روزنامہ ہے) اور ایک کتاب ہے جو سیول کے قابل ذکر واقعات بیان کرتی ہے جسے فرانسکو آرینوٓ نے لکھا ہے۔

مسیحی عدالتوں کی عدالتی کارروایوں کی دستاویزات کے برعکس پاڈرے لیوٓن کی اپنے Pecadores (گناہ گاروں) سے بات چیت ظاہر کرتی ہے جو سماجی ماحول ہے جس میں وہ جی رہے ہیں۔ حالانکہ اس کے روحانی فرائض یہ تھے کہ وہ سزا یافتگان کو ایسا مسیحی بنائے جو توبہ کر چکیں تب مریں لیکن کبھی کبھی وہ بطور شفیع اور کبھی محافظ کے پیش آتا۔ ایک قابل ذکر واقعہ یوں ہوا جب ۱۵۸۵ء میں ایک فساد انگیز بات پھوٹ پڑی جس میں ایک گروہ جس کا نام ڈون پیڈرو تھا جسے ''چھوٹا دستہ'' کہا جاتا تھا ملوث تھا۔ ان کا ایک رکن ہیجڑا تھا اور دیگر صنف کی پوشاک میں ملبوس رہتا اور اس کا نام فرانسکو گالینڈوٓ تھا جو اس کی مذمت کرتا کہ ''متعدد نوجوان جو اچھے خاندان میں سیول اور دوسرے مقامات پر پیدا ہوئے ہیں اور چند مذہبی بھی'' بالآخر آٹھ افراد جلا کر مار ڈالے گئے۔ اور بھی بہت سوں کا یہی حشر ہوتا اگر ڈون لیوٓن مداخلت نہ کرتا۔ اس نے ملوث اہل کلیسا کے ارکان کے لئے کلیسا سے منسوب اعلیٰ عہدیداروں سے رابطہ کیا اور بجائے دیوانی عدل کو بھگتنے کے اور گالینڈوٓ کو ترغیب دینے کے کہ وہ اپنے لگائے ہوئے الزامات چند دیگر کے خلاف منسوخ کردے

''بہت سوں کو آگ سے بچالے'' ان ہی میں متعدد ''سیول کے اعلیٰ شرفا شامل تھے۔''

ان ''روزنامچوں'' سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ دیگر گروہ اتنے خوش نصیب نہ تھے۔ پہلے ۱۵۸۸ء میں اور پھر ۱۶۰۰ء میں مردوں کی ایک معقول تعداد —— سالانہ پندرہ —— آگ میں ڈالے گئے۔ یہی قرینہ تھا جس سے لگتا ہے کہ ہم جنس پرستی کا ذیلی تمدن نشاۃ ثانیہ کے شہروں میں وجود رکھتا تھا اور نہایت ہولناک اور خطرناک حالات میں بھی۔ لیوؔن نے لکھا کہ ''یہ داغ تو نہایت اہم افراد پر بھی لگتا ہے۔'' جن میں کلیسا کے بلند مرتبہ پادری بھی ہیں۔ یہ نام اس نے گرجا میں ہونے والے اعترافات کے علاوہ بھی سنے تھے۔ ''بہت سی چیزیں دیوانی اہل کلیسا سے منسوب تھیں اور کچھ مستقل پادریوں کے متعلق جن کا تعلق شایستہ خاندانوں سے تھا۔ وہ خود بھی بہت معزز اور عالم ہوتے اور مشہور مبلغین ہوتے جو خلاف معمول چند نوجوانوں کو جن کے خدوخال خوبصورت ہوتے انہیں نفیس کپڑے دیتے۔ اور ان کی اس طرح خاطر مدارت کی جاتی جیسے بادشاہوں کی پلنکوں اور عشایوں میں مگر اپنے تہہ خانوں میں کرتے۔

لیکن آراگون میں مسیحی عدالتوں کے شعار کے برعکس چند ہی پادریوں کو سیول کی دیوانی عدالتوں نے سزا دی۔ ان میں سے ایک استثنیٰ پاسکوال جیؔم کی ہے جو الکالا کے ڈیوک کے ہاں پادری تھا۔ جیؔم نے خود کو سارے شہر میں اپنے عمدہ لباس کی وجہ سے نمایاں بنالیا تھا۔ تشدد پر اس نے اعتراف کیا کہ آٹھ برس کے سن سے ہم جنس پرستی کی سرگرمیوں میں لگا ہوا ہے۔ اس وقت وہ چھپن برس کا تھا۔ اسے ''اتنا جنوں اور میلان تھا کہ اس قسم کے نوجوان سے راہ رسم رکھے کہ جب اس کی کسی خوش شکل سے ملاقات ہوتی چاہئے اس کے چیتھڑے جھول رہے ہوں پھر بھی وہ اسے گھر لوا لے جاتا، نہلاتا دھلاتا اور نہیں اپنے خرچ پر اچھے اچھے کپڑے پہناتا۔ چونکہ پادری جیؔم خود ایک معروف بامنزلت شخص تھا۔ اس لئے اس پر چلنے والے مقدمے نے پورے سیول میں بڑی سنسنی پھیلا دی۔ اسے اسقف کے محل کے پھاٹک پر بنائے ہوئے چبوترے پر کھڑا کر کے رسمی طور پر تحقیر کی گئی۔ اور دیوانی ہاتھوں میں ''آرام کرنے'' کے لئے اور چند دنوں کے بعد ایک نوجوان ساتھی کے ہمراہ جلا ڈالا گیا وہ اس وقت ''لڑکوں کی طرح چیخ رہا تھا۔''

سیول میں تشدد کا کثرت سے استعمال ہوتا لیکن خاص طور سے اغلام بازی کے معاملات میں۔ہمیں بتایا جاتا ہے کہ صاحبان اختیار نے ''ذرایع تشدد پر کوئی حد بندی نہیں لگائی تھی جس میں شکنجے میں کسنے والی اذیت، کوڑے زنی اور آگ وغیرہ۔ چند معاملات میں اسے صحیح معنوں میں شہادت کا درجہ دیا جاتا کیونکہ وہ پاؤں کو کس کر لوہے سے اس طرح باندھتے کہ وہ گوشت میں پیوست ہوجائے جس سے یہ بھی ہوتا کہ آدمی کا ایک ہاتھ کاٹنا پڑتا۔۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا کہ تشدد سے جو تکلیف پہنچتی ہے وہ آگ میں جلانے سے کہیں زیادہ ہوتی۔ اور بہت سے بالکل معصوم لوگ خود پر ہونے والے تشدد کی دہشت سے ہراس بات کا اعتراف کر لیتے جن کا انہیں موردالزام ٹھہرایا جاتا۔''

لیونؔ جیسے سزا یافتہ افراد سے تنہائی میں بات چیت کا چونکہ موقع ملتا۔ وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ ان میں سے چند تو معصوم تھے۔ وہ بطور خاص دو کسان خچر ہانکنے والوں کے مقدمے سے بہت متاثر ہوا جو کسی کام سے شہر آئے تھے۔ ان میں سے ایک کو دست آنے لگے جس نے ایک عجیب وغریب دوا لی جس سے اس کی مقعد میں تکلیف ہونے لگی اور جب اس کے دوست نے اپنے سرائے میں آ کر اس کا معاینہ کرنا شروع کیا تو اس نے چلانا شروع کر دیا۔ ''بھائی آہستہ سے خدایا مجھے کتنی تکلیف ہو رہی ہے۔'' کسی ہوٹل کی خادمہ نے جب ایک مرد کی اٹھی ہوئی ٹانگیں دیکھیں تو اس نے مجسٹریٹ کو مطلع کر دیا، دونوں مردوں کو لونڈے بازی کے الزام میں جلا ڈالا گیا۔ اس سلسلے میں لیونؔ کی مساعی اور دیگر جسوٹس کی پیروی کرنے کے باوجود۔

لیونؔ نے جوان ڈوارٹےؔ کا ناخوشگوار مقدمہ بھی بیان کیا ہے۔ مینول لوپیزؔ، پیریز مانسلاؔ اور اینٹن مورالیزؔ سب کے سب، جن کے لئے وہ قایل تھا کہ وہ لوگ ۱۶۱۰ء میں فریب سے ملوث کئے گئے تھے۔ ان پر تشدد ہوا اور اس جرم کا انہیں اعتراف کرنا پڑا جس کا انہوں نے ارتکاب ہی نہیں کیا تھا۔ انہیں فوراً سزائے موت دے دی گئی۔ اور بلا کسی تاخیر کے یہ طے کر لیا گیا کہ ان چاروں کو آگ میں جلنا ہوگا۔ پورے راستہ بھر یعنی قید خانے سے ارتھی کے میدان تک انہوں نے بارہا احتجاج کیا کہ وہ معصوم ہیں۔

اگرچہ دیوانی اہل اختیار نے ایسے رسمی تماشے نہ کئے جیسی پرشکوہ ارتھی کی تقاریب مسیحی

عدالتوں نے کیں۔ سیول کی سڑکوں پر لوگوں کا جلوس جو ارتھی کے مقام کی طرف رواں دواں تھا ایک موثر منسک تھا۔ بے رحمی میں اس وقت تمسخر نے ایک معاملے میں کٹے پر نمک کا کام کیا جب ایک سیاہ فام بنام مایوکا جس کے سر پر ایک ڈھیلی ڈھالی خوبصورت وگ اوڑھا دی گئی جس سے ایک جھلملاتی جھوٹی جھالر ٹنگی ہوئی تھی اور وہ چلتا ہوا آگ میں داخل ہوا جب کہ دو حسین لڑکے اس کے دونوں جانب چل رہے تھے جن کے چہرے روغندار تھے اور بال گھونگریالے۔ اگر ہم لیون کا حق ادا کریں جو اس نے ارتھی کے میدان میں وعظ دیے تھے جن میں کبھی کبھار ہزاروں افراد شریک ہوئے۔ یسوعی فرقہ اپنی تبلیغ کے موثر ہونے کی خوشی میں پھولے نہ سماتا جب اس نے مایوکا کی ارتھی جلتی دیکھی۔ اگرچہ اس کی کبھی کبھار کی کوشش تاکہ درشت اور خطرناک ڈھلان والے عدل کو معتدل بنادیا جائے۔ لیون بھی اس بات کا قائل تھا کہ جلایا جانا ضروری ہے۔ اس نے ان لوگوں کو بتایا جو مرنے والے تھے کہ ''انہیں بغیر راکھ اور خاک بنائے ان کی اصلاح ممکن نہیں ہے یا پھر خدا کا کوئی معجزہ ہو جائے۔''

فلپ دوم نے ۱۵۶۱ء میں اسپین کا دارالحکومت میڈرڈ منتقل کردیا۔ اگرچہ ادبی شہادتیں کہ اغلام بازوں سے کیسے سلوک کیا جاتا تھا شہر میں موجود ہیں لیکن انہیں یکجا کر کے ابھی تک ان کا تجزیہ نہیں کیا جاسکا ہے۔ رافائیل کراسکو نے تاہم اتنا کرلیا ہے کہ ''چھوٹا سا تخمینہ'' لگالے۔ میڈرڈ میں ہونے والی ۱۰۰ سے ۱۵۰، اموات جو ان ۶۵ برسوں میں ہوئیں تھیں۔ دسمبر ۱۶۳۲ء میں پانچ جوانوں کو اغلام بازی کے الزام میں جلا ڈالا گیا۔ چند تفصیلات نہایت کھری ہیں۔ ایک دوٹوک خبر جو مارچ ۱۶۲۵ء کی ہے۔ ایک ذاتی خدمتگار لڑکا جس پر یہ الزام لگا کہ اس کے تعلقات ڈون ڈیگو گیٹان ڈی ورگاس سے ہیں جو کوالٹس خاندان کا فرد ہے اور سلامانکا کا رہنے والا ہے۔ اس نے اس الزام کی تردید بڑی بلند آواز میں کی اور وہ بھی سرراہ ''جب وہ اسے جلانے کے لئے لے جارہے تھے۔'' گمنام نامہ نگار یہ اضافہ کرتا ہے ''پورے دارالحکومت میں لوگ ترس کھا رہے تھے۔'' شاید اس واقعے کے دردناک اثرات نے ایسا اثر ڈالا جس سے میڈرڈ کی سپریما نے لوگوں کو چند سال بعد عوامی ارتھیوں میں جلانا ختم کردیا۔

پرتگال کی مسیحی عدالتیں:

آیبرین جزیرہ نما کے تمام خطے ایسے مردوں کے لئے اتنے تند خو نہ تھے جو دیگر مردوں کو شریک حیات بنانا چاہیں۔ صدیوں کی خودمختاری کے بعد پرتگال ۱۵۸۰ء میں اسپین کے قبضے میں آ گیا اور اس کے پنجے میں رہا یہاں تک کہ ۱۶۴۰ء میں اس نے بغاوت کر دی۔ اس تمام عرصے میں مقامی پرتگالی مسیحی عدالتوں نے استبداد کا وہی قرینہ اختیار کئے رکھا جو اسپین میں ہو رہا تھا۔ مگر اموات کی تعداد نسبتاً کم تھیں۔ یہ حقیقت اور ہم جنس پرستی کا ذیلی تمدن لزبن میں اپنا مظہر رکھتا تھا۔ جس سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ مقامی لوگوں کے پرتگالی طور طریق نشاہ ثانیہ والے اسپین کے مردانہ عشق کے مقابلے میں کہیں کم خونخوار تھے۔ لزبن کسی حد تک ہم عصر فلورنس کا ہم پلہ تھا۔

کاغذات پر پرتگالی قوانین اتنے ہی وحشیانہ تھے جیسے اسپین والے۔ افونساین آرڈیننس جس کی اشاعت ۱۴۴۶ء میں ہوئی تھی جو افانسو پنجم کا عہد حکومت تھا۔ اس نے لونڈے بازی کی سزا جلا کر موت رکھی تھی۔ ''تمام جرایم میں سب سے بد، غلیظ اور بدبودار۔'' جس پر ''خدا نے روئے ارض پر طوفان بھیج دیا۔'' مینی لیناز جومینول۔ ا (۱۵۲۱ء) میں یہ اضافہ کیا گیا کہ ان اشیا کو ضبط کر لیا جائے جو سزا یافتگان کے وارثان کے لئے باعث رسوائی ہوں۔ فلپ۔ دوم اتنا ہی سرگرم تھا جتنا کہ شاہ پرتگال اور جیسا کہ وہ اسپین اور اٹلی میں کر رہا تھا اس نے نئے قوانین سازی کے واسطے ایک ادارہ بنایا تاہم یہ قوانین ۱۶۰۶ء تک شایع نہ کئے جا سکے اس کی موت کے سات برس بعد تک۔ فلی پیناز اس وقت تک موثر رہے جب تک یورپی انقلاب نے انیسویں صدی میں ایک نئے ضابطہ حیات کی نوید نہ دے دی۔ باب۔ ۱۳ یہ کہتا ہے ''کوئی بھی شخص چاہے کسی مرتبے کا ہو یا کسی عہدے پر فائز ہو اور وہ کسی بھی طریقے سے لونڈے بازی کے گناہ کا مرتکب ہو تو اسے جلا ڈالا جائے گا اور آگ سے خاک بنا دی جائے گی تاکہ اس کا جسد اور تدفین کا نام ونشان نہ ملے، اور اس کی تمام اشیا کو بادشاہت کا تاجور ضبط کر لے اگر اس کے ورثا موجود ہوں تو اس صورت میں اس کی اولاد اور پوتے بھی نااہل اور بدنام ہو جائیں گے کہ یہ ان کے بچے

ہیں جنہوں نے کبیر جرم کیا تھا۔''

دیگر آرڈیننس کے برعکس اس قانون سے عورتوں کو مستثنیٰ نہیں رکھا گیا جیسا کہ قانون میں بیان ہوا ہے'' کچھ تو گناہ کا ارتکاب کرتی ہیں دوسری سے فطرت کے خلاف اور اسی طرح جیسا کہ مردوں سے کیا جاتا ہے۔'' جب وہ آپس میں مشت زنی کریں تو انہیں جہازوں میں چپو چلانے کی سزا دی جائے۔ جو بھی شخص کسی اغلام باز کو جانتا ہو اور اسے نہ ظاہر کرے تو وہ اپنی تمام اشیا سے محروم کردیا جائے گا اور اسے دایمی دیس نکالا ملے گا۔ جب کہ دوسری جانب اگر کوئی شخص اغلام بازی کی بالا علان مذمت کرے گا تو اس کا حق ہوگا او راگر جرم ثابت بھی ہوجائے تو اسے مجرم کی آدھی اشیا مل جائیں گی۔ اگر وہ قلاش ہوا تو تاجور الزام لگانے والے کو ۱۰۰، کروز اڈوز انعام دے گا۔ ان دیوانی قوانین کے تحت چلنے والے مقدمات کی کوئی تفصیلی دستاویزات نہیں ملتیں۔ کہا یہ جاتا ہے کہ انہیں ضایع کردیا گیا جیسا کہ فرانس اور اسکاٹ لینڈ میں ہوا تھا۔

ہٹ دھرمی کے نتائج کی تاہم ہمیں کماحقہ دستاویزات ملتی ہیں۔ پرتگالی مسیحی عدالتیں ۱۵۳۶ء میں جونؔ۔سوم نے قائم کی تھیں جو'' تنگ نظر اور محدود ذہانت والا سر پھرا شخص تھا۔'' جون ان مسیحیوں کو جو یہودیت ترک کرچکے تھے ان کی دارد گیر میں اسپینی اداروں کی نقالی کرنا چاہتا تھا۔ جنہوں نے اس کے بعد بہت تکالیف جھیلیں۔ جونؔ یہ بھی چاہتا تھا کہ مسیحی عدالتوں کو اغلام بازوں کے خلاف بھی استعمال کرے۔ جو پرتگال میں سومی ٹیگاس کہلاتے ہیں۔ سولہ افراد کو ۱۵۴۷ء میں جو شاہی محل کے ملازم تھے اور اشرافیہ کے گھرانوں کے چشم و چراغ تھے انہیں مسیحی عدالت نے دیس نکالا دے دیا۔ جونؔ کا بھائی ہینریؔ جو ایک گرجا کا سربراہ تھا اور مسیحی عدالتوں کا ناظم اعلیٰ بھی تھا اور اس عہدے پر اس وقت بھی قابض رہا جب وہ بادشاہ بنا۔ اس نے پوپ پایس۔ چہارم سے ۱۵۶۲ء میں ہم جنس پرستوں کے خلاف کارروائی کرنے کا رسمی اختیار حاصل کرلیا اور کوئی بارہ برس کے بعد اس کی دوبارہ توثیق گریگوری۔ ہشتم سے بھی حاصل کرلی۔ اس کے باوجود کہ تعزیری اقدام کرنے کے لئے بہت جوش وخروش پایا جاتا تھا، سولہویں صدی میں لونڈے بازوں کی گرفتاریوں سے صرف تین افراد کو نذر آتش کیا جاسکا۔ پہلا واقعہ ۱۵۶۹ء میں ہوا پہلا شکار ڈان گاسپر لوپینزؔ مخلوط

النسل پادری تھا جس پر یہ بھی الزام تھا کہ وہ تبدیلی مذہب کے باوجود یہودیت پر قائم تھا۔

مقابلتاً یہ رواداری ایسا نہیں لگتا کہ اس لئے تھی کیونکہ سزا پانے کے لئے بہت کم ملزم دستیاب تھے۔ اسپین کی طرح پرتگالی مسیحی عدالتوں نے نام نہاد فتوے جاری کئے جنہیں گرجاؤں میں پڑھایا گیا اور اہل ایمان کو حکم دیا گیا کہ وہ ان بدعتیوں اور لونڈے بازوں کی مذمت کریں جنہیں وہ جانتے ہوں یا ان کے ہمسائے ہوں اور شناسا ہوں۔ ایک رعایتی مدت کا بھی اعلان کیا گیا کہ جس میں لوگ رضا کارانہ طور پر اعتراف جرم کرلیں جس کے عوض انہیں ہلکی سزائیں دی جائیں گی۔ یہ اعلانات باثمر ثابت ہوئے۔ برازیلی ماہر بشریات لویز موٹ نے ایسی ۴۴۱۹ ملامتیں دریافت کی ہیں جن کا گھناؤنی رپورٹوں میں اندراج تھا جو لزبن میں واقع آثار قدیمہ کے محکمہ ٹورڈوٹومبو میں محفوظ ہیں اور جن کا زمانہ ۱۵۷۸ء سے ۱۷۹۴ء کا ہے۔ اس گنتی میں لزبن صرف فلورنس کا حریف ہے۔ مسیحی عدالتوں میں قایم ہونے والے ۴۷۹ مقدمات کی نہایت محتاط اور تفصیلات سے مالا مال ہم جنس پرستی والی زندگی کے ماجرے ملتے ہیں جو پرتگالی دارلحکومت کے ہیں۔

یہ تصویر جو کچھ ظاہر کرتی ہے وہ ایک وسیع، واضح اور کبھی کبھی شاداں وفرحاں تمدن کی مظہر ہے اور اس میں اسپینی شہروں میں پائی جانے والی عوامی خصوصیت بھی نہیں جھلکتی۔ بہت سے مرد —— جن میں حیران کن حد تک اہل کلیسا —— جنہیں زیادہ تر شہری اچھی طرح جانتے تھے۔ کچھ تو کھلم کھلا زنانہ انداز واندام رکھنے والے مرد تھے جن کی آوازیں اور اطوار بھی ایسے تھے۔ وہ زنانہ زیورات پہنتے اور زنانہ نام بھی رکھتے (مثلاً ماریکا، پاولا، وغیرہ وغیرہ) لیکن بے تکلفوں کے دایرے میں۔ ایک ''بلند آہنگ گویّا جو نہایت حسین تھا'' وہ دو مسیحی عدالتوں کے منصفین کا خدمتگار بھی تھا۔ دنیا جہاں کے باسیوں کا مرکز جس کے سبب لزبن کئی نسلوں کا مرجع تھا اس نے جنسی معاملے میں بھی تنوع کو فروغ دیا۔ اہل پرتگال کا لاتعداد قسم کے لوگوں سے رابطہ جن میں افریقہ، ایشیا اور امریکہ کے افراد ہوتے جہاں پر ہم جنس پرستی اور دگر جنس پوشا کی کو بسا اوقات سماجی طور پر قبولیت مل جاتی اور محترم رویہ سمجھا جاتا، سلطنت کے اندر بہت بڑی تعداد میں غلاموں اور غیر ملکیوں کی موجودگی نے لزبن کو سولہویں اور سترہویں صدی میں نہ صرف اسے عظیم بابل بنادیا بلکہ پوپ کا شہر سدوم بھی۔

وہ ''گے'' جنہیں مقدس دفتر نے گرفتار کیا۔۔۔ ان میں ۱۵ فیصد مسلمانوں، ہندوستانیوں، امریکی انڈیز والوں کی اور مخلوط النسل لوگوں کی تعدا دتھی۔ ایک غلام جو داھومی کا رہنے والا تھا زنانہ لباس زیب تن کرتا اور لزبن کی بندرگاہ کی گودیوں سے متصل شورہ پشت ضلع میں طوائفوں کی ہمسری کرتا۔ پرتگیزی برازیل میں اگر کوئی حبشی مردوں کی مانند ملبوس ہونے سے انکار کردیتا تو درحقیقت وہ جمباندا کی روایات کی پابندی کرتا۔ ایک جادوگروں کا گروہ جو دگرجنس کی پوشاک کے دلدادہ ہوتے اوران کا تعلق انگولا اور کانگو سے ہوتا۔

لزبن کے مخصوص گھر اس لئے مشہور تھے کہ جہاں قیام کیا جاسکتا تھا اور ایسے عشاق قیام کرسکتے تھے جنہیں تخلیے کی ضرورت ہوتی۔ یہاں تک کہ کم متبرک مقامات کے ملحق علاقے بھی مصرف میں لے آئے جاتے۔ مقدس دفتر کے آثار قدیمہ سے ہمیں معلوم ہوا کہ پیٹری آرکل کیتھڈرل کے اہلکار بھی جوڑا کھاتے 'کلیسا کے حجرہ میں' کمرہ اعترافات میں' قربان گاہ کے عقب میں' گھنٹی کے مینار کے نیچے' سامان آرایش کے رکھنے والی الماریوں کے اندر، گوشہ نشین راہبوں کے کمرے میں' قبرستان میں' ارغنون کی کلیدوں کے پیچھے اور منبروں کے اندر۔'' خصوصاً جب کیتھڈرل کے دو پادری جن میں ایک رکن حلقہ اور دوسرا نوادرات کا محافظ' یہ سب بھی اس برادری کے ارکان تھے۔ چند پادری تو قرم ساق ہوگئے تھے اور انہوں نے اپنے گھروں کو جگمگاتا قحبہ خانہ بنا ڈالا تھا۔ ایک چھیاسٹھ سالہ فادر سانٹورڈی المیڈا جو شاہی چیپلن تھا اس پر الزام عاید کیا گیا کہ ''اس نے مذہبی اختلاف رکھنے والوں کے جلسے میں شرکت کی اور صدارت کی۔'' ہم جنس پرستوں کی سماجی زندگیوں کا ایک رہنما فادر گری گوریو مارٹنس فیریرا جو اوپورٹو کیتھڈرل کا ڈین تھا۔ وہ اغلام بازی کا مداح تھا اور گٹار کی سنگت پر ایسے گیت گایا کرتا جن میں اپنے ساتھیوں پر طنز کیا جاتا۔ لزبن میں تو یہاں تک ہوا کہ وہاں ایک 'گے' کا ادارہ بھی برملا کام کرتا تھا۔ رقاصوں کی ایک ٹولی تھی جس کا نام ڈانسا ڈوس فانچونوز تھا۔ جسے سینتیس سالہ مخلوط النسل شخص انٹونیورو ڈرگز نے قایم کیا تھا۔ یہ لوگ خود کو 'دایرہ اختیار'' کہہ کر مخاطب ہوتے۔ مردوں کی ایسی باہمی تنظیم جن کا طرز بودوباش ممتاز اوران میں باہمی اتحاد کا گہرا احساس پایا جاتا تھا۔

ایسے شوخ رنگ افراد کا موازنہ ان پروانوں سے کیا جاتا جو آسمان تلے الاؤ کے

شعلوں پر منڈلاتے رہتے ہوں۔ ان میں سے کچھ واقعتاً جلا بھی دیے گئے۔ رقاصوں میں سے دو کو دردناک موت نصیب ہوئیں اور ۱۶۲۱ء میں ٹکٹکی پر باندھ دیے گئے۔ پرتگال میں دستور تھا کہ پہلے گلا نہ گھونٹتے بلکہ زندہ جلاتے۔ فادر سانٹوز اسی طرح چوبیس برس بعد فنا ہوا۔ کلھم اجمعین کوئی تیئیس افراد کو پرتگال کی مسیحی عدالتوں نے اغلام بازی کے الزام میں جلا کر مار ڈالا۔ ان میں سے زیادہ تر کو سترہویں صدی کے پہلے نصف میں جن دنوں ملک اسپینی تسلط میں تھا۔ شکار ہونے والوں میں اشرافیہ کے چار، سات پادری، سات اساتذہ، بہت سے طلباء اور موسیقار، چار غلام، تین خدمتگار، تین دستکار اور ایک بھیک منگا۔ ان میں سے پانچ مخلوط النسل سانولے مرد، دو سیاہ فام اور ایک ترک مسلم۔ کوئی بھی عورت چپٹی بازی کے الزام میں پھانسی نہ پائی اگرچہ برازیل میں متعدد گرفتار کی گئیں۔ سن ۱۶۴۷ء کے بعد مسیحی عدالتوں نے یہ فیصلہ دیا کہ سیفو ویت کے افعال ان کی دایرہ اختیار میں نہیں آتے۔ ہماری اطلاع کے مطابق آخری لونڈے باز جسے مسیحی عدالتوں نے سزا دی وہ ۱۶۷۱ء میں ہوا۔ شکار ہونے ولا ایک پادری تھا۔ (لیکن آخری بدعتی جسے لزبن میں جلایا گیا وہ اس کے نوے برس بعد کا واقعہ ہے)۔ اٹھارہویں صدی میں سزایابیاں ڈرامائی انداز میں گر گئیں۔ صرف تیس مقدمات چلے بہ مقابلہ ۲۷۸، کے جو گذشتہ پوری صدی میں چلائے گئے تھے۔

آگ میں جلانے کے ان واقعات کے علاوہ لزبن کے اغلام بازی کے ذیلی تمدن کو مسلسل دیگر بے رحم سزاوں کا سامنا رہتا۔ ایک سو پینسٹھ مردوں کو کشتیوں میں چپورانی کرنے کے لئے بطور سزا بھیجا گیا کبھی کبھی تو دس برس کے لئے اور متعدد مرتبہ پوری عمر کے واسطے۔ جہاں کا نظم وضبط ظالمانہ ہوتا، خوراک خراب اور قلیل اور شرح اموات اونچی جس کی وجہ اگر جفاکشی نہ ہوتی تو جنگوں میں جہاوزں کا ڈوبنا ہوتا۔ چند لوگوں کو مسلم بحری قزاق پکڑ لیتے۔ اور یہ کوئی انہونی بات نہ ہوتی جب چپورانی کرنے والے غلام کا خاتمہ کسی مراقشی یا الجیریا کے شیخ کے حرم میں ہوتا۔ چند ایک کو تو یہ ترقی خوشگوار بھی معلوم ہوتی۔ سرعام درے لگنا ایک خصوصی بے توقیری سمجھی جاتی جس کا شکار سماج کے صرف نچلے طبقے کے لوگ ہوتے۔ یہ عام سی بات تھی مگر بہ مقابلہ اسپین کم تر وحشت والی۔ بہت سی سزائیں سرعام

عوامی عدالتوں میں پڑھ کر سنائی جاتیں اور تسلسل سے ملزم کے خاندان کی ملامت کی جاتی اوراس کی رسوائی دو تین پیڑھیوں تک چلتی۔ پرتگال کی نو آبادیوں جیسے انگولا یا برازیل بدری ایک عام بات تھی۔

تشدد کا استعمال کوئی ایک بٹاچھ مقدمات میں کیا جاتا وہ اتنا سخت ہوتا کہ طے شدہ قانونی جرمانوں سے ان افعال سے تجاوز کر جاتا جو ملزموں کے لئے درج تھے —— ایک معیاری طریقہ۔ آبی تشدد تھا جس میں ملزم کے منہ میں اتنا پانی انڈیلا جاتا کہ اسے لگتا کہ جیسے وہ ڈوب رہا ہو —— یہ عموماً اغلام بازی کے معاملات میں آزمایا جاتا۔ جو ترکیب سب سے زیادہ آزمائی جاتی وہ چرخی تھی ''جس میں بدنصیب کی کلائیاں اس کی پیٹھ پر کپڑے کی پٹیوں سے باندھ دی جاتیں۔ اسے پھر بہ آہستگی چھت کی جانب کمرہ تشدد میں ایک چرخی سے پہنچایا جاتا اور گرادیا جاتا۔ اس کا گرنا فرش سے ٹکرانے سے ذرا اوپر ختم ہو جاتا یہ ایک ایسا تکلیف دہ طریقہ تھا جس سے ملزم کے تمام جوڑ اکھڑ جاتے۔'' وہ شکنجہ جس کا کام ملزم کے بازوؤں اور لاتوں کے گرد پٹی باندھ کر بتدریج کسنا ہوتا۔ یہ حربہ ان پر آزمایا جاتا جنہیں بہت کمزور سمجھ کر رعایت دی جاتی کہ وہ چرخی نہ برداشت کر پائیں گے۔ ضعیف اور ناتواں عورتیں اور (عموما) بچے۔

مقدس دفتر کی طرف سے ایک سرجن تعینات کیا جاتا جو ہر وقت موجود رہتا، ''انسان نواز'' پادری ناپسند کرتے کہ خون ریزی ہو یا ان کے سامنے ہڈیاں توڑی جائیں۔ ان ایذا دہی کی تمام تفصیلات قلمبند کر لی گئی تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ منشیوں کو دربان اتنا معاوضہ ادا کرتے کہ جس سے تفصیلات بیان کرنے کی ہمت افزائی ہوتی مثلاً چیخیں منتیں اور دعائیں تک الف سے ے تک سب ہی محفوظ کر لی گئیں۔ انھتر لونڈے بازوں میں سے جو سب سے کم عمر تھا جس کی تفصیلات یوں بیان کی گئی ہے۔ ایک دس سالہ بنام براس نونز۔ ہم پڑھتے ہیں:

''جسے پٹیوں اور رسیوں سے باندھا گیا تھا لگاتار مقدس کنواری ماں کی دہائی دیے جاتا کہ مجھ پر رحم کرو، اسے باندھ کر اور کھینچ کر اوپر تختے پر چرخی کی بلندی تک لاکر چھوڑ دیا گیا۔'' لوز ڈی اویلر جو کسی اشرافیہ کے ہاں خدمت گار تھا وہ فتق کا مریض پایا گیا اس لئے

چرخی سے اس کی گلوخلاصی ہوگئی۔

اسے المباری پر بٹھا دیا گیا اور اس کے تمام کپڑے اتار دیے گئے اور اسے کہنیوں پر پٹیوں سے کس کر باندھ دیا گیا جس میں کلائیاں اور ٹخنے بھی باندھے گئے۔ چونکہ مجرم نے یہ دعویٰ کیا کہ اس کے پاس اعتراف کرنے کو کچھ نہیں ہے اس لئے مسیحی عدالت نے جلادوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے فرایض ادا کریں اور فوراً بعد مجرم کی بایں کہنی، کلائی اور ٹخنوں کو کس کا باندھ دیا گیا۔ یہی طریقہ داہنی طرف بھی اختیار کیا گیا اس دوران میں مجرم چیختے جارہا تھا اور مسیح کو پکارے جاتا کہ اسے نجات دلادیں۔ کنواری مرحبا مجھے بچاؤ اور اس طریقے سے اس سے اختراع کردہ سلوک کیا گیا۔

ایک معمر پادری نے بڑے دکھ کے ساتھ ساتھی پادری کو پکارا ''وہ کون تھے جنہیں میری طرح حکم دیا گیا تھا'' ان پر رحم نازل ہو۔اٹھارہویں صدی میں بتدریج ایسی بے رحمی کو بری نظروں سے دیکھا جانے لگا۔ پرتگالی مسیحی عدالتیں ۱۷۹۴ء تک موثر طریقے سے بے عمل بنادی گئیں اگرچہ مذکورہ ادارہ ۱۸۲۱ء تک منسوخ نہ کیا جاسکا۔

نئی دنیا میں اسپین:

سولہویں صدی کے اختتام تک اسپین کی سلطنت پانچ براعظموں میں ایک وسیع علاقے میں پھیلی ہوئی تھی۔ یہ ایسی صورتحال تھی جس سے اسپین میں ترتیب پانے والی ہم جنس پرستی کے متعلق پالیسیاں عالمگیر اہمیت اختیار کرگئیں۔ اسپین کی نو آبادیوں میں کہیں بھی ان کا اتنا اثر نہ ہوا جتنا کہ نئی دنیا کے علاقوں میں۔میکسیکو میں جزایر غرب الہند میں' وسطی اور جنوبی امریکہ میں۔ یہ بھی درست ہے کہ اغلام بازی پر مقامی لوگوں کے مبنی بر اغلام بازی رجحانات نے اسپینی اذہان پر ایک خاص قسم کی فسوں سازی کی۔ اسپین اور روم میں ایک پرجوش مباحثہ اس بات پر چھڑ گیا کہ آیا دو نئے براعظموں پر اسپینی فتحمندی کا کوئی قانونی، اخلاقی اور مذہبی جواز ہے۔اس لئے مقامی تمدن کے خلاف آدم خوری اور انسان کی قربانی کے الزامات عاید کئے گئے۔لیکن اغلام بازی ایک ایسا جرم تھا جو یورپین احساسات

کے واسطے چاہے اتنا ہولناک جرم نہ ہومگر اسے کہیں زیادہ توجہ یوں ملی کیونکہ اسے مقامی انڈین کی بدچلنی کی علامت سمجھا گیا۔ اہل اسپین۔ وہ صرف ایسی دنیا سے واقف تھے جس میں ہم جنس پرستی کے لتے لئے جاتے تھے، ڈراجاتا اور سب کچھ ہوتے ہوئے یہ سب کچھ عوام کے نظروں سے اوجھل رہتا—— اب ایسے تمدن سے آمنا سامنا تھا جہاں نہ صرف اسے برداشت کیا جاتا بلکہ کھلم کھلا قبول کیا جاتا اور وسطی اور جنوبی امریکہ کے چند علاقوں میں تو یہ بطور اداروں کے پھل پھول رہا تھا۔

ہرنان کورٹیز نے ۱۵۱۹ء میں جب میکسیکو پر نیا نیا تسلط قائم کرلیا تو اس نے چارلس۔ پنجم کو لکھا کہ ’’ہمیں معلوم ہوا ہے اور ہمیں آگاہ بھی کیا گیا ہے اور پورے وثوق سے کہ وہ (ویرا کروز کی رعایا) سب اغلام باز ہیں اور اس قابل نفرین گناہ میں رہتے ہیں۔‘‘ یہ خط ۱۵۲۲ء میں چھپا تھا اسے دور دور تک تقسیم کیا گیا۔ برنال ڈیاز ڈل کاسٹیلو کا ہم سفر تھا نے اپنی کتاب نئے اسپین کی فتح یابی کی سچی کہانی (True Hisrtory of the Conquest of New Spain) جو ۱۵۱۸ء میں شائع ہوئی اس میں لکھتا ہے کہ کورٹیز اور ایک فرایر جنھوں نے اس کے ہمراہ سفر کیا تواتر سے مقامی انڈین کو اس گناہ کی بدی پر خطاب کرتے رہے اور یہاں تک چلے گئے کہ ایک شاہی دربار کے موقع پر اس کے رواج کی اس وقت مذمت کی جب مونٹے زوما سے میکسیکو سٹی میں ملاقات ہوئی۔ ڈیاز بیان کرتا ہے ’’لڑکے لڑکیوں کے لباس میں ملبوس ہوتے اپنے بود و باش کے اخراجات اسی بے راہ روی سے پیدا کرتے ہیں۔‘‘ اور انڈین پروہت، سرداروں کے بیٹے جو بیویاں نہیں کرتے ’’بلکہ اغلام بازوں کا کج رو پیشہ اختیار کئے رہتے ہیں۔‘‘ لگتا ہے جیسے ڈیاز میکسیکو کے ازٹیک قبیلے کے لوگوں کے متعلق گفتگو نہیں کررہا بلکہ مایان اور ان قبایل کے متعلق کہہ رہا ہے جو خلیج میکسیکو کے جنوبی ساحل کے باسی تھے۔ یہ پہلے اصل مقامی باشندے تھے جن سے کورٹیز کے گروہ کا واسطہ پڑا تھا۔ ہم جنس پرست پروہت کا حوالہ خصوصی دلچسپی رکھتا ہے کیونکہ ڈیاز اپنے ملاقاتی مردوں کو دگر جنسی پوشاک کا دلدادہ عامل نہیں کہتا۔ بجائے اس کے یوں لگتا ہے جیسے ان کا تعلق اس روایت سے تھا جس میں عورتیں پادریوں کے لئے حرام تھیں۔ مگر ایک ہی جنس والوں کے مابین تعلق کو خاموش رضامندی حاصل تھی جیسا کہ بدھ

مت والے جاپان میں تھا۔

اہل اسپین کو نئی دنیا کے دیگر خطوں میں ہم جنس پرستی والا رویہ دیکھ کر سخت صدمہ پہنچا۔ فرنانڈیز ڈی اویڈو کی تصنیف National History of the Indies جس میں مقامی رسوم و روایت کا پہلا سرکاری بیان ملتا ہے ۱۵۲۶ء میں شایع ہوئی اور اس نے اسپینی خیالات سازی میں بڑا کردار ادا کیا۔ اویڈو نے ایک قسم کی ہم جنس پرستی کا ذکر کیا جو کیرب قبایل میں پائی جاتی تھی جو جنوبی امریکہ کے شمالی ساحل پر ملے تھے اور یہ بالخصوص دہلا دینے والا لگتا ہے۔

> بہت سے علاقوں میں اہل انڈین میں یہ قبیح گناہ ملنا عام بات ہے جو فطرت کے خلاف ہو۔ اہل انڈین کے جو سردار ہیں وہ سر عام ۔۔۔ اپنے ساتھ اغلام رکھتے ہیں جن کے ساتھ وہ مذموم گناہ کرتے ہیں اور وہ آمادہ نوجوان جیسے ہی گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں عورتوں والے ناگورس (سکرٹ) پہن لیتے ہیں۔ اور وہ مالائیں پہنتے ہیں اور دست بند پہنتے ہیں اور وہ تمام زیوارت جنہیں عموماً عورتیں بطور آرایش پہنتی ہیں۔ اور وہ نہ تو اسلحہ جات چلانے کی تربیت حاصل کرتے ہیں اور نہ ہی کوئی ایسا کام کرتے ہیں جو مردوں کے شایان شان ہو۔ لیکن وہ امور خانہ داری کے چھوٹے موٹے کاموں میں مشغول رہتے ہیں جیسے کہ جھاڑو بہارو، دھلائی اور دیگر چیزیں جو عورتوں سے روایتاً منسوب ہیں۔

درحقیقت اہل اسپین کو ایسی تمدنی روایت کا سامنا تھا، اہل یورپ جن سے بے خبر تھے۔ مگر یہ چیزیں بہت سے انڈین قبیلوں جو شمالی اور جنوبی امریکہ میں رہتے تھے عام بات تھیں۔ عوامی طور پر صنفوں کے کردار الٹ دیئے گئے تھے۔ اہل اسپین ایسے لوگوں کو بارڈا چیز (مفعول لونڈا کہتے) بعد ازاں فرانسیسی لوگ جو تفصیلی دوروں پر آئے تھے انہیں بارڈا چیز کہتے ۔ یہ ایک ایسا لفظ ہے جو قدرے بگڑ کر (بارڈاچیز) سے جدید علم البشریات میں شامل ہو چکا ہے۔

اویڈو میں مقامی لوگوں کا جو طرز بود و باش تھا اس کی ایک عمومی منفی تصویر بنا کر پیش کی گئی تاکہ ان پر اسپینی حکمرانی کا جواز پیدا ہو سکے یوں انڈین کی دولت اور ان کی زمینیں

غصب کی جا سکیں ۔ ایک اسپینی دانشور جوان گا ئنز ڈی سپلو یڈا نے ۱۵۴۷ء میں اویڈا کی پر مذمت اطلاعات کو اپنے مقالے (Treatise on the Rightful Causs of the War aganist the Indians) P-316 میں ذکر کیا جہاں ایک خطیب ایسے مختصر اسباب بیان کرتا ہے جو نئی دنیا کی فتح کی وجہ بنے۔

(یہ ہیں) وہ وجوہات جن پر تم ۔۔۔ کو جنگ کو حق بجانب ہونے کی بنیادیں ملیں گی کہ اہل اسپین نے ان بربروں سے کیوں جنگ جوئی کی۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ وہ بربر ہیں، غیر مہذب ہیں فطرتاً انسانی مرتبے سے کم ہیں اور کھیت غلام ہیں (یہ طرز استدلال ارسطو سے لیا گیا ہے جو اس نے غلامی کو اپنی کتاب 'سیاست' میں مدافعت کرتے ہوئے کہی تھی) ۔ دوسری وجہ ۔۔۔ قبیح مجامعت (اغلام بازی) کا خاتمہ اور حیران کن جرم آدم خوری ہے یہ ایسے جرایم ہیں جو فطرت سے ٹکراتے ہیں ۔۔۔ تیسری وجہ ان خطرناک وارداتوں سے بہت سے معصوم لوگوں کو بچانا جن کو اہل بربر ہر سال بے آبرو کرتے رہتے ہیں اور چوتھی وجہ مسیحی مذہب کی تبلیغ واشاعت ہے جب بھی اس کا موقع ملے۔

ان دلایل کا ان لوگوں پر بہت اثر ہوا جنہیں ان فتوحات کی مزاحمت کرنا تھی۔ ایک رپورٹ جو اُسقف ٹومس اورٹس نے انڈیز کونسل کے واسطے ۱۵۲۵ء میں تیار کی تھی اور اس میں یہ اصرار کیا تھا کہ اغلام بازی کے رحجانات جو کاربز میں پائے جاتے ہیں انہوں نے چارلس پنجم کو ترغیب دی کہ وہ حکم دے کہ ان انڈیز کو غلام بن جانا چاہئے اور ان بنیادوں پر کہ یہ سب غیر منطقی انواع ہیں اس لئے انسان سے کمتر ہیں۔

لیکن یہ موقف کہ انڈیز انسان نہیں تھے۔ اس بیان نے اہل کلیسا کو بے حد سراسیمہ کر دیا جو ان کے درمیان رہ چکے تھے۔ کیا وہ بے روح والے جانوروں کو بپتسمہ دیتے رہے ہیں۔ اہل دینیات اس دلیل پر لڑنے کے لئے کمر بستہ ہوگئے۔ پال ۔ سوم نے ۱۵۳۷ء میں دو پوپ والے فرمان جاری کئے جن میں اعلان کیا گیا کہ انڈیز فی الواقع منطقی ذی حیات ہیں اور پھر اسی سال معروف اسپینی عالم دین فرانسکو ڈی ویٹوریو نے اپنے خطبات میں اسپینی دعوؤں کو آڑے ہاتھوں لیا جب سلامانکہ یونیورسٹی میں تقریر کرتا (ویٹوریو، ہیوگو

گروٹیس سے سو برس پہلے موجود تھا جسے بین الاقوامی قوانین کا حقیقی بانی تسلیم کیا جاتا ہے) اس نے یہ استدلال کیا کہ ''شہنشاہ (چارلس پنجم) پوری دنیا کا حکمران نہیں ہے۔'' اس لئے انڈینز کو ان کی زمین اور املاک سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔ یوں ویٹوریا نے اس خیال پر براہ راست حملہ کیا کہ اغلام بازی کا رجحان مفتوح بنانے کا جواز نہیں بن سکتا۔ ''مسیحی شہزادے اس بنیاد پر بے دین لوگوں پر حملہ نہیں کر سکتے کہ وہ قدرت کے خلاف گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔۔۔ کہنے کا مطلب یہ تھا کہ اغلام بازی کے گناہ پر بجائے اس کے کہ سر راہ چودنے کا الزام عاید کیا جائے۔ ویٹوریا نے اپنے موقف کی حمایت میں ایک اور نکتہ اٹھایا اور تلخ و ترش مماثلت پیش کی جو عصری یورپی سیاست سے ماخوذ تھی۔ ''اگر یہ اصول تسلیم کر لیا جائے تو فرانسیسیوں کو کیا یہ حق مل جاتا ہے کہ وہ اطالیہ پر اس لئے حملہ کر دیں کیونکہ وہ فطرت کے خلاف ارتکاب جرم کرتے ہیں۔''

ویٹوریا کی تمام مساعی کے باوجود لونڈے بازی کا الزام اسپینی ہوس حکمرانی کے لئے ایک پسندیدہ جواز بنا رہا۔ اپنے مشہور مقدمہ میں جو اس نے انڈینز کی وکالت کرتے ہوئے چارلس پنجم کے سامنے ۱۵۴۲ء میں پیش کیا اس میں بارٹولومے ڈی لاس کاساز اپنے بوجھل ضمیر کے باوجود اس کی تردید نہ کر سکا۔ یہ ایک ایسا الزام تھا کہ جس کی ''انڈینز پر تبلیغ کو بھیجا جانے والا حواری اعظم'' بھی پوری طرح تردید نہ کر سکا۔ ''اہل اسپین نے'' انہیں ہزاروں گنا بدنام کیا اور ان پر اغلام بازی میں مبتلا ہونے کا الزام لگایا، لیکن یہ الزام تو سراسر جھوٹ اور بدکاری پر مبنی ہے۔ اگرچند مصنفین نے اغلام بازی کے رجحان کو دونوں امریکہ میں ہمہ گیر سمجھ کر تسلیم کر لیا تو یہاں لاس کاسز سے دوسرے ہاتھ پر مغالطہ بھی ہوا۔ حق یہ ہے کہ جیسا کہ اکثر ہوتا ہے سچ آلایش آمیز ہوتا ہے۔ چند مقامی تمدنوں نے فی الواقع ہم جنس پرستی کو مباح سمجھا اور دیگر نے ایسا نہ کیا۔ یہاں تک اس کی بالصراحت تردید کے باوجود لاس کاساز کو دباؤ کے تحت یہ تسلیم کرنا پڑا کہ ہم جنس پرستی مایانی سماج میں ایک ادارہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

یوں بھی درست ہے کہ وہ بعد میں ایک دلچسپ بیان میں مایان کے اس افسانوی معاملے میں ایک ہی جنس رکھنے والوں کے مابین ہونے والے عشق کے آغاز کا حال بیان

کرتا ہے۔ جو یونانیوں کی طرح مایانی بھی اپنے خداؤں سے منسوب کرتے ہیں جنہیں لاس کاسآز شیطینت پر محمول کرتا ہے۔

> یہ بات ہمیشہ سے ان میں (گواٹیمالہ میں ویرا پاز کی مآیا) ایک بہت برا اور قبیح گناہ سمجھا جاتا جب تک کوئی دیو (بہ معنی خدا) کسی انڈین کے بہروپ میں نمودار ہوتا جس کا نام سوتھا۔ اور کسی اور زبان میں چآن۔ اور دیگر زبانوں میں کاول اور مارآن۔ یہی وہ ذات تھی جو اس جرم کے ارتکاب پر انہیں اکساتی۔ کیونکہ وہ خود کسی اور دیوتا سے یہی بدفعلی کرتا۔ اور اسی واقعہ کی وجہ سے یہ نوبت آئی کہ کچھ لوگ اسے گناہ نہ سمجھنے لگے۔۔۔ اسی حقیقت کے پیش نظر چند والدین نے اپنے جوانوں کو ایک لڑکا دینا شروع کر دیا تاکہ وہ اسے عورت کی طرح استعمال کریں اور اگر کسی اور نے اس لڑکے کو دبوچ لیا تو اسے حکم دیا جاتا کہ وہ اس کا اسی طرح معاوضہ ادا کرے جس طرح وہ عورتوں کے ضمن میں کرتے ہیں جیسے کہ کسی نے اپنے ہمسائے کی بیوی سے جماع بالجبر کیا ہو۔

چند وقایع نگار جو انڈین نواز تھے انہوں نے دونوں امریکہ میں پائی جانے والی ہم جنس پرستی کی مناسب انداز سے تصویر کشی کی جب کہ ان کے مخالف نو آبادیاتی مورخین نے اکثر بڑھا چڑھا کر بیان کیا۔ یہ دشوار ہے کہ انڈین تمدنوں کی کوئی حقیقی تصویر کشی کی جا سکے۔ حالانکہ مایان اور کاریس ——— ہی پہلے اہل قبیلہ تھے جن سے اہل اسپین کا واسطہ پڑا۔ جن میں رواداری تھی اور یہ بھی کہ چند معاملات میں ایک ہی جنس کے تعلقات کو مباح سمجھتے تھے۔ امریکہ کے دو نہایت طاقتور قبایل آزٹکس اور انکاز یوں لگتا ہے جیسے مایل جارحیت تھے اور وضاحت عموماً پر پیچ ہوتی ہے۔

فرانسکن فرایر برنارڈینوڈی سَہاگن میکسیکو کی فتح کے تھوڑے ہی عرصے بعد وہاں پہنچا اور وہیں پر اس نے اپنی طویل زندگی کے باقی ماندہ دن بسر کئے اور ''آزٹیک قبیلے کا علم البشر کے تحت نہایت گہرائی سے مطالعہ کیا۔'' جس میں وہاں کی زبان ناہ واٹل کی بازگشت محسوس ہوتی ہے۔ وہ لکھتا ہے (۱۵۶۵ء) کہ اہل آزٹک میں ''اغلام بازی زنخوں کا کام ہے پلید کرنے والا، بدعنوانی سے پر، غلاظت اور غلاظت میں منہ ڈالنے والا، بغاوت جیسا

اور بد چلنی پر مایل اور آزار سے پر۔ اس کا مضحکہ اڑایا جائے، تمسخر کا نشانہ بنایا جائے، منہ چڑھایا جائے۔۔۔ زنانہ پن میں، جو عورتوں والا کردار ادا کرے اور وہ اس کا مستحق ہے کہ نذر آتش کر دیا جائے۔" تاہم سہاگن آزٹکوں کے کسی مخصوص قانون کا حوالہ نہیں دیتا اور نہ ہی لاس کا ساز۔ تاہم جیرونیموڈی مینڈیٹا اور فرانسسکی جس نے ناہ واٹل کا مطالعہ کیا اور ۱۵۹۶ء میں آزٹک قوانین کی تفصیلی فہرست تیار کی۔ اور یہ کہا کہ" وہ جو ایسے مذموم گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں، جھیلنے والا اور عامل اسی میں ہلاک ہوتے ہیں۔"

اس کے علاوہ ہمارے پاس اہل چیچمک جس طرح سزائیں دیتے ہیں اس کا بالصراحت نقشے دار بیان ہے۔ وہ لوگ جو میکسیکو کی وادی پر اہل ازٹک سے پہلے قابض تھے وہ ایک مقامی قلمکار فرمانڈو ڈی الوا اکسٹلی لکسو چٹل (۱۶۰۶ء) کے مطابق۔ اس کی تفصیلات بے کم و کاست ہیں اور یورپی سزا یابی کی روایات سے کہیں دور کا واسطہ رکھتی ہیں۔" اس قبیح گناہ کی دو طریقوں سے سزا دی جاتی: ایک طریقہ تو یہ تھا کہ جو مادہ کا کردار ادا کرتا اس کی انتڑیاں نیچے سے نکال دی جاتیں اسے لکڑی کے کندے سے باندھ دیا جاتا اور قصبے کے لڑکے بالے اس پر آکر راکھ الٹتے رہتے یہاں تک کہ وہ اس میں دفن ہوجاتا پھر اس کے بعد اس پر بہت سی لکڑی لاد کر اسے جلا دیا جاتا۔ دوسرا جو مردانہ کردار ادا کرتا اسے پہلے راکھ میں داب دیا جاتا پھر کندے سے باندھ دیا جاتا یہاں تک کہ وہ مرجاتا۔ اس کے باوجود تمام پر پیچ اور متضاد ماجروں کا جایزہ لینے کے بعد جن تک اس کی رسائی ہوئی اسپینی مورخ انٹونیو ڈی ہیریرا، ۱۶۰۱ء میں لکھتا ہے اور اپنے شبہات کو یوں قلمبند کرتا ہے۔ "اگر چہ کچھ لوگ میکسیکو میں یہ کہتے ہیں کہ ایسے لوگ جنہوں نے اس قبیح حرکت کا کبھی ارتکاب کیا ہو انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا اور دیگر لوگ یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے ایسی سزاؤں کی جانب اپنی توجہ نہیں مبذول کی" بلکہ ایسے لوگوں کو بس بہ نظر حقارت دیکھا تھا۔

پیرو میں انکا کے جبر و استبداد کی وحشت کی تفصیلات تاہم تاریخ میں اچھی طرح محفوظ ہیں۔ یہاں پر پیزارو کی فتح سے کوئی آدھی صدی پہلے دو متضاد رجحانات کے تمدنوں میں تصادم ہوا۔ وہ تھے موچیکا زجواکواڈور میں ۴۰۰ سے ۱۰۰۰ء تک پھیلتے پھولتے رہے اور پھر

چیمو تھے جنہوں نے ان کی جگہ لی دونوں ہی اپنی نازک ظروف سازی کے لئے شہرت رکھتے ہیں مگر جو تعجب انگیز حد تک شہوت ناک ہے۔ ذہنی اور بہ ذریعہ مقعد مجامعت جو معتد بہ پر جنسیہ ہے اور خال خال ہم جنس پرست۔جن کا اظہار آزادانہ طور پر سینکڑوں ظروف پر ہوا ہے جب کہ اندام نہانی کی مجامعت کا رشتہ نہایت کم ہوا ہے۔اس کے برعکس پیرو کے انکاز جنہوں نے ۱۴۶۶ء میں چیمو پر فتح پالی تھی وہ ہم جنس پرستی پر مبنی رشتوں پر درشتی سے پیش آتے تھے۔

سیزا ڈی لیونؔ جو اپنی تفصیلات سے مالا مال تصنیف کرانیکل آف پیرو (۱۵۵۳ء) میں ایک عام دیومالائی کہانی کو دھراتا ہے۔ چیمو کے بیان کے مطابق اس سرزمین پر لونڈے بازی چند دیووں نے متعارف کرائی تھی جو پیرٹو ویجو کے ساحل پر اترے تھے ان میں چونکہ عورتیں نہ تھی اس لئے انہوں نے ایک دوسرے سے مجامعت کرنا شروع کردی اور بالآخر ایک خوفناک ''آگ میں جو آسمان سے نازل'' ہوئی تھی بھسم ہوگئے۔ یہ آخری اشارہ اس اختلاط کی جانب اشارہ کرتا ہے جس میں مقامی دیومالا کی اغلام بازی کی کہانی کو مربوط کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ روایت کی اس نوعیت کی آمیزش جن سے اکثر اس نوعیت کا شک اسپینی بیانات پر پڑنے لگتا ہے جو وہ مقامی عقاید کے متعلق بیان کرتے ہیں۔ سیرا ڈی لیونؔ پرزور انداز میں اس کی تردید کرتا ہے کہ انکاز اغلام باز تھے۔تاہم کولمبیا سے پہلے والے حکمران اس کے بیان کے مطابق اغلام بازی سے اتنا گھن کھاتے تھے کہ اس بنیاد پر انہوں نے اس کے قلع قمع کرنے کی خاطر چیمو میں مہم چلائی۔ یہاں تک کہ آخر میں ہر پندرہ عورتوں کے لئے صرف ایک مرد زندہ بچا تھا۔لیکن اس غیر جذباتی زور بیان کے ساتھ لیونؔ ایک انکشاف آمیز اعتراف بھی کرتا ہے۔ انکا حکمرانوں نے لگتا ہے اغلام بازی کی اجازت چند مخصوص مذہبی حوالوں سے دے رکھی تھی۔

> جہاں تک ان کا تعلق ہے جیسے معبدوں کے پروہت، جن کے متعلق سب کو معلوم ہے کہ تہوار کے دنوں میں ہر سربراہ کو جنسی خواہش ہوتی ہے وہ یہ نہیں سمجھتے کہ وہ کوئی غلط کام کر رہے ہیں یا ان سے گناہ سرزد ہو رہا ہے بلکہ یہ عمل بطور قربانی کرتے ہیں اور وہ بھی کسی (مقامی دیوتا) کے اکسانے پر۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اہل

انکا اس سے بے بہرہ ہوں کہ ایسا کام معبدوں میں ہو رہا تھا، اور اگر وہ چند چیزوں سے چشم پوشی کرتے ہیں تو اس لئے کرتے ہیں کہ وہ ناپسند نہ کئے جائیں اور انہوں نے یہ محسوس کیا ہو کہ ان کے لئے یہی کافی تھا کہ وہ یہ احکام جاری کر دیں کہ سورج اور دیگر خداؤں کی ہر جگہ پرستش کی جاتی ہے۔ بغیر ایسے اقدام اٹھائے جن سے قدیم مذاہب اور رسوم کی ممانعت ہوتی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اس صورت میں جو ان میں پیدا ہوئے ہیں ان کی موت ہو جائے۔

اسی مقام پر ایک نادر سعی کی جاتی ہے تا کہ اشیا کو مقامی آبادی کے نقطہ نظر سے دیکھا جا سکے۔

لیکن اگر پیرو کے مقامی حکمران کبھی کبھی اس پر آمادہ ہو جاتے کہ دوسری جانب دیکھنے لگیں تو اسپینی فاتحین کے لئے ایسا کرنا ان کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں آتا جنہوں نے ابتدا ہی سے مقامی اغلام بازوں کو وحشیانہ تشدد کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ ایک ابتدائی واقعہ جس کا ذکر پیٹرو مارٹا یرڈا آنگہیر کی تحریروں میں ملتا ہے جو ایک اطالوی تھا اور اسپین میں انڈینز کے لئے بطور کونسلر تعینات تھا اور بہت بدنام تھا۔ اپنے ڈیکیڈ کے ۱۵۱۶ء والے ایڈیشن میں وہ واسکونونیز ڈی بالبوا کی کہانی سناتا ہے جب وہ ۱۵۱۳ء میں پنامہ کے مقامی بادشاہ کے دربار میں پہنچتا ہے۔ جب بالبوا نے یہ دیکھا کہ بادشاہ کا بھائی ایسے افراد میں گھرا ہوا ہے جو ''چکنے اور زنخوں کی طرح'' ہیں اور اغلام بازی میں مبتلا ہیں، جو تعداد میں چالیس تھے ''تو اس نے انہیں اپنے کتوں کو آگے ڈال دیا تا کہ وہ شکار بنا لیں۔'' اس منظر کو اس طرح یادگار بنایا گیا کہ اس کی دھات پر منقش تصویر بنائی گئی جو فرینکفرٹ میں ۱۵۹۰ء میں شایع ہوئی۔ یہ تھیوڈور ڈی برایز کا تاریخی ذخیرہ تھا جو نئی دنیا کے ان واقعات پر مبنی تھا جنہیں ہسٹوریا امریکا کے عنوان کے تحت بیان کیا گیا۔ اس کی پلیٹ یہ دکھاتی ہے کہ اسپینی فوج کے سپاہی زرق برق وردیوں میں ملبوس بڑے تکبر سے کھڑے ہیں ان کے شکاری کتے برہنہ انڈینز کے جسموں اور حلقوم میں اپنے دانت گاڑے ہوئے ہیں جو ان کے سامنے شدید درد سے تڑپ رہے ہیں۔ ان خونخوار کتوں نے جن کے کان اور ہونٹ لٹکتے تھے یورپین تخیلات کو آسیب زدہ کرتے اور یہ اسپینی بربریت کی نمایاں شبیہیں بن گئے جو امریکہ

میں روا رکھی گئیں اور بیسویں صدی میں میکسیکو کے عجایب خانوں میں دیواری مرقعوں کے ذریعہ فاتحین کی ستم گری کے خلاف ایک مستقل احتجاج بن گئیں۔

تاہم بالبوا کی وحشت اور بربریت سن کر دیگر اہل اسپین کو کوئی صدمہ نہ ہوا۔ انٹونیو ڈی لا کالانچا جو لیما میں آگسٹینین کالج میں ۱۶۲۲ء میں بطور ریکٹر کام کر رہا تھا۔ اس نے بالبوا کی تعریف یہ کہہ کر کی کہ پانامہ والوں نے اپنے کتوں کے ذریعے وحشت پھیلا کر ''ایک عمدہ کاروائی کی جو کیتھولک اسپین کے لوگوں کے لئے باعث عزت ہے۔'' سولہویں صدی کے پیرو میں اسپینی مجسٹریٹ بڑے جوش و خروش سے مقامی اغلام بازوں کو مقدموں میں سزائیں دیتے۔ سیزا ڈی لیون اس کا ماجرا بتاتے ہوئے کہتا ہے کہ جوان ڈی اولموس جو پیورٹو ویجو کے مقام پر چیف جسٹس تعینات تھا اس نے ''بہت بڑی تعداد میں ان شیطان صفت اور کج رو انڈینز کو جلوا کر مار ڈالا۔'' مسیحی عدالتوں نے لیما میں ۱۵۸۰ء میں اس اختیار کا مطالبہ کیا کہ انہیں اغلام بازی کے مقدمات کی سماعت کرنے کی اجازت دی جائے۔ لیکن میڈرڈ میں سپریما نے اس سے انکار کر دیا جس کے نتیجے میں دیوانی حکمرانوں نے تمام سزایں عاید کیں۔

میکسیکو میں بھی اسی طرز کو اختیار کیا گیا۔ سرکاری مسیحی عدالتوں کا ٹریبونل لیما اور میکسیکو سٹی میں فلپ دوم نے ۱۵۶۹ء میں قائم کیا تھا۔ ابتدائی زمانے میں مسیحی عدالتوں کے اختیارات میکسیکو میں مقامی اسقف صاحبان استعمال کرتے جیسا کہ اسقف اعظم جوان زومارگاؔ (۱۵۳۶۔۱۵۴۳ء) نے ان کی ایسی تفسیر لکھی جس میں جنسی جرایم کی ایک بڑی تعداد کو شامل کر لیا۔ ایک ایسا مقدمہ جوز زومارگاؔ کی عدالت میں چلا اس کی روداد کا جایزہ لینے سے یہ انکشاف ہوا کہ ''مسیحی عدالتوں کو (مرکزی کلیسا) سب سے زیادہ جس بات کی فکر تھی وہ ہم جنس پرستی تھی۔'' جس نے کڑے جرمانے عاید کئے' روحانی کفارے' سرعام تحقیر اور کوڑے زنی'' یہ سب جنسی گناہوں کے لئے ہوتا۔

ایک صدی بعد ۱۶۶۲ء میں میکسیکو کی مسیحی عدالت نے شکایت کی کہ ہم جنس پرستی یہاں عام بات ہے اہل کلیسا میں بطور خاص۔ اور اس کی اجازت چاہی کہ اس کے اختیارات کی حدود میں اضافہ کیا جائے کیونکہ دیوانی عدالتیں کماحقہ چوکس نہیں ہیں۔ مگر

درخواست مسترد کردی گئی۔ جب کہ حقیقت یہ تھی کہ شہری صاحبان ڈیوک آف البوقورق کی سربراہی میں نہایت ہی سرگرم تھے۔ اور سو افراد اغلام بازی کے الزام میں ماخوذ ہو چکے تھے جن میں معقول تعداد بطور سزا موت کے گھاٹ اتارے جا چکے تھے۔

منگل کے دن بتاریخ ٦ نومبر ١٦٥٨ء صبح میں گیارہ بجے پندرہ اسیر مردوں کو اس عدالت کی شاہی جیل سے نکالا گیا۔ ان میں سے چودہ کو تو جلا کر مارا جانا تھا اور باقی ماندہ ایک کو جو ایک نوعمر لڑکا تھا اسے دوسو کوڑے لگنے تھے اور پھر اسے ایک راج مزدور کے ہاتھ چھ سال کے لئے فروخت کیا جانا تھا۔ ان سب نے یہ قصور کیا تھا کہ وہ سب ایک دوسرے سے اغلام بازی کا گناہ کرتے رہے تھے اور وہ بھی کئی سال سے۔

میکسیکو میں بدعتیوں کو الامیڈا میں جلایا جاتا تھا جو آجکل شہر کے وسط میں ایک پسندیدہ پارک ہے۔ اغلام باز جب کہ کسی اور الاؤ میں جو سان لازار کے ذیلی ضلع میں تھا۔ ہمیں بتایا جاتا ہے کہ چودہ مردوں کا گلا گھونٹنے کی کاروائی بڑی تساہل سے پورے دن چلتی رہی جو رات میں آٹھ بجے اختتام کو پہنچی وہ بھی اس وقت جب جمع ہونے والے ہجوم کی تفریح طبع کے لئے ان کی نگاہوں کے سامنے جلانے کی چتا تیار ہوگئی۔

اسپینی صاحبان اختیار نے نئی دنیا میں انسانی قربانی کو اگر چہ مقامی دیوی۔ دیوتاؤں تک محدود کردیا لیکن انہوں نے اپنے خونی قربانی والے ادارے بھی بنا لئے تاکہ مذہبی اور جنسی کٹڑپن سے نمٹا جائے۔ اس قتل عام اور غارت گری کو دیکھتے ہوئے یورپ کے اہل پروٹسٹنٹ یہ سب کچھ بڑے خوف و ہراس سے اس ''تاریک اسطور'' کو دیکھتے جو اسپینیوں کی سفاکی کا امریکہ میں نمونہ تھا مگر انہیں اغلام بازوں کا جلایا جانا اپنی انجیلی روایت کا ایک عام سا تسلسل لگا۔ یہ بھی صحیح ہے کہ آنے والی صدیوں میں پروٹسٹنٹ عقاید والی مملکتوں کے لئے یہ ثابت کرنا اور سزا دینے کے لئے کہیں زیادہ ہلاکت خیز چتائیں کیونکر قائم کریں جب کہ جنوبی کیتھولک مما لک میں ایسی سزائیں روبہ انحطاط تھیں۔

باب:۱۱

فرانسیسی کیلوِن سے لوئی ۔ چہاردہم تک

۱۵۱۷ء۔۱۷۱۵ء

مسیحی تمیز نیک و بد نے نشاہ ثانیہ والے یورپ کو خلاف معمول انداز میں ہم جنس پرستی سے خوف زدہ کردیا مثال کے طور پر ہم عصر چین اور جاپان کے مقابلے میں۔ اس کے باوجود کہ یکساں ملامتی لفظی جملے جاری رہے قانونی استبدادی ہتھکنڈوں کا انداز ہر ملک میں جداگانہ رہا۔ اسپین میں سب سے زیادہ وحشیانہ تھا مگر فرانس اور اٹلی میں بھی گراں تھا انگلستان میں شاذ و نادر اور یوں لگتا ہے جیسے یہ ایسے شمالی مما لک میں نہ ہونے کے برابر تھا جیسے روس ڈنمارک او رسویڈن۔ ڈنمارک میں ۱۶۸۳ء تک اغلام بازی کے خلاف کوئی قانون نہ تھا اسی طرح ۱۷۴۴ء تک کسی کے خلاف مقدمہ نہیں چلایا گیا تھا۔سویڈن میں اسی طرح ۱۶۰۰ء تک کوئی مقدمہ نہ چلا اور بعد میں بھی بہت کم۔ روس جہاں مردوں کے مابین تعلقات حیرانی کی حد تک کھلم کھلا ہوتے اور یہ ۱۶۰۰ء سے ۱۷۰۰ء تک جاری رہا اور وہاں ۱۷۳۲ء تک اغلام بازی کے خلاف کوئی قانونی ضابطہ نہ تھا۔ ایسے لاطینی مما لک تک میں جہاں قوانین کے نفاذ کو مشتہر کیا جاتا مردانہ جوڑوں کے وجود سے اختلافات بیان کئے جاتے ہیں۔ اس طرح فرانسیسی عالم جوزف اس کالیجر (۱۵۴۰ء۔۱۶۰۹ء) یورپ میں جس کی وجہ شہرت اس کا علم تھا اس نے ایک اطالوی زبان میں جملہ چست کیا جو کچھ یوں ہے (اسپین میں پریسٹ صاحبان، فرانس میں شرفا اور اٹلی میں اس حمام میں سب ہی ننگے ہیں)

جدید تحقیق سے اسکالیجر کے جملے کو قدرے تقویت ملی ہے۔ پریسٹ صاحبان جنہیں

فرانس یا اطالیہ کی خانقاہوں میں خاموشی سے پہنچا دیا جاتا مگر دوسری صورت میں انہیں ہم جنس پرستی کے خوف میں مبتلا اسپین میں سرعام جلایا جاتا۔ اور دستیاب ریکارڈ یہ دکھاتا ہے کہ اطالوی شہروں کے تمام طبقات میں ہم جنس پرستی کا شعار اچھی طرح پھیلا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ فرانس کی مراعات یافتہ اشرافیہ نے اپنی حیثیت کو پہلے ہی قانون سے مامون بنالیا تھا۔ فرانس میں قانون اپنی پوری قوت سے متوسط طبقے اور نچلے طبقے کے ارکان پر گرا۔ جس نے ان کی خستہ حالت کو مزید آتشگیر بنادیا تھا۔

اگرچہ فرانس کے ۱۴۹۴۔ ۱۵۱۶ء کے دوران میں اطالیہ پر دھاووں نے جزیرہ نما کو تاراج کردیا لیکن اس سے اطالوی آرٹ کی تحسین اور توسیع ہوئی جس کا محرک فرانسس اول تھا اور جو بیونارڈو اور سیلینی کا مربی بھی تھا۔ مگر اطالوی نشاہ ثانیہ کا ہم جنس پرستی والا اثر فرانسیسی تمدن پر بہت کم سایہ ڈال سکا۔ فیسینو کا مردانہ رجحان والا افلاطونی رواج کوہ الپس کو نہ پار کرسکا۔ جب افلاطونی عشق کا فرقہ فرانس اور برطانیہ پہنچ گیا تو اس کی وجہ بالڈسّار کا سٹیگلیو ہ کی تصنیف دی کورٹیز (۱۵۲۸ء) تھی۔ جس میں پیٹرو بیمبو علمی مکالمے کے ذریعہ عشق پر جشن منارہا تھا لیکن اس نے اسے عورت اور مرد کی محبت تک محدود رکھا۔ اس نسخے کے مطابق یہ ایک روایت بن گئی جس میں قاری کے تعلیم یافتہ نوابین اور بیگمات کو عشقیہ کہانیوں کے ذریعے رہنمائی کی جاتی۔ اور جو اپنے اصل موضوع در پردہ ہم جنس پرستی سے محروم ہوتا۔

یہ بھی درست ہے کہ اہل فرانس نے اٹلی کو ایسے ہی سمجھا جیسے اہل روم نے قدیم یونان کی تفہیم کی تھی وہ شدت سے متضاد جذبات والی تھی۔ یہ ممکن تھا کہ اشرافیہ اطالوی آرٹ کے نمونے جمع کرے یا طرز تعمیر کی پیروی کرے لیکن قدامت پسند اشرافیہ کی نظر میں اطالیہ دو باتوں میں مشکوک تھا یعنی اشیائے تعیش کے گڑھ کے اور جنسی بے راہ روی کے۔ بالخصوص ہم جنس پرستی کو اطالوی بدی یا پھر (الپس کے پار) کہا جاتا۔ ہنری اسٹین جو پروٹسٹنٹ خاندان کا فرد تھا جس کی دیرینہ وجہ شہرت بطور پینٹر اور انسان نواز کے تھی شدید اظہار غم کرتے ہوئے ۱۵۶۶ء میں کہتا ہے ”کیا یہ قابل رحم بات نہیں ہے کہ ایسا شخص جو اطالیہ میں قدم رکھنے سے پہلے اپنی زبان پر لونڈے بازی کا نام نہ لاتا ہو وہاں قیام کے بعد

نہ صرف ان لفظوں سے محظوظ ہوتا ہے بلکہ ان پر عملدرآمد بھی کرتا ہے اور اپنے دوست احباب میں اس طرح بیان کرتا ہے جیسے اس نے یہ تعلیم کسی اچھے اسکول میں پائی ہو۔''

فرانس میں پروٹسٹنٹ ازم کے پھیلاؤ نے ملک میں خانہ جنگیوں کا ایک سلسلہ شروع کردیا اور وہ وقفے وقفے سے برس ہا برس تک پھوٹ پڑتیں اور انہوں نے ایک ہلاکت خیز عروج سینٹ بارتھولومیو سے موسوم دن ۱۵۷۲ء میں ایک قتل عام کی صورت اختیار کرلی۔ اس مہلک رقابت نے ہم جنس پرستی سے خوف کو بڑھا وادیا۔ کیونکہ ہر فریق دوسرے کو مطعون کرنے کی خاطر جنسی بدی کا الزام عاید کردیتا۔ باہمی ''الزام تراشی'' کے وطیرہ نے برطانوی جرمن اور فرانسسی پروٹسٹنٹ ازم کے پیروکاروں کو اطالوی جرمن اور فرانسیسی رومن کیتھولک کے خلاف صف آرا کردیا اور یہ اس وقت بہت نمایاں ہوجاتا جب حملہ فرانسیسی بادشاہ پر ہوتا جس کا طرز بود و باش مبہم سا تھا اور بدنصیبی سے وہ فریقین کو برہم کرنے والا تھا۔

اس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں ہے کہ اہل پروٹسٹنٹ نے پہلی گولی چلائی اور حملے کا نشانہ پاپایت تھی۔ ہم کچھ بھی کہیں تمام پوپ اس قوم کے ہوتے جو اغلام باز قوم تھی۔ پوپ جولیس دوم کی علانیہ مذمت کہ وہ ''ایسا لونڈے باز ہے جس کے جسم پر پھوڑے نکلے ہوئے ہیں۔'' یہ الزام لاحاصل پیسا کی کونسل نے لگایا (۱۵۱۱ء) ۔ اگر چہ اس کے پس پردہ پوپ کے فرانسیسی اور شاہی دشمنوں کا ہاتھ تھا۔ اور انہی نے دس برس بعد پروٹسٹنٹ مصلحین کو گولہ بارود بھی دیا۔ لیکن یہ بدنامی کہ کالون کے پیروکاروں اور لوتھر کے عقیدت مندوں نے بڑے مزے سے یہ پسند کیا کہ جولیس کے متوسل جولیس سوم کو ۱۵۵۱ء میں پاپایت کے عہدے پر فایز کردیا جائے۔ جولیس سوم چھ سال پہلے کونسل آف ٹرینٹ کے افتتاحی اجلاس کی اس وقت صدارت کرچکا تھا جب وہ ابھی کارڈینل ہی تھا۔ لیکن بطور پوپ اسے ذاتی لہو ولعب سے اتنی دلچسپی تھی کہ اس نے کلیسا کی اصلاح کو پس پشت ڈال دیا۔ اور یہ بھی کہ اس نے اپنے پندرہ سالہ منظور نظر انوسینز و کو جو اپنی مشکوک پیدایش اور بدنام اطوار کے باوصف کارڈینل بن گیا تھا اس سے دور دور تک ہاہا کار مچ گئی یہاں کہ کیتھولک روم میں بھی۔ یہاں کے طنز کرنے والوں نے نوجوان کا یہ نام رکھ دیا جو کسی طرح سے دیکھنے

میں دلکش نہ تھا کہ یہ ''نیا گاینا میڈ'' ہے جو پروٹسٹنٹ کی ایک مقبول کتاب تھی۔ تھومس بیرڈ کی تھیٹر آف گاڈز ججمنٹ (۱۵۹۷ء) میں اس رشتے کی گرفت کی گئی اور مخصوص مبالغہ آرائی کے ساتھ اور جولیس کی یہ کہہ کر مذمت کی گئی کہ وہ پرہوس اور عیاش آدمی ہے جس کا دستور ہے کہ ''وہ کسی کو کلیسائی طرز بود و باش کی ترغیب نہیں دیتا علاوہ اپنے لونڈوں کے: جن میں مقدس باپ (ووٹ کے ذریعے انتخاب کے برعکس) کارڈینل کا انتخاب کرتا ہے۔'' یہ اہل پروٹسٹنٹ کے متعدد حملوں میں سے ایک تھا اور جو پوری صدی دہرایا جاتا رہا۔ یہاں تک کہ ۱۶۹۶ء میں فرانسیسی انسایکلو پیڈیا کے مصنفین میں سے ایک پیری بیل نے ایک معقول عبارت کو اپنی تصنیف 'ڈکشینر ہسٹارک ایٹ کریٹک' میں جگہ دے دی، کلیسا سے منسوب مورخین جن میں کیتھولک اور پروٹسٹنٹ دونوں تھے جنہوں نے جولیس کے بے لگام شوق کو قلمبند کیا تھا۔ (بیل جس کی اپنی پرورش پروٹسٹنٹ ماحول میں ہوئی تھی او وہ ان مساعی کا نقیب تھا جس نے کیتھولک، پروٹسٹنٹ اور آزاد خیال سب ہی لوگوں کے ساتھ رواداری برتنے کو کہا تھا) وہ میانہ پسند کیتھولک مورخ جیکس۔ آگسٹے ڈی تھو کا اس سلسلے میں حوالہ دتیا ہے جو اس نے جولیس کے متعلق لکھا، اپنے انتخاب کے بعد اس نے خود کو ''ہوسناک مسرتوں'' کے لئے وقف کرلیا جب کہ اس کا ''بندر'' (انوسینزو) جسے اس نے اعلیٰ عہدے پر فایز کردیا تھا۔ بیل سویٹزرلینڈ کے پروٹسٹنٹ تھومس ایراسٹس کے الفاظ کو دہراتا ہے جس کے تعصب نے بلاشبہ اس کے قلم کو جلا دی تھی۔

یہ لڑکا بولوگنا ہی میں مقیم تھا (جہاں جولیس نے اسقف اعظم کے بطور نمایندہ کے وقت بسر کیا) تا کہ جولیس جو اسے اس وقت تک روم نہ لانا چاہتا تھا جب تک کہ وہ اسے اسقف کے عہدہ پر نہ فایز کردے اور اس کے لئے اسے کچھ مہلت درکار تھی تا کہ اسے ترقی دینے کی خاطر اتفاق رائے پیدا کرلے۔ اس نے اس کی مفارقت کی صعوبتیں جھیلیں اور تمام بہترین حربے اختیار کئے جن سے چین ملے۔ لیکن اسے تو اسی وقت قرار آتا جب اسے انوسینزو کا نام سنائی دیتا اور وہ ان تمام لوگوں سے اسی کا تقاضہ کرتا جو اسے کچھ بنا سکتے۔ اس نے اس سے کہا کہ وہ روم کے مضافات میں آجائے تا کہ وہ بہ آسانی اس سے ملنے چلا آیا کرے۔ اور ایک مرتبہ تو وہ اسے خفیہ خفیہ شہر میں بھی لے آیا۔ وہ دریچوں کے نیچے اس

طرح منڈلایا کرتا جیسے اس کی رکھیل نے وعدہ کیا ہو کہ وہ اس رات اس کے ساتھ بسر کرے گی۔ یہ کہتے ہوئے بھی اسے سنا گیا کہ اسے پوپ بن جانے میں واحد خوشی یہ ہے کہ اسے اینوسینز و سے متمتع ہونے کا موقع ملتا ہے۔ اور یہ بھی کہ وہ اسقفوں کا پوپ منتخب کرنے کے لئے اتنا ممنون نہیں ہے بمقابلہ اس احسان کے جو انہوں نے انتوسینز و کو اسقف بنانے میں جو اتفاق رائے پیدا کیا تھا۔ اسے اس نے اپنا منسٹر مقرر کر دیا اور شفاعت کرنے والا بھی جو اس کی عنایات کا طالب ہو۔

یہاں تک کہ اوکسفورڈ ڈکشنری آف پوپس مطبوعہ (۱۹۸۶ء) صاف صاف یہ تسلیم کرتی ہے کہ جولیس نے ''اپنی ہوسناک طبیعت کی وجہ سے اور پندرہ سالہ نوجوان انوسینز و سے تعلق کی بنا پر بہت رسوائی اکٹھا کی جسے اس نے پارما کی گلی کوچوں میں سے کہیں اٹھایا تھا۔ جسے اس نے متبنی بھائی کہا اور اسقف بنوا دیا۔

ان غضبناک حملوں کو دیکھتے ہوئے اہل کیتھولک نے چاہا کہ توازن پیدا کیا جائے یعنی کیلون کے چیف ایڈ تھیوڈور ڈی بیز کو ''رخصت'' کر دیا جائے۔ جس نے اس کی جگہ ۱۵۶۴ء میں جینیوا میں سنبھالی اس لئے اسے عموماً ''پروٹسٹنٹ پوپ'' کہا جاتا۔ اپنی جوانی میں اس نے ایسی لاطینی شاعری شائع کی تھی جو غالباً ٹابیولس یا رینیز کے ماربوڈ کی کاوش قلم کا نتیجہ تھیں۔ ایک حزینہ کلام سے یہ لگتا ہے جیسے شاعر کی ذات ایک نوجوان لڑکے اور ایک رعنا عورت کے عشق میں بٹی ہوئی ہے۔ ''میں اسے گلے لگاتا ہوں پھر اس حسینہ کو آغوش میں لیتا ہوں۔'' اس صورت میں وہ آ ڈی برٹ کا انتخاب کرتا ہے، اگر کانڈیڈا شکایت کرتی ہے تو اس دوشیزہ کا منہ وہ ایک طویل بوسے سے بند کر دیتا ہے۔ جیروم بولسی اپنی جارح کتاب لائف آف بیز (۱۵۸۴ء) میں ان مصرعوں کی یہ کہہ کر مذمت کرتا ہے'' ہوس پرستی پر مایل، بالکل بے شرم اور قابل نفرت۔'' کوئی درجن بھر طرفدار خوشی خوشی حمایت پر اتر آئے ایک کلاوڈ ڈی سینکٹیز لکھتے ہیں'' بجائے آ ڈی برٹ کے تم نے اب کیلون کو اپنی آغوش میں لے لیا ہے یوں تم نے ایک مقعد والے کی جگہ ایک روحانی مردانہ طوایف رکھ لی ہے، اس طرح تم وہی رہے۔ یعنی ایک مغلم۔

پروٹسٹنٹ مناظرین کو جیوانی ڈیلا کاسا کی شاعری میں ایک ترکی بہ ترکی جواب دینے

والا ہاتھ آ گیا جو بینی ونٹو کا اسقف اعظم تھا۔ جس سے اس لئے بہت نفرت کی جاتی تھی کیونکہ وہ بدعتی کتابوں پر پابندیاں لگانے کا اختیار رکھتا اور راسخ العقیدگی کا محافظ بھی تھا۔ وہ خوشی سے دیوانے ہوگئے جب انہیں اس کے کلام میں ایک ایسی نظم ملی جسے انہوں نے بطور ثبوت پیش کردیا اور اس کا نام ''اغلام بازی کی مدح میں۔'' جب کہ حقیقت یہ ہے کہ جیسا کہ ولیم شیکسپیئر نے بیان کیا ہے اس میں ایسی کوئی نظم نہ تھی۔ ڈیلا کاسا نے واقعی جو کچھ لکھا تھا اور ۱۵۳۸ء میں شایع کیا تھا اور یہ اسقف اعظم کے عہدے پر فایز ہونے سے کئی برس پہلے کی بات ہے جو ایک طویل غیر شایستہ نثری تضمین تھی بنام ''تنور پر طبع آزمائی'' جس میں اس نے مجامعت کو ایک الوہی کاروبار کہا تھا اور بڑے جوش وخروش سے عورتوں میں پائے جانیوالے دو ''تنوروں'' کا ذکر کیا ہے۔ اپنے ہی دفاع کی خاطر ڈیلا کاسا کو دب کر یہ کہنا پڑا وہ بھی قدرے بودے پن سے کہ وہ پر جنسی زندگی سے بھی لطف اندوز ہو چکا ہے لیکن ہم جنس پرستی سے نہیں یعنی اغلام بازی سے۔

کیلونزم اور استبداد:

مال کار پروٹسٹنٹ ازم کے فروغ سے یورپ میں عظیم مذہبی اور اخلاقی آزادی آ گئی۔ مگر اس کا فوری اثر یہ ہوا کہ جنسی استبداد میں تیزی آ گئی۔ سرراہ چدائی اور کاروکاری کی بڑے شدومد سے مذمت کی جاتی اور تقلیدی رویے کو عوامی مناسک کے ذریعے نافذ کیا جاتا جس میں تذلیل کے علاوہ کبھی کبھار سولی بھی دی جاتی۔ اگرچہ اغلام بازی کی تواتر سے مذمت کی جاتی رہی مگر کیلونی مملکتوں میں اغلام بازی سے متعلق قوانین کے نفاذ میں لگتا ہے جیسے بے ہنگم پن رہا۔ (جیسا کہ سولھویں اور سترہویں صدی میں اسکاٹ لینڈ اور ہالینڈ میں ہوا تھا) یا پھر سرے سے کوئی کارروائی ندارد (جیسا کہ کرمویل کے انگلستان میں ہوا تھا) ایک پروٹسٹنٹ نظام انصاف تاہم اس نکتے پر نمایاں ہے جہاں سخت سزاؤں کا دور دورہ تھا جس کا نام کیلون جینیوا تھا۔

تحریک اصلاح دین کو کہیں بھی اس قدر کامیابی نہ حاصل ہوسکی جس زور شور سے

فرانسیسی گو جینیوا میں ہوئی۔ کیلون رہنماؤں کے زیر اثر اہل جینیوا نے ایک ملایت والی حکومت قائم کر لی جس کے تحت زندگی کے تمام شعبوں پر قدیم عہد نامے کی تفسیر کے تحت سخت ضابطوں کو نافذ کر دیا گیا۔ سابقہ صدی میں ہمارے علم کے مطابق اس شہر میں اغلام بازی کے چھ مقدمات قائم ہوئے تھے۔ کیلون عقاید کی کامیابی کے بعد والے ۱۲۵ برسوں میں ساٹھ مقدمات چلے۔ جن میں تیس مقدمات کا انجام جلانے، سر قلم کرنے، ڈبو کر ہلاک کرنے اور پھانسی پر لٹکانے پر منتج ہوئے۔ اگر ہمارے پیش نظر شہر کا مختصر رقبہ ہو تو —— جینوا میں کل بارہ ہزار باسی تھے جب کیلون نے اقتدار پر قبضہ کیا۔ پھانسی پانے والوں کی اصل تعداد ہم عصر اسپین میں مسیحی عدالتوں کے تحت سزا پانے والوں سے کہیں زیادہ تھی۔

ایک مقدمہ جو ۱۵۵۵ء میں چلایا گیا اس سے کیلون ججوں کی ذہنیت آشکار ہوتی ہے۔ ایک جوان پینٹر نے اپنے کمرے میں مقیم ساتھی پر حملہ کر دیا جس نے رو دھو کر سارے گھر کو سر پر اٹھا لیا—— تین منصفین ۔ جو فرانس کے مذہبی پناہ گیر تھے—— ان سے مشورہ کیا گیا ۔ پہلے نے تو یہ کہا '' یہ گناہ ان گناہوں میں سے ہے جو بہت گھناؤنے ہوتے ہیں اور جس کی بہت الوہی اور انسانی قوانین میں ممانعت ہے۔ اس کی انتہا یہ ہے کہ خدا نے اپنے فیصلے کی سختی اس طرح دکھائی ہے۔۔۔ کہ اس نے پانچ شہروں کو جلا کر بھسم کر دیا تھا۔'' اس نے یہ بھی استدلال کیا کہ اس شخص کو مرنا ہی ہوگا لیکن چونکہ اسے واردات میں کامیابی نہیں ہوسکی یوں اسے کوئی کم تر سزا بھی دی جاسکتی ہے۔ دوسرے سے استفسار پر اس نے 'پیدائش' اور سینٹ پال کا حوالہ دے کر جلا دینے کو کہا۔ تیسرے نے اس بات سے اتفاق کیا کہ رومی قوانین کے تحت ایسی کوئی بھی کوشش چاہے وہ کامیاب نہ ہو وہ کامیابی کے مترادف ہوتی ہے۔ یوں اسے پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔

سب سے زیادہ سزا دینے والی سرگرمیاں جینیوا میں ۱۵۶۰ء میں دیکھنے میں آئیں جب اختیارات کی باگ ڈور بیز کے ہاتھ میں ۱۵۹۰ء سے ۱۶۱۰ء تک رہی۔ یہاں کی آبادی ۱۵۶۰ء کے بعد اس لئے دگنی ہوگئی کیونکہ فرانس میں مذہبی خونریزی کے باعث پروٹسٹنٹ فرار ہو گئے۔ اس عرصے میں چھ فرانسیسی اور ایک اطالوی کو ہم جنس پرستی کے ارتکاب پر ملک بدری کا سامنا کرنا پڑا اور مزید چار فرانسیسیوں کو ڈبو کر ہلاک کیا گیا جن میں ایک بیس سالہ

طالب علم بھی تھا۔ اسی طرح تین کو جانور چودنے پر پھانسی دی گئی اور ایک کو چپٹی کھیلنے پر، یہ ایسا جرم تھا جس پر شاذ و نادر سزا دی گئی ہو۔ جب ۱۵۶۸ء میں کسی عورت نے ایسے تعلقات کا اعتراف کرلیا تو اسقف کی شرعی عدالت نے پوپ سے مشورہ مانگا کہ اس جرم سے کیسے نمٹا جائے۔ شہر کا سب سے ممتاز ماہر قانون جرمین کولاڈنؔ نے سزائے موت کو اس طرح برحق قرار دیا اور اس کی بنیاد 'کونسٹی ٹیوشو کریمانالس کارولینا' پر رکھی۔ یہ وہی ضابطہ قانون تھا جس کی رسمی منظوری ۱۵۳۲ء میں ڈیٹ آف رتجنسبرگ میں رکھی گئی تھی۔ یہ ضابطہ جس کی شہرت حکمران شہنشاہ چارلس پنجم کے نام پر ہوئی۔ اور جس نے یہ حکم دیا تھا کہ جلا کر موت کی سزا دی جائے ''کوئی بھی جو جانور سے نجاست کرے یا پھر مرد سے مرد یا پھر کوئی عورت کسی عورت سے کرے۔'' کارولینا ضابطے کا اثر جرمنی تک پر ہوا اور انقلاب فرانس کے آنے تک دیگر علاقوں میں اس کا اثر موجود تھا۔ اس کی سند پر مذکورہ عورت کو ڈبو کر ہلاک کر دیا گیا۔

ایک حادثاتی لڑائی کے سبب ۱۵۶۰ء میں پانچ افراد کو جلا ڈالا گیا۔ یہ اس لڑائی میں ہوا جب ڈیوک آف ساویاؔئے نے اہل جینوا سے مل کر کسی گڑھی پر قبضہ کرلیا اور وہاں ترک جہازی غلام ہاتھ آ گئے۔ ''ان میں سے تیس ترکوں کو جو اہل جینیوا کے ہتھے چڑھے تین نے یہ اعتراف کرلیا کہ وہ عادتاً ہم جنس پرستی میں مبتلا ہیں اور بڑی عجلت میں اس پاداش میں انہیں جلا ڈالا گیا۔ ان کے ساتھ دو فرانسیسی کیتھولک بھی موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے جنہیں انہوں نے ملوث کرلیا تھا۔ ۱۶۰۰ء سے پہلے تمام مردوں کو اغلام بازی کے الزام میں موت کی سزا دی گئی اور وہ قریب قریب سب ہی غیر ملکی تھے۔ جیسے فرانسیسی، اطالوی یا اہل جرمن اور ان میں زیادہ تر مذہبی پناہ گیر تھے۔ تاہم ۱۶۱۰ء میں ایک ممتاز مقامی اہلکار نے اعتراف کرلیا وہ بھی بعد تشدد کے کہ اس نے بیس سے زیادہ افراد کے ساتھ ہم جنسی والا فعل کیا تھا'' ان میں مجسٹریٹوں سے لے کر شکارگاہوں کے محافظ بھی شامل تھے۔'' گیارہ پر مقدمہ چلا، چار کو جلا کر مار ڈالا گیا اور باقی ماندہ کو دیس نکالا ملا۔ سولی دینے کا سلسلہ ۱۶۶۲ء تک جاری رہا اس کے بعد داروگیر ڈرامائی انداز میں گھٹ گئی چونکہ مذہبی بخار اترنے لگا تھا۔

فلانڈرز میں بھی مذہبی نفرت کے شعلے بلند ہوئے اور لونڈے بازوں کو بھسم کرتے رہے۔ چودہویں اور پندرہویں صدی میں کم از کم اٹھائیس افراد کو سزائے موت دی گئی ان مقامات کے نام اینٹورپ، برسلز، بیرز، میکیلین اور لووین ہیں۔ اصلاح دین کے آغاز میں نشیبی ممالک میں جنگی تشدد نے مقامی پروٹسٹنٹ آبادی کو کیتھولکس کے خلاف صف آرا کردیا جنہیں اسپینی قوت کی پشت پناہی حاصل تھی۔ اہل پروٹسٹنٹ کے متعلق کسی پیش گوئی کی ضرورت نہیں تھی جب وہ اپنے دشمنوں پر الزام لگانے کی خاطر ان کی خانقاہوں کو اغلام بازی کے لئے بدکاری کے اڈے کہتے۔ ۱۵۷۸ء میں فرانسسکن فرقے کے متعدد لوگوں کو برجز میں جلا کر مار ڈالا گیا۔ اور گھنٹ میں جہاں کیتھولک اسقف کے اختیار کی جگہ اٹھارہ کی پروٹسٹنٹ کمیٹی نے لے لی تھی اور خلاف معمول ایک بڑی تعداد میں لوگوں کو موت کی سزائیں دی گئیں۔ مزید آٹھ فرانسسکن اور چھ آگسٹینین فرقے کے لوگوں کو ٹکٹکی پر باندھ کر جلایا گیا۔ ایک عصری منقش تصویر پر جسے نکولس ہوگنرگ نے تیار کیا تھا اس کا عنوان رکھا ''ایسے لوگوں کو سولی جو خدا سے بیگانہ اور اغلام باز تھے اور شہر برجز میں رہتے تھے۔'' اس میں دکھایا گیا ہے کہ دو راہب کھمبے سے بندھے ہوئے ہیں جو شہر کے مرکزی چوک پر ایک چبوترے میں گڑا ہوا ہے یہاں پر ایک شہ نشین ہے جو جلدی سے آگ پکڑنے والی ٹہنیوں سے ڈھکا ہوا ہے۔ دو دیگر افراد چبوترے پر پس منظر میں کوڑے کھا رہے ہیں اور مجمع انہیں دیکھ رہا ہے۔

فرانس میں ہونے والی مقدمے بازی میں مذہبی عداوت کا کتنا حصہ تھا یہ واضح نہیں ہے۔ تاہم فرانس ایک بے نظیر منبع پیش کرتا ہے۔ ان مقدمات کے اعداد و شمار کی دستاویزات جنہیں پیرس کی پارلیمنٹ نے تالیف کرایا تھا۔ جہاں پر ملک کے شمالی علاقوں کے دو تہائی علاقوں کی عدالتوں کے فیصلوں پر جائزہ لینے والی عدالتیں کام کرتیں۔ اس زمانے میں جو ۱۵۶۵ء سے ۱۶۴۰ء کا تھا۔ پارلیمنٹ نے ۱۷۶، اغلام بازی کے مقدمات کے فیصلوں پر نظر ثانی کی۔ جن میں ۱۲۱، میں موت کی سزا دی گئی تھی۔ آخر میں ۷۷، افراد کو موت کی سزا ملی۔ ان میں سے کوئی درجن بھر افراد کو غالباً جانور چودنے کی سزا ملی۔ جس کی فرانس میں سخت سزا ہوتی تھی۔ چونکہ قانونی چارہ جوئی والا سب سے سخت زمانہ ۱۵۳۰ء

میں شروع ہوا جو ۱۶۸۰ء کے قریب اختتام کو پہنچا۔ یوں ہم ایک پر خطر اور موٹا سا قیاس یہ کر سکتے ہیں کہ سولہویں اور سترہویں صدی میں کوئی ۱۵۰، مرد اور عورتیں فرانس میں ہم جنس پرستی کے الزام میں موت کے گھاٹ اتارے گئے۔ چونکہ اس وقت ملک میں ڈیڑھ کروڑ باسی تھے۔ اس لئے یہ شرح اسپین کے مقابلے میں کم ہی ہوگی جو شاید ایک تہائی یا ایک چوتھائی زیادہ ہو۔

سولہویں صدی میں چلنے والے مقدموں کی تفصیلات عموماً ڈھانچوں جیسی ہیں۔ تاہم ہمیں سیفو یت کے جرم کے خلاف ہونے والی قانونی چارہ جوئی کے متعلق کچھ نہ کچھ معلومات ہیں۔ فرانکوائز ڈی لاریٹآج اور کیتھرین ڈی لامانیرٓے کے متعلق ہمیں صرف یہ معلوم ہے کہ ۱۵۳۳ء میں ان پر بورڈو کے مقام پر مقدمہ چلا تھا اور وہ بری ہوگئے تھے۔ ہنری ایسٹیٓن ایک عورت کا ذکر کرتا ہے جو فونٹین کی رہنے والی تھی اور جو کسی مرد کے بھیس میں رہتی تھی۔ اس نے کسی اور عورت سے شادی کر لی تھی اور اسے ۱۵۳۵ء کے لگ بھگ زندہ جلا دیا گیا اور یہ الزام لگا کہ ''ایسی بدی جس میں وہ ایک خاوند کے مرتبے پر فائز ہونے کی جعل سازی کرتی رہی۔'' مونٹیٓن جو جنس سے متعلق تفصیلات سے وارفتہ ہوگیا تھا ایسے ایک اور مقدمہ کی قلمبند کرتا ہے جب وہ اٹلی کی جانب ستمبر ۱۵۸۰ء میں روانہ ہوتا ہے۔ وٹری۔ لی۔ فرانکوائز جو مارنے کے نزدیک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ وہ ایک المناک کہانی ضبط تحریر میں لاتا ہے جس میں وہ اشارہ کرتا ہے کہ یہاں پر ایک چھوٹی سی سیفو ویت والی دیہی برداری مقیم ہے۔

> ہماری آمد سے چند روز پہلے مونٹیر۔ این۔ ڈر کے مقام پر کسی کو سولی دی جا چکی تھی۔ یہیں نزدیک ہی اس موقع پر سات یا آٹھ لڑکیاں شاد مانٹ۔ ایں۔ باسگنی کے قرب و جوار میں سب نے مل کر چند سال پہلے یہ مسکوٹ کی کہ ہمیں مردوں کا بھیس بھر لینا چاہئے اور اسی طرح دنیا میں زندگی بسر کرنا چاہئے۔ ان میں سے کوئی ایک اس جگہ آ گئی۔۔۔ اور اپنی بود و باش کے لئے جولاہے کا پیشہ اختیار کر لیا۔ وہ ایک خوش مزاج بنی رہی جو ہر ایک کو دوست بنا لیتی۔۔۔ بعد میں وہ مذکورہ مونٹر۔ این۔ ڈر لوٹ گئی اور اپنے پیشے کے مطابق بود و باش کی کفالت کرتی رہی

> وہیں وہ ایک عورت پر فریفتہ ہوگئی جس سے اس نے شادی کرلی اور جس کے ساتھ وہ چار پانچ ماہ تک رہی اور جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے بیوی مطمئن بھی تھی۔ لیکن اسے کسی نے پہچان لیا جو اسی شاومانٹ کا باسی تھا۔ معاملہ عدالت کے روبرو پیش ہوا یوں اسے پھانسی کی سزا سنا دی گئی۔ جس کے لئے اس نے کہا کہ اسے یہ قبول ہے بجائے اس کے کہ وہ لڑکی کی حیثیت اختیار کرے۔ اس پر یہ الزام تھا اور اسی لئے سولی دی گئی کیونکہ وہ جنسکاری کے وقت اپنی محرومیوں کی تلافی غیر قانونی اشیا لاکر پورا کرتی تھی۔

آیندہ صدی میں زیادہ تر مقدمات کے محرکین والدین تھے جنہوں نے یہ شکایت کی تھی کہ ان کی اولاد کو بے آبرو کیا گیا ہے لیکن سب ہی شکایات قانونی تقاضوں پر پوری نہ اتریں۔ ٹورز کے مقام پر ۱۶۶۶ء میں ایک ریشم کے تاجر نے ایک ہمکار پر یہ الزام لگایا کہ وہ ''چوری چھپے اسے لے بھاگا۔'' اس کے اکیس سالہ نوجواں لڑکے کو۔ جس پر یہ الزام لگا وہ انٹواین مزور تھا اور اس کی عمر چالیس برس تھی اور اس نے دعویٰ کیا کہ باپ اپنے بیٹے کو اکثر بے دردی سے مارا پیٹا کرتا تھا۔ اور اس نے تو اس کے یہاں پناہ حاصل کی تھی اور یہ بھی کہ وہ اس کی نگہداشت ایک باپ کی طرح کر رہا ہے اور ان کے مابین کسی قسم کا جنسی تعلق نہیں رہا ہے۔ بیٹے کی شہادت مطلوبہ سرکاری دستاویز میں سے غایب ہے۔ مگر بظاہر یوں لگتا ہے جیسے اس نے اعتراف کرلیا ہو کہ ان کے تعلقات جنسی تھے اور رضا کارانہ بھی۔ اس لئے عمر رسیدہ شخص کو جلا کر مار ڈالا گیا اور کم عمر کو گلا گھونٹ کر۔

ہنری سوم اور مگنونس:

مونٹین اپنے مضامین میں یونانی ہم جنس پرستی پر بحث کرتا رہتا ہے مگر ہم عصر فرانس میں بالارادہ اس سے کنی کاٹتا ہے ۔ کیونکہ کسی تاجور کے حامی کو نمایاں طور پر دو جنسیا سمجھا جانا چاہئے۔ اس لئے احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ خاموش رہے۔ تمام فرانسیسی بادشاہوں کے مقابلے میں ہنری سوم کی شخصیت شاید نہایت الجھن پیدا کرنے والی تھی۔

اٹھارہ برس کی عمر میں اسے سورما کہا جانے لگا جب اس نے ہیوگونوٹس پر جارناک کے مقام پر اور مونکونٹور پر فتح حاصل کی۔ وہ ۱۵۷۳ء میں پولینڈ کا بادشاہ منتخب ہوگیا۔ تاکہ محض نو ماہ بعد فرانس واپس آ کر اپنے بھائی چارلس نہم کا جانشین بن جائے۔ یہاں آ کر نوجوان جنگجو کا انداز یکسر بدل گیا۔ وہ شعرا کی ہم جلیسی اور اہل علم کی رفاقت کو ترجیح دینے لگا۔ وہ فوجی مشقوں سے احتراز کرنے لگا جو کسی فرانسیسی بادشاہ کے لئے جز ولا ینفک سمجھا جاتا تھا اور دربار میں یوں ملبوس آتا ''جیسے عورتیں'' پہنتی ہیں۔ بہت گہرا سنگھار کئے ہوئے اور موتیوں کی مالائیں پہن کر۔ ہنری نے اپنی زندگی کو دو حصوں میں تقسیم کرلیا تھا پہلا سخت محنت اور جفاکشی سے عبارت ہوتا اور پھر اس پر بے عملی کو طول دینے والا دورہ پڑ جاتا جس سے یوں لگتا جیسے کہ اس نے عوامی زندگی سے بن باس لے لیا ہو۔ وہ نفیس لباس زیب تن کرتا اور ان کی فیاضانہ نمایش کرتا اور تواتر سے بے محابا رنگ رلیوں میں غرق ہوجاتا۔ اس نے کفارہ کی شرایط اتنی سخت کردیں کہ اس پر یہ الزام لگ گیا کہ وہ ایک راہب یا تاریک الدنیا راہب ہوگیا ہے۔

ہنری اپنے اردگرد وجیہہ اور کثرتی جسم والے شورہ پشت لڑکوں کو رکھتا جن کا تعلق متوسط اشرافیہ کے خاندانوں سے ہوتا اور جو اس کے ڈھنگ کے کپڑے پہنتے، سنگھار کرتے اور زیبایش و آرایش میں اس کی پیروی کرتے۔ پیرلا اسٹوائل جس کے مجلوں سے ہمیں اس عہد کے نہایت قریب سے مناظر دیکھنے کو ملے ہیں اس کے بیان کے مطابق، وہ اس طرح پہنتے ''مخملی تسمہ دار ٹوپی جیسے قحبہ خانے کی طوایفیں پہنتی ہیں۔'' یہی دگر جنسی پوشاک پہننے والے تفنگ بردار بدنام زمانہ مگنوس تھے جن پر ہنری مال و دولت بڑی فراوانی سے نچھاور کرتا۔ اپنے پوشاک خانے میں پائے جانیوالے تنوع کے باوجود ہنری نہایت ذہین شخص تھا وہ اپنے مسحور کن ملنسار انداز اور پر اخلاق اطوار سے ایسے انتہا پسندی کے عہد میں میانہ رو اور مصالحت آمیز ظاہر کرکے جس سے مونٹین اور لا اسٹوائل تک اس کے گرویدہ ہوگئے بے شک لا اسٹوائل تو یہ سوچنے لگا کہ اچھے دنوں میں تو ہنری ممکن ہے اچھا بادشاہ ثابت ہوتا۔ لیکن اس کا عہد حکومت تو فرانسیسی تاریخ کا سب سے زیادہ تباہ کن دور ثابت ہوا۔ اس کے عہد جدید کے سب سے زیادہ مستند سوانح نگار نے اس کا موازنہ شیکسپیئر کے

شامت کے مارے شہزادوں سے کیا ہے جس میں ہیملٹ کی زیری کی اور ہنری ششم کی کمزوریاں یکجا ہوگئی تھیں۔

مذہبی خانہ جنگیاں جنھوں نے جہاں فرانس کو تہس نہس کر دیا وہیں ہنری کی حیثیت کو بھی غیر ممکن بنا دیا اور س کو ضامن ہوگئی کہ اس کے جنسی اطوار بڑھ کر کوئی سیاسی تنازع بنیں گے۔ جب ۱۵۷۲ء میں وہ اکیس برس کا تھا تو اس نے سینٹ بارتھولومیوڈے کے قتل عام پر اہل کیتھولک کا ساتھ دیا تھا۔ اس امر نے اور اس کی ان پر دیگر فتوحات نے اسے اہل ہیوجینوٹس کی دشمنی کا نشانہ بنا دیا۔ یہ ایک ہیوجینوٹ شاعر مورخ اگرپا اوبگنے جس کی تمام مساعی سے ہنری کی یہ تصویر ابھری کہ وہ آج کا نیرو یا پھر سرڈاناپالس ہے جس کی صنف مشکوک تھی اور اغلام بازی والے میلانات کا حامل تھا۔ ایک بادشاہ عورت یا اس سے بہتر ایک مرد ملکہ۔'' اپنی تاریخ یونیورسل ہسٹری میں اوبگنے نے لکھا ''تم یہ بات لوگوں کو با آواز بلند کہتے سنو گے کہ جس وقت سے اس شہزادے نے پیشہ کرنے والے کا روپ دھارا ہے اور غیر فطری عشق کرنے لگا ہے اور یہاں تک ہوا ہے کہ اس نے فاعل کے بجائے مفعولی مسرت میں پناہ حاصل کی ہے ہر ایک کو یوں لگتا ہے کہ وہ دلیری ناپید ہو چکی ہے جو اس خباثت کی پیدائش سے پہلے عموماً دکھائی دیتی تھی۔''

لیکن نصیب کا لکھا کچھ اور تھا کہ ہنری کو متقی کیتھولک کے ہاتھوں بہت مصایب اٹھانے تھے۔ انتہا پسندوں نے اس معاہدہ امن پر شدید اعتراضات کئے جو اس نے شکست خوردہ ہوگونوٹس سے ۱۵۷۶ء میں کیا تھا اور انہوں نے ایک پوتر جماعت بنالی اور اس کا سربراہ ڈوڈی گائیز کو بنا دیا۔ تاہم ہنری ریشہ دوانیوں میں ڈیوک سے بڑھ کر تھا اور اس نے داؤ پیچ کر کے خود کو پوتر لیگ کا سربراہ مقرر کرا لیا اور پھر لیگ کو تحلیل کر دیا۔ کیتھولک مصنفین کے حملے اس وقت زور پکڑ گئے جب ۱۵۸۴ء میں ہنری کا چھوٹا بھائی مر گیا اور بادشاہ ابھی تک لاولد تھا۔ شجرہ کی آخری سطر پر موجود اس کے دور پرے کے کزن کو جسے پروٹسٹنٹ ہنری آف ناورّا کہا جاتا تھا اسے وارث تخت تسلیم کر لیا۔ ایک جدید محقق نے یہ حساب لگایا ہے کہ آیندہ پانچ برس میں اپنے قتل سے پہلے کوئی ۹۰۰ دستی اشتہاروں کے ذریعے ہنری کو رسوا کرنے کی کوشش کی گئیں۔ جو عہد مخاصمت کے باوجود ایک ریکارڈ تعداد ہوتی ہے۔ وہ

تمام الزامات—— استبداد، بدعتی، جادوگری اور اغلام بازی، آخری والا لگتا تھا جس کی تردید شاید سب سے کم ہو سکے کیونکہ تمام مظاہر اس کی بہ وضاحت حمایت کرتے تھے۔

ابتدا میں یہ حملے نام نہاد مگنونس کے خلاف ہوئے۔جن کے یہ اوصاف بتائے جاتے (جو ایسے جوان تھے جو ہنریؔ کی سیاست کی حمایت کرتے تھے) یا پھر (خواب گاہ میں مرغوب تھے)۔ان پر جو دولت وثروت ارزاں کی جاتی اس پر برہم ہو کر نقادوں نے ان پر فحش مصرعے کہنے شروع کر دیے۔ایک سونیٹ میں انہیں ''بے شرم گینی میڈزؔ'' کہہ کر مذمت کی گئی۔ایک میگنون کی یہ تعریف کی گئی کہ (سینٹ لکؔ) جنگ میں بہت شجاع ہے لیکن یہ الزام عاید کیا گیا کہ اس کی ترقی کا دارومدار اس کی مقعد پر ہے۔ جب میگنونسؔ ایک مرتبہ ننگے پاؤں اور ایسے بوروں میں ملبوس جن میں سر ڈالنے اور پاؤں نکالنے کے واسطے سوراخ رکھے گئے تھے بادشاہ کے پیچھے توبہ و استغفار کے جلوس میں پریڈ کر رہے تھے اور ایک دوسرے کی پیٹھ پر تازیانے برسا رہے تھے تو کسی مسخرے نے یہ فقرہ چست کیا کہ انہیں چاہئے کہ وہ اپنی ضربیں ذرا نیچے لگائیں۔

اس بادشاہ کے عہد میں کوئی درجن بھر افراد کو میگنون کے عہدے پر فایزؔ کیا گیا۔چھتے افراد کو ۱۵۷۳ء میں ایک چوکڑی بنائی گئی۔قیلسؔ، فرانکوایز ڈراوؔ، سینٹ لکؔ اور سینٹ سلپائیسؔ، ایک دند مچانے والے جوان شریف زادے کا جھگڑا ہو گیا جس کا نام بسّی ڈا امبوائیسؔ تھا جو ہنریؔ کے بھائی کا پسندیدہ شخص تھا وہ محض اس لئے قتل کر ڈالا گیا کیونکہ وہ ''خواب گاہ میں مرغوب تھے'' کہہ کر مذاق اڑایا کرتا تھا۔ چند ماہ بعد ایک بڑی خونریزی ہوئی جب قیلسؔ اپنے دو دوستوں ماوگیرونؔ اور لیواروٹؔ کے ساتھ ڈیوک ڈی گائیزؔ کے حامی اور اس کے ساتھی لڑ پڑے جس میں دو افراد میدان میں مارے گئے ایک اور دوسرے دن مر گیا۔مرنے والوں میں سے ایک ماوگیرونؔ تھا جو ہو سکتا ہے کہ قیلسؔ کا عاشق ہو۔زخمی ہونے والا قیلسؔ ایک ماہ صاحب فراش رہا جس کی دیکھ بھال بادشاہ نے کرائی۔غمزدہ بادشاہ نے سنگ مرمر کا بنا ہوا ایک جوڑا تیار کرا کر پیرس کے سینٹ پال کے کلیسا میں نصب کرا دیا۔

یہ بات ناگزیر تھی کہ میگنون پر حملوں سے بادشاہ بھی متاثر ہو جب کہ کارٹونوں، کندہ

کاری، طنزیہ شاعری اور دستی اشتہارات کا سیلاب سا آ گیا۔ ''والوالیس کے ہنری کے قابل مذمت اطوار'' یہ ایک ایسا گالی گلوچ والا اشتہار تھا جس پر ہنری کو تسلیم کرنا پڑا کہ وہ ایک کارو ہے، عیش پرست آدمی ہے، تزویج محرمات پر عمل کرتا ہے اور لونڈے باز بھی ہے۔ ایڈورڈ۔دوم کے پیرز گاوَسٹن سے عشق کا ہم عصر ماجرا یہ ہے (۱۵۸۸ء) کہ جس میں اس تاجور کا ذکر ہے جس کے ستارے گردش میں تھے اور وہ منحوس حالات کا موازنہ کرتا ہے۔ ایک منقش تختی ایسی ملی ہے جس میں ایک ''دوجنسا'' کا مضحکہ اڑایا گیا ہے کہ ہنری کے دربار میں کیسی وضع اختیار کی جاتی تھی اور اشعار کے ذریعہ یہ کہا گیا کہ ''میں مرد ہوں اور نہ ہی عورت۔۔۔ان دو میں سے کیا بنوں۔۔۔بہتر تو ہے کہ دونوں بنوں۔ کیونکہ اسی میں دگنا مزا ہے۔''

لیکن کیا واقعی ہنری ایگنونس سے جنسی تعلقات پیدا کرتا تھا پیر شیویلیر جس کی سوانح عہد حاضر کی سب سے زیادہ گہرے مطالعے کی حامل ہے اس کا یہ کہنا ہے کہ ہمارے پاس ایسا کوئی ثبوت نہیں ہے جو قانونی عدالت میں جرح کی تاب لا سکے۔ لیکن یہ بھی درست ہے کہ یہ کسی تاریخی سوانح عمری کے لئے ایک غیر معقول معیار ہے۔ اس کا طرز حیات قانون قواعد میں محصور تھا، اس کا میگنون سے مل کر گروہوں کی صورت میں میخواری اور رقص وسرور کی محفلوں کا برپا کرنا، اس کا مساکیت زدہ ہونے کا احساس جرم اور اس کا اپنے وجیہہ نوجوان پیروکاروں سے شدید نوعیت کا اختلاط اور جن میں سے چند ایک سے وہ ان کے اختیار کردہ زنانہ ناموں سے مخاطب ہوتا یوں ان سب باتوں سے لگتا ہے کہ وہ جنسی طور پر بھی ملوث تھا۔ سیوویارڈ کا سفارتکار ڈی لوسنج نے یہ اطلاع بھیجی کہ ہنری کو ہم جنس پرستی کی راہ پر اپنے ڈی ولیکویر نے ڈالا تھا یہ وہ شخص تھا جو اس کے پولینڈ کے قیام میں اس کے متصل کمرے میں قیام کر چکا تھا۔ اس بدی کو ہنری میں سرایت کرانے والا وہی تھا جسے فطرت حقارت سے دیکھتی ہے اور وہ اس عادت سے نجات نہ پا سکا۔۔۔ میں تو یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس کی پوری کابینہ اس کا پورا حرم تھا جو اوباشی اور شہوت پرستی میں غوطہ زن تھی۔ گویا یہ کوئی اغلام بازی کا اسکول تھا جہاں غلیظ رنگ رلیاں ہوتیں جن کے متعلق پوری دنیا کو معلوم تھا۔ شیویلیر اس شہادت کو ضعیف بنانے کی کوشش کرتا ہے لیکن وہ بڑی سنجیدگی

سے اس کے اس نظریے کو کھوکھلا بنا دیتا ہے کہ ہنری کی اغلام بازی پوشیدہ رہی لوسنج کا دعوی ہے کہ ولقایر وہ شخص تھا جس نے پہلی مرتبہ بادشاہ کو اس پر اکسایا کہ وہ ہم جنس پرستی کا تجربہ کرے جس کی تصدیق اس شہادت سے بھی ملتی ہے جو ہنری کے جاں نثار حامی جیکس آگسٹے ڈی تھو نے اپنی تصنیف و ہسٹری آف ہزاون ٹائم، جو لاطینی زبان میں ۱۶۰۴ء اور ۱۶۰۸ء کے درمیان میں شایع ہوئی تھی۔

ہنری کے نصیب نے ۱۵۸۸ء میں ایک اور کروٹ لی جو مزید خرابی کی طرف تھی۔ ابھی تک ہنری آف ناوڑا جو اس کا حلیف چلا آ رہا تھا تین ہنریوں کی جنگ میں ہنری آف گایز کے خلاف لڑا تھا۔ اسے ایک مجمع نے پیرس سے نکال باہر کیا جس کا سبب اس کی میگنونس سے نفرت بنی اور ہجوم نے قیلوس اور ماوگیران کے مجسمے بھی توڑ پھوڑ ڈالے۔ دسمبر میں ہنری نے گایز اور اس کے بھائی اسقف لورین کے سیاسی قتل کے احکام جاری کر دیے۔ جس پر سکٹس ۔ پنجم نے اسے مسیحیت سے خارج کر دیا۔ اس کے فوراً بعد اسے ایک متشدد راہب نے چھرا گھونپ کر قتل کر ڈالا جو مقدس جماعت کا سرگرم فدائی تھا۔ یوں فرانس کا تخت مسلمہ پر جنسیہ ہنری چہارم کو چلا گیا۔ ایپرنون اور ایک دوسرا میگنون بیلگارڈے ہنری کے بستر مرگ کے قریب موجود تھے۔ اکیس برس کے بعد انہوں نے یہ سبقت کی کہ اس کی لاش کو شاہی مقبرے میں جو سینٹ ڈینس کے کلیسا میں واقع تھا لے جا کر دفن کر دیا۔ یہ ایسی خدمت تھی جس سے اس کے جانشین نے پہلو تہی کی تھی۔

شعرا کی بغاوت:

یہ ہنری چہارم تھا جو فرانس کی مذہبی جنگوں کا ۱۵۹۲ء میں خاتمہ کر سکا۔ جس کے لئے یہ نعرہ استعمال کیا ''پیرس عشائے ربانی کا بہ خوبی حق دار ہے۔'' لیکن یہ سب سیاسی مصلحت والا ایک عمل تھا جس کا بہ مشکل کیتھولک زہد سے کوئی واسطہ ہو۔ اس لئے ۱۶۱۵ء تک ٹرینٹ کونسل کے قوانین فرانس میں تسلیم کئے جا سکے۔ چند لوگوں نے نہایت خشک سا یہ تبصرہ کیا کہ اب یہ مناسب ہے کیونکہ پہاڑ سے اونچی بدی پہلے ہی الپس کو پار کر چکی ہے۔ ہنری بذات

خود کوئی تقوی کا نمونہ نہ تھا۔ اس کا دربار داشتاوں اور شاہی حرامیوں سے بھرا ہوا تھا۔ پروٹسٹنٹوں کا اختلاف رائے جس کے ساتھ تین دہایوں پر پھیلی ہوئی جنگوں سے پیدا ہونے والی حقیقت بینی نے مادیت کا فلسفہ شکوک کا حامل انتشار پر مایل عہد تخلیق کردیا تھا۔ مختصراً ادبی پیرس کا ۱۶۰۰ء سے ۱۶۳۰ء کا عرصہ برطانیہ میں سادگی پسندوں کے زوال کے بعد بحالی کے لئے ڈول ڈالنے کے مترادف تھا۔ اس انقلابی ماحول کی گرما گرمی میں چند شاعروں نے یہ دلیرانہ عہد کیا کہ انہوں نے اپنی جنسی سرگرمیوں کو تمسخرانہ منظومات کے ذریعہ کھلم کھلا بیان کرنا شروع کردیا۔

تھیوفایل ڈی ویؔ او ایک پروٹسٹنٹ خاندان میں ۱۵۹۰ء میں پیدا ہوا جس کا تعلق گاسکونی کے نچلے شرفا میں سے تھا۔ وجیہہ گستاخ اور دلفریب ہونے کے علاوہ وہ فرانسیسی زبان کے اپنے عہد میں مقبول ترین شعرا میں سب سے اچھا سمجھا جاتا۔ صدی کے ختم ہونے تک اس کی نظموں کے ترانوے ایڈیشن شایع ہو چکے تھے۔ اس کے نزدیکی حریف مالحربؔے سے کوئی پانچ گنا زیادہ مرتبہ۔ تھیوفایؔل جیسا کہ اسے اکثر پکارا جاتا۔ وہ فطرت کے متعلق بلند آہنگ رزمیہ شاعری کے علاوہ جو کھُمی مجامعتوں کو بیان کرتا۔ کبھی کبھار روحانی نظمیں اور کبھی مبتذل نظمیں کہتا۔ اس کے ہم کار 'آزاد' کہلاتے اس لقب کا پہلے تو مذہبی پر جنسی کا مفہوم لیا جاتا اور پھر کہیں جا کر جنسی بے راہ روی کا۔ وہ کہیں نہ دیکھتے ''نہ خدا کی جانب نہ کلیسا کی طرف بلکہ صرف فطرت کی طرف —— ایک فطرت جس کی باگیں انجام مطلق کی جانب لے جاتی ہیں جن کو آپ آزاد کرانے والی قوت سمجھئے اور جو وحی کے ذریعے اترنے والے کٹر مذہب سے کہیں زیادہ بالادست ہیں'' مسرت کے حصول کے واسطے وہ مشورہ دیتے کہ مردوں اور عورتوں کو اپنی جبلتوں کی پیروی کرنا چاہئے۔ تھیوفایؔل نے اس فلسفہ فکر کی اپنی پہلی طنزیہ نظم میں حمایت کی۔ تھیوفایؔل کی نظر میں ''فطرت'' کے معنی دونوں یعنی پر جنسیت اور ہم جنس پرستی والی خواہشات ہیں۔

تھیوفایؔل کی نظموں میں فلسفیانہ اور اساطیری دونوں قسم کے خیالات شامل ہیں اس کے علاوہ دیہی زندگی اور مختصر بذلہ سنجی والی نظمیں ۔ ایسی نظمیں جو چنڈوخانوں میں دل بہلانے والی یا پھر پیرس کے طعام خانوں میں جو دھویں سے بھرے ہوتے وہاں ناچ دیکھنے

والوں کے لئے گھن گرج والی۔ ان میں سے چند ایک میں ایسی قافیہ بندی کی جاتی اور مذہبی عقاید کا مضحکہ اڑایا جاتا۔ اس کے علاوہ وہ ممنوع معاشقوں کے گیت گائے جاتے۔ ۱۶۱۹ء میں ''آزادیوں کا شہزادہ'' پیرس بدر کر دیا گیا کیونکہ ''ایسی نظمیں کہتا جو کسی مسیحی کے شایان شان نہ تھیں۔'' عین اسی زمانے میں وہ ایک انیس برس کی حسین اور باصلاحیت لڑکی سے ملا اور اس کے عشق میں گرفتار ہو گیا جس کا تعلق اشرافیہ طبقے سے تھا جس کا نام والے ڈیس باراوکس تھا جس سے اس نے عاشقانہ اور قدرے جنسی خطوط کا تبادلہ لاطینی زبان میں کیا۔ نام میں ایک تنبیہہ بھی شامل تھی۔ ڈیس باراوکس کے بڑا تایا جیوفرے وِیلے کو بے دین کہہ کر جلایا جا چکا تھا۔ جوان شاعر اسی طرح مذہب سے متنفر تھا اور روایتی خیالات کا بے لگام حد تک مخالف تھا۔ ان کی بدانجام والی محبت اور پر آزار یکجائی کا موازنہ ملکہ وکٹوریہ کے عہد حکومت میں آسکر وائلڈ اور لارڈ الفریڈ ڈگلس سے کیا جاتا ہے۔

تھیوفائل کی چنڈو خانے والی نظمیں ویلوتی اور رابیلائیس کے جذبوں کی مظہر ہیں جو جنس کو اور اس کی معذوریوں کو مریضانہ شک والی ظرافت سے دیکھتا ہے اور جس پر بڑی فیاضی سے اپنے زمانے کی فضا کے مطابق فحاشی کا چھڑکاؤ کیا گیا ہے۔ اس کی ہم جنس پرستی پر مبنی نظموں میں لگتا ہے جیسے مارشیل اور پیٹرونیس سے چنداں استفادہ کیا گیا ہو لیکن ان میں ایسی ملنساری کا تڑکا بھی لگا ہوا ہے جو دونوں متقدمین میں نایاب ہے۔ وہ لونڈے بازی میں نہیں مبتلا لیکن ایک مخصوص نوعیت کی مردانہ رفاقت ضرور رکھتے ہیں۔ ایک نظم کا خاتمہ روایت کے مطابق ہوتا ہے اور اس میں ہم عصروں کو اس طرح شامل کیا جاتا ہے جیسے معیاری کلاسیکی حوالہ جات کو۔ یہ ایک اشرافیہ طبقے کے عاشق سے التجا ہے جسے اپنا وعدہ ایفا کرنے میں تکلف ہے۔

فرانسیسی نظم کا مفہوم یہ ہے۔ ''اپولو نے اپنے نغموں سے جوان ہیاسنتھ کو رجھایا۔ اگر کوریڈون نے امینٹوس کو چودا تو قیصر نے صرف لڑکوں سے عشق کیا۔ موسیو لی گرانڈ (بیلے گارڈے) کی بھی گانڑ ماری گئی ایسا ہی کو مٹے ڈی ٹونیرے سے بھی ہوا، اور اے عالم فاضل انگلینڈ کے بادشاہ (جیمس اول) کیا ایسا نہیں ہوا کہ اس نے بکنگھم کو نہ چودا ہو؟ نہ تو میں اعلیٰ نسب ہوں اور نہ ہی ذی مرتبہ کہ کسی مارکویس اور فاحشہ میں فرق کر سکوں، تا ہم تم بھی بہ خوبی

واقف ہو کہ میرا بھی ایسے ہی کھڑا ہوتا ہے جیسا کہ کسی شاہی شہزادے کا۔

ہوسکتا ہے کہ ایسی نظمیں نجی حلقوں میں تقسیم کی جاتی ہوں یا بے تکلف لوگوں کے مجمع میں سنائی جاتی ہوں، ان کی اشاعت میں بہت سے خطرات تھے۔ یسوعی مصلحین اس پر اڑے ہوئے تھے کہ اس قسم کے مذہبی انحرافات اور اخلاقی اختلافات کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں گے یوں انہوں نے تھیوفائل کو بے دین کہہ کر حملہ کردیا۔ اس وقت کی تعریف کے مطابق ایسا شخص جو کائنات کے متعلق ابیقواسی اور مادیت پسندی والے نظریات رکھتا ہو۔ ۱۶۱۹ء میں اطالوی فلسفی راہب لوسیلیو وینینی کی زباں گدی سے کھینچ کر نکال لی گئی اور اسے ایسے ہی الزام میں طولوس میں زندہ جلا ڈالا گیا۔ ہم جنس پرستی کا سرعام اعتراف بھی کسی کو ایسے ہی خطرات سے دوچار کرسکتا تھا۔ جب پیری گاراسے نے جو ایک یسوعی مجاہد تھا نے اس پر اپنی کتاب میں حملہ کیا اور آزاد منش مصنفین کی مذمت کی تو اس کی گرفتاری کے لئے وارنٹ جاری کیا گیا۔ تھیوفائل اس پر فرار ہوگیا اور اس توقع پر نیدرلینڈ کی جانب کہ وہاں محفوظ رہے گا۔

اس کی عدم موجودگی میں اس پر پیرس میں مقدمہ چلا جہاں اسے یہ سزا سنائی گئی کہ اسے زندہ جلا دیا جائے۔ الزامات تھے ''گناہ گاری، مذہب کی بے حرمتی اور مکروہ حرکات۔'' شاعر کو نہ پاکر صاحبان اختیار نے بید کا نیا مجسمہ شعلوں کے حوالے کردیا۔ پکڑ جانے کے بعد اسے یہی سزا ملتی اگر اس کے بارسوخ دوستوں نے مداخلت کرکے از سرِ نو مقدمہ چلانے پر صاحبان اختیار کو نہ آمادہ کرلیا ہوتا۔ ایک جوان آدمی بنام لویس ساجوٹ جو پیروائسن کا متوسل تھا۔ یہ بھی یسوعی تھا جس نے گاراس کی اس پر مقدمہ چلانے میں اعانت کی۔ اس نے عدالت میں گواہی دی اور کہا کہ تھیوفائل نے ایک ایسی نظم کہی تھی اور شکوہ کیا تھا کہ اسے ہمیشہ پھوڑے پھنسی کی شکایت ہوجاتی ہے جب بھی میں نے کسی لڑکے کی ''مقعد والی'' رفاقت سے اجتناب کیا ہے۔ یہ باتیں تھیوفائل کے خلاف جا رہی تھیں۔ اسے جیل کے سنگین حالات سے اس قدر ہمت شکنی ہوئی کہ اس نے یہ کوشش کی کہ وہ فاقہ کرکے مر جائے۔ لیکن جب اس کا اپنے الزام دھرنے والے سے سامنا ہوا جو یہ بیان کررہا تھا کہ اس نے کس طرح یہ دیکھا کہ وہ اغلام بازی میں جٹا ہوا تھا تو ساجوٹ کی ہمت جواب دے گئی

اور اس نے تسلیم کرلیا کہ وہ والیئن کی فرمائش پر حلفاً دروغ گوئی کررہا تھا۔ اس کے بعد ڈیس باریکس نے شہادت دی کہ والیئن نے اس وقت ورغلایا تھا جب وہ جیسوٹ (یسوعی) کالج میں زیر تعلیم تھا۔ مقدمہ بیٹھ گیا اور سابقہ عدالتی فیصلہ منسوخ کرکے واپس لے لیا گیا۔ اور والیئن کو ذلیل کرکے ملک بدر کردیا گیا۔ تھیوفائل کو دیس بدری کی سزا سنا دی گئی مگر اس پر عملدرآمد نہ کرایا گیا۔ اس ابتلا سے گزرنے کے کوئی سال بھر بعد ۱۶۲۶ء میں اس کا انتقال ہوگیا۔ اس کی صحت دو سال کی اسیری میں جواب دے چکی تھی۔ ڈیس باراوکس اپنے ساجن سے پھر آملا تھا اور اس وقت اس کے پہلو میں موجود تھا۔

اگرچہ داروگیر ناکام ہوچکی تھی لیکن اس نے سرعام آزادانہ پن کے عہد کا خاتمہ کردیا۔ مذہبی اور جنسی آزاد خیالی کیتھولک ردعمل کے سامنے بھک سے اڑ جانے والی شے ثابت ہوئی جو فرانس میں روزانہ قوت پکڑ رہی تھی۔ تھیوفائل چتا میں جلنے سے محض اس لئے بچ گیا کیونکہ اس نے کیتھولک مذہب اختیار کرلیا تھا اور اس کے مناسک پر بڑی شدومد سے عمل کرتا اور روبکاری کے وقت اس بات کی تردید کرتا رہتا کہ اس نے شہوت والی عشقیہ نظمیں لکھی تھیں اس کے علاوہ اپنی تمام تحریروں میں پائی جانے والی بے دینی کے مفاہیم سے بھی بریت کا اظہار کرتا۔ ایسا نہیں تھا کہ تھیوفائل میں جرأت کی کمی ہو۔ اس نے اپنے ان دوستوں کو ملوث کرنے سے انکار کردیا جنہوں نے چند ایسی نظمیں لکھی تھیں اور جنہیں اس سے منسوب کیا جاتا تھا اور یہ سب مقدمے کے دوران میں ہوا۔ ہمیں اسے جام شہادت نہ نوش کرنے پر معاف کردینا چاہیے۔

ڈیس باراوکس اپنے عاشق کے بعد سینتالیس برس جیا اور اس کی وفات ۱۶۷۳ء میں ہوئی۔ پیرس میں اپنے پارلیمانی فرائض سے لاابالی برتنے والا، اسے دو لقب دیے گئے، تھیوفائل کی بیوہ اور دوسرا مانا ہوا بدچلن۔ ایک گستاخ مقبول گانا جوان دنوں چل رہا تھا اس میں دعویٰ کیا گیا تھا کہ وہ اغلام بازی کی ''تمام نئی مسرتوں'' سے واقف ہے۔ تھیوفائل کے حلقے کے ایک اور رکن نے شاعر کی جگہ لی اور ڈیس یااوکس کا قریبی یار بن گیا۔ یہ ڈینس سانگن ڈی سینٹ پاروئن تھا جس کے پاس اشرافیہ طبقے کی ناقابل اتہام اسناد تھیں مگر وہ لونڈے بازی کا بادشاہ کہلاتا۔ وہ اس لقب کو بڑے غیر جذباتی انداز میں قبول کئے رہا اور

اپنے عہدے کی حفاظت میں اور سماجی حیثیت میں وہی مقام رکھتا جیسے اطالیہ میں کوئی ایک صدی پہلے اپنی صلاحیتوں کے طفیل سوڈوما کہلاتا تھا۔ بطور ''سفارشی'' راہب اس کے کوئی بھی مذہبی فرایض نہ تھے اور وہ اپنی زندگی 'سطحی علم کا حامل شریف آدمی' کی طرح بسر کرتا اس لئے اس کا مادام سیوگنےؔ اور مارکولیس رامبولٹ کی محفلوں میں اس لئے پرتپاک استقبال ہوتا کیونکہ اس کا مزاج ملنسارانہ تھا۔

سینٹ پاونؔ نے سمجھ داری سے کام لے کر اس کی نظمیں شائع کرنے سے اجتناب کیا۔ حالانکہ اس نے انہیں اپنے بے تکلف حلقے میں پڑھ کر سنایا مگر زیادہ تر کلام بیسویں صدی تک مخطوطوں کی شکل میں رہا۔ ایک مقفی نظم میں وہ ڈی باراوکسؔ کو مبارک باد دیتا ہے کہ اب وہ خانقاہ کی ملازمت سے ریٹایر ہو رہا ہے جہاں وہ مریدوں میں ''اپنے من موجی طبیعت کے معاملے میں کتنا خوش نصیب ہے وہیں پر اسے دونوں یعنی نجات اور مزے میسر آ گئے ہیں۔'' ہر نظم کے بعد نئی نظم میں جنسی مسرتوں کے جایز ہونے پر وہ اعلان کئے جاتا ہے۔ جب وہ تہتر برس کا تھا تو اس نے ملک بدر مارکولیس ڈی جارزئےؔ کو لکھا '' جہاں تم رہتے ہو وہاں تمہیں کوئی ٹوہ والی نظروں سے نہیں دیکھتا جس سے درباریوں کو ایذا دی جاتی ہے، جاو چرواہن کو رجھاؤ اور چاہو تو گڈریے پر بھی ہاتھ صاف کرلو۔۔۔ اور خود کو محض عیش کے لئے وقف کردو جو بھی تمہارے من کو بھائے۔ اخلاقیات کی نہ سنو۔ فطرت جو کہیں زیادہ آزادی پسند ہے یہ ہمیں اکثر ایسی سینکڑوں چیزوں کی اجازت دیتی ہے جن کی ممانعت ہے۔ وہ اکلوتی ہے جو اپنی عظیم تصنیف میں ہمیں بتاتی ہے کہ کیسے جینا ہے۔'' یہ اس کا عہد کا ایک مخمصہ تھا جس میں اشرافیہ کے مرتبے کا ہونا اس کے مترادف تھا کہ ہر وہ چیز جیسے ہم جنس پرستی سے خوفزدہ لوئیس۔ چہاردہم نے سینٹ پاونؔ کو ۱۶۶۸ء میں اپنا اعزازی چیپلن بنادیا تھا۔

لوئیسؔ۔ سیزدہم، مردحق:

سینٹ پاونؔ کا عہدہ جو اس کی موت سے کوئی سال بھر پہلے ملا اعزازی تھا اور بلا

اختیارات کے تھا۔ آزاد منش شعرا جیسے تھیوفائلؔ وغیرہ انہیں طاقتور امرا اکثر بچائے رکھتے لیکن ان کا سماج میں اثر و رسوخ حاشیے کے اندر رہتا۔ اور دیگر متوسط طبقے اور زیریں طبقات کی طرح ان پر تعزیر کی تلوار لٹکتی رہتی۔ ان میں سے ایک کلاڈ ڈی پیٹیؔ نے ایک سونیٹ لکھا جس میں نیم مداحانہ اور نیم مضحکہ خیز انداز اختیار کیا جب کہ موضوع تھا ۱۶۶۱ء میں اغلام باز دوست کو جلائے جانے والا واقعہ۔ سال بھر بعد اسے خود فحش شاعری شائع کرنے کے الزام میں زندہ جلا ڈالا گیا۔ ''وہ مر گیا'' اس کے ایک غیر ہمدرد تماشائی نے لکھا۔ '' اسی نام نہاد جرات کے ساتھ جیسا کہ دیگر اسی جیسے بدنصیب کر چکے ہیں اور جن کے میلانات کا وہ بھی حامل تھا۔''

اس کے باوجود حالات کی ستم ظریفیاں بے حد و حساب ہوتی ہیں جدید جمہورتیوں میں ہم جنس پرستوں نے خال خال ہی حکومت کی ہے لیکن ان ملکوں میں جہاں تاجوری کا نظام حکومت تھا وہاں اقتدار کی منتقلی موروثی ہوتی۔ اور اس کا ہمیشہ امکان رہتا کہ وہ حکمران یا تو ہم جنس پرست ہو گا یا پھر دو جنسیا۔ ایسا مرد یا عورت جس کے اطوار کو کلیسا مردود قرار دیتا عین ممکن تھا کہ اقتدار اعلیٰ پر فایز ہو۔ ہم جنس پرستوں کے متعلق سمجھا جاتا کہ وہ نمایاں نہ رہیں۔ لیکن نشاہ ثانیہ کے زمانے کے بادشاہ اور ملکاؤں کا طرز بود و باش درشنی ہوتا اس قسم کی بے قاعدگی لازم تھا کہ مخصوص کو جنم دے۔ کسی بھی زمانے میں وہ اتنا نمایاں نہیں ہوئے جتنا کہ سترہویں صدی کی ابتدا میں۔ نو سالہ لوئیسؔ۔ سیزدھم اپنے باپ ہنریؔ چہارم کی جگہ تخت پر بیٹھا۔ جو ہنریؔ سوم کی طرح اس سے پہلے کسی جنونی کیتھولک کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتارا گیا تھا۔ ان دنوں یورپی تاریخ میں ایک ''اغلام باز'' جیمز۔ اول انگلینڈ، اسکاٹ لینڈ اور آئرلینڈ پر حکمرانی کر رہا تھا۔ ایک اور روڈولفؔ۔ دوم مقدس رومن سلطنت پر صدارت کر رہا تھا۔ اور فرانس کو اگلی نسل میں ایک لونڈے باز بادشاہ ملنے والا تھا۔

لوئیس سیزدھم کے اپنے باپ سے تعلقات قریبی اور محبتانہ تھے۔ شاہانہ جھونجل میں کبھی کبھار رخنہ پڑ جاتا۔ اس کے احساسات ماں کے متعلق واضح طور سرد مہری والے تھے۔ ماری ڈی میڈیسیؔ کئی برس تک بطور اتالیق حکمرانی کرتی رہی۔ لیکن جب لوئیسؔ پندرہ سال کا ہوا تو اس کا غیر مقبول مشیر کونسینیؔ قتل کر ڈالا گیا، اس کی بیوی کو جادوگرنی کہہ کر جلا کر مار ڈالا

گیا اور خود ملکہ کو ملک بدری کا منہ دیکھنا پڑا۔ لوئیؔس کی پرورش میں اس کے ذاتی طبیب کا بھی نہایت اہم کردار تھا جس کا نام جین ہیرورڈ تھا۔ وہ لوئیؔس کی پیدائش کے وقت موجود تھا اور آیندہ بیس سال تک اس کا ہم جلیس رہا اور اس تمام عرصے میں اس نے لوئیؔس کے طبی علاج کی گھنٹوں کی بنیاد پر یادداشتیں تیار کی تھیں اور اس کے ذاتی اطوار کے متعلق بھی۔ جس کے نتیجے میں ہمیں لوئیؔس سیزدھم کے بچپنے اور لڑکپن کے متعلق اتنی تاریخی معلومات حاصل ہوئی ہیں جتنی کسی اور تاریخی شخصیت کے متعلق دستیاب نہیں ہیں۔

لوئیؔس کو اپنی جنسیت کے متعلق اتنی آگاہی ہو چکی تھی جیسے ہی اس نے بولنا سیکھا۔ ہنریؔ چہارم کے دربار میں صاف گوئی کے نام پر پھکڑ پن پیدا ہو گیا تھا جہاں پر اسے یہ معلوم ہوا کہ ہر اولاد اکبر شہزادے کا اولین فرض یہ ہے کہ وہ ایک اور اولاد کو پیدا کرے۔ اسے یہ تربیت دی گئی کہ وہ اپنی پھنو کو شہزادی کا مزہ کہے کیونکہ اسپین کی شہزادی اس کی ٹھیکری کی مانگ تھی۔ لیکن بچپن ہی میں یہ بات صاف ہو گئی تھی کہ لوئیؔس لڑکیوں کے بجائے مردوں میں زیادہ کشش محسوس کرتا۔ گیی ٹالیمانٹ ڈیس ریکسؔ نے یہ لکھا ''کہ بادشاہ نے سب سے پہلے جس سے اظہار الفت کیا وہ اس کے کوچوان کی ذات تھی جس کا نام سینٹ آمورؔ تھا۔ اس کے بعد اس نے جس پر اپنی مہربانی ظاہر کی وہ حرنؔ تھا جو اس کے کتوں کی نگہداشت پر مامور تھا۔ جب دس برس کا ہوا تو لڑکے کے پرجوش جذبات کو یہ ضرورت درپیش آئی کہ وہ کسی عمر رسیدہ سے خود کو وابستہ کرلے جس کا اظہار یوں ہوا کہ اس نے اپنی وارفتگی کے لئے اپنے بازدار کو منتخب کرلیا۔ یہ چارلس ڈالبرٹ ڈی لوائنیزؔ تھا جو تینتیس برس کا تھا۔ لوئیؔس نے لوائینز کو ایسے اپارٹمنٹ میں اٹھوالایا جو لوورے میں اس کے اپنے اپارٹمنٹ کے اوپر تھا اور اس سے دن یا رات جب چاہتا جا کر ملا کرتا اور اس سے ملاقاتوں کی تعداد آسٹریا کی شہزادی اینؔ سے بھی زیادہ ہوتیں۔ جس سے اس نے چودہ برس کی عمر میں بیاہ کرلیا۔ لوائینزؔ اوسط درجے کی اشرافیہ کا بامراد شخص جس میں کوئی غیر معمولی صلاحیتیں نہ تھیں وہ نرمی سے اور پدرانہ شفقت سے نوجوان بادشاہ سے پیش آتا جسے اپنی قوت فیصلہ پر اعتبار نہ تھا فی الواقع وہی سلطنت پر حکمرانی کر رہا تھا۔

اگر لوئیؔس بھی ہنریؔ سوم کی طرح مردوں میں دلچسپی لیتا اور ویسا ہی مذہبی کٹر پن ہوتا،

ہمیں تو یہ کہنا چاہیئے کہ وہ تو اس کے برعکس تھا۔ اسے نہ کپڑوں سے نہ آرٹ سے اور نہ ہی ادب سے کوئی لگاؤ تھا۔ وہ تو شکار اور جنگجوی پر فدا تھا اور اپنی فوجوں کی خود سپہ سالاری کرتا۔ حالانکہ وہ شاہی مہمان داری کے اصولوں پر مصر رہتا۔ مگر لوئیس بہ مشکل شاہانہ مذاق کا حامل کہا جاسکتا تھا۔ وہ متعدد دستکاریوں پر مہارت رکھتا تھا، بازار میں فروخت کرنے کی غرض سے مٹر کی کاشت کرتا، اس نے بچھڑے کے گوشت کے پارچے بنانا سیکھا اور یہ سب درباریوں کی تحقیر کے لئے۔ ہنری نرم مزاج ہونے کے باوجود الفاظ وضاحت سے ادا کرتا۔ لوئیس چونکہ ہکلاتا تھا اس لئے کم بولتا اور بسا اوقات اکل کھرا اور بے کیف رہتا۔ جس نے بھی شاہی احکام کی سرتابی کی تو اس کی وہ تنبیہہ کرتا جس سے اس کا نام لوئیس، مرد حق پڑ گیا۔ مگر اس کا انصاف کبھی کبھار عدل کی حد سے نکل کر بے رحمی کو چھونے لگتا۔ اس سب کے باوجود چونکہ اس پر زنانے پن کا کلنک کا ٹیکہ نہیں لگا تھا اور وہ کیتھولک عقیدے پر دل و جان سے وابستہ تھا اس لئے اسے وہ مصایب نہ جھیلنے پڑے جو ہنری سوم کو برداشت کرنا پڑے تھے۔

ہیرورڈ کے روزنامچے میں لوئیس کے بچپنے میں ہونے والے طغیان شہوت کو بھی درج کیا گیا ہے۔ ہمیں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ شاہی شادی اور شب عروسی میں چودا پیٹی نہیں ہوئی تھی۔ تین سال کے بعد لوونیز اشکبار بادشاہ کو اٹھا کر این کے کمرہ استراحت میں لے گیا اور بس اسے بستر پر پھینکے بغیر لٹا دیا۔ جب لوئینز بہ وجہ بخار ۱۶۲۱ء میں مرا تو سوگوار لوئیس (عمر بیس سال) پژمردہ ہو گیا اور افسردہ رہنے لگا۔ اب تک وہ اپنی جذباتی زندگی کو سیاست سے جدا رکھنے کی حکمت کا قایل ہو چکا تھا۔ اس نے عہد کیا کہ آیندہ اس کا کوئی بھی چہیتا اس کے انتظامی امور میں کوئی کردار نہیں ادا کرے گا۔ ایسا اصول جس پر وہ سختی سے کاربند رہا۔ تب ۱۶۲۴ء میں لوئیس نے اپنے عہد حکومت کا سب سے اہم فیصلہ کیا جب اس نے اسقف رچیلیو کو اپنا مشیر اعظم مقرر کیا۔ رچیلیو کو بادشاہ کی خصوصی رغبتوں کا بخوبی علم تھا۔ جو بظاہر یوں لگتے کہ ان کا صرف یہ تعلق تھا کہ وہ ایسے مردوں سے انسیت رکھتا جو سیاسی معاملات کی حد تک بے ضرر ہوتے۔

رچیلیو نے فرانس کو یورپ بھر کا سب سے زیادہ طاقتور ملک بنا ڈالا اور اسپین کی جگہ

سنبھال لی۔مملکت کے اندر قائم مملکت جو ہیوگونوٹس نے لازوشیل کے مقام پر قائم کر لی تھی اسے ایک فوجی مہم کے ذریعے مسمار کر دیا گیا۔ وہاں کی اشرافیہ کو بڑی بے رحمی سے تخت کے ماتحت لایا گیا اور ہیپسبرگ کی قوت جس سے فرانس کے مشرقی اور جنوبی دونوں سرحدوں پر خطرہ منڈلاتا رہتا تھا اس کا سدباب کیا گیا۔ لوئیس کی نجی زندگی مگر زیادہ کامیاب نہ تھی چونکہ داشتاؤں کی گنجائش نہ تھی اس لئے وہ لوئیس پاک دامن کہلاتا۔لیکن ایسا خطاب مذہب کے مارے فرانس میں جو پر جنسہ تھا ناگزیر طور پر ستم ظریفی سے خالی نہ تھا۔اس میں کوئی بیس برس لگے تب کہیں جا کر تعلقات دوبارہ استوار ہونے کے بعد این کے ہاں بیٹے کی ولادت ہوئی۔ جسے بعد میں لوئیس چہار دہم بننا تھا۔ پہلا والا خوبصورت کثرتی جسامت والا شاہی پیش کار تھا جس کا نام فرانکوایز ڈی باراڈاس تھا۔اس بندھن نے ہنری سوم کے پوتے کے منظور نظر سینٹ لک کو ایک گستاخانہ مقفی نظم کہنے پر مجبور کیا

''لونڈے باز بنو باراڈاس
اگر ابھی تک تم نہیں بنے
بالکل ماوگیرون کی طرح جو میرا دادا تھا
اور لاولیٹا کی مانند۔''

ٹالیمانٹ ڈی ریکس جس نے اپنی تاریخ کی کتاب ہسٹوریٹس میں لوئیس کا جو خاکہ تحریر کیا ہے اس میں بغض کے علاوہ کٹیلا پن ہے۔ یہ لکھتا ہے کہ بادشاہ ''باراڈاس کو دل و جان سے چاہتا ہے اس پر یہ بھی الزام ہے کہ وہ اس کے ساتھ ڈیڑھ سو مرتبہ گندے کام کا ارتکاب کر چکا ہے۔'' باراڈاس کوئی زیادہ ذہین شخص نہیں تھا تاہم وہ شاہی نظروں سے اس وقت گر گیا جب شاہی فرمان کے تحت ممنوع ہونے کے باوجود اس نے مبارز آزمائی کی۔

لوئیس کا آخری منظور نظر وجیہہ ترین نہایت نظر فریب اور نہایت المناک بھی تھا۔ ریچیلیو نے یہ غلطی کی کہ ہنری کو ایفرڈی روز جو کنق مارس کا ماروکس تھا اور اس کا متوسل رہ چکا تھا اس کا اس نے بادشاہ سے تعارف کرادیا جب لوئیس کی عمر اڑتیس برس کی تھی اور کنق مارس انیس سال کا۔ یہ بگڑا ہوا اشرافیہ کا جوان حسین ہونے کے علاوہ شاندار لباس میں ملبوس تھا جس میں ایک قسم کا دکھاوا تھا جس نے منکسر مزاج لوئیس کو الجھن میں ڈال دیا۔لیکن

پژمردہ بادشاہ کے لئے اس کی کڑیل جوانی دلربائی کا باعث بنی اور اعادہ شباب کی کیفیت اس پر طاری ہوگئی اور درباری اس وقت دنگ رہ گئے جب انہوں نے بادشاہ کو ناچتے اور میخواری کے ساتھ ہاؤ ہو کرتے دیکھا۔ ان متضاد لوگوں کی یکجائی زیادہ دیر تک ہموار انداز میں نہ چل سکی۔ تاہم لوئیس نے جو خطوط رتچیلیو کو لکھے وہ گہرے کرب اور شکایات سے پر تھے کہ اس کے منظور نظروں کی لڑائیوں نے اسے کتنی تکلیف پہنچائی تھی۔ لوئیس نے ایک مخصوص سوء اتفاق کے بعد احتجاج کیا ''میں پوری رات بستر میں رہا مگر ایک مرتبہ بھی پلک نہ جھپکا سکا اور میں فی الواقعی بے چین ہوں۔'' دربار کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ معاملے کو اپنے ہاتھ میں لے لے ''بادشاہ ایم لی گرانڈ سے بہت عشق کرتا تھا'' ایک درباری نے یہ لکھا۔ معاملات کا ماجرا ٹالیمانٹ کا بیان زیادہ مفصل ہے۔ وہ بیان کرتا ہے کہ کس طرح ایک اور درباری (جس کا نام وہ لکھتا ہے) نے کنق مارس کو اس وقت حیران کر دیا جب وہ خود کو سر سے لے کر پیر تک یاسمین کے تیل میں غوطہ دے رہا تھا۔ چند ہی لمحوں کے اندر دروازے پر کھٹکھٹاہٹ ہوئی۔ یہ تو بادشاہ تھا۔ یوں لگا جیسے کسی مقابلے میں شرکت کی نیت سے وہ خود غوطہ طہارت کر چکا ہو۔ ایک مرتبہ پھر ایک شاہی سفر کے دوران میں بادشاہ نے ''ایم لی گرانڈ کو بے لباس ہونے کو کہا جو جلد ہی کسی دلہن کی طرح بن سنور کر واپس ہوا ''بستر میں چلو بستر میں'' اس نے بے صبری سے کہا۔۔۔ اور میگنون پوری طرح تیار نہ ہو پایا تھا کہ بادشاہ اس کا ہاتھ پکڑ کر چومے جا رہا تھا۔'' کنق مارس جو خود عورتوں کا رسیا شخص تھا نے صرف یہ کیا کہ ان جذباتی توجہات کو برداشت کرتا رہا۔ لوئیس نے جوان آدمی کو متنبہ کیا کہ اگر اسے کبھی ان دونوں میں سے ایک کا انتخاب کرنا پڑا تو وہ رتچیلیو کا انتخاب کرے گا۔ سنق مارس اتنا ناسمجھ نکلا کہ اس کی بات نہ سمجھ سکا۔ اس نے بادشاہ کے بھائی سے مل کر سازش تیار کی جس کا نام گاسٹن تھا تا کہ اسپینی دستوں کی مدد سے حکومت کا تختہ الٹ دے اور اسقف کو قتل کر ڈالے۔ رتچیلیو کو سازش کی بھنک مل گئی اس نے دھوکے سے سازشیوں سے اقبالی بیانات حاصل کر لئے۔ اپنے منظور نظر کی تلون مزاجی سے تنگ آئے ہوئے لوئیس نے اپنے عہد کے مطابق مملکتی مسایل کو اپنے جذباتی معاملے کے مقابلے میں فوقیت دی اور ۱۲، اگست ۱۶۴۲ء کو جری کنق مارس کا سر اڑا دیا گیا۔ کہا جاتا ہے

کہ اس پر لوئیؔ نے یہ کہا ’’ایم لی گرانڈؔ جلد ہی اپنے برے وقت سے گزر رہا ہوگا۔‘‘ دربار کے چند ارکان نے یہ سمجھا کہ وہ وحشیانہ حد تک سرد مہر ہے۔ ایک سرکاری مورخ جس سے یہی توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ بادشاہ کی مدح و ثنا کرے کہ وہ ذاتی معاملات کو عہد حکمرانی کے مفادات کے ماتحت رکھتا ہے۔ لوئیؔ مرد حق اپنے معشوق سے محض نو ماہ اور جیا۔

موسیو اور مادام:

فرانسیسی روایات —— کہ ادب، فن اور طرز تعمیر میں اور میدان جنگ میں ہونے والی فتوحات پر فخر و مباہات کیا جائے۔ اسے ہی لوئیؔ اعظم چہار دہم کی صدی کہا جاتا ہے۔ ایسے مورخین کے لئے جو اخلاقیات اور ہم جنس پرستی سے متعلق رہے ان کے لئے یہ بڑی ستم ظریفی کا زمانہ تھا۔ بیک وقت مقدس تقلید کو گلے سے لگانے کے ساتھ مکمل آزادی بھی حاصل تھی یہ ایک ایسا عہد بھی گزار ہے جب مردوں اور عورتوں کی نجی زندگیوں کے متعلق منابع اطلاعات کا کسی اور دور سے موازنہ نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ فرانسیسی اشرافیہ کے سر پر ایک نیا جنون سوار تھا۔ ذاتی یادداشتوں کو قلمبند کرنے کا۔ (تاہم ان افشاؤں کا یہ مقصد نہ تھا کہ ان کی فوری طور پر بال کی کھال نکالی جائے، ان میں سے زیادہ تر نے انیسویں صدی تک چھپائی کا منہ نہ دیکھا)۔ دی ہسٹریٹ آف ٹالیمنٹ ڈیس ریکس بسّی رابوٹینؔ کے معاشقے جو سینٹ سائمنؔ کی یادداشتیں تھیں، مارکویس ڈی ساور چیزؔ کی، اور گیوونّی باٹسٹا پریمی وسکونٹیؔ کی اور ڈچز ڈی اولینزؔ کے خطوط ہمیں ان بڑی ہستیوں کے خوابگاہ کے اندر درانہ لے جاتے ہیں۔ جس نوعیت کی مخفی تفصیلات مسیحی عدالتوں نے اسپین میں قلمبند کی تھیں فرانس میں بھی شاہانہ انداز سے ضبط تحریر میں آ گئیں۔ مردوں کے عشق کا موضوع جس کا متوسط طبقے میں ذکر ممنوع تھا اس کا کہیں زیادہ شستہ حلقوں میں دھڑلے سے ذکر ہونے لگا۔

لوئیس چہار دہم یعنی سورج بادشاہ جو پانچ برس کی عمر میں ۱۶۴۳ء میں تخت نشین ہوا اور جس نے ۱۷۱۵ء تک حکومت کی اس کی ذات میں اپنے عہد کے تضادات موجود تھے۔ ہم عصر لوگ اس کی متفقہ طور پر تصدیق کرتے ہیں کہ اس زمانے میں ہم جنس پرستی کا خوف

زوروں پر تھا۔ اس کے باوجود کہ لوئیس کا باپ (لویس سیزدھم) خود ہی ہم جنس پرست تھا چچا (سیزر ڈی ویناڈو) جس کا 'ہوٹل ڈی ویناڈوم' پیرس میں تھا اور جس کی شہرت یہ تھی کہ یہ (ہوٹل ڈی سوڈوم تھا) خود ہم جنس پرست تھا، ایک بھائی جو زرق برق ہم جنس پرست تھا (بنام فلپ ڈی اولینز) اور ایک بیٹا (کومٹے ڈی ورمانڈوائیس) جسے اس نے دیگر جوانوں سے معاملات رکھنے کی پاداش میں سزا دی تھی۔ تھیوفائیل کے حلقوں کی کھلم کھلا آزادروی کا فور ہوچکی تھی ظاہرہ تقلید اور تقوی کی نمایش معمولات میں شامل تھے بالخصوص ۱۶۸۰ء کے بعد جب لوئیس چہاردہم نے اپنی داشتہ سے کنارہ کشی اختیار کرلی اور مادام ڈی مینٹی نون کے حلقہ اثر میں آ گیا۔ سرعام جو اخلاقیات کی مہم یسوعی اور مقدس میثاق مسیحی چلاتے تو یوں لگتا جیسے وہ کامیاب ہورہی ہوں مگر اکثر یوں ہوتا جیسے ٹارٹفے (Tartuffe) کی کامیابی ہوتی۔

۱۶۸۲ء میں ایک عدالتی رسوائی نے سر اٹھایا جس سے یہ واضح ہوا کہ اغلام بازی اس کی مستحق ہے کہ اسے فیشن والی دنیا کی برائی سمجھا جائے۔ چند ہی سال پہلے جوان عیش پرستوں نے ایسے جلسے میں جس میں فرانس کا بالائی طبقہ شریک تھا وہاں ایسے کلب کی بنیاد رکھی گئی اور ایک مضمون لکھا گیا جس کا نام نہایت اشتعال انگیز تھا (Law France Devenue italienne) یہ نظر فریب خاکہ جس کی تفصیلات میں لگتا تھا جیسے حقایق اور تخیل کو یکجا کر دیا گیا ہو اور اسے بڑے پیمانے پر ملک کے طول وعرض میں یہ کہہ کر پھیلایا گیا کہ یہ بسی رابوٹن کی 'ہسٹو ایرآ مورس' کا ایک ضمیمہ ہے جو ورسایلز میں ہونے والی شہوانی سازشوں کا کچا چٹھا ہے۔ اس کا آغاز ایک سرد سے اعلان سے ہوتا ہے۔ دربار میں موجود تمام خواتین کی خوبیوں اور ان کی دلکشیوں سے وہاں کے مرد اس قدر متنفر ہو چکے ہیں کہ ان کی دربار میں حیثیت دو کوڑی کی ہوکر رہ گئی ہے۔ وہاں اوباشی کا ڈیرہ ہے اور دنیا میں کہیں بھی اس سے زیادہ نہ ہوگی۔ اور اگرچہ بادشاہ نے متعدد مرتبہ تسلیم کیا ہے کہ اس قسم کی مسرتوں میں بے حد وحساب خوف و دہشت پنہاں ہے۔ یہ واحد معاملہ ایسا ہے جس میں اس کے احکام کی اطاعت نہیں کی جاتی۔

یہ دعویٰ کیا گیا کہ ان جوانوں نے ایک خفیہ انجمن ترتیب دی جس کو برادری کہا اور

جس کی سربراہی ڈیوک ڈی گرامونٹ کو دی گئی جو مانی کیمپ کا مارکویس تھا اور شیویلیر ڈی ٹلاڈٹ اور مارکویس ڈی بیران کو سونپی گئی تینوں ہی سربراہی کے متمنی تھے۔ دیکھنے میں اس کو اس طرح ڈھالا گیا تھا جو سینٹ لازار کے نقش پر تیار کیا گیا اور اس کا نسبی نشان ایک جوان مرد تھا جو اپنے پاؤں کے نیچے ایک عورت کو اسی طرح سے کچل رہا تھا جیسے سینٹ مائیکل کو شیطان کو کچلتے ہوئے دکھایا جاتا ہے۔ احکام کی تفصیلات وضع کی گئیں جس کا مقصد یہ باور کرانا تھا کہ نوسیکھوں کی خرانٹوں کے ہاتھوں کیسے ابتدا ہو اور عورتوں سے مکمل پرہیز۔ ان بناوٹی قوانین سے ایک خشک ستم ظریفی کا اظہار ہوتا——ان کے پڑھنے سے یوں لگتا جیسے یہ کسی تارک الدنیا برادری کے ضابطے ہوں۔ جب کہ ماجرا یہ ہے کہ اس گروہ کو خلاف توقع کامیابی حاصل ہوئی۔ جب وہ لوگ مقدس اسرار والے کاموں کی تکمیل کر چکے تو سب پیرس لوٹ آئے اور ان میں سے کسی ایک کے پیٹ میں بات نہ پچی تو یہ بات ہر زبان پر تھی کہ دیہی حویلی میں کیا گزری تھی (جہاں وہ تو لوئیس کی احتسابی آنکھ سے بچنے کی غرض سے گئے تھے) اس طرح کچھ کے اندر تو میلانات کی سلگتی آگ بھڑکنے لگی اور دیگر کو معاملے کے انوکھے پن نے کھدیڑا کہ وہ اس نئے زاویے میں شریک ہو جائیں۔

ان ہی میں پندرہ سالہ کومٹے ڈی ورمانڈاوئیس جو لوئیس کا بیٹا تھا اور لوئیس ڈی لاولیری کے بطن سے۔ یہ قابل ذکر حد تک خوبصورت لڑکا تھا۔ شہزادے کو (مادر بہ خطا کے بجائے) جایز اولاد قرار دیا جا چکا تھا اور وہ اعلیٰ عہدوں پر فایز ہونے کے لئے پیش قدمی کر رہا تھا۔ لیکن اسی وقت ایک اور جوان وجیہہ اور مقبول شہزادہ جو شاہی نطفے سے تھا جس کا نام پرنس کونٹی تھا بھی شامل ہو گیا۔ لوئیس کو اس گروہ کے متعلق بھنک مل گئی اس لئے اس نے برہم ہو کر اس گروہ کو سزا دینے کے واسطے اقدام کئے۔ ورمانڈ وائیس کو شاہ کی موجودگی میں کوڑے مارے گئے اور ملک بدر کر دیا گیا۔ کونٹی کو مستقلاً شاہی اعزازت سے محروم کر دیا گیا۔ بادشاہ کا عتاب پرنس ڈی ٹرونی پر بھی گرا مارکویس ڈی کریقے، شیوالیر ڈی سینٹ ماور، شیوپلیر ڈی میلی، کومٹے ڈی اروسی، ویڈیم ڈی لاون اور کومٹے ڈی مارسن ان سب ہی کو دیس نکالا مل گیا۔

لیکن ان مقدمات کا کوئی موازنہ نہیں کیا جا سکتا جو ہزیمتیں لوئیس کو فلپ ڈا اور لینس

(۱۶۴۰ء۔۱۷۰۱ء) کے مرصع ہاتھوں سے اٹھانا پڑیں۔ جو دستور کے مطابق وارث تخت کے بعد دوسرا بھائی امیدوار ہوتا وہ سادہ زبان میں موسیو کہلاتا۔ بطور بچے کے اس کی خوبصورتی کو دیکھتے ہوئے اس کی ماں اینؔ جو آسٹریا کی رہنے والی تھی کو یہ خیال آیا کہ وہ اسے ''میری پیاری سی لڑکی'' کہا کرے یوں اس کی ہمت افزائی کی گئی کہ وہ زنانہ کپڑے پہنا کرے۔ لیکن فلپ کا زنانہ پن جو پیدائش کے وقت ہی سے عیاں تھا یوں لگتا ہے جیسے وہ اس کی فطرت ثانیہ ہو۔ وہ زنانہ کپڑے پہن کر کھل اٹھتا اور آرایش سے بھی۔ زیوارت پر جان دیتا، عطریات بڑی بڑی وگیں، اونچی ایڑی کے جوتے اور لگائی بجھائی میں جی لگتا۔ جب اسے تیرہواں سال لگا تو اس نے تقریب جو رقص کے لئے منعقد ہوئی تھی اس میں اپنی ایک کزن کے ساتھ بالاالتزام شرکت کی اور دونوں چرواہوں کا سوانگ بھرے ہوئے تھے /تھیں۔ تاحیات وہ ایسے لوگوں کے حلقے میں رہا جو ایک طرف کڑیل جوان مردوں سے اور دوسری جانب ایسے زنخوں کے درمیان میں جو اس کے ہم مذاق ہوتے۔ کسی ہم عصر نے تو اسے یہ کہا کہ ''یہ احمق ترین عورت ہے جو دنیا میں پیدا ہوئی۔''

اس کی زندگی کا پہلا عشق کومٹے ڈی گیچؔ سے ہوا۔ وہ فلپؔ دگر جنسی پوشاک کے دلدادہ کی ماں کے گھر پر خفیہ طور پر ملتے جس کا نام ایبے ڈی چوایزی تھا۔ جب فلپ کی شادی چارلسؔ اول کی بیٹی ہنریٹاؔ سے کردی گئی تو گیچؔ نے بہ آسانی ریشہ خطمی ہوجانے والی نواب زادی پر ڈورے ڈالے جس پر میاں بی بی دونوں ایک ہی مرد کی توجہ حاصل کرنے کی غرض سے ایک دوسرے کے حریف بن گئے۔ (اس زمانے میں دو جنسیوں کی قسم کے لوگوں کو ''پوستین اور پروانوں کے پیچھے'' کہا جاتا جیسے متنوع شکاری) مگر موسیوؔ کی زندگی کا اس سے بڑا عشق کسی اور فلپ سے ہوا یعنی شیویلیر ڈی لورینؔ جو ملکوتی حسن کا مالک تھا اگرچہ مرتبے میں شہزادہ تھا مگر نادار شریف آدمی تھا۔ لورینؔ ۱۶۶۸ء میں پالایس رایل کے ایک پرتعیش اپارٹمنٹ میں اٹھ آیا جو فلپؔ کی پیرس میں شاہی رہایش گاہ تھی۔ یہاں پر اس نے اپنے تیس سالہ طوفانی دور میں جی بھر کر فایدہ اٹھایا۔ اس نے فلپؔ سے خطیر رقوم اسؔ لئے حاصل کیں تاکہ اپنے معشوقوں اور داشتاؤں کی دلداری کرے۔ اسی وقت سے لورینؔ کو ایک خاص قسم کی ''سرکاری داشتہ'' تسلیم کرلیا گیا۔ سینٹ ۔ سائمنؔ اپنی معروف

یادداشتوں میں اسے کہتا ہے ''شروع ہی سے موسیو کے گھر گرہست کا مالک و آقا تسلیم کیا جاتا تھا۔''

حیرانی تو اس پر ہوتی ہے کہ بظاہر جس شخص کو شمشیر وسناں کے بجائے چاند کے ٹکڑوں کی ہر وقت فکر رہتی تھی وہ کیسے ایک کامیاب سپہ سالار ثابت ہوا۔ ایبے ڈی چوایزی نے موسیو کے متعلق یہ لکھا ''میں نے مہموں کے دوران میں اسے پندرہ گھنٹے تک گھوڑے پر سوار دیکھا ہے۔'' نہ صرف یہ کہ وہ اپنی جان کو جوکھوں میں ڈالتا ہے بلکہ اپنے رنگ و روپ کو سورج کی تپش اور توپوں کے دھویں میں تاریک کرتا ہے۔ اپریل ۱۱، ۱۶۷۷ء کو جب ہالینڈ سے جنگ ہو رہی تھی فلپ کو اس بات کا اعزاز دیا جاتا ہے کہ اس نے ولیم سوم کی افواج کو کاسل کی جنگ میں شکست دی تھی۔ یہاں تک کہ سینٹ سائمن جس کا موسیو کا تحریری خاکہ تیزاب کی طرح ناقدانہ ہے اس نے بھی تسلیم کیا ہے کہ اس نے بڑی ''شجاعت دکھائی''۔

اگرچہ مادام ڈی لافیٹے نے یہ لکھا کہ ''اس شہزادے کے دل کو گرمانے کا کارنامہ کسی عورت سے سرزد نہیں ہوا۔'' فلپ کے فرایض میں یہ شامل تھا کہ وہ باوربون کے لئے وارثوں کو پیدا کرے۔'' جب ہیزیٹا کا انتقال ہوا تو اس کی شادی الیزبتھ۔ شارلوٹ سے ہوگئی جو الیکٹر پالاٹاین کی بیٹی تھی اس کے بعد جو ''مادام'' کہلانے لگی۔ دوسری نواب زادی کی پچاس برس پر محیط خط وکتابت اپنے شوہر کے شہوتی معاشقوں سے اٹی ہوئی ہے جن میں درجنوں فرانسیسی مردوں کے علاوہ پورے یورپ میں پھیلے ہوئے ہیں اور انہیں موزوں طور پر ''ہم جنس پرستی کی انسایکلو پیڈیا'' کہا جاتا ہے۔ ذی فہم اور پرمزاح، مسالے دار اور انسان نواز اور ناقابل یقین حد تک صاف گو۔ خطوط جو Liselottex نے دوستوں رشتہ داروں کو جرمنی، فرانس، برطانیہ اور اسپین کو لکھے وہ ہمارے علم میں اضافے کا اہم ذریعہ ہیں جو لوئیس چہاردہم کے دربار میں نجی زندگی کے متعلق ہیں۔ اس کا مزاج اپنے شوہر کے مزاج کی مناسبت سے تھا۔ جس وقت وہ اپنے دربار کی خواتین کو بال سنوارنے یا ہیروں کے متعلق مشورہ دیتا تو وہ ان اوقات میں بادشاہ کے ہمراہ گھڑ سواری اور شکار میں ساتھ دیتی۔ موسیو بلا کسی تکلف کے اپنے ناجایز عشقیہ الجھنوں پر اپنی بیوی سے تبادلہ خیال کرتا جو اپنے پارسا جرمن کیتھولک پس منظر کے باوصف اس پر پرعزم رہتی کہ ان معاملات کو سفارتی انداز

میں نپٹے گی۔

نواب زادی لورینؔ سے نفرت کرتی تھی جس کے متعلق اسے شک ہوگیا تھا کہ وہ اس کے شوہر کو اس کے خلاف بھڑکا رہی تھی۔ اور اس اندیشے میں پڑی رہتی کہ موسیو جو دولت اپنے معشوقوں پر اڑا رہا ہے س سے وہ خود یا اس کے بچے کہیں قلاش نہ ہو جائیں۔ اس تشویش کی بنا پر فلپؔ سے اس کے تعلقات عموماً اکھڑے اکھڑے سے رہتے۔ میری ساری محنت رایگاں جاتی ہے جب میں مقدور بھر یہ کوشش کرتی ہوں اور اسے ترغیب دیتی ہوں اور یہ کہ میں نہیں چاہتی کہ اس کے تفنن طبع کے کسی مشغلے میں کسی زحمت کا باعث بنوں یا پھر اس کے مردوں سے عشق کے معاملات میں۔ وہ ہمیشہ یہ خیال کرتا ہے کہ میں یہ چاہتی ہوں کہ وہ اپنے منظور نظروں پر سارا مال و دولت نہ لٹا ڈاے۔ اس کے باوجود اس نے طبیعت پر جبر کر کے اس کے معشوقوں سے تعلقات بات چیت کی حد تک قائم رکھے۔ ''میں نہیں چاہتی کہ میگنون کو کسی قسم کا گز ند پہنچے۔'' یہ بات اس نے اپنی چچی صوفیہؔ کے نام خط میں لکھے جو ہینوور میں الیکٹرس کے عہدے پر فایز تھی۔ ''اور میں ان سے دوستانہ اور نرمی سے گفتگو کرتی ہوں۔'' باقی ماندہ وقت میں وہ محسوس کرتی کہ اتقا اور اغلام بازی نے درباری زندگی کو گھٹیا بنادیا تھا۔ نئے اخلاقی ضابطوں نے یہ انتہائی دشوار بنادیا تھا کہ نوجوان مرد اور عورتیں بے تکلفانہ گفتگو کریں اور یوں مردوں کی توجہ عورتوں سے ہٹ کر مردوں کی جانب ہوگئی۔ لیکن جب تین بچوں کی پیدایش کے بعد فلپؔ نے تجویز پیش کی کہ ہمیں جدا خواب گاہیں چاہیں۔ تو مادام کو یہ سن کر ایک گونہ سکون ہوا کہ اسے پھر سے حمل کی صعوبت نہ اٹھانا پڑے گی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ لایز لوٹیؔ کو جنس کاری سے کوئی رغبت نہ تھی اس لئے اس نے عشاق نہ پیدا کر کے قانون شکنی کی۔

میڈیم نے ان تفصیلات کو اپنے مکتوب الیہان میں شریک کیا جن میں سے زیادہ تر اس کی دانست میں مردانہ عشق کے معاملات میں سادگی کی حد تک بے خبر تھے۔ ''اس معاملے میں'' وہ اپنی سوتیلی بہن امیلا لیزؔ کو جو پلاٹینیٹ میں تھی یہ مطلع کرتی ہے ''میں فرانس میں آ کر اتنی ذی علم ہو چکی ہوں کہ میں اس موضوع پر کتابیں لکھ سکتی ہوں۔'' ۱۷۰۵ء میں اس نے مطالعہ صنفیات پر ایک مضمون تحریر کیا ''تم کہاں چھپے ہوئے تھے، یعنی تم اور لولیسؔ

کیونکہ تمہیں دنیا کے نشیب و فراز کے متعلق کتنا کم معلوم ہے۔۔۔؟ کوئی بھی شخص جوان سب سے نفرت کرتا ہے جو لونڈوں کو چاہتے ہیں وہ کسی طرح دوست نہیں بن سکتے۔۔۔ ایسے یہاں چھ افراد ہیں۔ وہ سب ہمہ اقسام ہیں۔ ان میں سے چند تو ایسے ہیں جو عورتوں سے نفرت کرتے ہیں جیسے موت سے کی جاتی ہے اور صرف مردوں سے عشق کرتے ہیں۔ دوسرے ایسے ہیں جو عورتوں اور مردوں دونوں سے محبت کرتے ہیں۔ میرا آ قا رآبی (ایک برطانوی مہمان) ان ہی میں سے ہے۔ دیگر ایسے ہیں جو صرف دس گیارہ برس کے لڑکوں سے عشق کرتے ہیں، دیگر جوان ایسے ہیں جو سترہ سے پچیس سال کے لڑکوں کو چاہتے ہیں اور ایسے لاتعداد لوگ ہیں۔'' اس نے یہ بھی وضاحت پیش کرنے کی کوشش کی کہ کس طرح متقی مسیحی اپنے رویوں کو عقاید کے مطابق ڈھال لیتے ہیں۔

ایسے لوگ جو اس مذاق والے ہیں اور مقدس صحایف پر بھی ایمان رکھتے ہیں وہ اس وقت تک اسے ایک گناہ سمجھتے رہے جب تک دنیا میں ایسے لوگ انگلیوں پر گنے جاسکتے تھے اور وہ جس پر عمل پیرا تھے اس سے نوع انسان کو گزند پہنچ سکتی تھی۔۔۔ لیکن چونکہ اب دنیا پوری طرح آباد ہو چکی ہے ان کی نظر میں یہ تفنن طبع کا وسیلہ ہے۔ وہ اسے اس حد تک پوشیدہ رکھنے کے لئے کوشاں رہتے ہیں تا کہ اس کا عام آدمیوں میں بھانڈا نہ پھوٹ جائے لیکن وہ سفید پوش لوگوں میں اس پر دھڑ لے سے تبادلہ خیال کرتے ہیں۔ ان کی نظر میں یہ ایک نفیس مشغلہ ہے۔ اور یہ کہنے سے نہیں چوکتے کہ چونکہ سدوم اور عمورہ کے بعد ہمارے آقا اور مالک نے کسی کو آج تک اس بنیاد پر سزا نہیں دی۔ تمہیں پتہ چل چکا ہوگا کہ میں اس موضوع پر کتنی باخبر ہوں۔ میں نے اس پر اکثر و بیشتر گفتگو سنی ہے جب سے میں فرانس آئی ہوں۔

جب سے ایملآیز کے ذہن میں یہ خیال جاں گزیں ہوا تھا کہ کیتھولک پیروکار اپنی بائیبل کا مطالعہ نہیں کرتے لامحالہ پروٹسٹنٹ کے اخلاقی معیاروں کے مقابلے میں گر چکے ہیں۔ مادام نے اس پر ترشی سے جواب دیا۔

اگر تم نہیں چاہتیں کہ لوگ تمہیں حیران کریں، پیاری ایملآیز تو ان میں سے چند

ایک کو اپنے قریب رکھو۔صرف بائبل کے پڑھنے سے کچھ نہ حاصل ہوگا۔ روونگنی جو شارٹن کے کلیسا کے بزرگوں میں سے ایک تھا وہی اس ٹولے میں سب سے زیادہ پاجی شخص ہے۔ وہ اور اس کا بھائی لا کیلمنٹ پروٹسٹنٹ ہیں اور ہمیشہ بائبل کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں لیکن یہاں کے تمام لوگوں کے مقابلے میں سب سے زیادہ بدچلن ہیں اور ان لطیفوں کو اچھی طرح سمجھ لیتے ہیں جو کوئی ان پر جملہ کستا ہے۔ لا کیلمنٹ نے ایک مرتبہ کہا ''مجھے تو مردوں سے عشق کرنا چاہئے کیونکہ میں اتنا بدصورت ہوں کہ کوئی عورت مجھ سے محبت نہ کرے گی۔ جرمنی میں بھی بہت سے لوگ ہیں جو اس عیاشی میں پڑے ہیں۔ کاونٹ وون زنز ڈورف جو شہنشاہ کا یہاں سفیر تھا۔ اس کا رنگ اس وقت دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا جب بھی وہ بنے سنورے شاہی قاصد لڑکے کو دیکھتا اور اس پر ایسی وارفتگی طاری ہو جاتی کہ اسے دیکھنا باعث شرم ہوتا۔۔۔ یقین جانو ہر ایک کو تمام ملکوں کے ایسے اغلام بازوں سے واسطہ پڑتا ہے۔

فلپ کا ۱۷۰۱ء میں ناگاہ انتقال ہوگیا۔ لیکن وہ اکیس برس جو مادام نے گزارے تھے اکثر اس کے خطوط میں راہ پا جاتے جب بھی وہ اپنی شادی کے متعلق اظہار خیال کرتی۔ اس نے اپنی ہینوور والی چچی کو یہ لکھا جو جلد ہی برطانیہ کی وارثہ تخت بننے والی تھی۔ ''موسیو اکثر میرے لئے عذاب بن جاتا ہے اور فکر مندی میں ڈال دیتا مگر اس کا سبب صرف اس کی کمزوری تھی اور اس کی ان لوگوں کے لئے جاں نثاری تھی جو حصول نشاط میں اس کی اعانت کرتے تھے۔'' تاہم مال کار مصالحت کا راستہ نکل آیا۔ فلپ کا دل شیویلیر ڈی لورین سے اوبھ گیا، بالآخر اسے احساس ہوگیا کہ اس کی وابستگی ذاتی مفادات تک تھی۔ کیرولائن جو ویلز کی شہزادی تھی (جو بعد ازاں جورج دوم کی بیوی بنی) اسے مادام نے ۱۷۱۶ء میں لکھا'' میں موسیو کا دل اس کی زندگی کے آخری تین سال میں جیت پائی۔ یہاں تک کہ ہم دونوں اس کی کمزوریوں پر ہنسا کرتے۔۔۔ اسے (اب) مجھ پر اتنا اعتبار پیدا ہوگیا تھا کہ ہر معاملے میں میرا ساتھ دیتا لیکن اس سے پہلے تو میں بڑے عذاب جھیلتی رہی۔ ابھی میں خوش و خرم ہوئی تھی کہ قادر مطلق نے بیچارے موسیو کو اٹھا لیا۔''

اس کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے جو مادام نے افشاء کیا تھا کہ سکالیجر کا تبصرہ جو فرانس کے شرفا کے متعلق ہے اور وہ قیاس آرائی سے بڑھ کر ہے۔ مورخ پر یتی وسکونٹی (۱۶۴۸۔۱۷۱۳ء) نے یہ اطلاع دی ہے کہ مارکویس ڈی لاولیری نے یہ سعی کی تھی کہ اس طرح رجھائے کہ اس سے کہا کہ میں فرانسیسی میں کوئی دلچسپ تحریر پڑھ کر سناؤں۔ لیکن جب اس نے یہ قصہ اپنے دوست ایبے ڈل کریٹو کو سنایا تو ایبے نے یہ جواب دیا کہ ''یہ لازم ہے کہ انسان میں نیکی ہو کیونکہ ایسے لوگ ان میلانات کے ساتھ اسی طرح پیدا ہوتے ہیں جیسے شعرا قافیہ بندی کرنے والے وصف کے ساتھ۔'' اب ایک عہد ساز تبدیلی ملاحظہ کیجئے۔

مادام کا عہد یورپ کا وہ زمانہ ہے جس میں کلاسیکل دور سے لے کر مغرب میں پہلی مرتبہ تعلیم یافتہ مردوں اور عورتوں میں شستہ رواداری ضبط تحریر میں آتی ہوئی نظر آتی ہے۔ جب کسی نے میڈموایزل ڈی گورنی (مرتے دم جس کے حوالے اس نے اپنی ادبی کاغذات جمع کئے تھے) سے پوچھا کہ آیا اغلام بازی کوئی جرم ہے تو وہ بولی ''خدا نہ کرے کہ میں اس بات کی مذمت کروں جس پر سقراط عامل تھا۔'' بوسی۔ رابوٹن نے لوئیس چہار دہم کو اس طرح تنبیہ کی کہ دربار میں ہونے والے شہوانی معاشقوں کو صاف صاف ہسٹوایر ایموریس میں بیان کردیا۔ لیکن اس ناول (جس میں نام بدل دیے جائیں) میں ایک انکشاف کرنے والا واقعہ درج ہے۔ جب بوسی (خود ہی ایک کردار کے روپ میں اپنے ناول میں نمودار ہوتا ہے) کامٹے ڈی گیچ کے مدمقابل بستر میں ہوتا ہے تو وہ فلسفیانہ انداز میں کہتا ہے: جہاں تک میرا معاملہ ہے تو میں تمہارے اطوار کی مذمت نہیں کرتا، یہ ہر ایک کا حق ہے کہ وہ جیسا چاہے رہے لیکن میں تمہاری طرح اہل ورع کو سڑکوں پر نہیں روکتا۔

چھ جنرل:

زمانہ قدیم سے اشرافیہ کے ارکان کی طرح اہل کلیسا بھی بالعموم قانون کے دائرہ اختیار سے باہر تھے۔ کیونکہ پولیس معمول کے مطابق بگڑے ہوئے پادریوں کو کلیسا سے

منسوب ان سے بڑے عہدیداروں کے حوالے کر دیتی تھی۔ وہ اس بات کا خیال رکھتے کہ ڈگی نہ پٹ جائے۔ ایسے بہت سے واقعات ہوئے جن میں کلیسا کے نیچے سے لے کر اوپر تک عہدیدار ملوث تھے نچلے درجے کے پادری سے لے کر اسقفوں تک۔ تاہم کسی بھی دھڑے نے اتنے زیادہ شبہات نہ پیدا کئے جتنا کہ یسوعیوں نے۔ یہ اگر چہ ایک غیر ملکی فرقہ تھا جو اطالوی پاپایت سے منسلک تھا اور ان کی شہرت یورپ کے اسکولوں کے اساتذہ والی تھی۔ ان پر عموماً لطیفوں میں لونڈے بازی کا الزام عاید کی جاتا گستاخانہ گانوں میں اور ضلع جگت جملوں میں۔ والٹیر نے اپنی مہم میں کلیسا سے منسوب استبداد کا جی بھر کر مذاق اڑایا۔ اگر چہ وہاں بہت سی رسوایاں موجود تھیں لیکن مذہبی ادارے کی شہرت قبیح حد تک بگڑی ہوئی تھی اور بلاشبہ اس میں اہل کلیسا سے بغض نے معاملے کو بڑھا چڑھا دیا۔

حیران کن حد تک ایک اور ادارے نے کلیسا کی بدنامی سے بڑھ کر رسوائی کمائی وہ بھی سورج بادشاہ کے عہد میں۔۔۔جس کا نام نامی ہے فوج۔ وہ والیس الٹرامونٹین کے عنوان کے تحت اپنی مختصر مگر جامع کتاب ڈکشنایر ڈو گرانڈ سسلے (۱۹۹۰ء) میں چار ممتاز فرانسیسی جرنلوں کی فہرست بناتا ہے اور ان کے دو معروف حریفوں کی۔ یہ تھے بالترتیب پرنس ڈی کونڈے، مارچل ڈی لکسمبرگ، ڈیوڈی وینڈوم اور مارکیس ڈی ولارز او ان کے مخالفین ولیم سوم اور شہزادہ سیوائے کا ایوجین۔

لوئیس ڈی بوربون، پرنس ڈی کونڈے جسے تاریخ میں بڑا کونڈے کے نام سے یاد کیا جاتا ہے دونوں فرانسیسی سکندر اعظم کہلاتے ہیں۔ اور یہ ہنری چہارم کے ایک چچا کے اخلاف میں سے تھے۔ وہ خونی رشتے کے لحاظ سے دوسرا شہزادہ تھا اور وہی تخت نشین بھی ہوتا اگر لوئیس سیزدھم کے آخری دنوں میں دو بیٹے نہ پیدا ہوئے ہوتے۔ کونڈے کو یہ لقب اس وقت ملا جب اس نے اکیس برس کی عمر میں اسپینی فوج کو کچل ڈالا —— جو یورپ میں سب سے زیادہ ناقابل تسخیر تھی۔ یہ ۱۹ مئی ۱۶۴۳ء میں روکروالے کے مقام پر ہوا۔ اور یہ سب لوئیس چہاردھم کی تخت نشینی کے بعد ہوا جب وہ محض پانچ سال کا تھا یوں فرانس براعظم کا سب سے طاقتور ملک بن گیا۔ کونڈے نے اپنی شہرت اپنی عسکری زندگی تک فرانس اور جرمنی میں بنائے رکھی۔ جب وہ چوالیس سال کے بعد مرا تو لوئیس چہاردھم نے

(جس سے کونڈے نے موت سے پہلے دعا کی تھی) گہرے تاسف کا اظہار کیا میں ''اپنی سلطنت کے مرد اعظم کو گنوا چکا ہوں۔''

وہ دیگر اشرافیہ کے لوگوں کے برعکس کہیں زیادہ تعلیم یافتہ تھا۔ کونڈےؔ ریاضی، قانون اورعلم تاریخ میں گہری دستگاہ رکھتا تھا۔ جب ۱۶۷۵ء میں وہ ریٹایر ہوکر اپنی جاگیر میں جا کر مقیم ہوا جو چانٹلی میں تھی یہ وہی مقام تھا جہاں تھیوفائیلؔ نے پچاس برس ہوئے پناہ لی تھی۔ وہاں وہ ادبی تحریروں پر حکم لگانے والا بن گیا اور ایسے دوستوں کے لئے پرشکوہ دربار لگاتا جن میں راسایئنؔ، بوائے لیوؔ اور لابرایرےؔ شامل تھے۔ وہ روایات کا سخت مخالف تھا۔ وہ اپنی جوانی کے ایام میں پوےؔ ڈی ین کے مقام پر آزاد رو حلقے کے بچے کھچے شعرا کا مربی بن گیا تھا۔ ایبے سینٹ پاونؔ جو اس سڈوم کا تسلیم شدہ راجہ تھا اس نے اسے پہلے حلقے میں شرکت کے لئے قدرے خوشامدانہ ستم ظریفی سے مدعو کیا۔ کونڈےؔ کا تواتر سے بطور سپاہی اور مدبر کے جولیسؔ سیزر سے موازنہ کیا جاتا۔ سینٹ پاونؔ نے ان دونوں کے مابین ایک اور مماثلت دریافت کرلی۔ ''آپ کی عزت وقار پر مجھے رشک آتا ہے/ اگرچہ ایسا موازنہ کرنے میں مجھے تکلیف ہوتی ہے/ سیزرؔ، یہ بات بس آپ تک رہے، بھی آپ کی طرح مغلم تھا/ لیکن وہ آپ کی طرح سپہ سالار تھا۔''

کونڈےؔ کی موت کے بہت دنوں بعد مادامؔ نے اس کی ترجیحات کی وضاحت کی ''فوج میں رہتے ہوئے اسے نوجوان گھڑسواروں کا شوق تھا جب وہ وہاں سے لوٹا تو اسے عورتیں ایک آنکھ نہ بھاتیں۔ اس سب کے باوجود ایک نامور حسینہ نے اسے رجھانے کی کوشش کی۔ جب وہ جدا ہوئے نایئنن ڈی لینکلوزؔ نے قیاس کے مطابق یہ تبصرہ کیا کہ ڈیوک ہونہ ہو طاقتور ہوگا یہ ایک لاطینی ضرب المثال کا دور پرے کا حوالہ تھا کہ (بالوں والا مرد یا تو مضبوط ہوتا ہے یا پھر پرہوس) ایک ہم منصب جنرل کومٹ ڈی کولگنی سالگنی جو زمانہ جوانی میں اس کی دانت کاٹی روٹی تھا اس نے کونڈےؔ کی ذکاوت اور اس کی دلیری کی تعریف کی اور قسماً یہ کہا '' وہ بھی مقدس تنزیلات پر کہ جو میرے ہاتھ میں ہیں'' کہ وہ لونڈے باز تھا۔ لاطینی زبان میں ایک رذیل قافیہ بند نظم میں کونڈےؔ اور اس کے رفقاء دریائے رہون کے کنارے سیلاب کو دیکھ رہے تھے۔ جب کونڈےؔ کو یہ خطرہ محسوس ہوا کہ

وہ کہیں ڈوب نہ جائیں تو اس کے دوستوں نے اسے اطمینان دلایا ''ہماری زندگیاں محفوظ ہیں، کیونکہ ہم لوگ اغلام باز ہیں—— ہمیں تو صرف آگ ہے جو بھسم کرسکتی ہے۔''

لیکن ۱۶۸۱ء میں لوئیؔ کے تقوی اختیار کر لینے اور یک زوجگی کے باعث دربار پر یسوعیوں اور راسخ العقیدہ اہل کلیسا نے فتح پا کر غلبے کی راہ ہموار کردی۔ درباری یہ سوچنے لگے ہوں گے کہ آیا واقعات کی اس کروٹ سے لوئیؔ کے غیر تقلیدی جنرلوں پر زد پڑتی ہے۔ دیگر خصوصاً جین سینسٹس (ایک کیتھولک فرقہ) اور ہیر گیونوٹس (فرانسیسی پروٹسٹنٹ فرقہ) نے جلد ہی پھیلتے ہوئے کٹڑ پن کو تاڑ لیا۔ زیادہ تر پروٹسٹنٹ گرجا گھروں کو بند کردیا گیا اور لوئیؔ نے سرعام عہد کیا کہ وہ بدعت کو تہس نہس کردے گا۔ اس سفاکانہ انداز میں پروٹسٹنٹ کا فوج کے ذریعے قلع قمع کرنے سے ہیوگیونوٹس عقاید والے گھروں میں سپاہیوں کے قیام وطعام سے یہ ہوا کہ ہر نوعیت کے تشدد اور برہمی کی ہمت افزائی ہوئی۔ جب نانٹیز کا فرمان جس میں لوئیؔ کے دادا ہنریؔ چہارم نے یہ چاہا تھا کہ پروٹسٹنٹ کے حقوق کو تحفظ ملے تو اسے ۱۶۸۵ء میں رسماً فسخ کر دیا گیا۔ جس کے نتیجے میں جو داروگیر ہوئی وہ مشہور فرانسیسی مورخ کی نظروں میں ''۱۷۹۳ء کی انقلابی دہشت گردی سے بڑھ کر تھی۔'' ہیوگونوٹس کو اس پر مجبور کیا گیا کہ عشائے ربانی کی نیاز کی روٹی قبول کریں۔ جب انہوں نے اس پر احتجاج کیا کہ یہ بت پرستی کے مترادف ہے اس لئے انہوں نے اس فقیری ٹکیا پر جب تھوک دیا تو انہیں بے حرمتی کے الزام میں زندہ جلا ڈالا گیا۔ نظریاتی اور اخلاقی عدم رواداری کا چولی دامن کا ساتھ ہوتا ہے۔ ۱۶۸۴ء کو یوم کرسمس پر یسوعی فادر پیرے بورڈالو جو لوئیؔ کا پسندیدہ مبلغ تھا اس نے بادشاہ کے سامنے ایک خطبہ دیتے ہوئے کہا کہ جب لوئیؔ نے بدعات کا خاتمہ کر دیا ہے اور بے حرمتی کو جڑے سے اکھاڑ پھینکا ہے تو یہ بھی ممکن ہے کہ وہ اپنے اختیارات کو اہل وارسیلز کی خواب گاہوں اور دیگر ''عفریتی چیزوں'' تک پھیلا دے۔'' چونکہ صحایف مجھے ان کا نام لینے سے منع کرتے ہیں لیکن یہی کافی ہے کہ عالم پناہ ان سے واقف ہیں اور ان سے متنفر ہیں۔۔۔ وہ آپ کی ناپسندیدگی کی تاب نہیں لاسکیں گے اور نہ ہی وہ آپ کی برہمی کا بوجھ برداشت کرسکیں گے اور جب آپ ان بدیوں پر ضرب لگائیں گے جو مسیحیت کے لئے باعث شرم ہیں تو خدا کو برہم کرنے کا سلسلہ رک

جائے گا اور انسانوں کی رسوائی کا۔ اسی وجہ سے، اے میرے آقا، اوپر والے نے آپ کو تخت پر بٹھایا ہے۔

لوئیس اس پر کارروائی کرنا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے بھائی کو تنبیہ کی کہ وہ اپنے ملازموں کو لگام دے لیکن یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب اس نے اپنے وزیر جنگ سے رابطہ کیا تو شیر دل لوئیس نے یہ ذمہ داری مول لے لی کہ وہ بادشاہ کو اغلام باز جنرلوں کے متعلق سمجھائے گا کہ ''وہ عالی جاہ کے لئے کہیں زیادہ مفید ہیں جو وہ عورتوں سے رغبت نہیں رکھتے۔'' کیونکہ یوں وہ اپنے لونڈوں کو مہموں پر اپنے ہمراہ لے جائیں گے، جب کہ دوسروں کو ''ان کی داشتاؤں سے جدا نہیں کیا جاسکے گا'' وہ بھی پیرس میں۔

اگر لوئیس کو عقاید کی مدافعت کرنے پر خود پر اتنا فخر تھا کہ جس سے اسے فرانس کی نئی عسکری عظمت پر اس سے بھی بڑھ کر افتخار ہوگیا۔ اس کے نزدیک فاتح جنرلز مجاہد مبلغین کے کارگزار ہراول دستہ تھے۔ اسے جلد ہی ان کی حمایت کی ضرورت پڑ گئی جو رہاین لینڈ میں اس کی بڑھتی ہوئی جارحیت کا شاخسانہ تھی۔ مادام کے بھائی کی ۱۶۸۵ء میں موت ہوجانے سے، شہنشاہیت کے امیدوار پالاٹاین نے لوئیس کو اس پر آمادہ کیا کہ وہ اپنی سالی کے حق وراثت کی بنیاد پر اپنی شہنشاہی کا دعوی کرے۔ اس کی بعد والی مسمار کرنے والی کارروایاں جو پالاٹانایٹ سے سرزد ہوئیں انہوں نے نہ صرف یورپ کو خوفزدہ کردیا بلکہ برہم مادام کو مجبور کیا کہ وہ لوویس سے اپنے نام پر کی جانے والی ستم رانیوں پر متصادم ہوجائے۔ اسی سال ولیم سوم جونیدرلینڈ کا حکمراں تھا اس کی ایسی حیثیت ہوگئی کہ اس نے کیتھولک شہنشاہ کو اور شہنشاہی کے دیگر امیدوار کو جو باویریا پر حکمران تھے اس پر آمادہ کرلیا کہ وہ جرمن پروٹسٹنٹ اور اہل سویڈن اوگسبرگ کی لیگ میں شامل ہو جائیں۔ آئندہ ہونے والی جنگوں میں لوئیس کا ممتاز جنرل ڈیوک ڈی لکسمبرگ (۱۶۲۸ء۔۱۶۹۵ء) ہوا۔

لکسمبرگ جو کونڈے کا نوجوان کزن تھا اس کی پرورش اسی کے ساتھ ہوئی تھی اور وہ آزادروی کے مذاق کا عادی ہو چکا تھا اس نے اس برق رفتار فتح میں اس کی اعانت کی جو فرانچ۔ کومٹے کہلائی سال ۱۶۶۸ء تھا اور سات سال کے بعد وہ فرانس کا مارشل بنا دیا گیا۔ اگرچہ اس کی کمر میں کجی تھی۔ آگسبرگ کی لیگ کی جنگ میں اس نے ولیم کو ۱۶۹۱ء میں

لویز کے مقام پر شکست دی اور پھر اسٹین کرک میں ۱۶۹۲ء میں اور نیر ونڈن کے مقام پر ۱۶۹۳ء میں۔ وہ اپنے ہمراہ اتنی بڑی تعداد میں دشمنوں کے جھنڈے پیرس میں نمائش کی غرض سے لایا کہ اس کا نام ''نوٹرے ڈیم کا غلاف'' پڑ گیا۔ جب ولیم نے شکایت کی کہ'' میں کبھی بھی اس کبڑے کو شکست نہیں دے سکتا۔'' تو لکسمبرگ نے جواب دیا'' اسے کیسے معلوم ہوا کہ مجھ میں کُب ہے؟ اس نے تو میری پیٹھ کبھی نہیں دیکھی۔'' پریمی وسکونٹی نے اپنی یادداشتوں میں لکھا۔'' مارکویس ڈی مونٹرو ویل نے مجھے لکسمبرگ سے متعارف کرایا تھا اور مجھے آگاہ کیا تھا کہ یہ نوجوان اور وجیہ ٹالارٹ جو میڈم ڈی لاباوم کا فرزند تھا مہم میں اس لئے شریک تھا کہ وہ بادشاہ کے بجائے جنرل کی خدمت کرے۔ لکسمبرگ، کریقی، لاولیری اور سیگلنیلے وغیرہم نے ایک انجمن قائم کی جس میں اول الذکر دو اداکار تھے باقی ماندہ دو جی حضوری۔ ڈیوک ڈی ٹالبرٹ بعد میں فیلڈ مارشل کے عہدے پر فائز ہوا۔

اپنی خط و کتابت میں نواب زادی اور لینز، لکسمبرگ کے حریفوں کے متعلق بتاتی ہے جو اورنج کا ولیم۔ سوم جو مردوں کا بطور خاص عاشق تھا۔ اپنے بچپنے میں جب وہ ہیگ میں رہتی تھی اس سے واقف تھی۔ جہاں وہ محل میں بچھی ہوئی ترک قالینوں پر قلابازیاں کھایا کرتے تھے وہ سات برس کی تھی اور ولیم نو برس کا اور دونوں کا شادی میں بندھ جانے کا امکان تھا۔ مادام ہمیشہ ولیم کے متعلق پرجوش احترام رکھا کرتی۔ جس کی'' باعظمت روح'' کی وہ مداح رہی اس حقیقت کے باوجود کہ وہ پروٹسٹنٹ یورپ کا ایک مسلمہ رہنما تھا وہ بھی اس کے بہنوئی کے بالمقابل۔ اس تصور کے پیچھے جو وہ اور دیگر لوگ ولیم کی ہم جنس پرستی کے متعلق رائے رکھتے اس کی بڑی وجہ ولندیزی اشرافیہ کے جوانوں سے اس کی قربت تھی۔ ولیم بینٹنک جو پندرہ برس کی عمر میں دربان مقرر ہوا پھر تاحیات بااعتماد دوست اور مشیر بھی رہا۔ بظاہر بینٹنک (جسے ولیم نے پورٹلینڈ کا ارل بنادیا جب وہ برطانیہ میں تخت نشین ہوا) ہالینڈ اور برطانیہ کے مقابلے میں پیرس میں خود کو کم انقباض میں پاتا اسی لئے اسے ۱۶۹۷ء میں فرانس میں سفیر بنا کر بھیجا گیا جس پر مادام نے یہ تبصرہ کیا جس میں قدرے مبالغہ آرئی بھی ہے کہ'' وہ سب جو میرے لارڈ پورٹلینڈ کے ہمراہ آئے۔'' وہ کھلم کھلا ہم جنس پرستی میں ملوث تھے۔

ولیم کا دوسرا عشق ایک اور ولندیزی نوجوان سے ہوا جس کا نام آرنلڈ جوسٹ کیپل جو اس کے آخری ایام میں تشفی دیا کرتا۔ جب مادام نے یہ سنا کہ کیپل قریب قریب "صدمے میں مر چکا" ہے جب بادشاہ کی ۱۷۰۲ء میں موت ہوئی تو اس نے دکھ سے کہا یہ سوچتے ہوئے کہ موسیو کے عشاق میں ذاتی مفادات والی کتنی طمع ہے۔ "ہم نے مشکل ہی سے اس سے ملتی جلتی دوستی اپنے شوہر کے حلقہ احباب میں دیکھی ہو۔" ہم اپنے آیندہ ابواب میں دیکھیں گے کہ ولیم سوم کی برطانوی رعایا نے اس کے مردوں سے گہرے مراسم کو کس نظر سے دیکھا۔

اس عظیم جنگ میں جس نے یورپ کو غوطہ زن رکھا ان ہم جنس پرست جنرلوں نے رہبروں کا کردار ادا کیا۔ جس میں اسپین کی جانشینی کی جنگ جو ۱۷۰۲ء میں چھڑی۔ ان میں سربراوردہ لوگوں میں ڈیوک ڈی ونڈوم (۱۶۵۴ء۔۱۷۱۲ء) اور اس کا کزن پرنس ایوجین ساوے کا (۱۶۶۳۔۱۷۳۶ء) جو فرانسیسیوں کے خلاف لڑا۔ ونڈوم، ہنری چہارم کے ایک حرامی بیٹے کا پوتا تھا، جس کا نام سیزر ڈی ونڈوم تھا جس کی وجہ شہرت بھی اغلام بازی تھی۔ اسے اس لئے جلد شہرت مل گئی کیونکہ وہ ہالینڈ اور آلپس میں لڑا اور لکسمبرگ کی شکست میں شریک تھا جو اسٹین کرک کے مقام پر ولیم سوم سے لڑی گئی۔ ایک مبتذل قافیہ بند نظم جو اسپین میں ۱۷۰۶ء میں لکھی گئی تھی جس میں اس کی جنسی ترجیحات کا ذکر تھا۔ "اس نے چیچک اور بارسیلونا دونوں کو قبول کیا / لیکن دونوں کو غلط طرف سے" اگرچہ اس کی مانی ہوئی رغبت مفعولی اغلام بازی تھی لیکن وہ اپنی سپاہ میں بے حد مقبول تھا، فرانسیسی دربار اور پیرس کے عام لوگوں میں۔ وہ اپنی جاگیر پر کسانوں اور کاشتکاروں میں بھی مقبول تھا جو آینٹ پر واقع تھی جن کی جنسی خدمات کے لئے انہیں طلائی سکوں سے انعامات سے نوازتا۔ ان ہی سے وہ لگان چکاتے۔

ڈیوک ڈی سینٹ سائمن جو ونڈوم سے حسد کرتا تھا۔ وہ اس وجہ سے تاؤ میں آ گیا کہ ایسا فرد جو ناجایز نسب رکھتا ہو وہ شاہانہ عنایات سے سے بہرہ مند ہوتا رہے۔ اس نے لوئیس کی جانبداری پر گہرے تعجب کا اظہار کیا "کسی کے لئے بھی یہ کتنا بڑا اعزاز ہے کہ وہ بادشاہ کا واقف ہے۔۔۔ جس میں فی الواقع اور بلا خوف تردید ایک ایسا ہولناک عنصر ہے جو

سدوم کے باسیوں میں تھا اور یہاں تک کہ اس بدی کا اگر کوئی ہلکا سا شایبہ ہوجائے (یہ ہے) کہ ایم ڈی ونڈوم ساری زندگی اس غلاظت میں کسی اور ذی نفس کے مقابلے میں زیادہ غوطہ زن رہا، اوراس بے باکانہ انداز میں کہ اس نے اس کے علاوہ اوراس سے زیادہ گھٹیا اور نہایت وحشیانہ سی شاہد بازی کے علاوہ کچھ نہ کیا وہ بھی بغیر بادشاہ کے۔ جسے شروع ہی سے سب کچھ معلوم ہے جسے نہ تو اس نے بداطواری میں شمار کیا اور نہ ہی کسی شریف زادے نے اسے اس جانب متوجہ کیا۔'' اس کے باوجود ستایشی مجمع ڈیوک کو کاندھے پر بٹھائے رکھتا اوراس میں گلی کوچے والوں کی تحسین وتائید بھی شامل رہتی۔ جواس کی سواری کو گھیر لیتے اور ہر موڑ پر داد کے ڈونگرے برساتے۔ جب وہ اس تقریب میں پہنچا جو للّی کی رولانڈ تھی اور اس کے اعزاز میں برپا کی جارہی تھی ''تو تمام لوگ وارفتگی میں ہاتھوں سے تالیاں بجانے لگے اور چیخنے لگے۔''ویوونیڈوم'' یہاں تک کہ اوپیرا شروع ہوگیا۔جس کے خاتمے پر وہی ونڈوم زندہ باد پھر سے شروع ہوگیا۔ سینٹ سایمن شاکی ہے کہ ونڈوم کا پورے مجمعے نے کسی اوتار کی طرح استقبال کیا، جس کی وہ ملامت کرتا ہے کہ یہ ''عالمگیر دیوانہ پن'' ہے اوراس پر گہرے افسوس کا اظہار کیا کہ لوییؔ ''محض اس لئے بادشاہ بنا ہے تاکہ اس کی مدح وثنا کرتا رہے۔''

جب یورپ نے لوییؔ ۔چہاردہم کے پوتے فلپؔ کی اسپین میں تخت نشینی کو قبول کرنے سے انکار کردیا تو اسپین میں تخت نشینی کی جنگ چھڑ گئی۔ ونڈوم کو اٹلی بھیجا گیا تاکہ وہاں پر وہ پرنس یوجینؔ کی مخالفت کرے۔ وہ وہاں لزّارا کے مقام پر ۱۷۰۲ء میں ایسی جنگ لڑا جس میں ہار جیت کا فیصلہ نہ ہوسکا۔لیکن تین سال کے بعد اسے کسانو میں شکست دے دی۔مگرنشیبی ممالک میں اسے خود ۱۷۰۶ء میں فیصلہ کن انداز میں ماربرو اور ایوجینؔ نے آوڈینارڈ کے مقام پر شکست فاش دے دی۔لیکن اس نے اسپین میں اپنی حیثیت بحال کرلی وہ والٹیر کے جملے میں ''ایک پوری فوج'' کے برابر تھا۔ جب دو سال بعد اس کی موت ہوئی تو ممنون فلپؔ جسے احساس تھا کہ اس کا تاج اسی کا مقروض تھا تو اس نے یہ انتظام کردیا کہ اس کی بڑے اعزاز کے ساتھ ایسکوریل میں تدفین کرائے۔ یوں اغلام باز سورما آسٹریا کے ڈون جوانؔ کے پہلو میں محوخواب ہے۔ جو لیپانٹو کا فاتح تھا۔ جوایک

خانقاہی محل تھا اور مسیحی عدالتوں کے ارض مقدس میں موجود تھا۔

چارلس لویس ہیکٹر ولارز (۱۶۵۳ء۔۱۷۳۴ء) لایون کی چھوٹی سی اشرافیہ میں پروان چڑھا اور میدان جنگ میں اپنے لئے ڈیوک کا عہدہ حاصل کرلیا۔ اسے یہ کہا جاتا ''کہ وہ لویس چہاردہم کے عظیم جنرلوں میں سے آخری ہے'' آتش بجاں، پر جوش اور اتنا جری کہ بسا اوقات وہ مداح بادشاہ کے اعصاب میں بھی سنسنی دوڑا دیتا۔ ولارز کو سینٹ سائمن نے یہ کہہ کر برطرف کردیا تھا کہ وہ متکبر شورہ پشت اور پر تخیل انسان تھا۔ لیکن سینٹ سائمن تخت پر متمکن رہ کر حکومت کرنے والا شہری فرد تھا۔ جب اسپین میں تخت نشینی کی جنگ چھڑی تو ۱۷۰۲ء میں ولارز نے السیس کے قریب فریڈلنجن کے میدان میں ایک عظیم فتح حاصل کی اور محافظ ملک ووطن کہلایا۔ لیکن جب فرانس خونریزی سے سفید پڑ گیا اور جنگوں کے تواتر سے قلاش ہوگیا جس کا سبب لوئس چہاردھم کی توسیعی حکمت عملی تھی تو اس نے ۱۷۰۸ء میں امن کی درخواست کی۔ تو حلیفوں کی شرائط اتنی درشت تھیں کہ لوئس نے قوم سے ایک دردمندانہ اپیل کی تاکہ وہ جنگ جاری رکھ سکے۔ پورا فرانس اس کے گرد امنڈ آیا اور ولارز نے مالپلاقٹ کے مقام پر غیر فیصلہ کن خونی غسل کے بعد ڈینن کے مقام پر ایوجین کو ۱۷۱۲ء میں شکست دے دی۔ ولارز کی دعوت کی گئی اور اسے اوٹرچ کے امن (۱۷۱۳ء) کا ہیرو کہا گیا۔ جس سے جنگ کا خاتمہ ہوگیا اور فلپ کو اسپین کا بادشاہ تسلیم کرلیا گیا۔ اپنی پوری طویل زندگی میں اس نے اپنی آخری جنگ اسی برس کی عمر میں لڑی —— مارشل کو اس کی فوج نے سر پر بٹھالیا۔ کبھی کبھار اگرچہ اس کی شہرت عورتوں کے ایک رسیا شخص کی تھی وہ ان خوبیوں کو پلٹ بھی دیا کرتا۔ مادام کا یہ بیان ہے کہ ''خوبصورت شہزادہ ڈایبزنباخ'' نے قومی مقبول دیوتا کو اپنے منصبی عصا سے اس وقت دھمکایا جب اس پر ناپسندیدہ ''عشق ٹوٹ پڑا۔''

ان جنرلوں کا سب سے زیادہ معروف حریف جسے نپولین نے ازل سے لے کر آج تک عسکری معاملات کا نابغہ روزگار شخص سیوئے کے شہزادے ایوجین کو ٹھہرایا۔ جس کا مجسمہ آسٹریا کے قومی ہیروز کے ساتھ ویانا میں ہیلڈ ینپیاز میں استادہ ہے۔ حالانکہ وہ اپنے اعزاز میں ڈیوک اعظم کارل کو بھی شریک کرتا ہے (جو نپولین کے خلاف بھی لڑا تھا) وہ کوئی

ہیپسبرگ نہ تھا۔ ایوجین تھا جو سیوائے کے نوابوں کی ایک ذیلی شاخ کا چشم و چراغ تھا جس کی پیدایش اور تعلیم و تربیت فرانس میں ہوئی تھی۔ ٹھگنا، نازک اندام اور دایمی مریض جس کو سب ہی جھڑک دیتے جن میں بادشاہ بھی شامل تھا۔ بے حس مادام نے اس کے متعلق یہ کہا ''وہ کچھ بھی نہ تھا محض ایک غلیظ اور بدنصیب لڑکے کے جس میں کوئی ایسی بات نہ تھی کہ اسے ہونہار کہا جائے۔ اس کی چھوٹی سی اور پچکی ہوئی ناک تھی (اگرچہ) اس کی آنکھیں بری نہ تھیں جن سے ذہانت ٹپکتی تھی۔'' ملا کی دوڑ مسجد تک وہ گرجا جاتے وقت پانچ برس کی عمر سے ایک سیاہ لبادہ پہنا کرتا اور چندیا صاف رہتی۔ لوئیس اسے ''ننھا پادری'' کہہ کر بلاتا۔ مگر ایوجین باغی بن گیا فوج کی سالاری کا تقاضہ کرنے لگا اور جب حقارت آمیز انداز میں بادشاہ نے انکار کر دیا تو اس نے ویانا کے شہنشاہ کے پاس ملازمت چاہی۔ بعد ازاں لوئیس کو اپنے فیصلے پر تاسف کرنا پڑا۔

ایوجین نے ویانا کے بروقت بچاؤ کے لئے جنگ کی اور ترکوں سے ۱۶۸۸ء میں بلغراد کو واپس لے لیا۔ اس نے ۱۶۹۷ء میں ہنگری کو آزاد کرالیا۔ تیس برس کے سن میں اسے سپہ سالار اعظم بنا دیا گیا۔ اس نے آسٹریا کی افواج کی اسپین میں تخت نشینی کے سلسلے میں ہونے والی جنگ میں رہنمائی کی اٹلی میں فرانسیسیوں کو شکست دی۔ اور ۱۷۰۴ء میں ایوجین اور ماربرو کے ڈیوک نے مل کر بلینہیم کے شمالی محاذ پر ایک عظیم فتح حاصل کی۔ اس کی اٹلی میں ہونے والی بعد کی فتوحات سے یہ طے ہوگیا کہ آسٹریا یوم گاری بالڈی تک ملک کے شمالی نصف تک اپنا تسلط رکھے گا۔ شہزادہ فرانسیسی بادشاہ کا پاداش عمل تھا جس سے وہ نفرت کرتا تھا۔ اس کی آوڈن آرڈی پر فتح جو مالپلاقٹ کے مقام پر افواج کے کثیر نقصان کے بعد نصیب ہوئی تھی اس نے لوئیس کو مجبور کیا کہ وہ امن کی التجا کرے جس پر ایوجین نے کڑی شرایط رکھ دیں۔ جب اسپینی سلطنت کو اوٹر چٹ معاہدہ امن کے تحت تقسیم کیا گیا تو وہ اس حصے کا گورنر مقرر کیا گیا جسے اسپینی نیدر لینڈ کہا جاتا (جواب بیلجیم ہے) ان دنوں وہ اٹلی میں وائسرائے ہوگیا۔

اس کے کردار میں بود و باش کی نہایت سادگی جو بعد کی زندگی میں رہی اور رنڈی بازی سے پرہیز۔ اس نے کبھی شادی نہ کی۔ جس سے اسے ایسی شہرت ملی جو کسی مرتاض کو

ملتی ہے۔ تاہم مادام نے اس کی ایام جوانی کی فرانس میں قیام کی ایسی شوخ تصویر کشی کی ہے۔ بے رحمی سے وہ اسے وہ کہتی ہے کہ وہ'' پیاری سی چھنال'' اور لکھتی ہے۔'' اکثر و بیشتر وہ جوان مردوں سے عورت بن کر کھیلا کرتی'' تاکہ فوری ضرورتیں پوری کرنے کے لئے رقم مل جائے۔ ایک ذی علم اور صاحب نظر شہزادے ایوجین کے روپ میں ویانا کے پرشکوہ محل میں وہ براجمان تھا۔ آفتابی ایسی کہ جس میں تصاویر اور سنگی مجسمے نصب اور اس کی کتابیں آسٹریا کی نیشنل لائبریری کے کایناتی نظام کا مرکزی نقطہ۔

سیفو ویت۔ (چپٹی بازی):

لیکن ان عورتوں کا بھی ذکر ہونا چاہیے جو ان بادشاہوں کی دنیا میں عورتوں ہی سے عشق کرتی تھیں، عیاش شعرا، اشرافیہ کی بے راہ روی نہ رکنے والی جنگجوی؟ قرون وسطی کی تعلیم یافتہ دنیا کو ایسی عورتوں کے متعلق اچھی طرح علم تھا خاص طور سے اووڈ اور مارشیل کے سبب یا پھر عالمانہ مقالوں سے جو دینیات اور قانون کے موضوعات پر ہوتے۔ نشاہ ثانیہ نے اس محدود علم میں نو دریافت شدہ سافو اور لوسیان کے انشایہ مضامین جو'ڈایلوگس آف دی کورٹی سانس' میں شامل ہیں۔ اس کے بعد شیکسپیئر کا عہد شروع ہوتا ہے اور ایک اولوالعزم فرانسیسی شخص جو دربار میں ایک سرگرم زندگی گزار چکا تھا اور متعدد خونریز مہموں میں لڑ چکا تھا اور طول وعرض میں سفر کر چکا تھا اور اس نے ان عورتوں پر ایک تفسیر لکھی جو دیگر عورتوں پر فدا ہو جاتی ہیں۔ یہ عہد قدیم کے بعد کوئی پہلی تصنیف تھی۔ مصنف کا نام ایبے برانٹوم (۱۵۴۰؟۔۱۶۱۴ء) تھا۔ جس کے چٹ پٹے صفحات جن میں مردانہ نقطہ نظر کی بڑی کمی تھی جو جنسیات کی تاریخ کی تالیف میں ایک ہراول دستاویز بنتی ہے۔ یہ ایک اور زاویے سے نو بہ نو ہے۔ تا ایں دم علماء سیفو ویت کو معمول کے مطابق یونانی زبان سے مشتق اصطلاح Tribade سے لیا کرتے تھے۔ برانٹوم پہلا مصنف تھا جس نے لفظ لیزبین ازم (سیفو ویت) کا استعمال بطور ہم معنی لفظ کے کیا۔ اگرچہ اس اصطلاح کو انیسویں صدی تک عام قبولیت نہ مل سکی۔

فرانس کے نشاہ ثانیہ کے صاحبان علم نے سیفو کے یونانی مسودات کی جانب اہل یورپ کی توجہ مبذول کرائی اور ایک مرتبہ پھر ترجموں کے ذریعے اشاعتوں سے یہ ممکن ہوا۔ ابھی تک سیفو کے متعلق تمام معلومات کا ذریعہ بالخصوص اووڈ کی Heroids تھی جس میں مایوس عاشق شاعر جو پرشباب کشتی ران فاون سے بہ حقارت پیش آتا ہے لیوکاڈیا کی پہاڑی سے طرارہ بھرتا ہوا نکلتا ہے۔ اس کے بعد ۱۵۴۶ء میں روبرٹ ایسٹین نے سیفو کی مشہور ''اوڈ'' کو شایع کیا۔ (وہ ہیرو سے بڑھ کر ہے) اپنے نو طبع نسخے میں جو یونانی خطیب ہائی کارناسس کا رہنے والا ڈایونای سیس تھا۔ جس نے حوالہ دیا تھا اور ایک دہائی بعد اس کے بیٹے ہنری ایسٹین نے ایک اضافہ شدہ نسخہ شایع کیا جس میں لاطینی میں ترجمہ بھی شامل تھا۔ جس سے یہ امر ناگریز ہوگیا کہ ان نئی مطبوعات نے اہل علم حضرات کو مجبور کیا کہ وہ سیفو کی شہوانی نفسیات کی تشریح کریں۔ اس سے منسلک اخلاقیات ایک نادر منظر نامہ پیش کرتی ہے کہ فرانس میں ان دنوں چپٹی والے عشق کے متعلق کیا رویہ تھا۔ ہنری ایسٹین نے مثلاً یہ مفروضہ قائم کرلیا کہ سیفو اپنے شوہر کی وفات تک باعزت زندگی گزارتی رہی اور اس کے بعد اس نے اپنا ''بے شرمی والی ہرجائی پن'' شروع کیا اور یہ (شاید اسطوری) فاون اور ''محبوب لڑکیوں'' کی ایک طویل فہرست کے ساتھ۔

فرانسیسی ترجموں نے چند ہی برس میں آناً فاناً عوام کے بڑے حلقوں میں سیفو کو متعارف کرادیا۔ سال ۱۵۵۵ء میں شاعر لویز لابو نے اسے ایک نقیب کا خطاب دیا لیکن احتیاطاً اس کی ''سیفو ویت'' کو نظر انداز کردیا۔ ایسا ہی میڈیلین ڈی اسکڈری نے اپنے انتہائی مقبول نیم تاریخی ناول 'لی گرانڈ سایرس' (۱۶۴۹۔۱۶۵۳ء) میں کیا۔ اسکڈری نے سیفو کو اس طرح پیش کیا جو اپنے حلقے میں شامل دوست لڑکیوں پر جان چھڑکتی ہے لیکن اس کی واحد چاہنے والی فاون ہے۔ قدیم یونانی ٹانیگے لافیزرے کہیں زیادہ صاف گو تھا جو اس نے اپنی تصنیف 'یونانی شاعروں کی مختصر زندگیوں' (۱۶۶۴ء) میں بیان کیا ہے۔ لی فورے ہمیں مطلع کرتا ہے کہ سیفو ''بڑی شہوانی اور عاشقانہ مزاج والی تھی اور یہ بھی کہ اس بات سے مطمئن نہ ہوتی جیسا کہ دیگر عورتیں مردوں کی رفاقت میں مزے اٹھاتی ہیں۔۔۔ وہ تو چاہتی تھی کہ داشتایں ہوں۔'' ایسی آمادگی جس میں سیفو کے عورتوں سے عشق کو تسلیم کیا گیا

ہوا اور اس پر کوئی اخلاقی لے دے بھی نہ ہو یہ تقریباً ناممکن ہونے کے باوجود ایک نادر واقعہ ہے۔ سیفو کی زندگی کے متعلق سب سے زیادہ زور دار ماجرا ۱۶۸۱ء میں شایع ہوا جس کالی فورے کی بیٹی اپنے لی فورے ڈیسیر نے اہتمام کیا تھا جو ایک نامور کلاسیکل علوم کی وسیع مطالعے والی خاتون تھی۔ مگر میڈیم ڈیسیر سیفو ویت والے تمام حوالوں کو حذف کر گئی اور انہیں یہ کہہ کر نکال دیا اور یہ بتائے بغیر کہ وہ کیا چیزیں تھیں، یہ ''افتراپردازیاں'' جن سے حاسد حریفوں کو ''موقع مل گیا کہ وہ اس پر کالک مل دیں۔''

پیرے بائیل نے اپنی کتاب ڈکشنیز میں یہ تبصرہ کیا کہ ڈیسیر نے ''یہ چاہا تھا کہ حقایق کو غیر یقینی بنا دے۔'' لیکن اسے اس پر بھی شبہ نہیں ہے کہ سیفو کی نظمیں جن میں عورتوں سے خطاب کیا گیا ہے ان کا مفہوم ''شہوت کا مارا عشق'' ہے۔ لیکن اس عذرداری کے باوجود یہ ڈیسیر کی بنائی ہوئی سیفو کی شبیہ تھی۔ سیفو جو فاون پر عاشق تھی۔ جو اس پر حاوی رہتا تھا انیسویں صدی تک۔ جس نے فرانس میں تخیلاتی اور ڈرامائی ادب کی سیلابی تخلیق میں ولولہ انگیزی کی۔ روشن خیالی کی مہم میں سیفو ایسی گویا نہ تھی جو عورتوں سے عشق کرنے والے گانے گاتی ہو بلکہ۔ راساین فیڈرے کے ساتھ جس کی سب سے زیادہ مشہور تقریر میں سیفو کے ''اوڈ'' کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ عورت کا مثل اولی ہے جو بڑی مایوسی میں ایک لاتعلق مرد سے عشق میں مبتلا ہے۔

اس سرزنش اور پہلوتہی کے ہوتے ہوئے یہ حیران کن ہے کہ ہمیں اتنی تفصیل والی اور وہ بھی جس میں کوئی حکم نہ لگایا گیا ہو چپٹی بازی کے معاملے پر خامہ فرسائی جو برانٹوم کی تصنیف ''دی لایف آف گیلنٹ لیڈیز'' میں نظر آتی ہے۔ اگرچہ اس کی کلیسا سے منسوب حیثیت معمولی سی تھی پیرڈی باورڈیل، ایبے اور سگنرڈی برانٹوم جو ایک فوجی درباری تھا اور گہرا دنیادار شخص تھا۔ اور اپنی کتاب ''لایوز، میں وہ عورتوں کا انتھک شہوتی عاشق تھا۔ نوارے کے ماگورایٹ کا ایک دوست کی حیثیت میں اس نے اسکاٹس کی ملکہ میری کے ساتھ سفر کیا جب وہ اسکاٹلینڈ جا رہی تھی جہاں سے وہ انگلینڈ، اطالیہ، اسپین، پرتگال اور مراقش بھی گھوم آیا۔ جب گھڑ سواری کے ایک حادثے کے بعد جس سے وہ ۱۵۸۳ء میں دوچار ہوا۔ تو اس نے اپنی ریٹایرمنٹ کا زمانہ اپنی بے باک تحریر جس میں وہ تمام رسوایوں

والے تبصرے شامل تھے جو اس نے فرانسیسی اطوار اور اخلاقیات پر کئے تھے شامل کر دیے۔ اس کی سب سے زیادہ بامراد کتاب جس کا اس نے سادہ سا نام 'ڈیمس' رکھا ۱۶۶۶ء تک منصۂ شہود میں نہ آ سکی۔ یعنی اس کی موت کے آدھی صدی بعد۔

کتاب کا افتتاحی باب اس لہجے میں شروع ہوتا ہے "ایسی بیگمات کے متعلق جو چپٹی کھیلتی ہیں اور ان کے قلتبانی شوہران" ہم ان تحریروں میں مردانہ ہم جنس پرستی کا بہ مشکل ہی ذکر کر پائیں گے۔ لیکن برانٹوم جانفشانی کی حد تک جامع، جیسا کہ کسی بھی ماہر جنسیات کو ہونا چاہیئے۔ اس نے دعویٰ کیا کہ اٹلی میں چند افراد عمداً خود کو دیوث بنا لیتے ہیں تا کہ اپنی بیویوں کے لئے عاشقوں کو پھانسیں —— یہ ایسی بے راہ روی ہے جس کی وہ مذمت کرتا ہے۔ درحقیقت وہ تمام شہوانہ معاشقوں کو حقارت سے دیکھتا ہے۔ نہ تو کوئی گانڈو تھا اور نہ ہی اغلام باز۔ وہ ہمیں بتاتا ہے "کون تھا جو چاق و چوبند ہو، جری ہو اور بڑے دل والا ہو سوائے جولیس سیزر کے یوں مالک کل کی عظیم تقسیم کاری سے ایسے گھناؤنے افراد (قابل نفرت) سب اس کی نظر میں ہیں اور سخت ناپسندیدہ ہیں۔ اگر ایسے لوگ پھلے پھولیں گے تو وہ قہر آلود انداز میں متنبہ کرتا ہے کہ "خدا ان کی رسی دراز کر رہا ہے اور آخرت میں ہم دیکھیں گے کہ انہیں ان کا حق ضرور ملے۔"

برانٹوم اپنے رویے میں مردانہ ہم جنس پرستی اور چپٹی بازی کے درمیان جو فرق رکھتا ہے اس میں ہمیں نمایاں بے ربطی نظر آتی ہے۔ اگرچہ اس کی معاملے تک رسائی قدرے غیر رسمی لگتی ہے اور لوسیان اور ہم عصروں کی روداد یں جو فرانس کے اندر کی ہیں اور دساور سے ملیں اور اس کے ذاتی مشاہدات۔ وہ یونانیوں سے آغاز کرتا ہے۔

> یہ کہا جاتا ہے کہ سیفو اس کاروبار کی ایک شستہ خانم تھی، بلاشبہ۔ اس کے علاوہ جو اس کی اختراع ہے اور اس کے بعد لزبو کی دیگر خواتین نے بھی اس کی پیروی کی اور آج تک اسی پر عمل پیرا ہیں۔۔۔ اور اسی قسم کی جو اس علت کی عادی ہیں وہ دوسرے مردوں کو کبھی چھونے بھی نہ دیں گی لیکن دوسری عورتوں پر ریشہ خطمی ہو جائیں گی جیسے وہ مردنہ ہوں اور یہ سب Tribades کہلاتی ہیں ایک لفظ جیسا کہ مجھے یونانیوں نے بتایا تھا ٹریبو اور ٹرائی بین سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں

ملنا، گھسنا یا آپس میں رگڑنا اور وہ جو اس کھیل میں شریک ہوتی ہیں محبوبہ پر محبوبہ
جیسا کہ ان دنوں سمجھا جاتا ہے اسے فرانسیسی میں فریکاٹرایس کہتے ہیں۔

وہ سوچتا ہے کہ کبھی کبھار چپٹی بازی شادی کی جنسی محرومیوں کا شاخسانہ ہے جیسا کہ ترکی اور یونان میں جہاں عورتوں کو مردوں سے الگ رکھا جاتا ہے مگر اٹلی اور اسپین کی عورتوں نے اسے بتایا کہ وہ ایسی داشتاؤں اور جسم فروشوں سے واقف ہیں جن کے دوسری عورتوں سے معاشقے چل رہے ہیں۔ وہ یہ بھی تسلیم کرتا ہے کہ ''ہمارے اپنے فرانس میں بھی ایسی عورتیں عموماً ملتی ہیں۔'' اگرچہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ اطوار حال ہی میں ہمارے ملک میں اطالیہ سے متعارف کرائے گئے ہیں۔ ان میں سے چند عورتوں نے اس کے بیان کے مطابق چپٹی بازی کو جلد ہی ترک کردیا جب انہیں مرد عاشق مل گئے۔ دیگر جنہوں نے سنجیدگی سے سیفو ویت میں دلچسپی نہ دکھائی تو وہ اس کے خیال میں پس پردہ دو جنسیا تھیں۔

اپنے فرانسیسی نسخے میں برانٹوم ایسی عورتوں کو لیز بانیز کہتا ہے اور ایک نئی اصطلاح متعارف کراتا ہے۔ لیکن اس کا ذاتی فیصلہ نرمی مایل ہے۔ یہاں تک کہ وہ انہیں بھی سراہتا ہے۔ ''غیر شادی شدہ لڑکیوں اور بیواؤں کو۔'' جو یہ نہیں چاہتیں کہ حمل ٹھہرے یا پھر اسقاط کرانا پڑے ''انہیں اس قسم کی اوچھی حرکتوں کے پسند کرنے پر اور بے سود خوشیوں اور ایک دوسرے کو سپرد کردینے پر تاکہ ان کا پانی نکل جائے ہمیں انہیں معاف کردینا چاہئے۔ ایسا کرنے سے وہ خدا کو کم ناخوش کرتی ہیں اور وہ ''ایسی کسبیاں نہیں ہوتیں جیسے کہ مردوں سے مل کر، یہاں ایک بہت بڑا فرق موجود ہے یعنی کسی برتن میں پانی انڈیلنا اور یا محض اس کے گرد اور چہار طرف سے اسے سیلا کرنا ہے۔'' اس لاابالی والے موقف نے ہم عصر اہل دین اور اہل انصاف کو شاید ہی متاثر کیا ہو جو روایتاً جلا کر مار ڈالنے کے حامی تھے۔

برانٹوم کے خیال میں ایسے شوہر جن کی بیویوں کے دوسری عورتوں سے معاملات تھے ان پر قلتبان ہونے کی تہمت نہیں لگائی جاسکتی۔ اور وہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ ایسے مردوں سے واقف ہے جن کی بیویوں نے مردوں کے بجائے زنانہ عشاق کا انتخاب کیا تھا جس پر وہ نچنت محسوس کرتے ہیں۔ برانٹوم تو یہاں تک چلا جاتا ہے کہ چپٹی کھیلنے والیوں کی دوسری عورتوں کے مقابلے میں مدح وثنا پر اتر آتا ہے۔ ایسی عورتیں جو دیگر عورتوں کی دلداری

کرتی ہیں اس کے دعویٰ کے مطابق ''کہیں زیادہ باہمت اور جرأت مند بہ مقابلہ دوسری عورتوں کے جیسا کہ میں جانتا ہوں جن میں دونوں صفات ہوتی ہیں یعنی جسمانی اور روحانی۔

ملکہ کرسٹینا:

برانٹوؔم اس بات پر فخر کرتا ہے کہ چند ایسی خواتین جو اس کی داستان میں موجود ہیں اور ان کا نام ضابطہ تحریر میں نہیں آیا ان میں سے چند ایک شہزادی کے مرتبے کی ہیں۔ لیکن چونکہ مردوں کے مقابلے میں عورتوں کے لئے کم امکانات ہوتے کہ جدید یورپ میں وہ تخت نشین ہوں گی۔ اس لئے ان میں سے چند ایک ہی ایسی ہیں جن کی اس طرح سے تنقیح کی جائے جیسی ہنریؔ سوم اور لوییؔس ہشتم کی گئی تھی۔ تاہم سترہویں صدی کی ایک ملکہ بین الاقوامی تبصروں کا نشانہ بنی۔ بنام ملکہ سویڈن کرسٹیؔنا۔

اس کا باپ گستاووس اڈولفسؔ یورپ کے پروٹسٹنٹ کا سی سالہ جنگ میں ایک ممتاز جنرل تھا اور اس کی ماں ایک روایتی جرمن شہزادی۔ لیکن نو عمری ہی سے کرسٹیؔنا میں جگت آشنا والی چمک دمک پائی جاتی تھی اور جس کا تعلق کلاسیکل قدامت سے تھا اور عہد زریں سے نہ کہ بائیبل سے یا پھر سویڈن کے لوتھرازم سے۔ وہ فرانسیسی میں گفتگو کو ترجیح دیتی اور اسی میں خطوط لکھتی، مضامین اور یادداشتیں۔ اس کا مداح باپ جسے معلوم تھا کہ اب اس کے کوئی بیٹا نہ ہوگا اس لئے اسے ایک شہزادے والی تعلیم دی گئی۔ اس کی لڑکے کے طرح تربیت ہوئی جس میں گھڑ سواری، شکار اور نشانہ بازی شامل تھی۔ ''کرسٹیؔنا نے اپنی خودنوشت میں لکھا'' میرے میلانات بڑی عمدگی سے اس کے عزائم سے مطابقت رکھتے تھے۔'' مجھ میں ایک بے رغبتی تھی اور ایک ناقابل تسخیر عمیق تنفر بھی ان باتوں سے تھا جو عورتیں ہیں اور کہتی ہیں۔ یوں یہ زن بیزار شہزادی ایک ماہر گھڑ سوار، شمشیر زن اور شکاری بن گئی۔ جب ۱۶۲۳ء میں گوستاوس اڈولفسؔ کا انتقال جنگ لٹزن میں لڑتے ہوئے ہوا تو کرسٹیؔنا کو ورثہ میں تخت مل گیا وہ بھی چھ برس کی عمر میں۔ اٹھارہویں برس میں اس کی

''بادشاہی'' کا اعلان ہوگیا اور تب اس نے مردانہ پوشاک کی مردانہ علامات پہننا شروع کردیں جن میں بوٹ، ٹوپ، مردانہ تنگ کوٹ یہاں آپ ہنریؔ سوم کو ہر چیز الٹتے ہوئے دیکھ سکتے ہیں۔ دس سال کے بعد اس نے سویڈن چھوڑ کر باقی ماندہ زندگی فرانس اور اٹلی میں بسر کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

چند ہی حکمراں گزرے ہیں جنہوں نے اس کی طرح باقاعدہ تربیت حاصل کی ہو یا اس کی طرح جوش و خروش سے تعلیم مکمل کی ہو۔ اپنی جوانی میں وہ مطالعہ اور کام کاج میں دن بھر کے بارہ گھنٹے صرف کرتی اور اس کا دعویٰ تھا کہ وہ روزانہ تین سے چار گھنٹے سوتی۔ فرانسیسی اور سویڈش زبانوں کے علاوہ وہ جرمن، اطالوی، فلیمش اسپینی اور لاطینی بھی بول سکتی تھی جو ان دنوں سفارت کاری کی زبان تھی۔ اس نے بڑی طمع سے یونانی سیکھی اور عبرانی اور عربی بھی سیکھنے کی کوشش کی۔ یہ بھی کہا جاتا تھا کہ وہ بہت سے ماہرین کے مقابلے میں افلاطونؔ اور ٹیسی ٹسؔ کو زیادہ سمجھتی تھی۔ وہ سائنس کے اصولوں کے علاوہ فلسفہ، فنون، موسیقی اور تھیٹر کی بھی مربی تھی اپنی دانشورانہ مرتبے کے مطابق وہ پختہ کار مشیروں کی تلاش میں رہتی اس نے یورپ کے ممتاز علما اور سائنسدانوں کو ترغیب دی کہ اسٹاکھوم کے تاریک اور برفیلے سرما کو جھیلیں جن میں گروٹیسیسؔ، سالماسیسؔ کو مینیسؔ اور ڈسکارٹسؔ شامل تھے۔ آخری الذکر نمونیہ کے حملے سے جانبر نہ ہوسکا۔ اس کے دیگر وقایع نگاروں میں بیلؔ، گاسینڈیؔ، عظیم کونڈیؔ اور انینے لی فیورے ڈراسیرؔ بھی تھا۔ اسے سویڈن پر حکمرانی کے بہتیرے گر آتے تھے۔

اس سب کے باوجود سویڈن کا سب سے بڑا مدبر کاونٹ ایکسل آکسن اسٹیرنؔا اسے اس امر پر برس ہا برس ستاتا رہا کہ وہ یورپ کی سیاسی بھول بھلیاں تھیں جو خاندانی حکمرانی کی ہوس اور مذہبی نفرتوں کے سبب تقسیم در تقسیم کا شکار تھی۔ وہ اس کی فراست آمیز گفتگو کو تحسین آمیز توجہ سے سنتی اس کے اسباق کو جذب کرلیتی اور جب وہ بالغ نظر ہوئی تو اس کی جنگجویانہ پالیسی کی مزاحم ہوئی۔ ۱۶۴۷ء میں چھوٹی چھوٹی باتوں کے جھگڑوں سے بیزار آکر جس سے امن پیرا ہونے میں تاخیر ہورہی تھی اور اسپین سے تین سالہ مذاکرات کے رک جانے پر اور اوسنابرک کے شہنشاہ سے، اکیس سالہ ملکہ نے سویڈن کو شاہی فرمان کے

ذریعے حکم دیا جس سے سی سالہ جنگ کا موثر طریقے سے خاتمہ ہوگیا۔ جو شاید سب سے زیادہ خونریز اورنہایت تباہ کن کشمکش تھی جو کبھی یورپ نے دیکھی ہوگی۔ جس کے لئے اس نے ''بے نوالاکھوں افراد کی ممنونیت حاصل کی جو یورپ میں بلبلارہے تھے اوراس کے اپنے ملک میں بھی۔''

کیا کرسٹیناؔ حسین بھی تھی۔ وہ گریٹا گاربوؔ کے مثل نہ تھی جس نے ایک فلم میں اس کا کردار ادا کیا تھا۔ اس نے لکھا کہ میری ماں ''مجھے برداشت نہیں کرپاتی تھی کیونکہ میں ایک بیٹی تھی اور بدصورت تھی۔'' ''اس کی عمدہ اور بڑی بڑی آنکھیں تھیں جو اہل سویڈن کے برعکس سیاہ تھیں، عقابی ناک، بڑا سا دہانہ اور وہ ہمیشہ سراجاڑ منہ پہاڑ بنی رہتی اور ادبدا کر کپڑوں لتوں پر توجہ نہ دیتی۔ اسے آیئنے سے چڑ تھی کیونکہ ''وہ اسے کوئی ایسی چیز نہ دکھاتے جو دل کو لگے۔'' سفارتکار بڑی سفارتکارانہ مہارت سے اس کی شکل و شباہت کے متعلق کنایتاً گفتگو چھیڑتے، آپ کوئی اور بات کریں وہ جب اس کی رچی ہوئی آواز سنتے اور اس کی ذخار معلومات سے آگاہ ہوتے اور اس کی دم بخود کرنے والی ذہانت کا اندازہ ہوجاتا تو وہ چپ ہوجاتے۔ حفظ مراتب کا خیال رکھنے والی ایک فرانسیسی عورت نے سوچا کہ اپنے چھریرے جسم کی وجہ سے وہ ''ایک خوبصورت لڑکا لگتی ہے۔'' اس کا مذاق مہلک ہوسکتا تھا۔ جب اسے بتایا گیا کہ چارلسؔ اول کے سر پر جنوں سوار ہے تو اس پر وہ حیران ہوکر بولی کہ اسے شاید ہی اس کی ضرورت پڑے اس نے تو اپنے سرکو شاید ہی کبھی استعمال کیا ہو۔ وہ کوئی روایتی تاجور نہ تھی لیکن ملٹنؔ نے اس کا قصیدہ لکھا اور اینڈریو مارولؔ نے یہ سمجھا کہ وہ تو اس لایق تھی کہ پوری کاینات پر حکومت کرتی۔

غیرملکی سفارت خانے قیاس آرایوں سے بھنبھنارہے تھے وجہ ملکہ کا انداز حکمرانی تھا۔ مونٹے ککولیؔ جو تہذیب میں ڈوبا ہوا شاہی سفیر تھا اس کی دانست میں ملکہ میں کوئی بھی بات عورتوں والی نہ تھی۔ اور اسپینی سفارت خانے میں تعینات پادری متفق تھا کہ ''اس میں سرے سے نسوانیت ہی موجود نہیں ہے سوائے جنس کے، اس کی آواز، انداز تکلم، اس کی چال، اس کا انداز اور اس کے تمام قرینے بالکل مردانہ ہیں۔۔۔ اگرچہ گھڑسواری میں وہ ایک ہی جانب دونوں پاؤں رکھتی ہے لیکن وہ زین پر اس طرح جم کر بیٹھتی ہے اور گھوڑے کو

ہانکتی ہے کہ جب تک کوئی اس کے بالکل قریب نہ ہو وہ اسے مرد ہی سمجھے گا۔ جون تھرؔ لو جو کر وموییؔل کا خارجہ امور کا وزیر مملکت تھا اس نے لکھا ’’ ہم ملکہ سویڈن کے متعلق کہانیاں سنتے آرہے ہیں اور اس کے حیران کن اطوار کے متعلق، سمجھا یہ جاتا رہا ہے کہ اس کی ساخت میں قدرت سے کوئی غلطی سرزد ہوئی ہے اور یہ بھی کہ قدرت کی مشیت اسے مرد بنانے کی تھی کیونکہ وہ اپنی علمی گفتگو میں بقول کسے بلند آواز میں بولتی ہے اور مردوں کی طرح گالی بکتی ہے جو قابل ذکر ہے۔‘‘

وہ مذہب میں آزاد خیال تھی۔ اس نے ایک مرتبہ اعتراف کیا کہ بچپنے سے اس میں ’’لوتھرین گرجاؤں میں ہونے والے تابڑ توڑ طول طویل وعظوں کے خلاف دل میں مہلک نفرت تھی‘‘ اسے یہ بھی شک تھا کہ جہنم کی آگ کا ڈھکوسلہ اس لئے ایجاد کیا گیا ہے تا کہ لوگوں کو دھوکہ دے کر لگام دی جاسکے۔ اس کا کلاسیکل علوم کا مطالعہ اور عصری سائینسی فلسفہ کے مطالعے سے اس کو مقامی سطح کی صحت مند تشکیک کی تصدیق ہوگئی۔ اس نے ۱۶۵۲ء میں ہیس کے لانڈ گریو فریڈرکؔ کو لکھا ’’ میں ان تنازعات میں نہیں پڑنا چاہتی جو لوتھیرین اور کیتھولک فرقوں کے سربراوردہ لوگوں میں انجیلی تنزیلات کے متعلق سر پھٹول کا باعث بنے ہوئے ہیں، میں بذات خود کسی تیسرے مذہب پر یقین رکھتی ہوں جس نے حق کو پالیا ہے اور ان دونوں کے عقاید کو ادھر ادھر کہیں ڈال دیا ہے۔‘‘

کرسٹیناؔ کو تو اس کے فرانسیسی طبیب پیری باورڈیلوٹؔ کی قربت نے ایک قدم اور آگے پہنچا دیا جس نے اہل سویڈن کو یہ کہہ کر سکتے میں ڈال دیا کہ وہ قسمیہ لادین ہے۔ باورڈیلوٹ شہزادے کونڈےؔ کی چانٹلی میں قائم آزاد خیال حلقے کا رکن رہ چکا تھا۔ لیکن جب شہزادہ خود ۱۶۵۵ء میں سابقہ ملکہ سے اینٹورپ میں ملا تو وہ یہ دیکھ کر گھبرا گیا جو اس کی نظر میں خطرناک صاف گوئی تھی۔ اس نے اس کے متعلق یہ بتایا کہ وہ ایسی ذات ہے ’’جو نہ خدا کو تسلیم کرتی ہے اور نہ ہی مذہب کو اس کی زبان پر تو صرف آزاد خیالی والے کلمات تھے اس کے علاوہ وہ تمام بدیوں کو جایز کہتی بلکہ تمام قوموں اور اصناف کی حمایت کرتی (جس میں اغلام بازی اور چپٹی بازی شامل ہیں)۔۔۔ جو رسوائی اس کے حصے میں آئی (حالانکہ آپ سب جانتے ہیں میں ایک محتاط آدمی ہوں) اس سے مجھے بہت رنج ہوا

کیونکہ میرے دل میں اس کی دلچسپیوں کی بہت قدر ہے اور میں اسے ذاتی طور پر پسند بھی کرتا ہوں۔''

کیا کرسٹیناؔ چپٹی باز تھی۔ ریکارڈ الجھا ہوا ہے لیکن جدید سوانح نگاروں میں اس موضوع پر اتفاق پایا جاتا ہے۔۱۶۵۱ء میں جب ابھی وہ پچیس برس کی نہیں ہوئی تھی کہ اس نے سارے یورپ کو یہ کہہ کر ورطہ حیرت میں ڈال دیا کہ وہ تخت سے دستبردار ہونے والی ہے۔ایسا کرنے کی تیاری میں اس نے پہلے ہی سویڈن کے Riksdag کو ترغیب دی تھی کہ وہ اس کے کزن کو شاہ تسلیم کرلے یعنی چارلس گستاوسؔ کو وارث تخت مان لے۔ تین سال بعد جذبات سے معمور ایک تقریب میں جس میں شریک خرانٹ مدبرین اور جفاکش کسان تک رونے لگے، وہ تخت سے دستبردار ہوگئی۔اس کی تاج وتخت سے دستبرداری کے چند ماہ بعد——اس نے اپنے ہاتھ سے تاج اپنے سر سے اتارا جب کہ وہاں کوئی بھی اس کارروائی کے انجام دینے کو تیار نہ تھا۔سابقہ ملکہ اب بہ حفاظت سویڈن سے رخصت ہوچکی تھی۔ یوں اس نے ایک اور سنسنی پھیلا دی جب اس شخص کی بیٹی نے جو پروٹسٹنٹ ازم کا صف اول کا چیمپین تھا، اس نے کیتھولک مذہب اختیار کرلیا اور روم جا کر بس گئی۔

اس نے مندرجہ بالا دو اقدام کیوں اٹھائے۔جس نے ہر ایک کو شش و پنج میں ڈال دیا۔ درانحالیکہ جھلائی ہوئی اشرافیہ مخالف تھی۔ وہ اعلیٰ درجہ کی تربیت یافتہ، باضمیر، قابل ذکر حد تک سخت محنتی اور مقابلتاً کامیاب حکمران تھی۔ بات یقینی تھی کہ یہ سب کچھ ناممکن ہوجاتا کہ وہ کیتھولکزم قبول کرلیتی اور سویڈن پر حکمرانی بھی کرتی—— جہاں کیتھولکزم پر قانوناً پابندی تھی۔ بعد ازاں کرسٹیناؔ اس بات کی مشتہر رہی کہ وہ اپنے نئے عقاید کے واسطے تخت سے دستبردار ہوئی تھی۔ جب کہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس نے یہ پہلے سوچا تھا کہ تخت سے دستبردار ہونا ہے۔یعنی ۱۶۴۶ء میں۔ جب وہ بیس برس کی ہوئی تھی۔ بلاشبہ یہ کہیں نہیں لگتا کہ وہ کیتھولکزم کے متعلق سنجیدگی سے مایل تھی جو چھ سال بعد کا معاملہ تھا۔ جب اس نے یسوعیوں سے اپنے خفیہ رابطوں کو افشا کیا۔اس کا تخت سے دستبردار ہونے کے فیصلے کا تعلق لگتا ہے ایک اور معاملے سے تھا جو ۱۶۴۶ء میں مشاہدے میں آ گیا تھا۔شادی کرنے سے بالاعلان انکار۔

سولہ برس کی عمر میں اسے عشق ہو گیا یا وہ یہ سمجھی کہ اسے عشق ہو چکا ہے وہ بھی اپنے کزن چارلس ایڈولفس سے اور وہ اس سے شادی کرنے کی سوچنے لگی۔ اس پر کئی اور ہونہار درباری بھی ڈورے ڈالنے لگے اور معاشقوں کی افواہیں بھی گشت کرنے لگیں جن میں اسپینی سفیر بھی شامل تھا۔ وہ اپنے منظور نظر لوگوں پر منقولہ اور غیر منقولہ دولت نچھاور کرتی جس سے انگشت نمائی ہونے لگی۔ لیکن یہ بھی خلاف واقعہ تھا کہ سب ہی معاملوں میں جذباتی معاملات کو دخل تھا۔ کرسٹینا نے جس پر احتجاج بھی کیا کہ ''اسے شادی شدہ زندگی کے تصور سے ایسی ابکائی آتی ہے کہ وہ کسی مرد سے منسلک ہونے پر موت کو ترجیح دے گی۔'' اور بظاہر یوں لگتا ہے جیسے اس کے لئے مجامعت کا خیال جان لیوا ہو۔ اس نے فرانسیسی سفیر کو بتایا کہ ''وہ کبھی بھی کسی کے سامنے اس طرح چت نہ لیٹے گی کہ اس سے اس طرح سلوک کیا جائے جیسے کوئی کاشتکار بیج بونے سے پہلے زمین سے کرتا ہے۔'' آخر کار اس کی اپنے کزن سے ایک تکلیف دہ ملاقات ہوئی جس میں اس نے بتایا کہ وہ اپنی جوانی کے تقاضوں کی اب پابند نہیں ہے۔

یوں لگتا ہے جیسے ملکہ کی بیسوں سالگرہ سے پہلے کوئی بحران کھڑا ہو گیا تھا۔ اس کی سب سے زیادہ ممکنہ وضاحت اس تعلق میں نظر آتی ہے جو اس نے ایک نوجوان عورت ایبا اسپار سے ۱۶۴۵ء میں قائم کر لیا تھا۔ بعد ازاں کرسٹینا نے ہزاروں اقوال زریں قلمبند کئے جو اس کی موت کے بعد تک نہ چھپے۔ پیری بائیل ان کے متعلق سوچتا ہے ''اتنے ہی نفیس جیسے لاروچے فاوکاولڈ کے تھے۔'' ان میں ہمیں یہ ملا ''عشق تو فطرت کا لاینفک اور دھنک جیسا عنصر ہے جو کئی پردوں میں خود کو چھپا لیتا ہے۔'' ایبا جو ملکہ کی خواصی خاتون تھی اور کرسٹینا کے مشیروں میں سے ایک کی بیٹی تھی وہ قابل ذکر حسن کا نمونہ تھی اور اس کی طبیعت میں نرمی اور محبت پائی جاتی تھی۔ جب کہ اس میں قدرے ذہانت کے علاوہ دلکشی بھی پائی جاتی تھی۔ اس کی موجودگی میں کرسٹینا اپنی اس علت کو ایک طرف رکھ دیتی جو کدورت اسے اپنی ہم صنفوں سے تھی۔ وہ اسے بے تکلفی سے بیلے کہتی اور برطانوی سفیر سے یہ کہہ کر ملوایا (جو پارساؤں کی دولت مشترکہ کا نمائندہ بھی تھا) کہ یہ میری ''ہم بستری'' والی ساتھی ہے۔ اور اس کا ذہن اتنا ہی حسین ہے جتنا اس کا ظاہر۔

برطانیہ کا باشندہ اس پر بھونچکا نہ ہوا۔ اس زمانے میں شاہی گھرانوں میں ہم بستر رفیق ہوا کرتے تھے۔ گستاوٗ اڈولفسؔ کا بھی تھا اور اس کے علاوہ پیٹر اعظم کے ساتھ بھی ہم بستر رہتا۔ لیکن پیڈر جویلؔ جو ڈنمارک کا سویڈن کے دربار میں ایک متین سفیر تھا اس نے وطن خط لکھا کہ اس نے ''خوبصورت ایبا لوسیاؔر کو اپنی خواب گاہ میں چھپا لیا ہے اور اس سے خصوصی تعلق پیدا کر چکی ہے۔'' ایک جرمن مبصر نے جو ملکہ کے جنسی میلانات کے متعلق ۱۶۸۵ء میں لکھتے ہوئے سوچتا ہے ''اہل سویڈن کہیں زیادہ وقیانوسی اور احمق تھے جو ملکہ کو نہ سمجھ پائے۔'' تاہم بالآخر سویڈن کے شرفاء میں سے ایک نے اپنی تشویش کو قلمبند کر ڈالا ۱۶۵۳ء میں ایباؔ کی شادی جیکب ڈی لا گارڈیؔ سے ہوگئی اگرچہ اس کے بعد بھی وہ ملکہ سے ویسی ہی قربت قائم کئے رہی جیسی پہلے تھی لیکن جیکبؔ کا بھائی ماگنسؔ جو ایک زمانے میں ملکہ کا منظور نظر رہ چکا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ وہ حیران ہے کہ اس کا بھائی اسے جاری رکھے ہوئے ہے، میں یہ اس لئے کہہ رہا ہوں کیونکہ ''اس نوعیت کی گپ شپ کو بہت سے لوگوں میں ہوا ملتی ہے۔''

جب ۱۶۵۴ء میں کرسٹیناؔ نے تخت چھوڑنے کے بعد سویڈن بھی چھوڑ دیا تو اس نے اپنی زلفیں کتروا کر چھوٹی کرالیں اور جب اس نے سرحد پار کر کے ڈنمارک میں داخل ہوتے ہی مردانہ لباس زیب تن کر لیا اور اپنی نئی نئی ملنے والی آزادی کا آزادنہ اظہار کیا۔ اپنا ملک چھوڑتے ہوئے سب سے زیادہ رنج لگتا ہے اسے یہ تھا کہ جس عورت کے ساتھ اس نے اپنی زندگی کے اتنے بہت سے سال بسر کئے تھے اس سے وہ جدا ہو رہی تھی۔ برسلز سے اس نے لکھا ''میری خوشیاں بے مثل ہوں گی اگر میں ان میں تمہیں شریک کرلوں اور تم انہیں دیکھ بھی لو۔ میں قسمیہ کہتی ہوں کہ میں دیوتاؤں سے بھی رشک کروں گی اگر مجھے یہ خوشی نصیب ہو جائے کہ میں تمہاری صورت دیکھ لوں۔۔۔ میں اپنے ساتھ موت کے بعد بھی یہ شریف جاں نثاری اور نرمی لے جانا چاہتی ہوں جو میں نے تم پر روا رکھی۔'' روم میں اپنے اس پرشکوہ استقبالیہ کے بعد ایسی تنہائی محسوس کر رہی تھی جس سے وہ گھل سی جائے گی۔ ایک خط جو ۱۶۵۶ء میں تحریر کیا گیا اس میں یوں مخاطب کیا گیا ''اے لا بیلے'' آگے لکھتی ہے۔ ''میں کتنی خوش ہوتی کاش میرے بس میں تمہیں دیکھ لینے کا اختیار ہوتا، بیلےؔ مگر میں تو

تمہاری محبت کا عذاب ہمیشہ جھیلنے کو پیدا ہوئی ہوں، ہمیشہ تمہاری عزت کرنے کے لئے مگر دیدار سے محروم۔'' ایک سال کے بعد اس نے اٹلی سے لکھا۔

اب جو میں دنیا کے سب سے زیادہ تہذیب یافتہ خطے میں ہوں جہاں میں اپنی ہی صنف کی حسین ترین اور نہایت دلکش ارکان کو دیکھ چکی ہوں۔ تو اب میں بڑے اعتماد سے دعویٰ کرسکتی ہوں کہ میں نے آج تک کوئی ایسی عورت نہیں دیکھی جس کا تم سے موازنہ کیا جائے۔ کیونکہ تم ان سب سے بڑھ کر دلکش ہو۔۔۔ بفرض محال کہ میں اب تمہیں دوبارہ نہ دیکھ پاؤں تو مجھے اتنا ہی یقین ہے کہ میں تم سے عشق کرتی رہوں گی اور تم سنگدل ہوگی جو اس حقیقت پر یقین نہ کرو۔ تمہیں اس دوستی پر شک نہ کرنا چاہئے جو تین سال کے فراق کے باوجود موجود ہے اور اگر تمہیں یاد ہو کہ وہ کون سا سحر تھا جو مجھ پر کئے رکھتی تھیں تو تمہیں یہ بھی یاد ہوگا کہ میں نے کس طرح تمہارے عشق میں بارہ برس گزارے تھے، میں تو تم پر فدا ہوں اور یہ تمہارے لئے بھی ممکن نہ ہوگا کہ مجھے گنوا سکو۔ اور ہاں جب مجھے موت آئے گی تو میں تم سے محبت کرنا ترک کردوں گی۔

کرسٹینا نے ۱۶۶۱ء میں جب ہیمبرگ کا پھیرا لگایا تو اسے امید تھی کہ آیبا سے ملاقات ہوجائے گی۔ باز دید نصیب میں نہ تھی۔ آیبا اگلے سال انتقال کرگئی۔

کرسٹینا کی زندگی ہنریؔ سوم کی طرح کوئی المیہ نہ بنی۔ تخت چھوڑنے کے بعد اسے ایک طویل عروج سے زوال کا سفر درپیش رہا۔ مگر اس نے روم کی تمدنی زندگی کے قلب میں اپنا کردار نبھایا جہاں پر اس نے کئی اکیڈمیاں قائم کیں اور ان کی صدارت بھی کی۔ کئی اوپیرا کئے اور ڈرامے کرائے۔ اپنے پاس جو آرٹ کے شاہکاروں کا ذخیرہ تھا ان میں اضافہ کیا جو روبنزؔ، ٹیٹیانؔ، ویرونیزؔ، کوریگیوؔ اور ٹن ٹوریٹو جیسے فنکاروں کے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ اس نے اہل روم کو اس بات سے مبہوت کردیا جب اس نے تصاویر پر لگائے جانے والے ان روایتی پتوں کو ہٹادیا جن سے تصویروں/ مجسموں کے جنسی اعضا کو ڈھانپ دیا جاتا تھا جو فارنیز محل میں لگے ہوئے تھے اور وہ رابلی ازم (رابلؔ ابتذال مائل فرانسیسی تھا) کی پیروی میں بے لگام ہوگئی۔

مضطرب پوپ صاحبان سوچ میں پڑتے رہے کہ سویڈین کی ملکہ کل کیا گل کھلائے گی یا کہے گی جس سے اہل تقوی پریشاں ہوجائیں گے ۔ بہت سے لوگ جو اس کے بدلحاظ تشکیلی مزاج سے آگاہ تھے اس کی تبدیلی مذہب کو غیر مخلصانہ سمجھنے لگے اور وہ مباحثہ آج تک جاری ہے۔ شاید اس نے نہایت مہذب اور رچی ہوئی سوسایٹی میں داخل ہونے کی حقیر سی قیمت جانا ہو جو موسیقی اور حسن کے معاملے میں کتنی مالا مال تھی جہاں ظاہری صورت / ہیت ہی سب کچھ تھا اور فلسفیانہ آزاد خیالی اور اوباشی ایک دکھاوے کی تقلید پسندی کے شانہ بشانہ چل سکتی ہے۔

بالآخر اسے مادام کے خطوط میں جگہ مل گئی جس نے یہ قلمبند کیا کہ ''وہ ہر قسم کی رنگ رلیوں میں ملوث تھی یہاں تک کہ عورتوں میں بھی۔ اگر وہ اتنی ذہین نہ ہوتی تو کوئی بھی اس کا ساتھ نہ دیتا۔'' مادام نے بپھر کر یہ نتیجہ نکالا ۔''اس نے اپنی بدیاں فرانسیسوں سے سیکھیں اور سب سے بڑھ کر بوڑھے بورڈ یلوٹ سے جو کونڈے کا طبیب تھا۔ کرسٹینا کی ۱۶۸۷ء میں موت کے بعد مادام کے بیٹے نے جو نایب السلطنت تھا اس کے آرٹ کا ذخیرہ خرید لیا۔ اس کے نفیس برہنہ زنانے مجسمے جن میں سے چند ایک کو گستاوس اڈولفس کی سپاہ نے پراگ کی شاہی گیلریوں میں سے لوٹا تھا جب سویڈن نے شہر پر سی سالہ جنگ میں قبضہ کرلیا تھا۔ جنہیں بالآخر لوورے کی دیواروں کی زینت بننا تھا کرسٹینا کو یہ انعام ملا کہ سینٹ پیٹر میں اس کا مقبرہ بنا۔

باب ۔۱۲:

انگلینڈ تحریک اصلاح دین سے ولیم سوم تک

۱۵۳۳۔۱۷۰۲ء

سکوت اور اظہار بریّت :

لاطینی یورپ کو خیر باد کہہ کر اور رود بار کو پار کر کے انگلینڈ میں اس وقت داخل ہونا جب تحریک اصلاح دین شروع ہو چکی تھی اس کے معنی ایک دیگر دنیا میں داخل ہونا تھا۔ ان کے نجی معاملات چاہے جیسے ہی ہوں ٹوڈر حکمرانی میں مردوں اور عورتوں سے اور سٹوارٹ کے برطانیہ میں لوگ اس پر مایل نہ تھے کہ کسی قسم کے افشا کرنے والی ہم جنس پرستی سے متعلق گفتگو کرنے کے روادار ہوں۔ نہ ہی ان کے لئے علم و فضل سے معمور مواعظ جو برنارڈینو یا مونٹین اور برانٹوم کی صاف گوئی یا پھر ڈچز ڈی ادر لینز قابل قبول تھے۔ اگر اہل یورپ میں سے کوئی اٹلی، اسپین یا فرانس میں ضلع جگت سے کام لیتا تو برطانوی شہری کان کو ہاتھ لگا کر کہہ سکتا تھا کہ ہماری سرزمین اس طاعون سے محفوظ ہے۔ اچھے پروٹسٹنٹ کی طرح وہ اس کو بھی توقع رکھ سکتے تھے اور مزید سوچ بچار کے بعد، چند ''پوپ کے راہبین'' کی طرف خیال جاتا جو عرصہ ہوا ناپید ہو چکے تھے جب خانقاہی نظام کا خاتمہ ہوا تھا۔

آیا ''غیر فطری'' گناہ کا سرعام نوٹس لیا جائے، اس نقطے پر ایک عرصہ سے اخلاقیات کے مصنفین جوجھ رہے تھے۔ چند فرانسیسی پروٹسٹنٹ کا خیال تھا کہ اہل کیتھولک میں جو اعتراف کرانے کا مسلک ہے اور جس میں جنس سے متعلق جو سوالات پوچھے جاتے ہیں احتمال یہ ہے کہ اس سے بے خبروں میں جھرجھری پیدا کرنا مقصود ہے اور انہوں نے انہی

بنیادوں پر اظہار تشکر بھی کیا یعنی اغلام بازی پر عوامی سزایں۔ انگلستان میں روایات بڑی شدومد سے خاموش رہنے کی حمایت کرتیں۔ جون مرک جوشروپشایر میں پادری تھا گرجا کے پادریوں کے لئے زٹل قافیہ بندیوں میں جب ۱۴۰۰ء میں ہدایات نظم کرنے لگا تو اس نے منبر پر بیان کئے جانے والے گناہوں میں اس کا ذکر نہ کیا ''اے پادری ایسی چیز تو نہ سمجھائے گا/ نہ ہی اس گناہ کی چیز کی تعلیم دے گا۔'' چاسر اپنی 'کنٹر بری ٹیلز' میں اپنے پادری سے کہتا ہے کہ وہ اغلام بازی کو ''گھناؤنا گناہ کہے جس کی بابت جب کسی بھی شخص کو مجبوراً بولنا یا لکھنا ہو۔''

دیگر اقوام کی طرح اہل برطانیہ اس پر قانع رہے کہ ہم جنس پرستی دساور سے آ جاتی ہے۔ چاسر کے زمانے میں (۱۳۷۶ء) پارلیمنٹ نے لومبارڈی (جرمن) تاجروں پر الزام عاید کیا کہ ''حالیہ دنوں میں انہوں نے ہماری دھرتی پر ایک ہولناک بدی متعارف کرائی ہے جس کا نام نہیں لیا جاسکتا۔'' جو اس کی دلیل ہے کہ یہ ہمارے ہاں عنقا تھی۔ سر ایڈورڈ کوک نے بڑی سنجیدگی سے ۱۶۲۸ء میں اس نظریے کو تواتر سے اپنی تصنیف 'انسٹی ٹیوٹس' میں دہرایا۔ ہم جنس پرستی کے مبدء کو تلاش کر کے وطن لانے کی ضرورت نے جیرمی بنتھم کو ڈیڑھ صدی بعد مجبور کیا کہ وہ خشک لہجے میں کہے کہ ''ڈاکٹر کوک جیسے ارباب استدلال کو چاہئے کہ وہ اس بھید کو جاننے کے لئے تختوں سے جوڑ کر بنائی ہوئی کشتی میں ہدایات فلوریڈا اور میکسیکو سے لے آئیں اگر خوش نصیبی سے ان کے کان میں کوئی ایسی بات نہیں پڑتی کہ مذکورہ گناہ ان کے قریب وجوار میں ہورہا ہے۔'' ہمارے اپنے زمانے میں کمیونسٹ روس اور کمیونسٹ چین کی سیاحت کو جانے والوں کو معمول کے مطابق بتایا جاتا رہا ہے کہ ہم جنس پرستی سرمایہ دارانہ انحطاط پذیر مملکتوں میں پائی جاتی ہے۔ مارکسی کٹر پن بالفرض جو کچھ سوشلسٹ سماجوں کے لئے یقینی بنانا چاہتا ہوگا وہی برطانوی متکبر پروٹسٹنٹ اخلاقیات الزبتھ اول اور جیکو بین عہد میں نافذ کرنے پر تلی تھی۔

جب ۱۶۲۸ء میں جون ہیرس نے ''اہل سدوم کی تباہی'' پر ہاوس آف کامنز میں تبلیغ شروع کی۔ اس نے برطانوی گناہ گاری پر عمومی اظہار افسوس کیا مگر اس نے اغلام بازی کا بڑے اختصار سے ذکر کیا۔ ''ایک گناہ جو کچھ نہیں ہے علاوہ شیطان کے جو جہنم میں سے کسی

فرد کے روپ میں نکل آیا ہے، وہ اس جرم کے ارتکاب کی جرأت کرسکتا ہے۔'' ہیرس نے نہایت خضوع وخشوع سے اپنے سامعین کو اطمینان دلایا کہ ''یہ ایسا گناہ ہے جس کا نام نہیں لیا جاسکتا۔ جسے خدا کے بڑے ہاتھ نے ہمارے ملک سے دفع کرر کھا ہے۔'' ایسے ارکان جو جیمز اول کے دربار سے واقف تھے (جسے مرے ہوئے ابھی تین برس گزرے تھے) انہیں اس تجاہل عارفانہ پر اپنی مسکراہٹ چھپانے کے لئے جتن کرنا پڑا ہوگا۔ مگر ہیرس کا تبصرہ چاہے کتنا ہی سادہ لوحی پر منحصر ہو ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ فی الواقع کتنا بڑا قومی اسطوری رمز تھا۔ ایسا اسطور جسے آیندہ مزید دوصدیوں تک یہ سمجھا گیا جیسے ہم جنس پرستی ناگفتنی، غیر ملکی، بے ڈھنگی، انسانیت سوز اور سب سے بڑھ کر غیر برطانوی تھی۔

خانقاہیں اور قانون:

یہ دانستہ نابینا پن چاہے کتنا ہی غیر حقیقت پسندانہ ہو لیکن اس کے نتیجے میں ایک خوش قسمت واقعہ بھی ہوا۔ انگلینڈ میں اطالیہ، اسپین، پرتگال اور فرانس کی طرح نہ کسی کو سولی دی گئی اور نہ ہی جلایا گیا۔ چودہویں اور پندرہویں صدی میں لونڈے بازی کے سلسلے میں کسی بھی مقدمے بازی کا کوئی ریکارڈ نہیں ملتا۔ بے شک انگلینڈ میں ۱۵۳۲ء تک کسی قسم کی کوئی قانون سازی بھی نہیں ہوئی تھی۔ اسی سال ہنری ہشتم کی پارلیمنٹ نے ''اغلام بازی'' کو سنگین جرم بنایا جس کی سزا سولی پر لٹکانا تھا مگر ''موقع پر پادری نہ دستیاب ہوگا۔'' آخری شق کے یہ معنی تھے کہ کوئی بھی شخص مقدس احکام کے تحت۔ یا کوئی جو کتاب الادعیہ کی چند آیات کا ترجمہ کر سکے —— وہ قتل عمد کے باوجود پھانسی پانے سے بچ سکتا تھا لیکن اغلام بازی کی سزا سے مفر نہ تھا۔

یہ عموماً فرض کرلیا گیا کہ اغلام بازی کو تزویج محرمات اور کاری۔ کاروں کی طرح کلیسائی عدالتوں پر چھوڑ دیا گیا تھا جو جنسی اخلاقیات کے سرپرست ہونے کے علاوہ ممکن ہے اپنے دائرہ اختیار میں لینا چاہتی ہوں لیکن ایک جم کر کام کرنے والے محقق نے بتایا کہ (۱۴۷۰۔ ۱۵۱۶ء) کے درمیان میں ۲۱۰۰۰ ایسے مقدمات جو لندن چرچ میں چلے ان میں

صرف ایک مقدمہ اغلام بازی کا تھا۔ اس میں بھی مستغیث کو راندہ کلیسا کر دیا گیا جب وہ عدالت میں نہ پہنچ سکا۔ یوں لگتا ہے جیسے نہ تو دیوانی اور نہ ہی مذہبی عدالتیں کبھی حرکت میں آ تیں کیونکہ پارلیمنٹ نے قانون کے اندر پائے جانے والے خلا پر فکرمندی ظاہر کی اور نئے ضابطے کے سرنامے میں اسے شامل کیا گیا۔ ''ابھی تک اس میں'' یہ نوٹ کیا گیا ہے ''کافی اور قرار واقعی سزا نہیں طے ہوئی جس کی وجہ سے اس عہد کے قوانین ہیں جو عہد کے ساتھ ساتھ محدود ہو چکے ہیں خاص طور پر قابل نفرت اور گھناؤنی بدی اغلام بازی ہے جس کا ارتکاب یا تو نوع انسان سے کیا جاتا ہے یا پھر جانوروں سے۔'' قانون کی بعد میں یہ تشریح کی گئی کہ مقعد میں مجامعت کرنا چاہے وہ مرد ہوں یا عورتیں لیکن اس میں عورتوں کے مابین کارروائی شامل نہ تھی۔ اس آخری معاملے میں یہ نمایاں حد تک براعظم کے دیگر قوانین سے بالکل مختلف تھا۔

لیکن پارلیمنٹ کو ۱۵۳۳ء میں کیوں خیال آیا ایک محرک تو یہ تھا کہ ہنری ہشتم پاپایت سے نبرد آزما تھا۔ وہ اس بات سے سخت پژمردہ تھا کہ پوپ نے ملکہ کیتھرائن سے اس کی طلاق کی درخواست منظور کرنے سے انکار کر دیا۔ جس پر ہنری کو یہ سوجھی کہ اپنے عہد میں کلیسائی عہدیداروں کے خلاف جو آگ سلگ رہی تھی اس سے فائدہ اٹھایا جائے۔ جسے لوتھر نے اور نوزایدہ پروٹسٹنٹ فرقے نے خوب ہوا دی تھی۔ پارلیمنٹ نے ۱۵۳۲ء میں کلیسائی عدالتوں کی عملداری کو محدود کرنے کی کارروائی شروع کی۔ نئی قانون سازی میں اغلام بازی مملکتی قوانین میں شامل ہو گیا اور یوں لگا جیسے اس مہم کا حصہ ہو۔ ہنری نے ۱۵۳۳ء میں این بولین سے شادی رچالی۔ اور اگلے برس پارلیمنٹ نے اپنی بالادستی کا قانون پاس کر دیا جس سے بادشاہ برطانوی چرچ کا بھی سربراہ بن گیا۔ جب چند کلیسائی عہدیداروں نے نئے احکام قبول کرنے سے انکار کیا تو ہنری نے انہیں پھانسی دے دی اور بطور دھمکی چند ایک کی آنتیں نکلوا دیں۔

کلیسائی معاملات کی حد تک ہنری اب حرف آخر تھا۔ لیکن وہ دیوالیہ بھی ہو چکا تھا۔ اور خانقاہوں کے دفینوں میں جمع دولت ہاتھ آ جائے گی جو حسرت بن گئی۔ چونکہ اب بھی خانقاہی احکام کو معتد بہ عوامی حمایت حاصل تھی۔ تھومس کروموئیل جوان مساعی میں ہنری کا

ایجنٹ تھا۔ اس نے ایک ترکیب نکالی جس سے ان کی رسوائی ہو۔ اگر الزامات جنسی بے راہ روی والے ہوں۔ بالخصوص اغلام بازی والے ـــــ ان پر عاید کئے جاسکیں یوں ان کی دولت میں سیندھ لگائی جاسکتی ہے۔ ہنری نے ۱۵۴۳ء میں اپنے عزایم ایک خط میں ظاہر کئے جو اس نے ارّ آن کے ارل کو تحریر کیا تھا۔ جو ان دنوں سکاٹلینڈ میں نایب السلطنت تھا جسے اس نے ہدایت دی کہ وہ ایک کمشنر کو سکاٹ لینڈ کے ایبوں میں خفیہ احکام کے ساتھ بھیجے ''تا کہ وہ تمام اہل مذہب کی گفتگو اور طرز بودوباش کا جایزہ لیں، جس سے اگر تمام معاملات خوش اسلوبی سے انجام دیے گئے تو اسے ان کی تمام معیوب باتوں کا علم ہوجائے گا۔'' جس کے بعد وہ اور اس کے امرا بہ حفاظت ان کی زمینوں پر قبضہ کرسکیں گے۔ ''جس سے تمہیں بڑا فائدہ اور عزت حاصل ہوگی۔'' (اس زمانے میں گفتگو کے معنی بات چیت کی بجائے مراد عمل ہوتا تھا خصوصاً جنسی قربتوں کے لئے)۔

ہنری کی صلاح ان بنیادوں پر قایم تھی جو انگلستان میں پہلے ہی ہو چکے تھے۔ کروموئیل نے ۱۵۳۵ء میں اپنے گماشتوں کے ذریعے برطانیہ کی خانقاہوں میں رسمی ''دورے'' کروائے تھے تا کہ وہاں موجود اثاثوں کا تخمینہ لگایا جاسکے، اوہام کا بھانڈا پھوڑا جائے اور جنسی بدچلنیوں پر معلومات یکجا ہوسکیں۔ راہبوں سے بدسلوکی کی گئی اور انہیں غارتگر مہمانوں کے ذریعے اس لئے دھونسایا گیا تا کہ ناجایز اعترافات حاصل کئے جاسکیں۔ جس کے نتیجے میں جو دستاویزات انہیں دی گئیں انہیں (پردہ کشائی) کہا گیا اور جس سے سنسنی پھیل گئی۔ پروٹسٹنٹ اسقف ہیولاٹی مرؔ ہمیں بتاتا ہے کہ ''جب ان کی خباثتوں کی تفصیل پہلی مرتبہ پارلیمنٹ میں پڑھی گئی۔ وہ اتنی مہیب اور قابل نفرت تھیں کہ صرف یہی کہا جاسکتا تھا کہ ''مردہ باد!'' آپ صرف قیاس کرسکتے ہیں اور اس شوروغوغا کا اندازہ کرسکتے ہیں جب ہم نے دستاویز میں سے ایک خصوصی سطر پڑھی۔ Ruffod'' جھالردار کالر والو۔٦ ۔ اغلام باز، جسے حواس پر قابو نہ ہو، تھوز، ڈونکوسٹر، ایبٹؔ، ان سب نے دو شادی شدہ عورتوں سے اور چار دیگر سے: چھ نے رہائی چاہی (محض توبہ کرکے) توہمات کنواری کا دودھ۔۔۔ کرایہ ۱۰۰ پونڈ، قرض ۲۰ پونڈ۔'' ۱۷۵، اندراجات میں ہمیں ۱۸۰، سے زیادہ راہب ملے جنہیں ''اغلام باز'' لکھا گیا تھا۔ انگریزوں کے ذہن میں بیٹھی ہوئی

دہشت کو دیکھتے ہوئے جو اغلام بازی سے متعلق ان میں سمائی تھی۔ کیا مذکورہ ریکارڈ فی الواقع مذمت کے قابل نہیں ہے۔

اس کے باوجود عنوانات مبہم ہیں ''اغلام بازی'' نشاۃ ثانیہ والی صدیوں میں اس کے معنی ہم جنس پرستی سمجھا جاتا تھا۔ لیکن اس کے یہ معنی بھی تھے کہ پر جنسیہ رشتوں میں بذریعہ مقعد مجامعت اور جانور چودنا اور خال خال مشت زنی۔ تین دیگر گناہ جن کو اکیناس نے متعین کیا تھا وہ ''گناہ جو فطرت کے خلاف'' تھے۔ لیکن یوں لگتا ہے جیسے جلق کا اکثر و بیشتر اعتراف کرلیا جاتا۔ کمپرٹا میں جو دوسرا اندراج تھا وہ ریپٹن کی خانقاہ کے متعلق تھا جس کا یوں ذکر ہوا ''تھومس ریڈ جو سب پرایر (عہدہ) تھا اور تین دیگر موسوم بہ اغلام باز اور یہ درج تھا کہ جو رضا کارانہ آلودگی پھیلانے والے یا پھر مشت زنی، موضوع زیر غور یہی تھا۔ ایک اور اندراج یہ بتاتا ہے۔ اغلام باز۔۴، جو لڑکوں کے ساتھ تھے۔ جس سے غیر مستند خیال ''SOD'' —— ایسی وضع جن سے اکثر واسطہ پڑتا ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے یا تو مشت زنی یا پھر ایک ہی جنس کے مابین تعلقات۔

صرف ایک درجن مقدمات میں ہم جنس پرستی کا حوالہ صاف صاف ملتا ہے لیکن کمپرٹا کا بہ عجلت یا جانبدارانہ مطالعہ ذہن پر ایسا اثر چھوڑ سکتا ہے جیسے بہت بڑی تعداد میں ایسے راہب تھے جنہوں نے ہم جنسی والے تعلقات کا اعتراف کرلیا ہو۔ ہمیں تو حیرت ہوتی ہے کہ یہ انتشار فکر حادثاتی تھی یا سوچی سمجھی چال تھی۔ دونوں صورتوں میں اس رپورٹ نے انگلستان کے مذہبی اداروں پر مہلک وار کیا تھا۔ چند سال کے اندر خانقاہوں کو تحلیل کردیا گیا اور ان کی دولت ہینری کو منتقل کردی گئی اور یا ان امرا اور وکیلوں کو جنہوں نے اس کی پالیسوں کی حمایت کی تھی۔

ہمیں کوئی ایسی دستاویز دستیاب نہیں ہے جو ۱۵۳۳ء کے ایکٹ کے متعلق ہو۔ جس سے معلوم ہوسکے کہ اسے راہبوں کے خلاف کس طرح استعمال میں لایا گیا۔ اس کے وجود سے بادشاہ کے ہاتھ ضرور مضبوط ہوتے ہوں گے۔ اس سب کے باوجود ان قدیم اداروں کو جس طرح لوٹا گیا وہ بسا اوقات پسند نہ کی گئیں۔ کیونکہ روایتاً یہ لوگوں کو خیرات، تعلیم اور مہمان نوازی کرتی تھیں۔ شمالی انگلینڈ میں ہنری کے اقدام کو ایک طاقتور بغاوت کا سامنا

کرنا پڑا۔ یہ اس بغاوت ہی کا نتیجہ ہے کہ جو ہمیں ملتا ہے اور جو لگتا ہے کہ اغلام بازی کا ایک رسمی الزام ہو جو ہنری کے عہد میں عاید کیا گیا اور دستاویز میں محفوظ رہ گیا۔ لارڈ ہنگر فورڈ جو ہنری کا جوانی میں قریبی ساتھی تھا اور کروموِیل کا رفیق کار تھا۔ اس پر بغاوت کا مقدمہ قائم ہوا جس میں اپنے نرینہ خادم سے اغلام بازی کرنے کا الزام بھی شامل تھا۔ اس پر یہ بھی الزام تھا کہ اس نے ایک پادری کو اس لئے ملالیا تھا جس نے ''خانہ راہبان اور راہبات کو نوچ کر لوٹنے پر'' تنقید کی تھی۔ معاملے کی تہہ میں یہ بیٹھا تھا۔ اغلام بازی کا مقدمہ تو اس لئے قایم کیا گیا تھا تا کہ رائی کا پربت بنایا جائے جو بنیادی طور پر سیاسی تھا۔ ہنگر فورڈ کا ۲۸، جولائی ۱۵۴۰ء کو ٹاور ہل میں سر قلم کردیا گیا۔ یہ وہی دن تھا جب اس کا سابقہ مربی تھومس کروموِیل مستبد اور ظالم بادشاہ کی نظروں سے گر گیا۔

اپنے زوال سے پہلے تھومس کروموِیل نے ایک ذی علم اور جفاکش مصلح کی اس نیت سے کفالت کی ذمہ داری لی تھی تا کہ کیتھولک مخالف ناٹک لکھے۔ جون بیِل (۱۴۹۵۔ ۱۵۶۳ء) پروٹسٹنٹ فرقہ اختیار کرنے سے چوبیس سال پہلے تک کارمل فرایر عقاید کا حامل تھا۔ اس کے بعد اس نے شادی کی اور باقی ماندہ زندگی کیتھولک عقاید پر حملہ کرنے میں گزار دی۔ ایسے دور میں جو فرقہ وارارنہ مخاصمتوں کی شہرت رکھتا ہے اس کے ''کھردرے اور تلخ'' حملوں کی زبان کی تندی بے مثال تھی۔ بیِل کے پروٹسٹنٹ اخلاقیات کے حامل ڈرامے پاپایت پر حملہ کرنے کی مہم میں بے باکی کے حامل ہتھیار تھے۔ اس کے ''طربیے'' تھری لاز آف نیچر، موزیز اور کرایسٹ، کرپٹڈ بای دی سوڈومائیٹس، دی فاراسیز اور پاپسٹس (۱۵۳۶ء) یہ ایک ایسا بم تھا جو جنگ میں چلا تھا۔ اس کے کرداروں میں سے ایک ''سوڈومسمس'' تھا جو اسٹیج پر اس طرح نمودار ہوتا ''جیسے تمام فرقوں کا کوئی راہب''۔ تاہم سوڈومسمس ٹیوڈر عہد کے کسی ہم جنس پرست کا کوئی ناٹکی بہروپ نہ تھا بلکہ ایک ایسی ذات تھی جو قرون وسطی کے رمز کی حامل اور جنسی رویوں کی نمایندہ ''ایسے گناہ جو فطرت کے خلاف'' تھے اگر ہم اس کے معنی وسیع معنوں میں لیں۔ ایک دایمی ذات جیسے سرگرداں یہودی جن کے ذکر کے ساتھ ہی سیلاب کا خیال آتا ہے (جسے اس نے خود ہی پیدا کیا ہو) جلق کے ساتھ (جس سے مراد مٹھ مارنا ہے) اور ''سدوم اور عمورہ'' کے شہریوں کے جلو میں، نامور یونانی اور اہل روم

اور آخر میں ہم عصر دنیا میں راہبین اور کیتھولک لاٹھ پادری جن میں ''پوپ جولائی'' بھی شامل ـــــ جو نہایت طیش میں یہ چاہتا ہے/ دو لونڈے تا کہ انہیں جانوروں کی طرح استعمال کرے۔/ نانٹیز کے سربراہ کی جانب سے یہاں پر پوپ جولائی سے مراد جولیس سوم نہیں ہے جس کی لونڈوں کے لئے ترجیحات نے صدی کے اختتام تک پروٹسٹنٹ لعن طعن کا ہدف بنا دیا تھا۔ بلکہ وہ اس کا بہت مشہور مربی جولیس دوم تھا جو ۱۵۱۳ء میں وفات پا چکا تھا۔

آیا اہل کلیسا کو غیر شادی شدہ رہنا چاہیئے اس تنازع نے دینی حلقوں میں شوروغوغا پیدا کر دیا۔ کیونکہ لوتھر کی طرح راہبوں نے بھی شادی رچا کر عہد شکنی کر دی۔ پروٹسٹنٹ کے آتش شوق سے یوں چشم پوشی کی جاسکتی ہے کہ وہ مقعد کی ہوس رکھتے تھے۔ بیل کی طرح شادی شدہ مصلحین نے جوابی حملہ کہیں زور دار کیا اور انہوں نے رومن اہل کلیسا پر الزام عاید کیا کہ وہ لونڈے بازی کے مزے کے واسطے ''دیانت دارانہ شادی'' سے دستبردار ہو چکے ہیں۔ بیل نے ۱۵۳۶ء میں دی ایکٹس آف انگلش ووٹیری (راہب) شائع کی جس میں اس نے پادریوں کے پورے طبقے کو اچھی طرح رگیدا اور ''لونڈے بازوں اور رنڈی بازوں کو ایک ہی تھیلے کے چٹے بٹے کہا۔'' ان بے باک صفحات کو پڑھنے کے بعد کوئی بھی شخص سمجھ لیتا ہے کہ اسقف کو کیسے ''جھگڑالو بیل'' کی عرفیت ملی۔ یا بیل نے غالباً کسی بھی انگریزی میں لکھنے والے کے مقابلے میں کیتھولکزم کو ہم جنس پرستی سے منسوب کیا۔

بیل کی مساعی کا نتیجہ روبرٹ برٹن کی صورت میں نکلا جو اوکسفورڈ میں پادری عالم تھا جس کی کتاب 'اناٹوی آف میلانخولی' (افسردگی کا تجزیہ) (۱۶۲۱ء) جس میں وہ وضاحت کرتا ہے اور تجزیہ کرتا ہے جسے ہم آج کل ڈپریشن کہتے ہیں۔ مگر برٹن ایک موضوع سے دوسرے میں پھاند جاتا ہے اور اس کا باب جو ''محبت کی افسردگی'' کی ایک فہرست پیش کرتا ہے جس میں جنسیاتی انحرافات درج ہوتے ہیں جس میں (لاطینی زبان میں) ہم جنس پرستی پر خاطر خواہ گفتگو ہوتی ہے جسے انیسویں صدی سے پہلے کسی بھی انگریزی کے مصنف نے تحریر نہ کیا تھا مگر اس کا کل اثاثہ ڈیڑھ صفحے پر آ گیا۔ یونانی، رومی حکمرانوں اور مصنفین کو شناخت کرانے کے بعد اور جدید لڑکوں اور اطالویوں کے متعلق جو اس بدی میں پڑے

ہوئے تھے پھر انگلینڈ کی طرف مڑتا ہے'' یہ بڑی تکلیف سے بات کہی جاتی ہے کہ ہمارے اپنے ملک میں اور جو ہمارے حافظے میں ہے کہ وہ قابل نفرت گناہ ہمارے اندر جوالامکھی بنا ہوا ہے۔ کیونکہ بے شک سال ۱۵۳۸ء میں (کذا) سب سے زیادہ محتاط بادشاہ ہنری ۔ ہشتم ۔۔۔ نے مسیحی خانقاہوں کا معاینہ کیا۔۔۔جس میں پادری اور دیگر عہدیدار رہتے ہیں اور ان میں یہ پایا اور اتنی بڑی تعداد میں رنڈی باز، خصی کئے ہوئے نوجوان، جنسی لذت کے رسیا، گانڈو، لڑکوں جیسے، مغلم اور اغلام باز (جیسا کہ بیل نے کہا) گینی میڈز وغیرہ، کہ ان میں سے ہر ایک میں آپ کو ایک جدید عمورّہ مل جائے گا۔''

جب ہنری ۔ہشتم کی بیٹی میری ۱۵۵۳ء میں تخت نشین ہوئی، کیتھولکزم کو بحال کر دیا گیا اور پارلیمنٹ نے ہنری کے عاید کردہ اغلام بازی کے متعلق قانون کو ان دیگر قوانین کے ساتھ منسوخ کر دیا جن کی سابق پروٹسٹنٹ پارلیمنٹ نے قانون سازی کی تھی۔ اس تبدیلی کو محض اس لئے دکھایا جارہا ہے تاکہ یہ ثابت ہوسکے کہ اغلام بازی کے متعلق کیتھولکزم کی پالیسی روادار تھی۔ جو ایک بے تکا الزام ہے اگر ہم انگلستان میں قانون کے نفاذ کا موازنہ دیگر ہم عصر کیتھولک ممالک سے کریں۔ یہ کس قدر طنز آمیز ہے کہ وہ قانون جسے میری کی پارلیمنٹ نے کالعدم قرار دے دیا تھا اسے الیزبتھ اول کے زمانے میں حیات نو دی گئی جس کا سبب وہ الزامات تھے جو ایک کلیسائی عہدیدار کے خلاف لگائے گئے اور جو درحقیقت ایک اسپینی پروٹسٹنٹ تھا۔ کوسیوڈ وروڈل رینا ایک ممتاز عالم دین جو لندن میں واقع پناہ گیر کلیسا میں کام کرتا تھا اس پر یہ الزام دھرا گیا کہ وہ جین ڈی بے اون سے اغلام بازی میں ملوث رہا ہے۔ جو سترہ برس کی عمر میں عبادت میں شریک ہوا کرتا تھا۔ یہ سمجھتے ہوئے کہ فرانس اور اسپین کی طرح یہ انگلینڈ میں بھی جان لیوا جرم ہے۔ رینا اور لڑکا دونوں فرار ہوکر متصل براعظم چلے گئے۔ اس رسوائی سے لگتا ہے صاحبان اختیار کا ماتھا ٹھنکا ہوگا کہ انگلش قانون میں کوئی کسر رہ گئی ہے کیونکہ آیندہ سال کی ۱۲، جنوری کو انہوں نے ہنری ہشتم کا قانون از سر نو نافذ کر دیا اور الزام لگاتے ہوئے یہ کہا کہ اس قانون کی منسوخی سے ان لوگوں کو شہ ملی ہے ''بدی پر مایل افراد۔۔۔ مذکورہ لوگ نہایت ہولناک جرم کا ارتکاب کرتے ہیں جو نہایت قابل ملامت اغلام بازی کی بدی ہے۔'' حالانکہ رینا پر الزام کسی

حالت میں پایہ ثبوت کو نہیں پہنچا تھا۔

الیز بتھ کے عہد حکومت میں بنائے جانے والے قوانین کو لمبی عمر نصیب ہوئی۔ اس کی زبان میں بھی اس وقت تک کوئی تبدیلی نہ آئی جب تک کہ سزائے موت کو ۱۸۶۱ء میں تاحیات قید میں نہ بدل دیا گیا۔ اسی وضع میں یہ قانون ۱۹۲۷ء تک رہا جب ہم جنس پرستی کو فہرست جرایم میں سے خارج کر دیا گیا اور یہ سب والفینڈن کمیشن کی تجاویز پر ہوا۔ الزبتھ اول کے عہد میں تاہم یہ کہیں نہیں لگتا کہ اس قانون کو نافذ کرنے کی سرے سے کوشش کی گئی ہو۔ اگر ہم قانونی دستاویزات میں ملنے والی جستہ جستہ شہادتوں پر بھروسہ کر لیں۔ مردوں پر قصباتی (کاونٹی) عدالتوں میں اغلام بازی کے الزام پر مقدمہ چلایا جا سکتا تھا مگر ۱۵۶۳ء کے بعد ان عدالتوں میں جو سہ ماہی منعقد ہوتیں اور مرافعوں کی سماعت کرتی تھیں اور ان کے منصفنین جسٹس آف پیس کہلاتے تھے۔ لیکن واحد کاونٹی جس کا دفتری ریکارڈ محفوظ ملا ہے وہ ایسیکس ہے۔ وہ سہ ماہی عدالتیں جن کے ۱۵۵۶ء۔۱۶۸۰ء کے عرصے میں اجلاس ہوئے وہاں اس نوعیت کا کوئی مقدمہ نہ پیش ہوا۔ سوائے ایک کے جو ۱۶۶۹ء میں قصباتی عدالت میں ہوا تھا۔ حالانکہ کبھی کبھار ۱۶۰۰ء کے بعد مختلف کاونٹیز میں لوگوں کی سزا یابی ہوئی۔ لیکن آج تک الیز بتھ عہد میں صرف ایک مقدمہ کا سراغ مل سکا ہے۔

اس سب کے باوجود لاتعداد لوگ اس قانون کے تحت پھانسی چڑھ گئے ہوتے بالخصوص اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں اور اس سے بھی زیادہ بندی خانوں میں موجود ہوتے۔ علاوہ ازیں اس کا ساری دنیا میں اثر کہیں زیادہ ہوتا کیونکہ یہیں پر وسیع وعریض برطانوی سلطنت کے لئے نظیریں تیار ہوتیں جن میں کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ اور امریکی نو آبادیاں شامل تھیں ۔ انہوں نے بھی ان دنوں ان قوانین سے نجات حاصل کر لی ہے لیکن ایسے امتیازی ضابطے جنہیں برطانوی اغلام بازی کے قوانین سے کشید کیا گیا ہے اب بھی بھارت، ملایشیا، نائجیریا کینیا، تنزانیہ اور یوگنڈہ میں موجود ہیں اور بہت سے جزیروں پر جن کی حیثیت زیرنگیں ہے جیسے پاپوا نیوگنی سے غرب الہند تک۔ اور انہوں نے لاکھوں کی زندگی میں تاریکی پھیلا دی ہے۔

عہد الیزبتھ کا ادب:

ہنری ہشتم کا نیم اصلاحی اقدام اور ایڈورڈ ششم کا وقفہ اور ''خونی'' میری کے خلاف اہل کیتھولک کا ردعمل، انگلش نشاۃ ثانیہ ان سب نے مل کر جو آبیاری کی اس سے جو عظیم فصل لہلہائی اس کا اظہار عہد الیزبتھ کے ادب میں ہوا۔ اٹلی میں اپنے ہم سروں کی طرح ''نئے علوم'' نے ملنے والا ولولے کا یونان کی دریافت نو سے کیا جس کے اساطیر اور ادب نے انسانی رویوں کے نئے تناظرات مہیا کئے۔ ان دریافتوں میں ایک بڑی حقیقت یونانی ہم جنس پرستی تھی جو انہیں براہ راست مل رہی تھی نہ کہ اووڈ اور ورجل کی چھنّیوں میں سے۔ الیزبتھ کے لندن میں پندرہویں صدی کے فلورنس کی طرح یونانی آرٹ کے لئے ایک نیا جوش وخروش نمودار ہوا جس کی امتیازی صفت مسلک حسن تھا جس میں سے جوان مردوں کا حسن خارج نہیں کیا گیا تھا۔ جب کہ کلاسیکل مردانہ عشق کی مثالیت کے علم کو جسے افلاطون اور پلوٹارک سے کشید کیا گیا تھا اس نے نئے تناؤ اور کشیدگیوں کو جنم دے دیا۔

ٹیوڈر کے برطانیہ میں ثانوی تعلیم جو مراعات یافتہ اقلیت کے دسترس میں تھی۔ جس کا بنیادی واحد مقصد لاطینی کی تدریس تھا۔ سر تھومس ایلوٹ نے اپنی موثر کتاب 'نیمڈ دی گورنر' (مراد معلم سے ہے) ۱۵۳۱ء میں گرم جوشی سے مشورہ دیا کہ ایسے شعرا کو پڑھایا جائے مثلاً اووڈ، کاٹولس اور مارشیل ان کا کلام شہوت انگیز ہونے کے باوجود۔ عہد الیزبتھ میں اسکول کے طلباء جن کی عمریں سات سے سترہ برس ہوتیں ان کا معمول تھا کہ روزانہ ان کا کلام پڑھتے اور ان مصنفین کی پیروی کرتے۔ شیکسپیئر کی ''Small Latine'' وہ جدید پیمانوں کے مطابق کبھی بھی چھوٹی نہ ہوتی اور اپنے دایرے میں ایسے شہوت انگیز کلام والے شعرا جیسے ہورس اور ورجل شامل ہوتے جنھوں نے دونوں اصناف کو رجھانے کی کوششیں کی تھیں۔ کلاسیکل لاطینی پر دسترس رکھنے کا مطلب تھا کہ طالبعلم کو بڑی معقول جنسی تعلیم ان شاعروں کے ذریعے مل چکی ہے جو بے شرمی کی حد تک اوباش اور دوجنسیے تھے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ شیکسپیئر کے زمانے کا کوئی بھی اسکول کا طالبعلم ہم جنس پرستی کے متعلق کہیں زیادہ جماعت میں پڑھ چکا ہوگا بہ مقابلہ اس طالبعلم کے جو کنسے کے عہد کا ہے۔

ادبی اور اخلاقیات کے نقادوں پر یہ لازم تھا کہ وہ احتجاج کریں سر فلپ سڈنؔی نے اپنی مشہور کتاب (Defence of poetry) میں شاعری کے دفاع میں ''کریہہ غلاظت'' کو قابل ملامت جانا، اسے جب Authrorized ''اجازت' فائیڈرس اور سمپوزیم میں ملیں وہیں اس نے شکایت کی کہ''افلاطون نے متعدد دیانت دار بلدیاتی ایتھنز کے لڑکوں سے ڈھونگ رچایا کہ ان معاملات پر بتائیں حالانکہ انہیں اونچے طاقوں پر بیٹھا کر پوچھا جاتا تو وہ اس کا کبھی بھی اعتراف نہ کرتے——اگر ہم یہ فرض کرلیں کہ یہ سب کچھ ہم عصر انگلینڈ میں ہورہا تھا۔ فرانسس میرؔز جس کی کتاب 'دانش کا خزانہ' پہلی انگریزی کتاب تھی جس میں شیکسپیئؔر کے ڈرامے شامل کیئے گئے اور انہیں عہد وسطی کے اخلاقی پیمانوں کے مطابق ہم جنس پرستی کا رقم پر ملنے والے سود سے موازنہ کیا گیا۔ لونڈے بازی اس لئے غیر قانونی ہے کیونکہ یہ اشیا کے خلاف ہے جیسے بیاج اور سونے چاندی پر کسی قسم کا اضافہ غیر قانونی ہے کیونکہ یہ فطرت کے خلاف ہے۔ فطرت نے ان دونوں کو عقیم اور بیہڑ بنایا ہے۔ اپنی اناٹومی میں برٹؔن اس پر تاسف کرتا ہے کہ افلاطوؔن''اگاتھن میں بہت خوش ہوا تھا، زینوفوؔن کلینیاس میں، ورجؔل الیکسس میں، اناکریؔ بون باتھیلس میں۔''

عہد الزبتؔھ کے شعراحسن کے متوالے اس کے عادی تھے کہ بقول گریگوری بریڈ بیکؔ کسی مرصع ''آرایشی ہم جنس شہوت'' کے کھلونے سے کھیلا کرتے۔ یہاں تک کہ سب سے زیادہ دادوتحسین حاصل کرنے والی نظم ایڈمنڈ اسپینسؔر کی ''فاریری کوین'' ہے جس میں تفصیلات کی بھرمار ہے اور جس کے مبہم شہوت انگیز ذیلی اشارے قاری کو لاچار بنادیتے ہیں۔ اپنی ''کیوپڈ کا گانا اور ناٹک'' نظم میں اسپینسؔر ایک رمزیہ ذات کو دو مشہور لونڈوں سے موازنہ کرتا ہے۔

پہلی والی دلکش تھی ایک خوبصورت لڑکے کی طرح
خدوخال لاجواب تھے اور حسن بے مثال
موازنہ صرف اس سے ہوسکتا ہے جو ٹرائے کا کھلونا ہے
جسے مشتری نے چاہا اور پسند کیا اسی سے اولاد ہو
یا پھر اسی کومل لڑکے سے جو آج تک عزیز تھا

اس عظیم ہرکولیسؔ تک کہ جب وہ مرا

تو وہ عورتوں کی طرح اشکبار رہا

سلوانس ساری پارسؔس اور اپالو ہیاسنتھؔ اپنا جلوہ دکھاتے ہیں اور کیوپڈ ''شرارتاً'' اڈونس سے کھیلنے لگا ہے وہ بھی اس کے پراسرار باغ میں لیکن اسپینسر اپنی عفت پر اتنا قائم ہے جتنا وہ حسن پر مرتا ہے اور لگتا ہے کہ ہم ان عبارتوں کو نہ پڑھیں گے جو یونانی عشق سے درگزر کرتی ہیں۔

اس سب کے باوجود یوں معلوم ہوتا ہے جیسے ۱۵۹۰ء سے ایک بے مثل پھولتی پھلتی اور واقعی ہم جنس پرست انگریزی شاعری کا آغاز ہوگیا۔ اس دہائی سے تعلق رکھتے ہیں مارلوؔ کا 'ہیرو اور لینڈر' اور ایڈورڈؔ۔ دوم اور شیکسپیئرؔ کی سونیٹس۔ اسی زمانے میں رچرڈ بارنفیلڈؔ کی دیہی رومانی نظمیں اور سونیٹس زیورِ طبع سے منصۂ شہود پر آئیں۔ جن میں گڈریا ڈافنسؔ ایک خوبصورت لڑکے کے لئے اپنے عشق کا عطر نچوڑتا ہے اور اس جوش وخروش والی وارفتگی سے جو قاری کو اکسانے لگتی ہے کہ وہ شاعر ہی کو شادی کا خواستگار نا کام عاشق مان لے۔

رچرڈ بارنفیلڈؔ سٹافورڈ شایر کے مقام پر ۱۵۷۴ء میں پیدا ہوا تھا اور اپنے دو معمولی دبازت والے مجموعہ کلام کے سبب معمولی سی شہرت پا چکا تھا جن میں ''گینے میڈ'' نظمیں شامل تھیں۔ جب وہ بیس سال کا ہوا تو اس نے افیکشنیٹ شیفرڈ شایع کی جس میں Complaint of Dephnis for the Love of Ganymede موجود تھی جس کا آغاز ان تعجب خیز سطروں سے ہوتا ہے۔

بہ مشکل ستارہ صبح نگاہوں سے اوجھل ہوا ہوگا

آسمان کا قرمزی سایبان ستاروں سے جڑا ہوا تھا

لیکن میں نے اس ناخوشگوار منظر پر اظہار افسوس شروع ہی کیا تھا

کہ وہ حسین لڑکا جس نے میرا دل الجھا لیا ہے

میں تو وقت، جگہ، منظر اور گناہ سب پر لعنت بھیجتا ہوں

میں آیا میں نے دیکھا، میں نے جایزہ لیا اور میں پھسل پڑا۔۔۔

اگر حسین لڑکے سے عشق کرنا کوئی گناہ ہے

تو اے گناہ، میں تیرے ہی لئے اتنا افسردہ ہوں

جب نظم پر حملے ہوئے کہ اس میں معاشقہ کیوں دکھایا گیا تو بارنفیلڈ نے جواب دیا کہ میرے دل میں ''کچھ نہ تھا بلکہ میں تو ورجل کے نقش قدم پر چل رہا تھا جیسا اس نے الیکسس کے دوسرے بند میں کیا تھا۔'' یہ ایسی مدافعت تھی جو لازماً سوال کا تقاضہ کررہی تھی۔تھومس وراٹن نے اٹھارویں صدی میں یہ سوچا کہ ''ہمارے عہد کا کوئی بھی مصنف اگر ایسی عشقیہ نظمیں شایع کرے گا تو اس کی اچھی طرح خبر لی جائے گی اور پوری دنیا میں اس پر پابندیاں عاید کردی جائیں گی۔اور ۱۸۱۶ء میں ایک اور برطانوی ادیب نے اظہارغم کیا کہ ان کی ''جنسی بے راہ روی'' شیکسپیئر کی سونیٹس کی ہم پلہ ہیں۔احتیاطاً بارنفیلڈ ۔لندن چھوڑ کر اپنے قصبے میں لوٹ گیا، شادی کی پھر نہ شاعری کی جس سے خوشی ہو—— یا رنج ہو—— نہ نقادوں کو۔

کرسٹوفر مارلو:

کرسٹوفر مارلو انگلینڈ کا پہلا عظیم شاعر اور ڈرامہ نگار تھا لیکن وہ متنازع شخصیت بھی تھا۔اطالیہ کے سوڈوما کے مانند مارلو بھی برطانوی نشاہ ثانیہ کا انوکھا شخص تھا جو اپنی منشا کے مطابق تسلیم کرتا تھا کہ وہ اپنی ہی جنس والوں میں دلچسپی رکھتا ہے۔اس کا تھیوفایل ڈی ویو سے موازانہ جو اگلی نسل میں فرانس میں گزرا ہے کہیں زیادہ معنی خیز ہے۔دونوں ہی دونوں معاملوں میں بدعتی تھے—— جنس میں اور مذہبی امور میں۔حالانکہ وہ کیمبرج میں ۱۵۸۰ء میں بطور وظیفہ یافتہ طالبعلم کے داخل ہوا جو ایسے طلباء کو دیا جاتا جن کا ارادہ مقدس علوم حاصل کرنے کا ہوتا۔مارلو کو بطور جنگجو بے دین کے بدنامی مل گئی۔جس کے لئے ذمہ دار اس کا کسی زمانے کا دوست تھومس کاڈ تھا جس نے الیزبتھ کی پریوی کونسل میں اس کی مذمت کی تھی۔کیڈ نے لکھا مارلو کو عرصہ دراز سے ''الوہی صحایف کا مضحکہ اڑانے کے لئے، عبادتوں کا مذاق بنانے اور ایسی مساعی کے ذریعے جن کا طرز استدلال ایسا ہو جس سے جو کچھ پیغمبران اور اولیا تحریری اور تقریری حالت میں چھوڑ گئے ہیں اس میں مایوسی اور الجھن

پیدا کردی جائے۔ ایک اور مخبر رچرڈ بینز نے کاونسل کو پوری تفصیلات ارسال کیں جو بدعتیں مارلو میں تھیں۔ وہ جناب موسیٰ کو ایک ''شعبدہ باز'' (فریبی) کہتا اور دعوی کرتا کہ'' ایسے پہلے مذہب کا آغاز تھا جو انسان کو ہمیشہ خوف میں مبتلا رکھتا ہے۔'' بینز نے مارلو کے متعلق یہ بھی مخبری کی کہ وہ جنسی آزاد خیالی کا حامل ہے۔ شاعر نے خود ہی تسلیم کیا ہے کہ'' وہ لوگ جو تمبا کو اور لونڈوں سے عشق نہیں کرتے احمق ہیں۔'' اور یہ بھی کہ'' سینٹ جان ایوانجلسٹ مسیح کا ہم بستر تھا اور اس کی آغوش میں اس طرح رہتا تھا کہ وہ اسے سدوم کے گناہ گاروں کی طرح استعمال کرتا۔'' اس کے بعد'' کپکپاتے ہوئے'' تھومس کیڈ نے اس نکتے کی اس طرح توثیق کی'' وہ بتاتا کہ سینٹ جون جو ہمارا نجات دہندہ مسیح کا الیکسس تھا۔۔۔ یعنی کہ مسیح نے اس سے عشق کیا لیکن ایک غیر معمولی عشق کے ساتھ۔ شاید مارلو کے دل میں جو مسیحیت کے خلاف نفرت بیٹھ گئی تھی اس کا سبب کہیں نہ کہیں ہم جنس پرستی سے تھا۔ وہ کیونکر ایسے مذہب سے ترکیب رکھ سکتا جس میں اس قسم کے مردوں کی مذمت کی جاتی اور ملامت بھی کی جاتی ہو۔

مارلو کا عرصہ شاعری، ڈرامہ نگاری، وقت سے پہلے تابندہ اور المناک حد تک مختصر رہا۔ اس کے نہایت کامیاب کھیل 'ٹامبرلین' کا افتتاحی شو ممکن ہے اس زمانے میں ہوا ہو جب وہ ابھی کیمبرج میں زیر تعلیم تھا۔ جلد ہی اسے ''موسیٰ کا عزیز'' کہا جانے لگا اور اپنی ''بھاری بھرکم سطروں'' کے لئے تعریفیں سننے لگا۔ ایک حریف تک بند، قافیہ پیمائی کرنے والے میکائیل ڈریٹن نے اپنے ایک پر تخیل شعر میں یہ کہا'' وہ جراتمندی والی فضائے بسیط میں محو سفر چیزیں/ جو پہلے شاعروں کے ذہن میں آئیں۔ لیکن اگر مارلو نے ڈرامائی شاعری کے لئے نئے معیار بنائے اور شیکسپیئر کو راستہ دکھایا۔ (جو ٹھیک اس کا ہم عصر تھا) برطانوی ہم عصر نقطہ نظر سے اس کے اہم کردار پریشان کن حد تک نامانوس اور بدیسی لوگ تھے جن میں بربری تورانی فاتحین (ٹامبرلین) ایک اور شائے لوک (مالٹا کا یہودی) ایک زنخا فرانسیسی بادشاہ (ہنری سوم جو میسا کر ایٹ پیرس) میں تھا۔ ایک موسیقار شیطان کا حلیف (ڈاکٹر فاوسٹس) اور ایک ہم جنس پرست برطانوی تاجور (ایڈورڈ۔ دوم)۔

اپنے ڈراموں کی طرح مارلو کی زندگی بھی متلاطم اور تشدد اس کے گگر پر سرکاری

جاسوسوں اور بااعتبار لوگوں کی ملکہ الیز بتھ کی ایک اور دنیا تھی۔ کیمبرج چھوڑنے کے دو برس کے بعد اس پر کسی کوچے میں کسی شخص نے حملہ کر دیا جسے اس کے دوست نے وہیں مار ڈالا۔ تھومس کیڈ نے اس کے متعلق کہا کہ ''وہ ایک تند خو اور سنگدل'' شخص تھا لیکن مارلو کے ایسے دوست بھی تھے جو اس سے متفق نہ تھے۔ جون مارسٹن نے اس کے یرقان زدہ خیالات کو جو وہ نوع انسان کے لئے رکھتا تھا انہیں اس نے معطل کر دیا۔ اور کہا کہ وہ ''نیک دل مارلو'' ہے۔ اور طابع ایڈورڈ بلاونٹ نے اس کے متعلق کہا کہ ''وہ ہم سب کو عزیز تھا'' اور اس کے مربی کی محبت کا ذکر کیا کہ تھومس وال سنگھیم دل میں اس کی کتنی قدر کرتا تھا۔ لیکن چند کیمبرج کے طلباء نے ۱۶۰۰ء میں لکھتے ہوئے کہا جس میں اتفاق رائے بھی ہے۔ جس میں مارلو نابغے کے لئے داد و تحسین کے ساتھ اس کی زندگی اور خیالات کی ہولناکی بھی ہے۔ ''ہائے افسوس وہ عقل جو اتنی بیمار ہے اور ہمارے ساتھ رہے۔ یہ ذہانت جو جنت سے اتری، لیکن بدیاں دوزخ سے آئیں۔''

جب تھومس کاٹڈ کی تحریروں میں چند بے دین تحریریں ملیں تو کاٹڈ نے قبول کیا وہ بھی بعد تشدد کہ حقیقت میں وہ مارلو کی تھیں۔ جس کے نتیجے میں پریوی کونسل کے سامنے پیش ہونے کے لئے شاعر کے نام وارنٹ جاری کیا گیا۔ یہ کوئی معمولی بات نہ تھی۔ ایک اور کیمبرج گریجویٹ فرانسس کیٹ کو ۱۵۸۹ء میں اس جرم کی پاداش میں جلا ڈالا گیا کہ اس نے مسیح کی الوہیت سے انکار کر دیا تھا۔ مارلو کی اپنی موت نے تاہم اس سے پوچھ گچھ کی نوبت نہ آنے دی۔ مئی ۳۰، ۱۵۹۳ء کو اپنے تین دوستوں کے ساتھ لندن کے مضافات ڈیٹفورڈ کے میخانے میں سارا دن شراب نوشی کرنے کے بعد، وہ اس وقت انتیس برس کا تھا وہ کسی سے یوم حساب کے مسئلے پر بحث میں الجھ گیا۔ اس نے کسی کا خنجر اٹھا لیا اسے اس نے کچھ اس طرح پکڑا کہ اس کی نوک اسی کے جانب رہی اور دھینگا مشتی میں وہ اس کی کھوپڑی میں پیوست ہوگئی۔ دوسرا شخص انگرام فرائیزر تھا جو جز وقتی جاسوس اور چھوٹی موٹی فریب دہی سے روپیہ اینٹھنے والا شخص تھا۔ فرانسس میریز واقعے کے متعلق پانچ سال بعد بتاتے ہوئے کہتا ہے کہ اس لڑائی جھگڑے کی تہہ میں جنس بھی موجود تھی۔ اس نے لکھا کہ مارلو'' کو ایک ہزل گو سرکاری ملازم نے چھرا مار کر قتل کر دیا جو مقتول کے شہوانی عشق میں

رقیب تھا۔'' لیکن ضلع کے تفتیشی افسر کی تفصیلی رپورٹ میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ تاہم جھگڑا لگتا ہے کسی غیر شاعرانہ بات روپے پیسے والی ہو گی۔

مارلو کی شاعری اور ڈرامے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ اس پر مردانہ عشق سوار تھا۔ اس کا پہلا کھیل ڈیڈو، کوین آف کارتھیج وہی مانوس کہانی سناتا ہے جو آینیڈ کی ہے لیکن اس کا آغاز قطعاً غیر درجلی منظر سے ہوتا ہے جس میں مشتری سیارہ دریافت ہو جاتا ہے'' جو گینی میڈ کو اپنے گھٹنوں پر جھلاتا ہے۔'' جب لڑکا جونو کے حسد میں شکایت کرتا ہے اور تحفے کی فرمائش کرتا ہے تو جنسی محبت پر مایل دیوتا جواب دیتا ہے'' یہ کیا ہے اے پیارے جھومنے والے کیا میں تیری جوانی سے انکار کردوں۔ جس کے چہرے سے کتنا سرور ٹپک رہا ہے جو میری آنکھوں میں اتر رہا ہے۔'' وقفہ اس وقت ختم ہوتا ہے جب زہرہ کو شکایت ہوتی ہے کہ مشتری اپنے منظور نظر کو نظر انداز کر رہا ہے۔ آینیاز کو تو کھیلنا چاہئے'' اس زنانہ من چلے لڑکے سے۔''

مارلو کی سب سے زیادہ مشہور نظم سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ہم جنس پرستی کا اسے ادراک تھا۔ 'ہیرو اینڈ لینڈر' ایک ایسا ہی شاداں اور فرحاں شہ پارہ ہے جس میں ولولہ انگیز اور پرعیار ظرافت الیز بتھ عہد کے تمام منظوم حکایات کے مقابلے میں ہے جو اسے سب سے زیادہ قابل مطالعہ بنا دیتے ہیں۔ قصہ ہیرو کے عشق کے متعلق بتاتا ہے اور قدرے مبہم انداز میں بیان کرتا ہے کہ'' زہرہ راہبہ'' ہے اور جوان لینڈر جس نے ہیلس پونٹ (Hellis pont) کو تیر کر اس سے ملاقات کی۔ اسکی اووڈ کے لئے ممنونیت واضح ہے۔ لیکن وہ چند چیزوں کے لئے یونانی نثری روحانی کہانیوں کا بھی خوشہ چین ہے جن کے ترجمے بڑی بے تابی سے الیز بتھ عہد کی رعیت پڑھا کرتی تھی۔ نظم کا مطلع بالتفصیل انداز میں ہیرو کے مرصع چوغے کا ذکر کرتا ہے۔ لینڈر کی تفصیلات اس کے برعکس ہے جو ان کی پوشاک کو نظر انداز کر دیتا ہے۔

اس کی لٹکی ہوئی زلفیں جنہیں کبھی تراشا نہ گیا تھا
اگر انہیں کاٹا گیا ہوتا اور اس پر کولچوا (Colchos) پیدا ہوئی ہوتی
تو یونان کے جاں نثار جوانوں کو اس نے ضرور پرچایا ہوتا

زرد مونڈے ہوئے بالوں سے بڑھ کر اس میں خطرہ ہے
اس کے جسم کی قامت ایسی ہے جیسے سر سے کا ڈنڈا
مشتری نے ممکن ہے اس کے ہاتھ سے سوم رس پی لیا ہو
اور گوشت کا ذایقہ بھی اتنا ہی مزے دار ہو گا
ویسے ہی ہاتھ لگانے میں اس کی گردن تھی اور سب سے بڑھ کر
پیلوپؔ کے شانوں کی سفیدی، میں تمہیں بتاوں
اس کا سینہ کتنا ہموار تھا اور اس کا پیٹ کتنا سفید
اور جس کی غیر فانی انگلیوں نے اپنے نشان چھاپے
وہی آسمانی راستے جن میں کئی عجیب گڑھے تھے
جو اس کی پشت پر چلے جاتے تھے۔۔۔

اگر الیز بتھ عہد کے مردانہ حسن کے حلقے نے لینڈؔر کے جسمانی کشش کی فہرست کی منظوری دے دی تو یونانی روایات نے مارؔلو کو اجازت دی کہ وہ اپنے جذبات کا اظہار ضرور کرے جب اسے دیگر مردوں کی ضرورت ہو۔

آیا وحشی، ہپو لائٹس لینڈؔر نے کبھی دیکھا تھا
وہ اس کے حسن سے کس قدر مسحور ہوا تھا
اس کی موجودگی سے اکھڑ دہقان پگھل جاتا
کہ اس وسیع سطح مرتفع دیہات میں مقیم تھا
کیونکہ اس کے چہرے میں وہ سب کچھ تھا جس کی مرد آرزو کرتے ہیں

اور جیسا کہ یونانی ناولوں میں موقع نکال کر ایک ہی جنس کے ذکر کو ذیلی پلاٹ بنالایا جاتا ہے، اسی طرح مارؔلو اپنی نظم میں ہم جنسی شہوت کا حامل ایک چھوٹا سا قصہ شامل کر دیتا ہے۔ جب لینڈؔر تیرتا ہوا سیسٹوز میں ہیرو سے ملنے جاتا ہے تو سمندری دیوتا نپچون مبہوت ہو کر رہ جاتا ہے۔

اس کے ساتھ ہی اس نے اسے اس طرح بے لباس کیا کہ اس کی دودھیا کھال نظر آنے لگی
اور چلایا، اے عشق میں آ گیا اور تازگی سے داخل ہوتا ہوں

جس پر نیلم جیسے مکھڑے کا خدا پھولے نہ سماتا (شہوت کا مارا)
اور سمندری دیوتا کی طرح چلبلانے لگا اور زور سے بولا
اور یہ سمجھا جیسے گینی میڈ، ناخوش ہوگیا ہو
اور جنت سے نکل چکا ہے۔۔
پرہوس خدا نے اسے ہم آغوش کرلیا، اور اسے عشق کہا
اور قسم کھائی کہ وہ مشتری کے پاس کبھی نہ جائے گا
مارلو ہوشیاری سے گھومتی لہروں میں حواس بحال رکھتا ہے جب کہ خدا اس سے ہتھ پھیری کرتا رہتا ہے۔
وہ اس کے بازوں پر نظر رکھتا ہے جب وہ وا ہوتے ہیں
اور ہر مرتبہ پانی پر ہاتھ پڑنے پر، ان میں سے وہ بچ کر نکلتا ہے
مگر ایک بوسہ ضرور لے لیتا ہے اور پھر باہر نکل کر رقص کرنے لگتا ہے
جب وہ تیرتا ہے تو اس پر بہت سی پرشہوت نظریں پڑتی ہیں
اور اس کی آنکھوں کی تراوٹ کے لئے چمچماتے کھلونے پھینکے گئے
اور بہت سے پانی میں کودے تا کہ وہاں دزدیدہ نظروں سے
اس کی چھاتی، رانوں اور عضو عضو کا جایزہ لیں
اور پھر سطح پر آکر اس کے قریب ہوکر تیریں
اور عشق کے متعلق باتیں کریں، لینڈر نے جواب دیا
''تمہیں دھوکا ہوا ہے، میں کوئی عورت نہیں ہوں۔''
جس پر نیپچون مسکرایا۔

کوئی برطانوی جوان سادہ لوحی سے اس طرح جواب دے۔ مگر کسی یونانی سے کیا توقع ہے؟ لینڈر نیپچون سے بچ نکلتا ہے اور بالغ عشاق اپنی تعشقانہ ہوس پوری کرتے ہیں۔ اس نکتے پر آکر نظم میں مارلو کا کمال منقطع ہوجاتا ہے اور موت مداخلت کرتی ہے۔ جیورج چاپمان نے کہانی کو اس طرح ختم کیا کہ آخر میں المیہ نمودار ہوتا ہے اور لینڈر ڈوب کر مرجاتا ہے۔ لیکن اس میں حیرانی نہ ہونی چاہئے کہ اس کے بعد آبدوز شہوانیت دیکھنے

میں نہیں آتی۔

ایڈورڈ۔ دوم کا المیہ:

۱۵۹۲ء میں یا کچھ ہی دن بعد مارلو نے اپنا سب سے پر اثر المیہ لکھا ایڈورڈ۔ دوم اور کسی اور شاعر میکایل ڈریٹن نے ایڈورڈ کا عاشق لکھا۔ پیرز گاوسٹن کو اپنی بیانیہ نظم میں اس کی رعایا دکھایا۔ اس چودھویں صدی کے بدنصیب بادشاہ میں کس چیز نے دلچسپی پیدا کی جس کے تباہ کن عشق کی کہانی امتداد زمانہ سے مدھم پڑ چکی تھی۔ ہمیں ایک ایسی کتاب ملی ہے جو مارلو اور ڈریٹن دونوں کے لئے واحد ذریعہ معلومات تھی:۔ یعنی ہولن شیڈ کی 'ہسٹری آف انگلینڈ، اسکاٹ لینڈ اینڈ آیرلینڈ، زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ ۱۵۸۳ء میں الیز بتھ کے گماشتے سرفرانس والسنگھم۔ سترہ سالہ شاہ اسکاٹ لینڈ جیمز ششم کو غیر محتاط منظوران نظر کے متعلق متنبہ کر چکا تھا اور ایڈورڈ۔ دوم کے بدانجام کو بطور نظیر پیش کر چکا تھا۔ چار برس کے بعد اس کی ماں میری ملکہ اسکاٹس کا جب سر قلم کر دیا گیا جس سے انگلینڈ کے تخت کا وارث جیمز ہوگیا۔ ہولن شیڈ کی کتاب کا نظر ثانی شدہ نسخہ ۱۵۸۵ء میں جب شایع ہوا تو اس میں اس نے اظہار رنج کیا کہ جیمز کو ''کمتر ذات'' کے منظور نظر لوگوں نے ورغلایا اور ''عالی جاہ کو علت کا اسیر بنادیا۔۔۔ یہ ان کے قابل نفرت اور گھناؤنے'' کرتوت تھے۔ مارلو جو امور خارجہ میں بھی دستگاہ رکھتا تھا۔ ہو نہ ہو وہ جیمز کے مشہور میلانات کے متعلق بھی کما حقہ آگاہ ہوگا۔ اپنی رپورٹ میں جو شاعر کی آزاد خیالیوں کے بارے میں تھومس کیڈ نے تیار کی تھی اور اس میں دعویٰ کیا کہ مارلو نے یہ منصوبہ تیار کیا تھا کہ وہ ''اسکاٹس کے شاہ'' کی خدمت کرے گا۔

اس لئے چند پیش بین ہم عصروں نے اس سے اس کے پرکھے بادشاہوں (ہنری دوم سے رچرڈ۔ سوم تک کے بادشاہ) کے مماثل قرار دیا جس کا تباہ کن عہد اس کی اور اس کے دوستوں کی خونریزی پر ختم ہوا۔ عہد وسطی کے وقایع نگاروں کی تحریروں میں ایڈورڈ۔ دوم لگتا ہے جیسے ایک نالایق حکمران ہو اور جسے اس کے منظور نظروں نے گمراہ کیا ہو اور جنہیں

غیر دانشمندی سے طاقت اور دولت سے مالا مال کر دیا گیا ہو۔ جن میں پہلا شخص پیرز گاوسٹن تھا جو گاسکن نایٹ کا بیٹا تھا جس سے ایڈورڈ ۱۲۹۸ء میں ملا جب وہ چودہ برس کا تھا اور پیرز سال بھر بڑا تھا اس میں طنز یہ ہے کہ شہزادے کا باپ جو ہیبت ناک جنگجو بادشاہ ایڈورڈ ۔ اول تھا اس نے پیرز کو اپنا مثالی مصاحب بنا رکھا تھا۔ یہ ایک ایسا لمحہ تھا ''کہ اس پر نظر پڑتے ہی'' جو ایک ابتدائی وقایع نگار کا بیان ہے ''بادشاہ کے بیٹے کو معاً یہ لگا جیسے وہ اس پر عاشق ہو چکا ہو اس لئے وہ وفاداری کے اقرار نامے میں شامل ہو گیا۔ اور خود کو اس سے تمام فانی انسانوں سے پہلے یوں وابستہ کرلیا جس میں نہ پگھلنے والا عشق کا مسالہ استعمال کیا گیا ہو جس کی شرایط بڑی سوچی سمجھی اور تنی ہوئی تھیں اور انہیں گرہ لگا کر اچھی طرح کس دیا گیا تھا۔'' ایسی شدت جس میں ایک جان اور دو قالب والی جنونی کیفیت تھی اس سے شاہدین فکر مند ہو گئے۔ چودہویں صدی عیسوی کے وقایع نگاروں کے مزاج کے خلاف تھا کہ نفسیاتی تجزیے پر اتر آئیں۔ لیکن مامسبری کی تصنیف لایف آف ایڈورڈ۔ دوم (۱۳۲۶ء ؟) کے مصنف نے اس کی ضرورت محسوس کی کہ بادشاہ کی ہوس رانی کی وضاحت کرے ''بے شک مجھے یاد نہیں پڑتا کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص سے اتنا عشق کرے، جو ناتھن، ڈیوڈ پر فدا تھا، آچیلز پیٹروکلس پر فریفتہ تھا۔ لیکن ہم نے کہیں نہیں پڑھا کہ انہوں نے اعتدال سے تجاوز کیا ہو۔ تاہم ہمارا بادشاہ اس کا اہل ہی نہ تھا کہ معتدل نوازشات کرے اور پیرز کی وجہ سے وہ خود کو فراموش کر دیتا اس لئے پیرز کو جادوگر کہا جاتا۔''

یہ کس قسم کا تاجور تھا جو سب ہی کی سبکی کر کے ایک معمولی حیثیت کے دوست کو ''بادشاہ ثانی'' بنا دیتا مارلو کی ایڈورڈ۔ دوم تصنیف میں اس کی ایسے جمال پرست شخص کی تصویر کشی کرتا ہے جو پر وقار انداز میں شہوانی ابہام کے ساتھ عصری درباری ناٹک اور موسیقی کا دلدادہ تھا۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ ''موسیقی اور شاعری'' اس کے لئے ''باعث سرور'' ہیں۔ مگر ہم عصر ماجرے اس کے متعلق بتاتے ہیں کہ وہ ''طویل قامت، عضلاتی اور خوش شکل'' مگر متوسط ذہانت کا حامل مرد تھا۔ ماسبری کی 'لایف' میں اسے 'تنومند' (لغوی معنی شاہ بلوط کا پیڑ) ۔ ایک اور ہم عصر لیز کوسٹ کرانیکل شاکی ہے '' کہ (ایڈورڈ) وہ نجی طور پر اپنی جوانی سے اپنا وقت فن کشتی رانی اور رتھ بانی، گڑھے کھودنے اور چھتیں پاٹنے میں صرف کرتا، یہ

بھی کہ وہ اپنے پکے یار دوستوں کے ساتھ راتوں میں کاریگروں کی طرح ٹھوکنے پیٹنے والے کام کرتا یا پھر دیگر مستریوں والے کام کرتا۔۔۔ان میں وہ بادشاہ کا بیٹا بن کر شریک نہ ہوتا۔'' جب پوپ جونؔ۔ بیست و دوم نے ایڈورڈؔ کی زجروتوبیخ کے لئے لکھا یہ اس کے جنسی گناہوں کے خلاف نہ تھا بلکہ مذکورہ کمینے مشاغل پر تھا۔ اگر ہم مڑ کر دیکھیں تو ہمیں وہ ویومنگ ریاست کا مویشی پالنے والا بجائے آسکر وائلڈؔ کے اور ہنریؔ سوم کے بجائے لوئیسؔ ہشتم لگتا ہے۔ گاویسٹونؔ جو اس کا عاشق تھا اور جیفری لیو بیکرؔ کی تفصیلی روئیداد کے مطابق اسے ''جسمانی طور پر چوکس اور شایان شان، حاضر جواب، شایستہ اطوار (اور) عسکری امور میں معقول حد تک آگاہ۔''

بالآخر ایڈورڈؔ۔اول نے اپنے خیالات پر نظر ثانی کی جن کا تعلق پرکشش گاسکنؔ سے تھا۔ جب شہزادے نے گاویسٹنؔ کو وہ خطاب دیا جو روایتاً شاہی خون والوں کے لئے مخصوص تھا جس پر برہم بادشاہ پھٹ پڑا اپنے بیٹے کے بال نوچ ڈالے اور منظور نظر کو دیس نکالا دے دیا۔ جب چند ماہ بعد خاندان کا سربراہ مرگیا تو ایڈورڈؔ کا پہلا اقدام یہ تھا کہ اس نے گاویسٹنؔ کو دساور سے بلا کر اس پر نوازشات کی بارش کردی۔ اس نے برطانیہ کے امرا طبقے کو اس طرح حیران کردیا کہ اسے لارڈ چیمبرلین اور کورنوال کا ارل مقرر کرنے کے علاوہ اس سے اپنی بھانجی بیاہ دی۔ ایسا شخص جسے بدیسی اور اوچھا سمجھ کر مربیانہ انداز سے دیکھا جاتا اس نے معاملات کو اس طرح مزید بگاڑ دیا جس میں باتکلف تکبر تھا اور ستم بالائے ستم اس نے انہیں کھیلوں کے مختلف مقابلوں میں شکست بھی دے دی۔

جب بادشاہ فلپ دی فیرؔ کی بیٹی ازابیل سے شادی کی غرض سے فرانس روانہ ہوا تو گاویسٹنؔ کو جانشین مقرر کیا گیا ایک اور اشارہ جس سے لگتا کہ ایڈورڈؔ اسے ''نصف ذات'' سمجھتا ہے۔ اپنی دلہن کے ساتھ واپسی پر ایڈورڈؔ نے پیرزؔ کا ڈوور میں اس طرح استقبال کیا کہ ''اسے چومتا رہا اور متعدد بار بغل گیر ہوا'' اور ''یک جان دو قالب'' چند ہفتوں بعد تاجپوشی کے موقع پر گاویسٹنؔ نے امرا کو اپنے پرنخوت لباس سے ناخوش کیا۔ جو شاہی ارغوانی تھا بجائے ان پوشاکوں کے جو معمولی زردوزی کے تھے۔ ایڈورڈؔ اس کی جانب اتنا متوجہ تھا جتنی توجہ وہ ملکہ کو نہیں دے رہا تھا۔ جو محض بارہ برس کی بچی تھی۔ یہاں تک کہ اس

کے شاہی چچاؤں نے احتجاجاً تقریب چھوڑ دی اور چل دیے۔

آیندہ چار برسوں تک گاویسٹن کے عہدے نے نہ ختم ہونے والے جھگڑوں کو ہوا دی جو بادشاہ اور امرا کے درمیان بے لطفی کا سبب بنے رہے۔ امرا کے اصرار پر دو مرتبہ پھر ملک بدری ہوئی اگرچہ ایڈورڈ نے شدید احتجاج کیئے۔ گاویسٹن کو حتمی طور پر رسماً اس الزام میں ماخوذ کرلیا گیا کہ اپنے شاہی آقا کو غلط مشورے دیتا رہا ہے جس پر اس کی مذمت کی گئی کہ ''وہ بادشاہ اور اس کی رعیت کا کھلا دشمن ہے۔'' اس میں کوئی شایبہ بھی موجود نہیں تھا کہ سرکاری دستاویزات میں بادشاہ اور پیرز عشاق تھے اور وہ سرعام ایک دوسرے پر فریفتہ رہتے۔ آخر کار جب ۱۳۱۲ء میں وہ دوسری مرتبہ ملک بدری سے لوٹ رہا تھا تو گاویسٹن کے دشمنوں نے واروک کیسل کے مقام پر اسے پکڑ لیا اور اس کا سر قلم کردیا۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ ایڈورڈ اپنے دوست کے لئے آہ وزاری کرتا رہا اسی طرح جیسے ڈیوڈ جوناتھن کے لیے رویا تھا۔

تاریخ ایڈورڈ کی حامی نہ تھی بنوک برن کے مقام پر ۱۳۱۴ء میں اہل سکاٹ کے ہاتھوں شکست اس کی ساکھ پر ایک مہلک ضرب تھی۔ جب ایڈورڈ نے نئے مشیروں کا انتخاب کیا تو ایک مرتبہ پھر نادانی کر بیٹھا۔ ہیو، ڈسپنسرز باپ بیٹے ان کا تعلق ایک معزز برطانوی خاندان سے تھا لیکن وہ اتنے حریص اور مستبد ثابت ہوئے کہ انہوں نے ایک اور خانہ جنگی چھیڑ دی۔ ایڈورڈ کی برگشتہ بیوی جس کا ان دنوں راجر مورٹیمر سے معاشقہ چل رہا تھا۔ اب اس مہم میں کھل کر اس کے خلاف نکل آئی جس کی وجہ سے اسے یہ لقب ملا ''فرانس کی مادہ بھیڑیا'' جب اس کی فوجوں نے انگلینڈ کی دھرتی پر قدم رکھا، اور عوام الناس جو ڈسپنسرز کی بدانتظامیوں سے تنگ تھے ملکہ کی فوجوں سے جا ملے۔

ایڈورڈ کو پکڑ لیا گیا اور کینلورتھ قلعے میں اسیر کردیا گیا اور اسے مجبور کیا گیا کہ وہ اپنے پندرہ سالہ بیٹے کے حق میں تاجوری سے دستبردار ہوجائے۔ ڈسپنسرز کو بھی دھر لیا گیا اور بڑی بے رحمی سے انہیں روانہ کیا گیا۔ حالانکہ ہمارے پاس کہیں کم شہادتیں ایسی ہیں جن سے کوئی جذباتی تعلق ثابت ہوسکے جو پیرز کے مقابلے میں چھوٹے بھائی ہیو سے متعلق ہوں۔ جین فرائے سارٹ کی وقایع کی دستاویز (۱۳۸۰ء) میں رونگٹے کھڑے کردینے والی تفصیلات ملتی

ہیں جو نہایت واضح ہیں۔ فرائے سارٹ ہمیں بتلاتا ہے کہ ہیوز کے لنگ اور فوطوں کو جدا کر دیا گیا تھا اور اس کی آنکھوں کے سامنے جلا دیا گیا'' کیونکہ وہ بدعتی تھا اور اغلام باز بھی تھا یوں عوامی افواہیں جو اس کے متعلق تھیں پورے انگلینڈ میں پھیل گئیں یہاں تک کہ بادشاہ کے متعلق بھی۔''

ایڈورڈ کے اپنے مصایب کا بیان تھومس ڈی لامور کی تحریر میں تفصیل سے ملتا ہے۔ ایک نچلے درجہ کا سرکاری اہلکار جو بادشاہ کی تاج وتخت سے دستبرداری اور کینل ورتھ میں اسیری کا گواہ ہے اور اس کے بادشاہ کے آخری ایام کے ماجرے نے عہد الیزبتھ کے وقایع نگاروں کو متاثر کیا۔ ایڈورڈ کے صیادوں نے جنہیں یہ خوف دامن گیر تھا کہ کہیں اس کے دوست اسے نہ چھڑا لے جائیں اسے راتوں رات ایک قلعے سے دوسرے قلعے میں کھینچتے رہے، وہ بھی ننگے سر اور چیتھڑوں میں ملبوس اور شدید بے رحمی کے ساتھ۔ انجام کار ڈی لافور کے بیان کے مطابق جو اس نے ایڈورڈ پر ظلم ڈھانے والوں کے منہ سے سنا اسے برکلے کیسل پہنچا دیا گیا، بری غذا دی جاتی، ڈھول پیٹ کر اسے رات میں سونے نہ دیا جاتا اور اسے ایسے کمرے میں رکھا جاتا جس میں سڑا گوشت پڑا رہتا۔

جب بادشاہ یہ تمام مصایب جھیل گیا تو اسے ایک ہولناک موت کا سامنا کرنا پڑا ''اکتوبر کی ۱۱ (۱۳۲۷ء) جب بادشاہ ایک چارپائی پر لیٹا ہوا تھا اچانک اسے دبوچ لیا گیا اور اس پر ایک بھاری قالین ڈال دی گئی۔ جس کے نیچے وہ دب گیا اور اس کی سانس رکنے لگی جس کے بعد ایک لوہار نے ایک لوہا آگ میں ڈال کر سرخ کیا اور ایک پایپ کے ذریعے اس کے خفیہ اعضا میں اس طرح ٹھونسا گیا جس سے بالائی آنتیں تک بھسم ہو جائیں۔'' ڈی لامور ہمیں مزید بتاتا ہے یہ طریقہ اس لئے وضع کیا گیا تھا تاکہ جسم پر کوئی بھی زخم نہ دکھائی دے۔ لیکن یہ سمجھنا کوئی مشکل نہیں ہے کہ اس سادیت میں شہوانی علامتوں کے شایبے بھی ملتے ہیں۔

جیسے جیسے ایڈورڈ کی تکالیف میں اضافہ ہوتا ہے اس کے ساتھ ڈی لامور کے ماجرے میں مذہبی بھید نمایاں ہونے لگتا ہے جو بڑھتا ہوا مسلمہ اولیا کا سوانح نگار بن جاتا ہے ''یوں نہایت جفاکش جنگجو کو لوگوں نے اپنی گرفت میں لے لیا اور زوردار چیخ قلعے کے اندر اور باہر

سنی گئی۔۔۔ جیسے کوئی دردناک موت کو گلے لگا رہا ہو۔مرتے ہوئے شخص کی اس چیخ نے برکلے میں کئی لوگوں کو ہلا کر رکھ دیا ہوگا اور قلعے کے اندر بھی افراد کو۔جیسا کہ ان لوگوں نے خود کہا کہ ہم اس رخصت ہونے والی روح پر رحم کے لئے عبادت کریں گے۔" اس کے بعد ایک محیرالعقول الوہی واقعہ ہوا"یوں اس نے دنیا کو اپنے آقا کی طرح جوتی کی نوک پر رکھا یعنی مسیح کی طرح جنہوں نے کبھی اس دنیا کو حقارت سے دیکھا تھا۔سب سے اوپر والے آسمان پر فرشتوں کی بادشاہت میں پہلے موعود کا استقبال ہوا جسے یہودیوں کی قوم نے مسترد کردیا تھا اور اب اس کا پیروکار جس سے انگلینڈ کی قوم نے بدسلوکی کی ۔ ریاکار ملکہ نے اپنے مردہ شوہر کے لئے ایک پرشکوہ جنازے کا گلوسٹر کیتھڈرل میں اہتمام کیا جہاں اس کی بااستراحت شبیہہ آج بھی برطانوی گوتھک آرٹ کے شاہکاروں میں سے ایک سمجھی جاتی ہے۔تین سال بعد نوجوان ایڈورڈ۔سوم نے عنان اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لی، مورٹیمر کو پھانسی دے دی اور اپنی ماں کو نارفوک قلعے میں محصور کردیا۔

متوفی بادشاہ کا روضہ کسی سینٹ کے قبہ کی طرح مرجع خلایق ہوگیا۔راہبوں کے وقایع نگاروں کو شکایت تھی، جو بیویوں کے ہمراہ زیارتوں پر جایا کرتا تھا۔ ملکہ فلپّا اور شاہی خاندان کے افراد خود یہ چاہتے تھے کہ مقتول تاجور کا کوئی مسلک پیدا ہوجائے۔ ایڈورڈ کا پڑپوتا رچرڈ۔دوم نے تو یہ تک کیا کہ بڑی سنجیدگی سے ایک مہم شروع کرائی تا کہ اسے پوپ کی طرف سے ولی کے عہدے پر فایز کردیا جائے۔۱۳۹۵ء میں اس نے پوپ بونی فیس۔ نہم کو ایک کتاب بھیجی جس میں ایڈورڈ کے "معجزے" بیان کئے گئے تھے۔اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے کہ کسی کلیسائی اہل کار نے اعتراض کردیا۔اسی سال تھومس ڈی برٹن جو یارکشایر میں میکس کا ایبٹ (خانقاہ کا صدر) تھا اس نے اس مسلک کے پھلنے پھولنے پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور ایک مخصوص وجہ بتائی کہ متوفی بادشاہ کو کیوں ہالہ نور نہ دیا جائے۔ "بادشاہ ایڈورڈ کو سب سے زیادہ جس چیز میں نہایت خوشی ہوتی تھی وہ ہے اغلام بازی کی بدی۔" برٹن نے لکھا۔"اور اس کا پورا عہد حکمرانی خوش نصیبی اور رحمتوں سے محروم رہا تھا۔" مال کار یہ لفظ کسی برطانوی اہل قلم نے بہت صاف صاف لکھ دیا کہ ایک اغلام باز سینٹ کی توقعات اس صاف گوئی سے ٹکرا کر پاش پاش ہوگئیں۔

مارلو کا ڈرامہ جو ۱۵۹۳ء میں اس نے اپنی موت سے ذرا پہلے لکھا تھا جو اس کا سب سے زیادہ مشہور کام ہے اور جس کی وجہ تخلیق ایڈورڈ کا المیہ تھا۔ اس کا توجہ مبذول کرانا ناگزیر تھا کیونکہ یہ اکلوتا الیز بتھ عہد کا ڈرامہ ہے جس کا مرکزی کردار ایک ہم جنس پرست تھا۔ اور بلاشبہ یہ واحد انگریزی ناٹک ہے جو ایک ہی جنس والوں کے درمیان پائی جانے والی کشش کے موضوع کو چھوتا ہے اور وہ بھی اس طرح نہیں کہ وہ محض حاشیوں سے مس کر لے اور وہ بھی بیسویں صدی سے پہلے ۔یہ کہنے سے ایک سوال پیدا ہوتا ہے آیا عہدالزبتھ کے تماشایوں نے اسے ایسے ہی تسلیم کرلیا ہوگا گفتگو میں محتاط رہنے کی انگریزی عادات اور ہمارے عہد سے کئی صدیوں کا تصوراتی فاصلے کے علی الرغم؟

ہولن شیڈ اور سٹاو میں دیے ہوئے اشارے اتنے اریبی تھے کہ تماشایوں میں صرف نہایت متمدن چند افراد ہی مارلو کے المیے میں یہ توقع رکھتے ہوں گے کہ وہ کسی اغلام باز فرمان روا کے متعلق ہوگا۔ مارلو نے خود ڈرامے کے موضوع کو فروغ دیتے ہوئے اسے جس طرح عہد الیز بتھ کے اغلام بازی کے تصورات سے مربوط کیا ہے جو کہ ایسی شئے ہو جو ''غلیظ''، ''انسانیت سوز''، ''اہل روم جیسی'' اور ''غیر فطری'' ہو حالانکہ حاسد ملکہ کا اپنا جونو سے موازانہ کرنا جو مشتری دیوتا کے گینی میڈ کو ترجیح دینے پر ممکن ہے شکوک پیدا کرنے کا سبب بنا ہوا۔ جدید قاری کے لئے بڑے مورٹی مار کی مردانہ جوڑوں کی فہرست اس لئے پڑھی گئی ہوگی تا کہ بھانجے کو ترغیب دی جاسکے کہ وہ ایڈورڈ کی گاویسٹن سے فریفتگی کو برداشت کر لے جو ایسی لگے جیسے آج کل کی گے (ہم جنس پرستوں کی) لفاظی کا ٹکڑا ہو۔

نہایت طاقتور شاہوں کے بھی منہ چڑھے ملازم ہوتے ہیں
عظیم سکندر ہیفسشن سے عشق کرتا تھا
فاتح ہرکولیس نے ہیلاس کے لئے اشک فشانی کی
اور پیٹروکلس کی خاطر اکڑا آچیلز خمیدہ ہوگیا
اس نے اپنے وقار کو جانے دیا جس کی جوانی لچکدار رہے
اور وہ ہر اس چیز کی حامی بھر لیتا ہے جس کی ہم آرزو کریں
وہ آزادنہ لطف ہوتا ہے جو متکبر اور خوش باش ارل (نواب) ہے

سن رسیدگی ایسے کھلونوں سے کھیلنے کی عادت چھڑا دے گی۔

لیکن ہمیں یہاں یہ بات ذہن میں ضرور رکھنا ہوگی کہ برطانوی روایات اکثر کلاسیکل اساطیر اور تاریخی تعلقات میں سے جنسی معاملات خارج کر دیتی ہیں۔

مارلو نے بادشاہ کی جو تصویر کشی کی ہے چاہے وہ منفی ہو یا مثبت۔ ایڈورڈ گاویسٹن پر فدا تھا، اوچھا اور غیر ذمہ دار سیاسی معاملات میں بے ہنر اور بیوی سے بے رحمی کرنے والا اپنے مشیر سے بوڑھ بھس تھا اور اپنی بیوی کے عاشق سے وہ حسد کرتا تھا۔ لیکن اسے ہماری ہمدردی اس وقت حاصل ہوجاتی ہے جب وہ اقتدار سے محروم ہوجاتا ہے اور ملکہ سازش کرکے اس کی موت کا بندوبست کرتی ہے۔ گاوسٹین ایک بامراد شخص ہے، مطلبی اور اڑیل لیکن اس شخص پر نچھاور جس کے عشق نے بالآخر اس کی جان لے لی۔ ایڈورڈ سے پوچھا گیا کہ وہ پیرز سے کیوں عشق کرتا ہے جس کا اس نے سادہ سا جواب دیا ''کیونکہ وہ مجھ سے عشق کرتا ہے اور وہ بھی پوری دنیا سے بڑھ کر۔''

کھیل کے ختم ہونے تک ملکہ اور مورٹی مر شیطان صفت نظر آنے لگتے ہیں۔ اور ایڈورڈ جس پر تشدد اور قتل بڑی حد تک تھومس ڈی لامور کے بیان سے ہم آہنگ رہتا ہے جسے بعد ازاں ہولن شیڈ نے دوبارہ بیان کیا ہے اور جس پر ہمیں ترس آتا ہے۔ چارلس لیمب کے خیال میں مارلو کے کھیل میں ایڈرڈ کی موت نے جس چیز کو ابھارا وہ ''ترس اور ایسی دہشت ہے جو کسی بھی قدیم اور جدید کھیل کے کسی منظر میں نایاب ہے۔''

چارلس فورکر نے ایڈورڈ۔ دوم کو ''برطانوی نشاہ ثانیہ کا ایک نادر ڈرامہ کہا ہے کیونکہ نہ اس میں طنز ہے اور نہ یہ ہم جنس پرستی کی کوئی تفصیلی اور انسانی نقشہ کشی ہے۔ لیکن یہ کھیل کتنا ''کھل کر بیان'' کیا گیا ہے یہ سوال اب بھی ایک سوال ہے۔ اس کا پیغام بے زبان ہے جس میں ناگزیر حد تک ہم عصر تعصّبات در آئے ہوں گے۔ اگر مارلو نے اس بات کی وضاحت کردی ہوتی کہ ایڈورڈ کا گاویسٹن سے عشق برائے ''اغلام بازی'' تھا تو یہ اس کے لئے دشوار ہوجاتا کہ اسے گھسی پٹی اخلاقی ملامتیں نہ سننے کو ملتیں۔ جسے مہیا کرنے کے لئے وہ آمادہ نہ تھا۔

میکایل ڈریٹن نے اپنی بیانیہ نظم میں دوسرا راستہ اختیار کیا بہ عنوان ''پیرز گاویسٹن''

(کذا)۔ ڈریٹن ایک شریفانہ اطوار کا شاعر اور جس کی ساکھ ایسی نہ تھی کہ اس پر کوئی انگشت نمائی کرے ایسا ہی وہ راسخ العقیدہ بھی تھا جو زندگی کو کسی خرخشے میں ڈالے بغیر بسر کرتا، مختصراً وہ مارلو کی ضد تھا لیکن مارلو کے کھیل کی کامیابی سے متاثر ہو کر اس کی اپنی نظم طباعت کے لئے تیار تھی اور یہ سب ڈرامہ نگار کی موت کے چند ماہ کے اندر ہو گیا۔ اس نے تین صد مترنم مصرعوں میں، گاویسٹن کا بھوت برزخ سے اپنی کہانی بیان کرنے آتا ہے اور اپنے انجام پر واویلا کرتا ہے۔ ڈریٹن مارلو اور اس کے تاریخی منابع سے انحراف کرتا ہے تاہم وہ گاویسٹن کو بہت خوبصورت بیان کرتا ہے (مصرعہ ۱۱۵ تا ۱۱۸) اور مترنم انداز میں مردانہ حسن کی طاقت کا ذکر کرتا ہے۔ جو مردوں کے درمیان عشق کے لئے ولولہ خیز ہوتی ہے اور ہمیں افلاطون کی یاد دلاتی ہیں۔

(مصرعہ ۱۶۹۔۲۱۴)

اے آسمانی اتحاد ذہن کی موسیقی
جو دل کے تاروں کو چھیڑتی ہے اور کس ہم آہنگی سے
فطرت کا میدان اور اشیا کا قانون
وہ جب سب پیوست ہو جائیں تو کس طرح یکجا ہوتے ہیں
جن کا انقلاب اپنے اثر میں موثر ثابت ہوتا ہے
کہ فانی مردوں کو عشق الوہیت بخش دیتا ہے

اس کا شاعرانہ بیان ڈریٹن کے لئے گنجایش نکال کر اتنی آزادی دیتا ہے جس کے ذریعے عشقیہ معاملات میں جسمانی تفصیلات بیان کر دی جاتی ہیں جو اسٹیج پر قابل قبول نہ ہوتیں۔ اس کے بعد شہوانی درجہ حرارت بہ مقابلہ مارلو کئی درجے گرمانے لگتا ہے جیسا کہ اس اعلان میں جو گاویسٹن کرتا ہے (۲۲۷۔۲۲۸، ۲۳۳، ۲۳۴)

میری چھاتی تو اس کی تکیہ ہے جہاں وہ اپنا سر رکھتا ہے
میری آنکھیں اس کی کتاب میرا دھڑ اس کا بستر۔۔۔
اس کے عشق کے مارے ہونٹ ہر مچھی پر خلش محسوس کرتے
میرے ہونٹوں میں پیوست ہو کر اس کے غم کا مداوا مرہم کی طرح کرتے

ڈریٹن اس کے بعد نوجوانوں کی چوما چاٹی کو زہرہ کے ''کھیل کود'' سے جو وہ اڈونس سے کرتا ہے۔ ایسا آتش شوق جو بالآخر گناہ آلود مجامعت پر پہنچا کر دم لیتا ہے (۲۹۵۔۲۹۸)

ہماری معصومیت ہمارا بچوں سا بے ساختہ رویہ
یہ سب گدلا ہو چکا ہے اور ہمارے خواب فراموش ہو چکے ہیں
ہم استراحت کر رہے ہیں اپنے بستر پر (جو خیالی حفاظتی علاقہ) ہے
وہ کون سا لچر کام ہے جس میں ہم نے ہاتھ نہیں ڈالا؟

یوں لگتا ہے جیسے مارلو نے ایڈورڈ کی زندگی کے متعلق الیزبتھ عہد کے بیانات پر انحصار کیا۔ تاہم ڈریٹن ہمیں بتاتا ہے کہ اس نے نہایت احتیاط سے جان اسٹیو کے دفاتر میں سے چودہویں صدی کے نادر مخطوطات میں سے تاریخی تفصیلات تراش کر نکالیں۔ انہیں میں اس کی نظر ''کرانیکل آف دی ایبے آف میوکس'' پر پڑی ہوگی جس میں ایڈورڈ کی اغلام بازی کا بھی حوالہ موجود تھا۔ کچھ بھی کہیے ڈریٹن بالآخر ان انکشافات کو استعمال کرنے پر اتر آتا ہے (۱۲۶۷۔۱۲۷۰ء)

چند تہمت طراز زبانیں اپنے بدخواہی کے لہجے میں کہتی ہیں
کہ یہاں میں غلیظ اغلام بازی میں رہتا تھا
اور یہ بھی کہ میں شاہ ایڈورڈ کا گینی میڈ تھا
اور اس گناہ پر میں نے اسے ترغیب دی تھی

یہ ایڈورڈ کی جانب براہ راست اشارہ کرتے ہیں کہ اس کے گاویسٹن سے جنسی تعلقات تھے۔ لیکن ڈریٹن نے محض یہ اس لئے کیا کیونکہ وہ اس پر آمادہ تھا، جب کہ مارلو اس پر تیار نہ تھا، کہ وہ متوقع منفی فیصلہ سنا سکے۔

شیکسپیئر کی سونیٹس:

شیکسپیئر نے مارلو سے نظم کہنے کے متعلق بہت کچھ سیکھا جس کے ''زور دار مصرعے''

اس زمانے میں زبان زد خاص و عام تھے جب شیکسپیئر نے اپنے کھیل لکھنا شروع کئے تھے۔ تمثیلیات میں بھی رچرڈ دوم کے لئے ایڈورڈ دوم سے جو کچھ مستعاراً لیا گیا ہے وہ عیاں ہے۔اور کھیل As you Like it میں اس نے مارلو کو ''ہیرو آف لینڈر'' میں سے نہایت مشہور سطروں کا اقتباس دے کر سلامی پیش کی ہے۔ ''مردہ گڈریے اب میں نے تیری طاقت دیکھی / جس نے بھی عشق کیا اس نے کبھی پہلی نظر میں عشق نہ کیا۔''(۸۲۔۸۱.۳.۵)

لیکن کیا انگلستان کا بلکہ پوری دنیا کا سب سے زیادہ مشہور مصنف اس فہرست میں آتا ہے—— کسی حال میں نہیں—— ایسے صاحبان ادب میں جو دونوں جنس کے افراد سے عشق میں مبتلا ہوئے ہوں۔

یہ نکتہ شیکسپیئر کے ماہرین میں گذشتہ دو صدیوں سے زیر بحث ہے۔ سونیٹس کے اختلافی متنوں والے ایڈیشن کے مدیر نے ۱۹۴۴ء میں ان معاملات کا یہ خلاصہ کیا وہ بھی اس طرح کہ کوئی چوالیس مفسرین کے متصادم نظریات کا ایک ضمیمہ منسلک کر دیا۔ تنازع اس وقت ۱۷۸۰ء میں شروع ہوا جب جیورج اسٹیونز نے سونیٹ ۔۲۰ کے متعلق بے لطفی ظاہر کی۔ جس میں شیکسپیئر نے اپنے دوست کے متعلق رسوا کن حد تک وضاحت کی کہ جیسے وہ اس کا ''آقا۔ داشتہ'' ہو۔ ''یہ ناممکن ہے'' اسٹیونز نے بے نقط سنائیں'' کہ ایسا خوشامدانہ قصیدے کا پڑھنا وہ بھی ایک مرد ممدوح کے لئے ، بغیر کسی مساویانہ آمیزے کے جس میں گھن اور اشتعال نہ ہو۔'' جس پر ایڈمنڈ میلون جو اپنے وقت کا شیکسپیئر پر ممتاز عالم تھا اس نے جواب دیا ''اس اشتعال کا کچھ حصہ شاید ٹھنڈا پڑ چکا ہو اگر یہ سمجھ لیا جائے کہ مردوں سے اس طرح مخاطب کرنا چاہے کتنا ہی بھونڈا لگے، ان کا ہمارے مصنف کے زمانے میں رواج تھا اور یہ نہ تو کسی جرم کا حامل تھا اور نہ ہی عزت کے خلاف کوئی رکیک چیز تھی۔ لیکن جن اب تو بوتل میں واپس نہیں جائے گا۔ جنگ میں اور بھی شریک ہو گئے اور اس وقت سے جنگ مزید خونریزی والی ہو چکی ہے۔ انیسویں صدی کے آغاز میں سیموئیل ٹیلر کولرج نے احتجاج کیا کہ شیکسپیئر کا عشق ''حقیقی'' تھا اور اس کی تحریروں میں '' کوئی کنایہ بھی موجود نہیں ہے جس سے سب سے بری بدیوں میں سے ایک بڑی برائی ہو۔'' مگر بر اعظمی نقاد مطمئن نہ تھے۔ سونیٹس کے ایک فرانسیسی جائزہ لینے والے نے ۱۸۳۴ء میں لکھا ''وہ 'مذکر' نہ

کہ وہ 'مونث'؟۔۔۔کیا مجھ سے غلطی ہوئی ہے؟ کیا یہ تمام سونیٹس کسی مرد کے لئے کہی گئی ہیں؟ شیکسپیئر! عظیم شیکسپیئر؟ آیا تم نے یہ محسوس کرلیا تھا کہ تمہیں ورجل کی تقلید کرنے کی اجازت ہے؟ ایک نسل بعد آسٹریا کا ممتاز ڈرامہ نویس فرانز گرل پارزر کو بھی مارلو کی تحریر اور نظریے پر شک ہوا۔ شیکسپیئر کو الزامات سے بری کرنے کے لئے چونکہ اس کے زیادہ تر سونیٹ مرد ذات سے خطاب کئے گئے ہیں اس لئے شارحین اس کے ڈراموں سے یہ اخذ کرتے ہیں کہ ان میں کئی ایسے پیراگراف ہیں جن میں ''عاشق'' کا استعمال مرد سے مرد ''دوست'' کے لئے ''منظور نظر'' اور ''گرویدہ'' ہے۔ لیکن ان تمام مثالوں میں وجہ محبت کہیں بھی حسن نہیں ہے۔ یوں یہ بے بنیاد ہے۔

ہمیں تو ماضی پر حیرانی ہوتی ہے کہ یہ تنازعہ شیکسپیئر کی موت کے ۱۶۴، سال بعد تک کیوں نہ شروع ہوا۔ اس تاخیر کے سبب سونیٹس کی مخصوص تاریخ کی اشاعت تھی۔ وہ پہلی مرتبہ ۱۶۰۹ء میں شایع ہوئیں وہ بھی ایک کتب فروش تھومس تھورپ کی مساعی سے جس کا اسے اختیار نہ تھا۔ انہیں اس نے ایک پراسرار شخص ''مسٹر ڈبلیو۔ ایچ'' سے معنون کیا تھا۔ جس نے بھی تھورپ کے نسخے کا مطالعہ کیا ہوگا تو اسے پتہ چل گیا ہوگا کہ اس میں ۱۲۶، نظمیں شامل ہیں جن میں ایک جوان آدمی سے خطاب کیا گیا ہے جس کے بعد ۲۶، سونیٹس آتی ہیں جو ایک شادی شدہ عورت کے لئے ہیں (نام نہاد ڈارک لیڈی) جو ہمیں ایک ایسی کہانی سناتی ہیں جس میں جنوں خیز عشق کا معاملہ ہے جس میں مجامعت ہے اور پھر تاسف بھی۔ لیکن تھورپ کا نسخہ لگتا ہے کوئی زیادہ مشہور نہ ہوا اور یہ بھی ہے کہ اسے دبا دیا گیا ہو۔ اس کے بعد ۱۶۴۰ء میں جون بینسن نے اس کی جگہ نیا نسخہ چھاپا جس نے بڑی خوبی سے اس کی جگہ لے لی۔

لیکن بینسن نے سونیٹس کی سابقہ ترتیب کو آگے پیچھے کردیا انہیں نرالے عنوان دیے اور چند اسمائے ضمیر کو مذکر سے مونث بنادیا تاکہ قاری کے لئے یہ ممکن ہو کہ وہ یہ فرض کرلے کہ تقریباً تمام نظموں کی وجہ تخلیق ''ڈارک لیڈی'' تھی۔ یہ ۱۷۸۰ء تک ممکن نہ ہوا جب میلون کے اصل نسخے کی بعد میں ہونے والی اشاعت جو ۱۶۰۹ء میں ہوئی تھی س سے معاملات کی سچی تصویر ابھر کر آئی تب اسٹیونز نے خطرے کی گھنٹی بجائی۔ ہمیں اب سونیٹ

۔۲۰ پر توجہ دینا چاہئے جس نے بحث کو بھڑکایا۔

ایک عورت کا چہرہ جسے قدرت نے اپنے ہاتھ سے رنگا
کیا تو نے اے میرے آقا۔ رکھیل جو میرے جذبات کی ہے——
ایک عورت کا نرم دل لیکن وہ ابھی تک مانوس نہیں ہوا
تبدیلیاں تواتر سے ہو رہی ہیں، جو بری عورتوں کا شیوہ ہے
ایسی آنکھ جو دوسروں کی آنکھوں سے زیادہ منور ہے، اور مٹکنے میں کم جھوٹی
ہر شے پر سونے کا پانی چڑھا دیتی ہے جس پر نظر پڑ جائے
ایک آدمی کا رنگ جس کے ہاتھ میں تمام رنگ ہیں
جو مردوں کی نگاہوں کو چراتا ہے اور عورتوں کی روح کو حیران
اور تو تو کسی عورت کے لئے پہلے تخلیق کیا گیا تھا
یہاں تک کہ قدرت نے کوٹ پیٹ کر تجھے ایک عاشق بنایا
اور اضافہ کر کے مجھے تجھ سے ہرایا
ایک چیز کا اضافہ کر کے جو میرے لئے بے مصرف ہے
لیکن چونکہ اس نے تجھے عضو تناسل لگا دیا کہ عورتیں مزے کریں
تیرا عشق تو میں ہوں اور تیرا عشق خزانے کے مثل ہے

اس سونیٹ کے بعد سونیٹ۔۱۷ ہے جس میں شیکسپیئر جوان آدمی سے التماس کرتا ہے کہ وہ شادی کرے تا کہ خوبصورت بچے ہوں اور تیسرا حسن دائمی اور جاوید بن جائے۔ ابتدائی سونیٹ لب و لہجے میں منہ بولے چچا کی مانند ہیں مگر سونیٹ ۔۱۳ میں شیکسپیئر جوان شخص کو یہ کہہ کر پکارتا ہے ''عزیز میرے عشق'' اور پندرہویں سونیٹ میں اعلان کر دیتا ہے کہ وہ خود ہی ''اس کے عشق میں وقت سے حالت جنگ میں ہے۔'' یعنی وہ اس کا آرزو مند ہے کہ اپنی شاعری سے اسے لافانی بنا ڈالے۔ سونیٹ ۱۸، میں وہ افزائش نسل کے خیال سے دستبردار ہو جاتا ہے اور ایک بے شرمی والی عشقیہ نظم لکھتا ہے۔ جو کئی نظموں میں سے ایک ہے اور جس نے نقادوں کو مجبور کیا کہ وہ ان سونیٹس کو ''دنیا بھر کی عظیم ترین عشقیہ شاعری کہیں۔''

کیا میں تیرا موسم بہار کے دن سے موازنہ کروں؟
تو کہیں زیادہ شگفتہ اور متحمل مزاج ہے
پھر دو سونیٹ کے بعد شیکسپیئر اسی نوجوان کو پکارتا ہے اور اسے ''آقا۔ رکھیل'' کہتا ہے۔

مبصرین نے بارہا کوشش کی ہے کہ شیکسپیئر کے نوجوان مرد سے عشق کو نشاہ ثانیہ کے دوستیوں والا مسلک کہا جائے۔ یوں ڈگلس بش نے ۱۹۶۱ء میں پیلیکن کے سونیٹ ایڈیشن میں جو دیباچہ لکھا ہے کہ ''چونکہ جدید قاری اس قسم کے سلگتے ہوئے مردانہ دوستی سے مانوس نہیں ہیں اس لئے عین ممکن ہے کہ ان کے خیالات ہم جنس پرستی کے خیال کی جانب مبذول ہو جائیں۔۔۔ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ ایسی مثالیت ـــــ اکثر عورت کی محبت سے ارفع قرار دی جاتی رہی ہے۔ جس کا وجود بھی حقیقی زندگی میں ممکن ہے۔ مونٹین سے لے کر سر تھومس براؤن تک اور جو نشاہ ثانیہ کے ادب میں نمایاں تھا۔ بش بطور نمونہ ایوفیوز، سڈنی کی آرکیڈیا، چوتھی کتاب 'دی فاریی کوین' اور شیکسپیئر کے چند ڈرامے۔ لیکن ہمیں تو یہ چاہئے کہ فرق کا اندازہ لگانے کے لئے صرف مونٹین پر نظر رکھیں۔ فرانسیسی شخص کو تو اس کا کرب ہے کہ دوستی کی مثالیت کو کیسے ممیّز کرے ''اس دوسرے عیاشی والے یونانی عشق سے۔'' ان بنیادوں پر کہ یونانی عشق سے مراد ہم جنسوں سے نہیں تھا بلکہ ایسوں سے جو مقابلتاً کم عمر ہو اور خاص طور سے جس کی وجہ تخلیق مردانہ حسن ہو۔

شیکسپیئر نے اپنی ذات تک یہ شکایت کی کہ اس کا عشق اس کی راتوں کی نیندیں اڑا دیتا ہے، ذہنی عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے اور ڈراؤنے حسد میں الجھا دیتا ہے اور ایسے عذاب میں ڈال دیتا ہے جو دوستی میں مزا نہیں مل سکتا (۲۷، ۲۸) وہ نوجوان آدمی سے بات کرتا ہے جیسے وہ اپنی محبوبہ کا وضعدار عاشق ہو اور اسے یہ کہہ کر مخاطب ہوتا ہے ''میری زندگی کی آقا'' جس سے وہ اس ''اطاعت گزاری'' سے جڑا ہوا ہے جیسے غلام (۲۶، ۵۷، ۵۸) سی ایس لیوس جو اس بحث میں نہ پڑا کہ ان سونیٹس کی ہم جنس پرستی والی تفسیر کی جائے اس کے باوجود اسے ان کی زبان ''ایسے عاشق کی لگی جو عام طور سے مردانہ دوستی میں ہوتی ہے۔'' اور بالآخر یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو گیا کہ ''میں نے اس زبان سے ملتی

جلتی زبان کہیں نہ پائی جو سولہویں صدی کے ادب میں دو دوستوں کے درمیان میں ہوتی ہو۔ (لیوس نے مایکل اینجیلو سے اغماض برتا جس کا انتقال ۱۵۶۴ء میں ہوا تھا جو شیکسپیئر کا سن ولادت ہے۔)

لیکن کیا کسی خوبصورت جوان سے اس نوعیت کا عشق بلا جنسی تعلق کے ممکن ہے؟ سونیٹ۔۲۰، میں شیکسپیئر اسی قضیے سے دو چار ہوتا ہے۔ وہ اس سے بھی آگاہ ہے کہ نوجوان مرد اپنی اوقات کو جانتے ہوئے فکر مند تھا جب کہ اس کی کثرت سے تعریف ہوئی تھی اور اس سوال پر ایک استعارہ پیش کر کے حملہ آور ہوتا ہے۔ اس کے خیال میں فطرت کا ابتدا میں یہ منشا تھا کہ اسے عورت بنائے اس کے بعد اس نے یہ پایا کہ وہ اپنی تخلیق ہی پر عاشق ہو چکی تھی۔ اس چپٹی (لیز بین) والا مخمصہ فرو کرنے کی غرض سے وہ اس میں ذکر کا اضافہ کر دیتی ہے۔ جس کے متعلق شیکسپیئر کا یہ کہنا ہے کہ ''وہ میرے لئے بے مصرف ہے۔'' لیکن اگرچہ وہ اس چار آئینہ جوان سے جنسی مراسم کو ناممکن کہہ دیتا ہے اس کے باوجود وہ ایک تعجب خیز تجویز پیش کرتا ہے۔ کہ مذکورہ جوان کسی بھی عورت سے جنسی تعلقات پیدا کر لے مگر عشق صرف مجھ سے کرے۔'' تیرا عشق تو میں ہوں اور اپنے عشق کو خزانے کی طرح استعمال کر'' چاہو مجھے صرف لیکن سو عورتوں کے ساتھ: یہ ایک ایسی حیران کن تجویز ہے جس سے جدید قاریوں کے لئے ہم آہنگی پیدا کرنے میں الجھن ہوگی۔

کیا کوئی ایسی لہر تھی جس نے فیسینو کے افلاطونی عشق کو نشاہ ثانیہ کے فلورنس میں ایک صدی پہلے چلا دیا تھا اور اب شیکسپیئر اس کی لپیٹ میں آ چکا تھا۔ یہ بات قابل غور ہے کہ ایڈمنڈ اسپینسر کا مدیر پراسرار ''ای کے'' جب اپنی تصنیف ''دی شیفرڈز کلینڈر'' (۱۵۷۹ء) میں اسپینسر پر عاید ہونے والے لونڈے بازی کے الزام کی مدافعت کرتا ہے تو یہ کہتا ہے کہ جس نوعیت کا مردانہ عشق افلاطون، زینوفون اور ٹیر کے میکسیس کے سلسلے میں بیان کیا جاتا ہے ''اسے تو روا رکھا جائے اور پسند بھی کیا جائے۔'' اور اسے ان چیزوں سے خلط ملط نہ کیا جائے جو ''قابل نفرت اور ہولناک'' ہیں یعنی اغلام بازی کا گناہ۔ اس مقام پر کم از کم ایک برطانوی صاحب نظر ضرور تھا جو اس پر آمادہ تھا کہ مثالی افلاطونی عشق کے رواج کو تسلیم کر لے جو دو مردوں میں ہوتا ہے۔

یہ فطری امر ہے کہ وہ نقاد جو کسی سونیٹ کو ہم جنس پرستی والی تحریر سمجھ کر پڑھے اور سونیٹ ۔۲۰ ، پر آ کر ٹھہر جائے کہ مسئلہ کے حل یہاں ہے۔ لیکن کیا واقعی ایسا ہوسکتا ہے؟ ہمیں یاد آ جاتا ہے کہ سقراط اپنی فیڈرس میں اپنے مثالی عشاق کو پیش کرتا ہے جو بڑی دردمندی سے ایک دورے کے لئے آرزومند ہیں لیکن اس پر مصر ہیں کہ جنسی جذبے کو سرد کر کے رہیں گے۔ اور زینوفون اپنی سمپوزیم میں مردوں کے ایک گروہ کو پیش کرتا ہے جو گرم جوشی سے ''ایک دوسرے کے عشق'' میں چند دیگر مردوں سے پڑے ہیں مگر اس عہد پر قائم ہیں کہ اپنی جنسی ضروریات کو عورتوں تک محدود رکھیں گے۔ سونیٹ ۔۲۰ ، میں شیکسپیئر جسمانی تعلقات کو یکسر مسترد کر دیتا ہے لیکن وہ اس کی تردید نہیں کرتا کہ اسے اس کی خواہش نہیں ہوتی۔ بے شک شیکسپیئر احساسات کی وضاحت کرتا ہے کہ نوجوان مرد کے حسن سے بالکل اسی قسم کا ''جنون'' پیدا ہوتا ہے جیسا کہ کوئی خوبصورت عورت پیدا کر سکتی ہے۔ اور پھر وہ تواتر سے اسی جھونک میں تمام سونیٹس میں لکھے چلا جاتا ہے۔ ان اظہاری بیانات کی روشنی میں واحد واضح رسائی یہ ہے کہ ان نظموں کو ہم جنس پرست افلاطونی انداز میں۔ یا مزید وضاحت کے ساتھ زینوفونیائی ـــــ معنوں والی۔ اس لئے وہ پھر بھی بلاشبہ رہتی ہیں نہایت ممتاز عشقیہ نظمیں جو کسی شخص نے دوسرے مرد کو لکھی ہوں۔

جیمز ششم اور اول:

کرسٹوفر مارلو کبھی بادشاہ جیمز کی خدمت کرنے ایڈنبرا نہ گیا۔ اس کی پر تشدد موت نے مداخلت کی تھی۔ جیمز کی عمر چھتیس برس تھی تو اس نے ۱۶۰۳ء میں برطانوی تخت پر الیزبتھ کی جگہ سنبھالی۔ اسے زمانہ شیر خواری سے اسکاٹ لینڈ کا جیمز ششم کہا جاتا تھا جب اس کی ماں ملکہ میری اسکاٹس کو برطرف کیا گیا۔ جون نوکس نے اپنی تاجپوشی کے وقت ایسے دربار اور رعیت پر تبلیغ کی جو غلو آمیز حد تک مذہبی اور لاقانونیت پر مایل، قلاش اور سفاک۔ اسکاٹ لینڈ کے چھ حکمران جو جیمز سے پہلے گزرے تھے ایک کو چھوڑ کر سب ہی خون ریزی کی موت مرے تھے۔ اس کا اپنا باپ ہنری ڈارنلے اس کی پیدائش کے چند ہی مہینے بعد قتل

کر دیا گیا تھا اور اس کی ماں کو مجبوراً فرار ہونا پڑا جب اس نے ارل آف بوتھول سے شادی کر لی تھی۔ مشکوک قاتل جن میں دو افراد شامل تھے اور جیمز کی کم سنی میں نایب السلطنت تھے وہ بھی قتل کر دیے گئے ان میں سے ایک اس کا دادا تھا۔

''اس بالے بادشاہ کا بچپنا اس سے زیادہ بلوغت والا تھا جسے کتب بینی کا جنون تھا مگر تنہائی کا مارا اور محبت سے محروم رہا۔ اس کا اتالیق جورج بکانن وہ یورپ کے ممتاز انسان نوازوں میں سے ایک تھا لیکن اس کا جیمز سے سلوک سنگدلی کی حد تک درشت تھا۔ جب لیڈی ماز جو جیمز کی رضائی ماں تھی نے ''مالک کل کے پاک کیئے ہوئے'' کو زدوکوب کرنے پر اعتراض کیا تو بکانن نے جواب دیا ''میں نے اس کو چوتڑ پر ضرب لگائی ہے، تم اگر چاہو تو اسی جگہ کو بوسہ دے سکتی ہو۔'' خلاف معمول کم عمری میں جیمز نے اتالیقی ختم کر دی اور سٹرلنگ قلع کی ناروا سادگی کو اس لئے خیر باد کر دیا تاکہ ایڈنبرگ میں رسمی اور باقاعدہ ورود ہو سکے۔ جہاں اس کا گرم جوشی سے استقبال ہوا اور خلاف معمول ضیافت بھی، اور وہیں پر پہلی مرتبہ اس کی اپنے والد کے کزن سے ملاقات ہوئی۔ ایسمے سٹوارٹ جو ڈی آ بگنی کا نواب تھا۔ یہی اس کا کوئی مرد رشتہ دار تھا۔

ایسمے (یا ایمے) سٹوارٹ فرانسیسی لارڈ تھا جیسا کہ قیاس کیا جا سکتا ہے۔ سر جیمز میلول یہ ایک اسکاٹ امیر تھا جس نے ملکہ میری کی خدمت کی تھی۔ جو اسے '' فطرتاً راستباز، حق بجانب اور شریف آدمی کہا کرتی تھی۔'' لیکن یہ سمجھا جاتا ہے کہ اسے بھیس بدل کر بھیجا گیا تھا تاکہ وہ سکاٹلینڈ کے کیتھولکس کی اعانت کرے اور میری کی بھی حمایت کرے جن دنوں وہ انگلینڈ میں قید کی سزا کاٹ رہا تھا۔ اس کے معزز لوگوں جیسے آداب، وجیہہ خدوخال، عمدہ پوشاک اور ذاتی کشش نے نوعمر بادشاہ کی آنکھیں خیرہ کر دیں۔ یہ قدیم شمسی گال کی ایک شعاع تھی جو ملگجے سکاٹلینڈ میں جلوہ گر تھی۔ واقعات کے خلاف واقعہ پلٹا کھا جانے سے تیرہ سالہ لڑکا مسکراتے ہوئے فرانسیسی پر دیوانگی کی حد تک فریفتہ ہو گیا۔ جو سینتیس برس کا شادی شدہ اور پانچ بچوں کا باپ تھا۔

تعشقانہ دلبستگی وہ بھی ایک شکیل منظور نظر مرد سے جیمز کی زندگی میں ایسا سانحہ تھا جو تواتر سے پیش آتا۔ سترہویں صدی کے مبصر نے بادشاہ کے لئے یہ لکھا '' جس دن سے اس

نے چودہویں (کذا) سال میں قدم رکھا تھا، ادھر نہ ادھر، یعنی لارڈ آبگنی جب سکاٹلینڈ میں داخل ہوا تھا۔ اسی دن سے اس نے شروع کیا۔۔۔ کہ اپنے عشق کی آغوش میں کسی کو جکڑ لیا اور سب سے بالا بالا۔ جس کے نہ تو والدین تھے نہ اولاد اور نہ ہی عمر رسیدہ ہمدرد دوست اور جو محبت کے لئے ترستا تھا۔ ایک طریقے سے جیمز سرراہ یہ دکھانا چاہتا تھا جس سے تماشائی دنگ رہ جائیں۔ ایک انگریز خبرگیر نے اس کے متعلق یہ صراحت کی ''اس (آبگنی) کے ساتھ ایسا عشق جیسا کہ لوگوں کی آنکھوں کے سامنے اکثر و بیشتر اپنے ہاتھوں سے اسے گردن سے پکڑ لیتا اور چومنے لگتا۔''

جیمز نے اس کے اعزا پر نوازشات کی بارش کردی اور اپنے بستر استراحت کے کمرے کا مصاحب بنا لیا' ذاتی مشیر' ارل اور بالآخر (۱۵۸۰ء) میں لینوکس کا ڈیوک—— جو اسکاٹلینڈ کا واحد ڈیوک ہے۔ اپنی نئی حیثیت میں لینوکس کو مخمصے سے دوچار ہونا پڑا، وہ بطور کیتھولک گماشتے کے اسکاٹلینڈ میں آیا تھا وہ اس لئے پریسبا بیٹرین عقاید سے مغلوب اسکاٹلینڈ میں نہایت مشکوک بنا رہا۔ اب وہ اس لڑکے کا مشیر اعظم مقرر ہو چکا تھا جو جذباتی اور سیاسی معاملات میں اس پر انحصار کرتا تھا۔ اب اسے کس وفاداری کی بالادستی تسلیم کرنا چاہیئے؟ اگرچہ محرکات کا نشاۃ ثانیہ کے دور کی سیاسی زندگی میں ٹھیک ٹھیک اندازہ لگانا دشوار تھا جہاں مکروفریب کو ایک مسلمہ حقیقت تسلیم کیا جاتا تھا۔ مگر شہادت یہ بتاتی ہے کہ اس نے شاہ جیمز کی وفاداری کو ترجیح دی۔ نوجوان بادشاہ نے لینوکس کو کالونزم کے نظریات میں ہدایات دیں اور ڈیوک نے سرعام اپنے نئے عقاید تسلیم کر لینے کا اعلان کیا۔ لیکن اسکاچستانی کلیسا کا اسقف اعظم غیر ملکی کی نرم مزاجی پر مشکوک ہی رہا۔ اور جب لینوکس نے مورٹن کے ارل پر جو پہلے اتالیق رہ چکا تھا اس پر غداری کا مقدمہ چلا کر اس کا سر قلم کرا دیا تو اسکاچی امرا کا ماتھا ٹھنکا اور انہوں نے سازش کر کے اسے نکالنے کی ٹھانی۔

ردھ ون کے چھاپے میں جیمز کو پھسلا کر ردھ ون قلعہ میں بطور مہمان بلایا گیا لیکن وہاں اسے دس ماہ تک نام نہاد کاروباری لارڈز نے قید میں رکھا اور اسے مرضی کے خلاف اس پر مجبور کیا کہ وہ لینوکس کو ملک بدر کر دے۔ ڈیوک نے بڑی دلگیری کی حالت میں فرانس کی واپسی کا سفر طے کیا لیکن خفیہ ذرایع سے بادشاہ سے خط و کتابت جاری رکھی۔ لینوکس

نے بڑی سچائی سے اسے مطلع کیا کہ اس نے اپنی بیوی، بچوں اور وطن سے ترک تعلق کر لیا ہے۔ ''تاکہ اپنی ذات کو تمہارے لئے وقف کردوں۔'' اس نے دعا کی وہ اس لئے مرنا چاہتا ہے تاکہ یہ ثابت ہو۔ ''کہ میری وفاداری ایسی ہے جو میرے دل پر نقش ہے اور جو ہمیشہ رہے گی''۔ ''چاہے مجھے کچھ ہو جائے۔'' اس نے لکھا۔ ''میں ہمیشہ تمہارا خادم رہوں گا۔۔۔(تم ہو) دنیا میں واحد ذات جس کی خدمت کرنے کے لئے میرے دل نے ٹھان لیا ہے۔ اور میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ میرا سینہ چیر دے تاکہ یہ دیکھا جا سکے کہ اس پر کیا کندہ ہے۔''

جیمز اس نقصان سے قریب قریب برباد ہو کر رہ گیا جو اس کے کنبے کا دوست، عاشق، مربی تھا اور جس سے وہ اب کبھی نہ مل پائے گا۔ لینوکس فرانس میں کئی مہینے تک بیمار رہ کر مر گیا اور بطور مرتد کیتھولک اس کی سرسری سی آخری رسوم ہوئیں۔ وہ یہ کہہ کر سرخ رو ہو سکتا تھا کہ اس کی مذہب کی تبدیلی ایک سیاسی چال تھی۔ اس نے توثیقی رسم کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور اس مذہب میں مرا جسے اس نے اختیار کیا تھا۔ یوں جیمز مزید خجالت سے بچ گیا کیونکہ وہ متعدد بار اپنے عاشق کے تبدیلی مذہب کے اخلاص کا ضامن بن چکا تھا۔ وہ بہ مشکل ابھی سولہ برس کا تھا کہ اس کے معاملات عشق ایک نہایت دردناک اور ناخوشگوار انجام سے دوچار ہوئے۔ جیمز نے اسے ایک رمزیہ نظم کے ذریعہ یادگار بنا دیا اور اس کا عنوان (Ane Tragedie the phoenix) رکھا (۱۵۸۳ء) جس میں لینکس کو ایک پرشکوہ غیر ملکی پرندے سے تشبیہ دی جس کا حسن نادر تھا اور جسے حسد نے مار ڈالا۔ لینوکس اسے چھوڑ کر چلا گیا اور بطور الوداعی تحفے کے اس کے دل پر مرہم رکھ گیا۔

کیا اس معاملے میں جنسی رشتہ قائم ہوا جدید سوانح نگاروں کی دانست میں ایسا ہوا۔ اسکاچی وزارت کو انتباہ کیا گیا تھا کہ ڈیوک چاہتا تھا کہ ''بادشاہ کو مقعدی ہوس'' کے راستے پر ڈال دے۔ لینوکس جو فرانسیسی اشرافیہ کا ایک نہایت شستہ فرد تھا جو ہنری سوم کی روایت میں پروان چڑھا تھا وہ لڑکے کی جذباتی اور جسمانی ضرورتوں کو بہ خوبی سمجھتا ہوگا۔ جب کہ دوسری جانب اسکاچی تصورات میں ہم جنس پرستی والے تعلقات کا رابلیس تھے۔ دو افراد کو ۱۵۷۰ء میں سولی دی جا چکی تھی جب جیمز ابھی چار برس کا تھا۔ اسکاٹلینڈ میں ان دنوں

اغلام بازی پر کوئی قانون نہ تھا مگر کالونیسٹ اقوام میں کسی قانون کی موجودگی ضروری نہ تھی۔ ہمیں انیسویں صدی کے ایک جیورسٹ نے بتایا ہے کہ ایک سادہ سی بات تھی'' جسے الوہی قانون سے اخذ کیا گیا جسے احبار ۲۰ سے استنباط کیا گیا تھا'' ستمبر کی پہلی کو دو افراد جون سواںؔ اور جون لٹسٹرؔ جن کی تفصیل یہ ہے کہ ''ٹھٹھیرے تھے اور رابرٹ ہنّسے کے ملازمین تھے۔'' انہیں ایڈنبرا میں کیسل ہل پر جلا کر مار ڈالا گیا۔ کسی گمنام شخص کی کتاب History and life of king James the Sext میں بیان کرتا ہے کہ انہیں عوامی لعنت ملامت کا سامنا تھا پہلے تو انہیں آٹھ یوم تک روٹی اور پانی پر قید میں رکھا گیا۔ اس کے بعد انہیں بھرے بازار میں پنجرے میں اس طرح رکھا گیا کہ ان کے جرایم ان کی پیشانی پر لکھے ہوئے تھے۔ اس کے بعد انہیں اسکاچی کلیسا میں رکھا گیا تا کہ وہ تین اتوار تک لوگوں کے سامنے توبہ استغفار کرتے رہیں۔ چہارم انہیں کسی گہری جھیل میں سر کے بل تین مرتبہ وقفے سے غوطہ دیا جاتا اور سب سے آخر میں انہیں ایسی ٹکٹکی سے باندھ دیا جاتا اور چہار جانب آگ جلا دی جاتی جس سے ان کے جسم جل کر راکھ ہوجاتے اور موت آجاتی۔ ایک اور شخص کو ۱۶۳۰ء میں جس کا نام میکایل ارسکاینؔ تھا پر یہ الزام لگا کہ ''جادوگروں کی طرح غوطہ زنی کرتا ہے اور غلیظ اغلام بازی۔'' اسے یہ سزا دی گئی کہ ''ٹکٹکی پر باندھ کر اس وقت تک گلا گھونٹا جائے کہ وہ مرجائے اور اس کے بعد اس کا جسم جلا کر راکھ بنا ڈالا جائے۔''

بطور بادشاہ جیمزؔ پر لازم تھا کہ وہ وارث تخت پیدا کرے جس سے موروثی حکمرانی کا سلسلہ چل سکے۔ اس نے ۱۵۸۹ء میں ڈنمارک کی اینؔے سے شادی کرلی۔ اینؔے حسین تھی مگر اس میں فکری دلچسپیاں نہ تھیں۔ وہ موسیقی، رقص اور درباری ناٹک موسیقی کو ترجیح دیتی۔ شادی کا نتیجہ سات بچوں کی صورت میں نکلا آخری ۱۶۰۷ء میں پیدا ہوا۔ لیکن اس وقت تک جیمزؔ کو بیوی میں کوئی دلچسپی نہ رہی اور جوڑے میں دراڑ پڑنے لگی اب اینؔے کی زندگی افسردگی اور گوشہ نشینی کی ہوگئی اور دربار کی تقریبات میں کبھی کبھار شریک ہوتی۔

اس کے معاشقے تو رہے ایک طرف ''برطانیہ عظمی'' کا یہ پہلا بادشاہ کس قسم کا آدمی تھا۔ وہ قابل ذکر حد تک یونانی، لاطینی، عبرانی، تاریخ اور دینیات کا عالم تھا بلکہ اپنی فضیلت سے بھی قدرے آگاہ تھا۔ جس کی وجہ سے وہ اس خطاب کا مستحق ٹھہرا ''پوری مسیحیت کا

زیرک ترین احمق۔'' وہ حصول علم کو اپنا حقیقی پیشہ گردانتا تھا اور اس امر کا آرزومند تھا کہ وہ کسی یونیورسٹی میں سائنس کا پروفیسر بن جائے۔ ایسا شخص جو امن پسند تھا اور جس کی طرز حکمرانی سے اسکاٹلینڈ گذشتہ کئی صدیوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ محفوظ تر اور خوشحال ہوگیا۔ اس نے بڑی سرعت سے انگلینڈ اور اسپین کے درمیان جاری جنگ ختم کردی۔ انتھونی ویلڈن جس کا جیمز کے انوکھے پن پر مضمون قدرے بغض پر مبنی ہے جو اسے ''امن پسند اور رحمدل شہزادہ'' کہتا ہے ''ایسا بادشاہ جیسا کہ میری دعا ہے کہ اس بادشاہت کو پھر اتنا برا نہ نصیب ہو۔'' نک سک میں تو وہ قدرے بھاری بھرکم لگتا ہے کیونکہ دہرے استر کا لباس پہنے رہتا اور چھوٹا خنجر لگائے رکھتا (اس کے عہد اقتدار میں دو فرانسیسی بادشاہوں کو کیتھولک جنونیوں نے چھرا گھونپ کر ہلاک کردیا تھا اور اورنج کے حلیم پر گولی چل چکی تھی) اس کا طرز مزاح ''تمسخر آمیز'' تھا اور درباری ہمیشہ پریشان رہتے اور اس کے جذبات سے عاری مذاق پر کچھ بولنے سے پہلے دو مرتبہ سوچتے۔ جیمز نے صاحب قرانی پر کتب شائع کیں، سفلی علوم پر اور مذہب پر اور تمباکو کے نقصانات پر ایک کتاب۔ اس نے اسکاٹلینڈ میں ساحری کے خلاف مقدمہ چلانے کی ہمت افزائی کی بعد ازاں انگلینڈ میں وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ جادوگرنیوں کے خلاف پیش ہونے والی زیادہ تر گواہیاں پرفریب ہوتی تھیں اور اس لئے اس نے بہت سی عورتوں اور مردوں کو معاف کردیا جنہیں سزا سنائی جا چکی تھی۔ اس کا عظیم ترین ادبی کارنامہ اس علم کی بابت تھا جو اوروں کی حرکات وسکنات پڑھنے یا سننے اور ان کی بابت خیال آرائی سے محظوظ ہونے پر مبنی ہو۔ اور اس ترجمہ نگاری کا آغاز جسے بعد میں کنگ جیمز بائیبل کے نام سے شہرت ملی۔

جیمز اس بات سے بہ خوبی واقف تھا کہ ''بادشاہ کی ذات اسٹیج پر بیٹھے ہوئے ایسے شخص کی طرح ہوتی ہے جس کی معمولی سی جنبش یا اشارہ بھی دیکھنے والے عوام بڑی توجہ سے دیکھتے ہیں۔'' لیکن یہ تو محض اس تضاد کو نمایاں کرتا ہے کہ کوئی بادشاہ جو اس کا مدعی ہو کہ اس کی حکومت منشا الٰہی سے قایم ہے اور وہ خود ظل الٰہی ہے، تواتر سے ظاہر ہوتا ہے اور رعیت کی نظروں کے سامنے ایسے میلانات آتے رہتے ہیں جنہیں وہ نہایت شیطانی بدیاں شمار کرتے ہیں۔ اگرچہ اس موضوع کو عوامی بحث مباحثے سے روکنے کی غرض سے پابندیاں

عاید کردی گئیں۔ یوں انگریزوں کو اب اس حقیقت کا سامنا تھا کہ ان کا نیا تاجور ہی مشکوک تھا۔ فرانسس اوسبورن نے اپنی خودنوشت میں یہ قلمبند کیا جس کی طباعت کی نوبت کرومویل کے عہد میں آئی۔

> جس قسم کا عشق بادشاہ نے (مردوں) کے واسطے ظاہر کیا وہ اتنا شہوانیت آمیز تھا جیسے کہ اسے صنف کی شناخت کرنے میں غلطی ہورہی ہو اور انہیں وہ عورتیں سمجھ رہا ہو۔ میں نے سمرسٹ اور بکنگھم کو کس جانفشانی سے خود کو پوشاک کے ذریعے زنخا بنتے ہوئے دیکھا ہے۔ اگرچہ ان کے جسم فروش عورتوں جیسے چہرے اور اوباشوں جیسے اشارے تمام قسم کی عورتوں کی روایات سے متجاوز تھے جنہیں میری گفتگو اپنے دایرہ بیان میں لا سکے۔ نہ ہی اس کا عشق یا پھر جو چاہے ہمارے اخلاف انہیں کہنا چاہیں۔۔۔ یہ باتیں اسی طرح جاری و ساری رہیں اور اس احتیاط کے ساتھ کہ رسوائی سے کمتر اطوار پر پردہ پڑا رہے۔ کیونکہ بادشاہ کا ان سے ہوس ناک انداز میں مچھی مچھول کرنا وہ بھی بھرے مجمع میں اور تھیٹر کے منچ پر جیسا کہ وہ دنیا کا اسٹیج ہو، جس سے کئی لوگوں کو تحریک ہوئی کہ وہ ان چیزوں کے تصور میں لائیں جو اس بوسیدہ گھر میں ہوئیں اور جو میرے اظہار بیان سے باہر ہونے کے علاوہ میرے تجربات کے دایرے سے بھی باہر ہیں اور اس لئے انہیں میں قیاس آرائی کی لہروں پر تیرنے کو چھوڑتا ہوں جنہوں نے میری سماعت میں ایک طرف سے ڈال کر دوسری جانب سے نکال دیا ہے۔

خط مرموز میں لکھا ہوا روزنامچہ جس میں سر سائمنڈز ڈاایوز نے ۱۶۲۲ء میں درج کیا کہ جب قدیم اشیا اور نوادر رکھنے والا لندن میں قانون کا طالب علم تھا تو اس کے افکار پر ڈاایوز کے پارسائی والے خیالات سایہ فگن تھے۔ یہ گفتگو جو ایک دوست سے ہوئی تھی ظاہر کرتی ہے کہ عمومی تصورات پر عذاب الٰہی کا خوف کس طرح مسلط تھا۔ میں نے اس سے علمی انداز میں (ان ہی اشیا پر) گفتگو کی جو خفیہ رہتی تھیں۔ جیسے کہ اغلام بازی کا گناہ جو اس شہر میں کتنا (!) عام ہے اور اگر خدا نے اس معاملے کے لئے کوئی خصوصی رحمت نہ نازل کی تو ہمیں کسی اور چیز کی توقع کرنے کی بجائے ہولناک سزا کا انتظار کرنا ہوگا۔ جیسی کہ

ہمارے پاس خوفزدہ ہونے کی ایک غالب وجہ ہے خصوصاً یہ کہ ہمارے شہزادے میں یہ گناہ ملتا ہے اور عوام میں بھی۔ جب کہ خدا زیادہ تر خود ہی طاہر و پاک کرتا رہتا ہے۔ اسی لئے کسی شخص کی ہمت نہیں ہوتی کہ ان لوگوں کو دھمکائے یا ان کی غلط کاریوں کے متعلق آگاہ کرے۔

جیمز نے چاہا کہ خود پر ہونے والی تنقید کا رخ بدل دے اور اس کے لئے وہ قانون کے مقابلے میں اڑ گیا۔ اس کی کتاب جو بادشاہت کرنے پر ہے' باسیلی کون ڈورون' اس میں اغلام بازی کو ان ''ہولناک جرایم کی فہرست میں رکھا گیا ہے جنہیں تمہارا ضمیر کبھی نہ معاف کرے گا۔'' جس کے ساتھ ساحری بھی ہے، قتل عمد، تزویج محرمات، زہر خورانی اور جعل سازی۔'' جس کے لئے اس نے جرمی بینتھم کی لعنت ملامت سہی۔ جس نے اپنے غیر شائع شدہ ہاتھ سے لکھے ہوئے مقالے میں جیمز کو منافق ٹھہرایا۔ تاہم یہاں بادشاہ شاید اسکاچ روایات کی پیروی کر رہا ہو۔ لیکن جیمز نے اپنے ایک خط میں جو اس نے چانسلر لارڈ برلی کو ۱۶۱۰ء میں لکھا۔ اسی جرم کو چنا۔ یہ روایت چلی آ رہی تھی کہ پارلیمنٹ کے اختتامی اجلاس کے بعد عام معافی کا اعلان کیا جاتا۔ جیمز نے اس کے باوجود برلی کو ہدایت دی کہ اغلام بازی کے معاملے میں اسے استثنیٰ سے کام لینا ہوگا کہ ''ججوں پر کسی قسم کے استدلال کا بوجھ نہ پڑنا چاہئے جس سے اس نکتے کی وجہ سے ان کے حواس مختل ہوں۔'' لگتا یوں ہے جیسے انگریز جج صاحبان الزبتھ کے عہد کے بنائے ہوئے قانون کی ایسی تفسیر کرتے جس سے سزا دینا مشکل ہو جاتا یہ نہایت دشوار ہے کہ بادشاہ کو اس درشتگی پر جو اس نے اس جرم پر دکھائی اور جس سے وہ خود کتنا منسلک تھا۔

لندن میں اپنے قیام کے پہلے سال میں جیمز کا سب سے پسندیدہ منظور نظر رابرٹ کار تھا جو کسی اسکاچ زمیندار کا بیٹا تھا جسے اس نے اپنی خوابگاہ کے امور کے متوسلین میں سے ایک مقرر کر دیا۔ اس کے خوش شکل ہونے کی وجہ سے بڑی چہ مہ گوئیاں ہوئیں۔ مگر اس کی ذہانت محدود تھی۔ وہ حلیم الطبع ہو سکتا تھا لیکن چڑچڑا اور ہٹ دھرم بھی۔ کار کے زوال کا سبب ایک عورت بنی جس کے عشق میں وہ مبتلا ہو گیا تھا۔ جو جوان، خوبصورت اور بے اصولی فرانسس ہاورڈ تھی۔ بدقسمتی سے وہ شادی شدہ تھی۔ رسوا کن طلاق کے بعد جس میں

جیمز کی خوش انتظامی کا بھی دخل تھا کہ اس نے اسقفوں کی عدالت کو رخصت کر دیا۔ دونوں کی شادی بڑی شان وشوکت سے ہوئی جس کی صدارت بادشاہ سلامت نے کی۔ اسی وقت (۱۶۱۳ء) میں اس نے کار کو سمرسٹ کا ارل بنا دیا۔ کار کا بہترین دوست سر تھومس اوور بری جو فرانسس سے نفرت کرتا تھا اور جس نے اس شادی کو روکنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا تھا۔ اس کا چند ہفتے پہلے ٹاور میں انتقال ہو گیا لیکن اس واقعے کو کوئی اہمیت نہ دی گئی۔

تاہم آیندہ دو برس میں بادشاہ کے تعلقات کار سے بتدریج تکلیف دہ ہوتے گئے۔ ان دشواریوں کو جیمز نے ایک خط میں بیان کیا ہے جو چھپے ہوئے پانچ صفحات پر محیط ہے جسے اس صدی میں مردانہ عشق کا نہایت مفصل تجزیہ کہا جا سکتا ہے جو بگڑتا ہی چلا گیا۔ جیمز اس قربت سے پہنچنے والے فواید کو تسلیم کرتا ہے۔ ''کیونکہ میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص جس پر کئی منازل کا اعتبار تھا قریب آ جائے، جیسا کہ میں راستبازی سے اعتراف کرتا ہوں کہ تم میرے اس اعتبار اور اعتماد سے بڑھ کر مستحق تھے جن کا کوئی شخص آج تک سزاوار ہوا ہے۔ صیغہ راز میں پوری انسانیت سے بڑھ کر حساس اور غیر جانبدار طریقے سے اور میری عزت بھی تمام منازل میں میرے لئے مفید رہی۔ اور یہ سب بلا احترام کے ہوا جو کسی عزیز کو یا حلیف کو یا تمہارے نزدیکی اور عزیز ترین کو چاہے جو بھی ہو اور ان نکات پر میں اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے کسی کو بھی تمہارے ہم پلہ نہیں پایا۔''

لیکن اب ''عجیب وغریب قسم کے بے چینی کے ریلے، جذبہ شوق، برہمی اور گستاخی پر محمول'' نے ان کے عشق کو خطرات میں ڈال دیا ہے۔ کار نے بادشاہ کو تنبیہ کی ''اتنی تیز اور درشت جس سے زیادہ صرف میرا استاد (بوکانن) کرنے کی جرأت کرے گا۔'' ان کے درمیان بلند آواز والے الفاظ کا تبادلہ ہوا جنہیں دوسروں نے بھی سنا۔ ماضی میں جیمز نے '' اس کے غم کے بوجھ کو اس طرح رفع کر دیا اور اس امید میں کہ وقت اور تجربہ اس کی جگہ لے لے گا اور اس گرما گرمی کو ٹھنڈا کر دے گا جو میرے دانست میں تمہیں تھکا کر جس میں تمہیں بہت دیر تک صبر سے کام لینا ہوگا اور متعدد دبی زبان میں جھڑکیاں بھی سننا پڑیں گی۔'' جیمز کی شکستہ روح خود کو اس شکایت میں ظاہر کرتی ہے کہ کار ایک زمانے سے '' رینگتا ہوا گریز پا تھا اور میرے کمرے میں سونے سے احتراز کرتا اگر چہ میں نے سینکڑوں مرتبہ گڑگڑا کر

درخواستیں بھی کیں لیکن بے سود۔'' اس نازک لمحے پر اور بری رسوائی کا ہنگامہ دنیا میں برپا ہوگیا جب گڑھی کے ایک نچلے درجے کے محافظ نے یہ انکشاف کیا کہ کار کی نئی بیوی نے یہ سازش کی ہے کہ اسیر کو زہر دے دیا جائے۔ جیمز نے اس پر اصرار کیا کہ کار کو مقدمے کا سامنا کرنا ہوگا اور جب اس کی بیوی نے جرم کا اعتراف کرلیا تو دونوں کو موت کی سزا سنادی گئی۔ جیمز نے سزاؤں کو بدل دیا اس کے باوجود جوڑا سات سال تک گڑھی ہی میں رہا۔

جیمز کا عظیم عشق بارہ برس چلا اور زیادہ خوش نصیب تھا۔ جیورج ولیرس لیسٹرشایر کے بارونیٹ (نچلا نواب) کا نادار فرزند تھا۔ جیمز اس سے ۱۶۱۴ء میں ملا جب ولیرس بائیس برس کا تھا یہ وہی زمانہ تھا جب کار کے لئے اس کے دل میں کھٹاس پیدا ہونے لگی تھی۔ یہاں تک کہ پارسا ڈرایوس تک اس کے حسن سے مسحور ہوگیا اور اس نے یہ تحریر کیا کہ'' میں نے بڑی سنجیدگی سے اسے کوئی آدھے گھنٹے کے وقفے سے کم از کم دیکھا۔۔۔ میں نے اس میں ہر چیز شایستہ پائی اور خدوخال وجاہت سے بھرپور۔'' فرانس بیکن نے اسے بادشاہ کی خدمت میں ان اوصاف کے بیان کے ساتھ پیش کیا جو کہ'' ایک محفوظ فطرت، باصلاحیت ذہن پر دیانت عزم، فیاضانہ اور شریفانہ محبت اور جرأت کا امین۔'' اس کے اطوار کی شیرینی اور وابستگی پر جیمز لہلوٹ ہوگیا اس لئے اس کا عروج تیزی سے ہوا۔ ۱۶۱۵ء میں جیمز نے اسے ''سر'' بنادیا۔ آٹھ برس بعد وہ اس صدی میں رعیت کا پہلا فرد تھا جسے ڈیوک بنادیا گیا۔ اور آخر کار وہ جیمز کے مقربین میں طاقتور ترین شخص تھا اور ایسا فرد جس کی محبت آمیز لگن نے اسے دل و دماغ کا چین مہیا کردیا۔ لیکن جیمز نے جو بے تحاشہ دولت بکنگھم اور اس کے لالچی اہل خانہ پر برسائی اس سے منظور نظروں کی حیثیت کھوکھلی ہونے لگی ـــــ اور بادشاہ کی ـــــ مقبولیت بھی۔

بکنگھم نے پھرتی سے اینے کا دل جیت لیا جو اسے محبت آمیز خطوط لکھتی اور اس توقع کا اظہار کرتی کہ وہ ہمیشہ کی طرح ''پوری سچائی'' سے اس کے شوہر کی خدمت کرتا رہے گا۔ اگر جیمز کے خطوط جو اس نے کار کو لکھے وہ درد اور تشویش کی حد تک نادر دستاویز ہیں، تو وہ خطوط جو بکنگم کے پاس ملکہ کی جانب سے آتے جاتے رہے ہیں وہ بھی اس معنوں میں قابل ذکر ہیں جن میں کس صفائی سے وہ باہمی بے تکلفی کو منکشف کرتے ہیں۔ بکنگھم کا

سوانح نگار راجر لوکیر کے خیال میں اگست ۱۶۱۵ء میں ان کے تعلقات میں جنسی معاملات فارنہام کیسل میں در آئے تھے۔ اس کا جواز وہ خط ہے جو ڈیوک نے اس واقعے کے متعلق لکھا تھا "سر روانگی سے لے کر یہاں تک میں محظوظ ہوتا رہا یعنی آپ کا نالایق نوکر اس میں نزاع یہ ہے چاہے آپ مجھے اب نہ چاہیں۔۔۔ اس وقت سے بہتر جسے میں فراموش نہیں کرسکتا جو میں نے فارنہام میں گزارا ہے۔ جہاں آقا اور اس کے کتے کے درمیان کبھی بھی تکیہ نہیں رہا۔" جیمز نے جس کے جواب میں بکنگھم کو کئی القابات سے نوازنے کے بعد یعنی، بچے، یار، شیرینی قلب، زوجہ اور خاندانی رشتوں کی نزاکتوں کو، اپنے احساسات اس پر افشا کرنے کے لئے یوں کہا "میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ میں دنیا میں صرف تمہارے واسطے جیوں اور ۔۔۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ چاہے دنیا کے کسی کونے کھدرے میں رہوں مگر تمہارے ساتھ رہوں بجائے اس کے کہ تمہارے بغیر ایک افسردہ بیوہ کی طرح زندگی بسر کروں۔"

اپنے ابتدائی تین سالہ رو بہ عروج زمانے میں بکنگھم کا سیاسی معاملات میں عمل دخل نہ تھا لیکن ۱۶۱۹ء میں شہزادہ چارلس کی اسپین کی انفانٹہ سے شادی کے لئے سلسلہ جنبانی کرنے میں اس نے نمایاں کردار ادا کیا۔ جوں ہی دونوں جوان مرد میڈرڈ کے لئے اپنے بے نظیر سفر کے لئے روانہ ہوا چاہتے تھے کہ جیمز کا دل بیٹھنے لگا "میری حالت تو اس وقت قابل رحم بزدل کی ہے۔" جیمز نے بکنگھم کو لکھا "کیونکہ میں کچھ کرنے کے بجائے صرف آہ وزاری کرتا ہوں اور اشک فشانی کرتا ہوں اور میں خدا سے احتجاج کرتا ہوں میں نے آج پوری سہ پہر پارک میں گھڑ سواری کی جب کہ۔۔۔ آنسو میرے رخساروں پر بہتے رہے اور جواب بھی رواں ہیں کہ میں بہ مشکل لکھ پا رہا ہوں۔ لیکن ہائے افسوس میں اس جدائی پر کیا کروں گا۔" خط کے جواب میں بکنگھم نے لکھا کہ وہ تیز رفتار واپسی کا انتظام کرے گا۔" تاکہ آپ کی قدم بوسی کروں کیوں کہ کسی نے کبھی بھی اپنی محبوبہ کے آغوش میں چلے جانے کی اتنی تمنا نہ کی ہوگی۔۔۔ میرا دل اور روح خوشی سے جھوم رہے ہیں کیونکہ یہ تبدیلی کسی صورت میں ایسی جست سی ہوگی جس سے آدمی مصایب سے نکل کر راحت پاتا ہے، افسردگی سے سرور بلکہ جہنم سے جنت میں جاتا ہے۔ فی الحال میری توجہ بیوی اور بچوں پر

نہیں ہے کہ ان کا شکریہ ادا کروں میرے خیالات تو اس جانب لگے ہیں کہ اپنے عزیز باپ اور آقا کے قدموں کو اپنے ہاتھوں میں لے لوں۔''

جب وہ انگلینڈ میں دوبارہ یکجا ہوئے ''شہزادہ اور ڈیوک دونوں اپنے گھٹنوں پر کھڑے ہو گئے اور بادشاہ اس کی گردن سے لگ گیا اور دونوں رونے لگے۔ اسپینی شادی جو زیادہ مقبول نہ ہو سکی تھی انجام علیحدگی پر ہوا اور پورے انگلینڈ میں گھی کے چراغ جلنے لگے۔ لیکن اس سفر نے چارلس اور بکنگھم کے رشتے کو بہت استحکام بخش دیا۔ دو سال بعد جیمز کا انتقال ہو گیا جب کہ بکنگھم اس کے سرہانے بیٹھا تھا۔ اس کے عہد حکمرانی کے ابتدائی چند برسوں میں چارلس نے بکنگھم کو اپنا مشیر اعظم بنا رکھا تھا۔ ان کی پالیسیاں متنازع ٹھہریں اور ۱۶۲۸ء میں ڈیوک قتل کر ڈالا گیا وہ بھی ایک جنگ سے شاکی سپاہی کے ہاتھوں۔ جس نے بعد میں اپنی کارروائی پر معذرت کر لی اور تاحیات یہ کہہ کر تاسف کرتا رہا کہ وہ گمراہ ہو گیا تھا۔

فرانسس بیکن:

جب جیمز اول نے ۱۶۱۷ء میں اسکاٹلینڈ کا دورہ کیا تو فرانسس بیکن نے اس کی عدم موجودگی میں انگلینڈ پر قائم مقام آقا کی حیثیت میں حکومت کی نگرانی کی۔ یہ اس کا نقطہ عروج تھا اور جلد ہی اس میں ایک ڈرامائی انداز میں زوال کی جانب تبدیلی ہوئی۔ بیکن ۱۵۶۱ء میں پیدا ہوا تھا، شیکسپیئر اور مارلو ۱۵۶۴ء میں، جیمز ۱۵۶۶ء میں کیا ان میں ستاروں کے لئے نیک گھڑی تھی۔ جب وہ ابھی بہ مشکل تیرہ برس کا ہوگا تو وہ تین سال برطانوی سفیر کے ہمراہ مقیم رہا جو ہنری دوم کے دربار سے منسلک تھا اور شوخ رنگ کا پھول سمجھا جاتا۔ بیس سال کی عمر میں اس نے پارلیمنٹ میں ملازمت شروع کی جہاں اس نے کوئی چالیس برس تک خدمات انجام دیں۔ الیزبتھ کے عہد حکومت میں اس کی ترقی کی رفتار سست رہی مگر جیمز اول کے تحت بیکن تیزی سے ترقی کے زینے چڑھنے لگا اور ۱۶۰۶ء میں سالیسیٹر جنرل بن گیا اور پھر اٹارنی جنرل ۱۶۱۳ء میں اور چانسلر ۱۶۱۸ء میں۔ اسے ۱۶۲۱ء میں سینٹ

البانس کا وسکاونٹ مقرر کر دیا گیا۔ اس کی تحریروں پر جو مذہب اور طرز حکمرانی پر تھیں جب کہ بیکن عموماً لبرل پالیسیوں کی حمایت کرتا۔ اس کے باوجود اپنی سرکاری حیثیت میں وہ پارلیمنٹ کے مقابلے میں بالعموم جیمز کی حمایت کرتا۔ ان غیر مقبول اجاروں کے خلاف جو بادشاہ نے اپنے منظور نظر لوگوں کو منظور کر دیے تھے ان کی مدافعت کی اور کئی لوگوں کی طرح شاید اس عہد کے ججز کی طرح ان موکلوں سے رقوم وصول کرتا جن کے مقدمات اس کے پاس زیر سماعت ہوتے۔ اس لئے جب ۱۶۲۱ء میں پارلیمنٹ نے جیمز کے خلاف بغاوت کی تو اس نے شاہ کے لارڈ چانسلر (عدالت اپیل کا صدر) پر رشوت خوری کا الزام بھی عاید کیا۔ بیکن نے ایک ایسے اعتراف نامے پر دستخط کر دیے جس میں ان قانون شکنیوں کو تسلیم کیا گیا تھا لیکن یہ دعویٰ بھی کیا کہ مبینہ تحایف سے وہ کبھی متاثر نہیں ہوا۔ اس پر خطیر رقم کا جرمانہ ہوا اور اس نے گڑھیا میں چار دن قید کے گزارے۔ جیمز نے جرمانہ معاف کر دیا اور پوتر سابقہ چانسلر ریٹائر ہو کر اپنی دیہی جاگیر میں براجمان ہو گیا تا کہ باقی ماندہ زندگی کو اپنے پہلے عشق فلسفہ پر صرف کر دے۔ بیکن کا فلسفیانہ پروگرام اتنا ہی مثالیت پسندانہ تھا جیسا کہ اس کا سیاسی کیریر جو مصالحتوں کا مرکب رہا۔ یہ تسلیم کرتے ہوئے اور جیسا کہ اس نے لکھا ''تمام علوم جو میرے دایرہ عمل میں آئے۔'' انہیں میں نے نوع انسان کے مفادات کو فروغ دینے میں لگا دیے جس سے سائینسی دریافتیں اور تجربات کی ہمت افزائی ہوئی۔ اس نے اس مشن کو پیش نظر رکھا اور اسے اپنی تصنیف Advancement to learning (۱۶۰۳۔ ۱۶۰۵ء) میں تفصیل سے تحقیقی منصوبوں کی صورت میں پیش کر دیا جس سے انسانی صحت اور بہبود میں بہتری ہوگی۔ اگر چہ وہ مذہب کا احتیاطاً لحاظ کرتا لیکن اس نے یہ دلیل دی کہ سائنس کو فطری مظاہر کو بیان کرنے میں خالصتاً دیوانی وضاحتیں پیش کرنا چاہئیں جو تعصّبات اور اوہام سے عاری ہوں۔ بیکن کی نظر میں طبیعیات اور ریاضی سائنس کے اصل نمایندے ہیں۔ لیکن اس نے یہ بھی مشورہ دیا کہ انسانی رویوں کا بھی مطالعہ ہونا چاہئے۔ یعنی سماجیات اور نفسیات کا۔ اس کی کامیابیاں بے مثل تھیں۔ اپنے عہد کے تمام انگریزوں کے مقابلے میں اس نے یورپی افکار پر بڑے زبردست اثرات ڈالے جنہوں نے بالآخر پوری دنیا کو متاثر کیا۔ اسے دوسرے ہزاریے کا سب سے زیادہ متاثر کرنے والا مصنف فرد

کہا گیا جس طرح پہلے ہزاریے کا سینٹ پالؔ تھا۔ لندن میں ۱۶۶۰ء میں رایل سوسایٹی کی بنیاد ڈالی گئی تا کہ اس کے پروگرام کو توسیع دی جا سکے جو روشن خیالی اور دلایل کے دور کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ وہ برطانوی فلسفیانہ روایت کے اہرام پر کھڑا ہے جس نے بعد ازاں اپنے دایرے میں ہابسؔ، لاکؔ، برکلے، ہیومؔ اور ملؔ کو لے لیا۔

ایسی زندگی جو سیاسی مکروہات میں الجھی ہو اور افکار عالیہ سے مملو ہو اس کیفیت نے بیکنؔ کے سوانح نگاروں کو ایسا چندھیا دیا کہ وہ اس کی نجی زندگی کی تفصیلات بیان کرنے کی گنجایش ہی نہ نکال سکے۔ لیکن ہمیں جتنا معلوم ہوا وہ بھی آشکار کرنے والا ہے۔ وہ اس بات کا حامی تھا کہ سرکاری ملازموں کو خوش حال ہونا چاہیئے، وہ کئی گھوڑوں والی گاڑیاں رکھتا اور گھڑ دوڑ کے واسطے گھوڑوں کی پرورش کرتا اور یہ سمجھا جاتا کہ ان میں اس کے عشاق بھی ہوتے تھے۔ اس کے جذباتی تعلقات کے متعلق تھوڑی سی معلومات بچ سکی ہیں تاہم ہم اس کی عشقیہ تگ و تاز کا اس طرح کھوج نہیں لگا سکتے جتنا کہ ہم بے باک جیمزؔ کے متعلق کہہ سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں بیکنؔ نے بڑی رازداری اور احتیاط برتی اور اپنی تحریروں تک میں ظاہری اخلاقی قدامت پسندی کا اظہار کیا۔ کتاب The New Atlantis میں اس کی پیش بینی کرنے والی نظر انسانیت کے تکنیکی مستقبل کو بیان کرتی ہے۔ بیکنؔ روایتی کنبہ کی مدح و ثنا کرتا ہے اور اپنے قارئین کو یقین دلاتا ہے کہ آپ کا یہ یوٹو پیا اپنے اندر ''کسی قسم کی بھی مردانہ محبت کی رمق نہیں رکھتی۔'' لیکن مورخ آرتھر ولسنؔ نے ۱۶۵۳ء میں یہ لکھا کہ بیکنؔ کی اپنے ''جوان، خراچ اور مہنگے'' ملازموں پر فیاضی نے ''رسوائے زمانہ رپورٹس کے لئے ایک خلا چھوڑ دیا۔'' زیادہ وضاحت سے جون آوبریؔ نے لکھا وہ بھی اپنی Brief Lives کے ہاتھ سے لکھے مسودے میں (تاہم جو انیسویں صدی تک شائع نہ ہوا)۔ ''وہ لونڈوں کی محبت میں مبتلا تھا''، اور یہ اضافہ کیا کہ ''اس کے گینی میڈ او رمنظور نظر رشوتیں قبول کرتے لیکن ہز لارڈ شپ ایسے فیصلے دیتے جو حق اور بھلائی سے لبریز ہوتے۔''

بیکنؔ کی اپنی خط و کتابت میں بھی کوئی روشن مثال نہیں ملتی لیکن ایک خط جو اس کی ماں نے اس کے بھائی انتھونیؔ کو لکھا تھا اس میں بطور مشورہ ''مجھے تمہارے بھائی پر رحم آتا ہے۔'' درج ہے جو اس نے ۱۵۹۳ء میں لکھا تھا اس وقت بیکنؔ کو شہریت نہیں حاصل ہوئی تھی۔

''اس کے باوجود اسے خود پر رحم نہیں آتا بلکہ وہ کمبخت پرسیؔ کو لئے پھرتا ہے۔۔۔ جو اس کا گاڑی بان ہے اور ہم بستر بھی۔'' جو ایک مفرور، بے دین اور خراچ دوست ہے۔ اس کا اس کے اردگرد رہنا مجھے یقین ہے اور ڈر بھی لگتا ہے کہ خدا سخت ناپسند کرتا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ تمہارے بھائی کی خوشحالی اور صحت کے سلسلے میں کم رعایت کرے۔ جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ لیڈی بیکنؔ کو یہ اندیشہ تھا کہ خدا اس پر رحمتیں نہ کرے اور جیسے سایمن ڈی ایوزؔ کو بعد ازاں بادشاہ جیمزؔ کی بابت خطرہ تھا۔ اس محترمہ کی ناپسند کے باوجود ہنری پرسیؔ اس کی زندگی کے خاتمے تک اس سے چمٹا رہا وہ ایک باعتماد ملازم اور دوست تھا اور جس کے لئے اس نے اپنی وصیت میں سو پونڈ سالانہ کا ترکہ بھی چھوڑا۔

اپنے چند خودنوشت سوانحی شذرات میں معاند سایمنڈز ڈا ایوزؔ نے بیکنؔ کے طرز حیات سے متعلق افشاء راز کے حامل تبصرے اس کے زوال کے بعد کئے۔

> چونکہ ان دنوں جب کہ اس کی سرزنش کی جاچکی ہے اس لئے فی الحال اس کی مرادیں معتدل پڑ چکی ہیں، اس کے افتخار میں انکسار آچکا ہے اور اس کی سابقہ ناانصافیوں اور بدعنوانیوں کے اسباب دور کئے جاچکے ہیں۔ اس کے باوجود وہ اپنی اس علت سے باز نہیں آئے گا جو اس کا ہولناک اور خفیہ گناہ اغلام بازی ہے۔ اب بھی وہ ایک گوڈرکؔ رکھے ہے جو نہایت نسوانی چہرے والا جوان ہے جو اس کا کونی اور ہم بستر ہوگا۔ اگرچہ وہ اپنے زیادہ تر خانگی ملازمین کو برطرف کرچکا ہے۔ جس کی بہت تعریف ہونا چاہئے (بلکہ حیرانی) اس کے زوال کے بعد اکثر لوگ اس کے غیر فطری جرم پر چہ مہ گویاں کرتے ہیں جس پر وہ برس ہا برس سے عمل کررہا ہے۔۔۔ اور چند ایک کا تو یہ بھی خیال ہے کہ اسے اس الزام پر کمرہ عدالت میں مقدمہ کا سامنا کرنا چاہئے تھا۔ اور اگر وہ قانون کو جو نہایت سخت ہے اس خبیث اور ہولناک حرکت کو اپنے خون کی قیمت سے دھو دیتا۔ انہی وجوہ پر چند نڈر اور مستقبل شناس لوگ ایسی نظمیں لکھنے پر تیار ہوگئے ہیں جو پورے صفحے پر آتی ہیں۔ اور اپھر انہیں پارک ہاؤس میں جھیل کنارے پھیلا آتے ہیں جہاں آج بھی وسکاونٹ سینٹ البانؔ مدفون ہے۔''اس کے اندر اسے بھی لازماً اغلام بازی کے

لئے سولی دے دی جانی چاہیئے۔''

حالانکہ ڈاایوز کی بیکن سے دشمنی کا سبب سیاسی اور مذہبی نفرت تھی اس کے باوجود اس کی رپورٹ اتنی تخصیص والی ہے جس سے یہ لگتا ہے کہ یہ مواد کی حد تک درست ہے۔ کیا سابق چانسلر پر واقعی سولی پر چڑھنے کی تلوار لٹک رہی تھی۔ غالباً نہیں اگر چہ ایک انگریز ہم عصر اور ایک آئرش اسقف کو آئندہ دو دہایوں میں پھانسی کی سزا دی گئی تھی۔ یہ بھی کہ اس کا بھائی انتھونی ایسے ہی انجام سے بال بال بچا تھا تاہم ہمیں ان دستاویز سے جو فرانس میں ملی ہیں یہ معلوم ہوا ہے۔ انتھونی نے کبھی شادی نہ کی اور اس کے اپنے بھائی سے تعلقات برادرانہ رہے۔ وہ فرانس میں سر فرانس والسنگھم کا مخبری کرنے والا گماشتہ تھا۔ وہ مونٹین سے ملنے گیا اور وہیں ہنری آف نیوارے سے دوستی ہوگئی جو بعد میں (ہنری چہارم) بنا۔ لیکن ۱۵۸۶ء میں وہ مونٹاوبان میں اغلام بازی کے الزام میں دھر لیا گیا جو فرانس کے جنوب میں ایک ہیوگوناٹ فرقے والوں کا قصبہ تھا۔ اس کا مبینہ ساتھی ایک شاہی دربان تھا بنام اساک برگیڈز جس پر روبکاری کے وقت یہ الزام لگا کہ اس نے کہا تھا کہ ''اغلام بازی کے کرنے میں کوئی برائی نہیں ہے۔'' اور یہ کہ ''جینیوا کے تھیوڈور بیز نے اس کی منظوری دے رکھی ہے۔'' انتھونی پر جرم ثابت ہوگیا مگر ہمیں نہیں معلوم کہ کیا سزا ہوئی۔ غالباً یہ جلانے کی ہوگی۔ ایک پادری بنام بے نوا ایسٹ گریلو کو ۱۵۶۳ء میں کاہورس کے نزدیک اسی جرم میں جلایا جا چکا تھا۔ خوش قسمتی سے ہنری نے اس بنیاد پر مداخلت کی کہ کسی انگریز کی سزا یابی سے ملکہ الیزبتھ کی حکومت سے تعلقات میں کشیدگی آسکتی ہے اور یہ بھی کہ کسی غیر ملکی کو ''فرانسیسی عدل کی درشتگی'' کا نشانہ نہیں بنایا جانا چاہیئے۔ انتھونی انگلینڈ لوٹ آیا اور ایسکس سرکل میں بھائی سے ملا اور بیمار پڑ کر ۱۶۰۱ء میں مرگیا۔ اور یہ ارل کی سزائے موت پانے کے دو ماہ بعد ہوا جس پر بغاوت کا مقدمہ چلا تھا۔

پارسایت اور بحالی:

سترہویں صدی کے انگلینڈ میں سب سے بڑا ناٹک جو ہوا وہ پارسائی کا عروج تھا۔

اسے کامیابی ۱۶۴۹ء میں خانہ جنگی کے بعد حاصل ہوئی جس میں بادشاہ کا سر قلم کردیا گیا۔ اور کوئی دس برس بعد اس غبارے سے اس وقت ہوا نکل گئی جب چارلس دوم نے دوبارہ اقتدار سنبھالا۔ پارساوں کو جب اقتدار حاصل ہوا تو انہوں نے جنسی اخلاقیات کے نفاذ کو پہلی ترجیح بنالی۔ سرراہ چودنا اور کاری کارو جرایم کی جان لیوا سزائیں مقرر کی گئیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے نیو انگلینڈ کے ہم مذہبوں کی پیروی کی وہاں پارسائی کے دعویدار قانون سازوں نے یہ مساعی کیں کہ قدیم عہد نامے کے احکام کو اپنے قوانین بنا کر نافذ کرنا چاہا۔ ایک کا سرنامہ یہ کہتا ہے کہ ''یہوواہ سب سے بڑا قانون دینے والا ہے۔۔۔جس نے بڑے رس سے ایک الوہی چبوترہ تیار کرایا جس پر نہ صرف اخلاقی قوانین بلکہ عدالتی قوانین بھی ترتیب دیے جو اہل سرائیل کے لئے سودمند ہیں۔'' اسی کے مطابق ماساچیوسٹس بے کی نو آبادی میں جب پہلے پہل ''مجموعہ قوانین اور آزادیاں'' کو ۱۶۴۱ء میں نافذ کیا گیا تو اس میں عہد الیزبتھ کے اغلام بازی کے قوانین بلکہ دوسو برس پرانی احباری زبان کو (الف سے ے تک) شامل کرلیا۔ اگر کوئی مرد کسی اور انسان کے ساتھ اس طرح لیٹے گا جیسے عورت کے ساتھ لیٹا جاتا ہے، تو دونوں ہی نے مکروہ حرکت کا ارتکاب کیا ہے اس لئے دونوں ہی کو موت کے گھاٹ اتارا جائے۔'' دیگر نو آبادیوں نے بھی Bay کالونی کے قوانین کی نقالی کی اور یہی عبرانی صحیفوں والے کلیے کنیکٹی کٹ کی قانون کی کتابوں میں ۱۸۲۲ء تک موجود رہے۔

رہوڈ آیلینڈ کے قانون نے سینٹ پال کے اعتراضات ''لچر محبت'' کو جو اہل روم پر ہیں (۲۶:۱) ۔ نیوہیون ۱۶۵۵ء میں ایک قدم اور آگے چلا گیا اور مذکورہ عبارت میں جو موت کی سزا رکھی گئی تھی اسے چپٹی کھیلنے والیوں پر بھی نافذ العمل قرار دے دیا۔ یہ انگریزی بولنے والی دنیا میں ایک انوکھی صورت حال تھی۔ پنسلوانیہ ولیم پین کا ''گریٹ لاء'' جو ۱۶۸۲ء میں رائج ہوا جس سے کویکرز مسیحی (جو روایتی عقاید سے محترز تھے) یوں اغلام بازی کی سزا گھٹا کر چھ ماہ قید کردی گئی۔ ایسی نرمی کہ باید وشاید۔ تاہم جسے برطانوی حکومت نے چند سال بعد منسوخ کردیا۔ نو آبادیاتی دور میں پھانسی کی سزا کبھی کبھار دی جاتی اس کے باوجود امریکی انقلاب کے وقت ۱۷۷۶ء میں تمام تیرہ کی تیرہ ریاستوں کے قوانین میں

جان لیوا سزائیں موجود تھیں۔ ایک نئی قوم جس کا اصرار ''زندگی آزادی اور حصول مسرت'' پر تھا مگر سیاہ فام غلاموں کو آزادی سے محروم رکھا گیا اور لونڈے بازوں کو۔ چاہے نظریاتی طور پر ہی سہی۔ وہ جینے کا حق گنوا بیٹھے۔ (ورجینیا میں تھومس جیفرسن نے چاہا، جس میں اسے کامیابی نہ ہوئی کہ اس درشتی کو اس طرح تحلیل کر دیا جائے کہ سولی پر چڑھانے کے بجائے ملزم کو خصی کر دیا جایا کرے)۔ مگر پارسا انگلینڈ میں یہ ضروری نہ سمجھا گیا کہ کوئی نیا قانون متعارف کرایا جائے کیونکہ بائبل میں دی ہوئی سزائیں کافی وشافی تھیں۔ اس کے باوجود اس ملک میں اغلام بازوں کے خلاف اس طرح مقدمہ بازی نہ ہوتی جیسی کالون عقاید پر کارفرما جینیوا میں۔ اور کرامویل کے عہد میں دستاویزات کے مطابق کسی کو سزائے موت نہ ہوئی۔

حالانکہ سترہویں صدی کے انگلینڈ میں اغلام بازی پر دارو گیر شاذ و نادر ہوئی (لاطینی یورپ کے برعکس) لیکن دو سنسنی خیز مقدمات نے ضرور توجہ مبذول کرائی۔ پہلا والا تو خصوصاً بے ڈھنگا تھا۔ کیسل ہیون کے ارل پر ۱۶۳۱ء میں یہ الزام لگا کہ اس نے اپنے دو ملازموں کو جن سے خود اس کے جنسی مراسم تھے انہیں اس نے حکم دیا کہ وہ اس کی بیوی سے مجامعت کریں۔ اٹارنی جنرل کا کہنا تھا کہ اغلام بازی اتنی کم تھی ''کہ ہمارے کان میں بہ مشکل پڑتی۔'' وہ اسے ''وبائی اور مخرب اخلاق'' جرم کہتا جس کی اگر سزا نہ دی جائے تو اس سے ''اس سلطنت پر ایسے بھاری فیصلے آسمان سے نازل ہوں گے۔'' اس نے بادشاہ چارلس کی خواہش کو اس طرح بیان کیا کہ ''اس کا تخت اور عوام'' کو اس طرح پاک اور صاف کیا جائے کہ ''ایسے قابل مذمت اور بدچلنی کے جرم'' اور احبار کا حوالہ دے کر عمومی خوف کے اظہار کے لئے صدا بلند کی۔ ''ان بدکاریوں کی وجہ سے ہماری دھرتی نجس ہو چکی ہے اور اس لئے مالک کل لازماً اس دھرتی پر اس لئے اترے گا کیونکہ یہاں بڑی ناانصافی ہو رہی ہے۔'' کیسل ہیون پر مقدمہ چلا اور سر قلم کر دیا گیا۔ اور دونوں ملازم جنہوں نے اس کے خلاف گواہی دی تھی انہیں بھی سولی دیدی گئی اگرچہ ان سے معاف کر دینے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ کیسل ہیون مقدمہ میں پائے جانے والے داؤ پیچ نے اسے عدالتی فحاشی کا دلکش نمونہ بنا دیا۔ ان شہادتوں کی متعدد قلمی دستاویز امتداد زمانہ کے باوصف محفوظ رہ گئی تھیں اور

دو دستی اشتہاروں نے تمام تفصیلات کو ۱۶۹۹ء اور ۱۷۱۰ء میں طشت از بام کر دیا۔

ایسی دستاویزات جون اتھرٹن کے مقدمے سے متعلق دستیاب نہیں ہیں جو آیرلینڈ میں واٹر فورڈ اور لسمور کا اسقف تھا۔ جس پر اغلام بازی کا مقدمہ چلا اور اسے ڈبلن میں گیلوز گرین کے مقام پر ۱۶۴۰ء میں پھانسی دے دی گئی اسقف کی اغلام بازی کے الزام میں پھانسی ایک سنسنی خیز واقعہ تھا۔ عام حالات میں نا قابل قیاس۔ لیکن وہ کوئی عام دن نہ تھے۔ ایتھرٹن کا بطور اسقف انتخاب اسٹرافورڈ کے ارل کا رہین منت تھا جسے چارلس۔ اول نے آیرلینڈ میں اپنا قدیم دست راست کہا تھا اور جو وہاں تندہی اور موثر طریقے سے بادشاہ کی نمایندگی کر رہا تھا۔ ایتھرٹن کی موت کے چھ ماہ بعد لندن میں پارساوں کی پارلیمنٹ نے چارلس کے پرجوش اعتراضات پر غیر مقبول ارل کے لئے کٹ گھر میں بند کر کے سزائے موت تجویز کر دی۔ پانچ سال بعد سٹرافورڈ کا دوست اسقف اعظم لاوڈ کا بھی وہی انجام ہوا اور ۱۶۴۹ء میں خون ریز خانہ جنگی کے بعد چارلس خود بھی مارا گیا۔ ایتھرٹن کی بدنصیبی دیکھئے کہ ابتدا ہی میں گردش افلاک کا شکار ہو گیا۔

ایتھرٹن مسیحی عدالتوں کے معاملات میں آزمودہ کار وکیل تھا جس نے کورک کے ارل کی دشمنی ایک مہم کی وجہ سے مول لے لی جو اس نے اس لئے چلائی تا کہ ارل نے آیرلینڈ میں جو کلیسائی اراضی ہتھیالی تھی اسے واگذار کرالیا جائے۔ جب ایتھرٹن کو سٹرافورڈ نے وکیل کیا تو اس نے بڑے فخر سے کہا کہ اب کورک کو سوچنا چاہیئے کہ "اس پر شیطان ٹوٹ پڑا ہے۔" لیکن ایتھرٹن کی عدالتی چارہ جوئی سے لاتعداد مالکان اراضی کو خطرہ محسوس ہونے لگا پروٹسٹنٹ اور کیتھولک کو یکساں۔ اور اس کی بے حد وحساب لالچ نے اس کے لئے ہر دل میں ناپسندیدگی بھر دی۔ جب آیرلینڈ کی پارلیمنٹ نے ۱۶، جون ۱۶۴۰ء کو سٹرافورڈ کی پالیسیوں کے خلاف بغاوت کر دی تو اپنی کارروائی کا آغاز یوں کیا کہ ایتھرٹن کے ایک عشر محصل جون چایلڈ کی عرضی دعوی پر غور شروع کر دیا جس میں اس نے اسقف پر الزام عاید کیا تھا کہ "وہ سرارہ چودتا ہے اور کاروکاری میں ملوث ہے اور یہ دعوی بھی کیا کہ میرے ساتھ اس نے اغلام کیا تھا۔"

ایتھرٹن کی تین ہفتوں بعد سزایابی ایک شرمناک منظر کا باعث بنی جب ڈبلن میں

دسمبر کی ۵، کواسقف ایک رسی سے بندھا ہوا گھنٹہ بھر سے الٹا لٹک رہا تھا اور اس کے دوست اس کے ہاتھ اس لئے پکڑے ہوئے تھے تا کہ اس کی تکلیف کچھ کم ہو جائے۔ پارساوں کی نظر میں کسی اسقف کی موت ایسے توہین آمیز حالات میں وجہ اطمینان تھی۔ اور اینگلیکن اسقف شاہی جو ۱۶۴۳ء میں منسوخ کی جا چکی تھی۔ ایتھرٹن کے مقدمہ کا پہلا ماجرا جو کسی گمنام شاعر کے زٹل قافیہ بندی کے اشعار میں بعنوان (In Life and Death of John Atherton , Lorol Bishop of waterford and Lismore ۱۶۴۱ء اس میں یہ بھی شامل ہے کہ لکڑی کے تختے میں کھود کر مذہبی پیشوا کا گڈا بنا جس کی گردن میں پھندا بھی ہے۔ جو عصری اسقف دشمن تعصّبات کا مظہر ہے۔ اس میں اسقفوں کو حلف دیا جا رہا ہے کہ وہ حرص و طمع، غصب، ہوس، لونڈے بازی، تزویج محرمات اور سر راہ چودنے سے اجتناب کریں اور ایتھرٹن کی کہانی کو گہرے چمک دار رنگوں میں تصویر کشی کی گئی ہے اور اس پر الزام ہے کہ اس نے کوئی چونسٹھ عورتوں کو ورغلایا اور بالکل اس شیطان کی طرح جو ''دوزخ کے گڑھے'' میں ہوتا ہے۔ ''ایک بھوت کو لیتا ہے تا کہ اس سے سدومیت کی جائے'' ''بھوت'' دراصل جون چایلڈ تھا جسے بینڈن برج میں جو کورک کے نزدیک واقع ہے مارچ ۱۶۴۱ء میں پھانسی دے دی گئی تھی۔

لیکن کیا ایتھرٹن واقعی لونڈے بازی کا ارتکاب کرتا تھا۔ چایلڈ نے کٹ گھر میں توثیق کی تھی کہ اس کے خلاف جھوٹی گواہی دی تھی۔ تھومس کارڈ ے اپنی کتاب Life of the Duke of Ormonde (۱۷۷۳ء) میں دعویٰ کرتا ہے کہ ایتھرٹن کی کورک کے ارل کے خلاف مقدمے بازی اس کی موت کا سبب بنی اور بڑے وثوق سے کہ وہ ''اس مقدمے بازی کی بھینٹ چڑھ گیا بجائے اس کے کہ انصاف پاتا۔ جب کہ وہ واحد گواہ کی شہادت پر موت کے گھاٹ اتر گیا جسے شمہ بھر وقعت نہ دی جانا چاہئے تھی۔'' اٹھارہویں صدی کے دیگر مبصرین اس سے متفق نہیں ہیں۔ لیکن وہ مصنف جس نے ۱۸۸۲ء میں ایتھرٹن پر اپنا مضمون جو Dictionary of national Biography میں شامل ہے جو آج بھی اس کی زندگی کے معلق عمومی قابل رسائی ماجرہ ہے —— اس کے خیال میں ایتھرٹن کا تواتر سے یہ کہنا کہ ''وہ موت کا مستحق ہے'' اس کی سزایابی میں ''اس خیال سے کوئی مطابقت نہیں

رکھتا کہ ایتھرٹن کسی گھناؤنی سازش کا معصوم شکار بن گیا۔''

اس مضمون کے مصنف نے اپنے نتائج اخذ کرنے کے لئے ایک جاندار دستی اشتہار سے مدد لی جو اسقف کے پھانسی پانے کے چند ہفتے بعد تقسیم کیا گیا تھا۔ ایتھرٹن کے سولی چڑھنے کو اس طرح استعمال کرنا جس سے کلیسائی عہدیداروں کو بدنامی ہو اس امر نے اسقف اعظم اسشر کو اکسایا جو آیرلینڈ میں چرچ آف انگلینڈ کا سربراہ تھا۔ اس نے اپنے چیپلن پادری نکولس بارنارڈ سے دریافت کیا کہ جواب دے۔ بارنارڈ کا رعب و دبدبے والا کام یہ تھا کہ ہر رسوائی کے طوفان کو بصیرت افروزی کا سبب بنادے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اس کی ہنرمندی کی تعریف کریں جو وہ ناممکن لگنے والے کام کو انجام دینے کا بیڑا اٹھالیتا۔ اس کی مساعی جو اس نام سے شایع ہوئیں The Penitent Death of a woeful sinner وہ نہایت طاقتور بیان ہے جو ہمیں مصلوب ہونے والے شخص کے آخری ہفتے تک کشاں کشاں لے جاتا ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ ہر گھنٹے کی تفصیلات بھی دیتا ہے۔ بطور تاریخی دستاویز کے تاہم اس میں توقع سے کچھ کم ہی ملتا ہے۔ کیونکہ یہ قریب قریب بھٹکا دیتا ہے جہاں تک ایتھرٹن پر مقدمہ چلنے اور سزا یابی کی تفصیلات کا تعلق ہے۔

بارنارڈ ایتھرٹن کی ایسی تصویر کشی کرتا ہے جو شرمندگی کا مارا ڈھانچہ ہو جو شدید احساس ندامت کا مارا اور جس کا سبب عذاب جہنم کا خوف ہو۔ اگر چہ اسقف نے مقدمے کے دوران نہایت زور دار طریقے سے اپنی مدافعت کی تھی۔ اب لیکن ہمیں یہ بتایا جاتا ہے کہ اس نے ''اپنی بدیوں کا دردناک اور طول طویل اعتراف کیا تھا۔'' ایتھرٹن کی ذات کی نفی جس طرح بارنارڈ بیان کرتا ہے، منتہیٰ ہے۔ لیکن اگرچہ بارنارڈ اسقف کے غیر محتاط مقدمہ بازی کرنے کے جرم کو ڈرامائی انداز میں پیش کرتا ہے اور اپنے کلیسائی فرایض ادا کرنے میں پہلو تہی کرنے کو لیکن وہ اس کے جنسی گناہوں کا حوالہ دینے سے کتراتا ہے۔ سوائے اس کے کہ وہ ''شریر کتابیں پڑھا کرتا'' اور ''غیر شایستہ تصاویر دیکھا کرتا۔'' پھانسی کے پھندے کے سامنے کھڑے ہو کر اسقف کی طویل تقریر کا ماجرا یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ صمیم قلب سے پشیمان شخص تھا پر وقار اور فصیح۔ وہ دوسروں کی بخشش کے لئے دعا گو تھا اور اپنی شرم ناک موت کو اپنے گناہوں کا خمیازہ۔ آخر میں، ہمیں بتایا جاتا ہے مجمع میں بہت سے ایسے لوگ

بھی تھے جن کے چہرے پر فخر تھا چند ایک ملامت کر رہے تھے اور کچھ آہ و بکا کر رہے تھے۔

یہ پڑھ کر یہ بات فطری ہے کہ ہم یہ مان لیں کہ اسقف خود کو دل میں مجرم سمجھتا ہے اور ان ناکردہ گناہوں کی جن کے لئے اسے سزا سنائی جارہی تھی۔ یوں ایک جھٹکا سا لگتا ہے جب کہ بارنارڈ اس کو اعلانیہ قلمبند کرتا ہے۔'' اس نے کہا کہ یہ خدائی انگشت شہادت ہے جس کے عدل کو وہ پوری طرح اور صدق دل سے تسلیم کرتا ہے۔۔۔ اسی لمحے اس نے پنچایت کو واپس آ کر اس کے مجرم ہونے کا اعلان کرتے سنا۔ اگرچہ اس نے اس کی فوراً تردید کی کہ (جیسا کہ اس نے بعد میں کی) اس کے بیان کو جب ضابطہ تحریر میں لایا گیا وہ تھی (اغلام بازی) جس پر قانون نے گرفت بڑھادی اور یہی بات اس کے خلاف الزام لگانے والے سب سے اہم گواہ نے اس وقت تصدیق بھی کی جب اسے سولی پر لٹکایا جارہا تھا۔ ایتھرٹن کو عدالتوں میں رائج قوانین سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی بلکہ اس سے جسے وہ ''خدائی انصاف'' کہتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اسے اغلام بازی کے جرم پر نہیں سزا ہوئی بلکہ یہ کہ اس کی سزا یابی ربانی ہے اور وہ بھی دیگر گناہوں کی۔

اسقف جس طرح اپنی ذات کی لعنت ملامت کرتا ہے اس سے لگتا ہے کہ وہ خود کو چند جرائم کا مجرم نہیں سمجھتا جیسے کہ سنگین جرم اغلام بازی، چاہے اس کے کھاتے میں کاروکاری، سرراہ چدائی اور تزدیج محرمات جیسے جرم درج ہوں۔ آئرلینڈ کا مورخ ایڈان کلارک اکلوتا صاحب علم ہے جس نے زمانہ جدید میں اسقف کے مقدمے کی اچھی طرح چھان پھٹک کی ہے اس کے خیال میں ایتھرٹن اس الزام کا مجرم نہ تھا جس کی اسے سزا دی گئی۔ اس کے نقطہ نظر کے حق میں سب سے مستحکم دلایل یہ ہیں کہ وہ اعلانات جو ایتھرٹن اور چایلڈ نے مبینہ طور پر اس وقت کئے جب وہ پھانسی پانے والا تھا۔ سترہویں صدی کے مسیحیوں کے ذہن میں ایسے نازک وقت پر حلفیہ دروغ گوئی جہنم میں داخل ہونا تھا۔ اگر ہم نامکمل ریکارڈ میں دی ہوئی تفصیلات کو اچھی طرح سے جانچیں تو اس نتیجے پر پہنچنا دشوار نہ ہوگا کہ اسقف کا سولی پر جھولنا اغلام بازی کے قانون کا صریحی غلط استعمال تھا اور وہ بھی سیاسی مصالح کے لئے۔

کراموّل کی موت کے ساتھ ہی پارساوں کی ہوا اکھڑ گئی اور بحال ہوتے ہوئے

انگلینڈ نے اس کے زوال پر اس طرح جشن منایا کہ اس کے جنسی استبداد کے خلاف بغاوت کردی۔ چارلس دوم نے اس میں مہمیز لگانے کے لئے اپنی داشتاؤں کے دستے داخل کردیے۔ یہ کہا گیا کہ درباریوں نے سیاسی نقطہ نظر سے یہ خیال کیا کہ کہیں اس کی پیروی کرنے میں وہ پچھڑ نہ جائیں۔ یہ ایک عدیم المثال لمحہ تھا جب سیاسی قدامت پسندی اور اداروں کی آزادی ہاتھ میں ہاتھ ڈالے کوچ کررہی تھیں۔ ہر پرجنسیہ کارروائی گناہ نہ رہی تھی۔ سیموئیل پیپایز ہمیں بتاتا ہے کہ اس کے دوستوں نے اسے اطمینان دلایا'' کہ اب (۱۶۶۳ء) میں گانڑ مارنا بڑھ کر اتنا عام ہوچکا ہے وہ بھی ہمارے بانکوں میں جتنا کہ یہ اطالیہ میں ہے۔ اور ان کے شہر کے ہرکارہ لڑکے اپنے آقاوں کے تقاضوں کے شاکی ہیں۔''

تحریک اصلاح دین کے اوباشوں میں سب سے زیادہ بدنام بلاشبہ روچسٹر کا ارل تھا شاہ خرچ اور ظریف اور چارلس دوم کے دربار کا چہیتا۔ روچسٹر عورتوں کا رسیا تھا۔ ایک بیوی گاؤں میں اور لندن میں داشتاؤں کی مالا۔ لیکن اس کی خط وکتابت اور نظموں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ کھلم کھلا دو جنسیا تھا اپنے قریبی دوست ہنری ساویل کی تعریف یوں کی'' یہ حسین احمق یعنی حامل رقعہ' جو درحقیقت تھا بھی روچسٹر کا فرانسیسی ذاتی ملازم جس کا نام جین باپٹسٹ ڈی بیل فسے تھا جس کے متعلق اس نے لکھا'' اس دربار کا عظیم ترین اور سب سے ہلاکت خیز جس کے حسن کو دونوں صنفوں نے چکھا اور میں تمہیں یہاں اطمینان دلاتا ہوں کہ روم محض اس معاملے میں ہم پر بالادستی رکھتا ہے اور اس سازش کا ہر حصہ اس رازداری اور جوش وخروش سے چلایا جاتا ہے جتنی اس پر توجہ دی جاتی ہے۔ مفید نو واردان روزانہ بڑھ رہے ہیں۔ پوپ کی نام نہاد سازش نمبر ۱۶۷۸ کا حوالہ دیا جارہا ہے جو مبینہ طور پر اس لئے تیار کی گئی تھی کہ چارلس دوم کو قتل کرکے اس کی جگہ اس کے کیتھولک بھائی جیمز کو تخت پر بٹھادیا جائے۔ روچسٹر مسخرے پن میں دعویٰ کرتا ہے کہ مسیح یہ چاہتا تھا کہ انگلینڈ کو جنسی کے ساتھ ساتھ سیاسی طور پر تہہ و بالا کردیا جائے۔

روچسٹر کا کلام جو ہاتھ سے لکھا ہوا بہت بڑے حلقے میں تقسیم ہوتا مگر اس کی طباعت اس کی موت جو ۱۶۸۰ء میں ہوئی تک نہ ہوسکی۔ وہ جنسکاری کو بڑی بے رحم صاف گوئی سے

نظم کرتا ہے، عورت میں آلت کا دخول اس کا مرکزی خیال ہوتا مگر لاتعداد نظمیں اس میں پائے جانے والے تنوع کو ظاہر کرتی ہیں جیسا کہ ''The Disabled Debauches'' جس میں ایک عمر رسیدہ بڑھبس اپنی داشتہ کو اپنی جوانی دیوانی کا قصہ سناتا ہے۔

نہ تو ہماری مجامعت کا چول بیٹھتا ہے تا کہ کلورس کو فراموش کر دیا جائے
جب ہر خوش شکل مشعلچی لڑکا لطف اندوز ہونے کو جتن کرے
اور جھڑنے کے لئے بہترین بوسہ بنا
یا تو لڑکے کے لئے تمہاری گانڑ ماری یا پھر میں نے لڑکے کی

ایک اور گیت میں روچسٹر ایسی عورت کا روپ دھارتا ہے جو لونڈے باز کی مذمت کرتی ہے۔

عورت کو چودا اے گدھے کے بچے
یہ سب سے پھیکا جنون ہے۔۔۔
پھر مجھے دے صحت، دولت، مسرت اور شراب
اور اگر عشق کی مصروفیت کہیں منہ مارے
تو میرا نرم و نازک لونڈا کس لئے ہے
کیا یہ چال چالیس چھوکریوں کے برابر نہیں ہے

راچسٹر کے متعلق یہ بھی سمجھا جاتا ہے کہ وہ عریاں اور فرضی تخیلات پر مبنی کتاب بہ عنوان سوڈوم یا The Quintessence of Debauehery ہے حالانکہ اس کے مصنف کا معاملہ نہایت متنازع ہے۔ لنگ کے اس تمثیلی ڈھونگ کا لب و لہجہ اس کے اداکاروں کے ناموں سے پتہ چل سکتا ہے۔ بولوکس نیان سوڈوم کا بادشاہ ہے۔ ملکہ کنٹی گراشیا ہے۔ مغلوب شہوانیت بادشاہ جو'' کھاتا ہے چودنے کے لئے اور چودتا اس لئے ہے کہ پھر کھائے۔'' اپنے عائلی فرائض سے بیزار ہے اور ایک فرمان کی منادی کراتا ہے کہ آج سے گنڈ مروا کو جایز قرار دیا جاتا ہے۔ مایوس اور گھبرائی ہوئی عورتوں نے صبوروں کی خریداری کے لئے آرڈر کئے اور ایسی مہم پر نکل کھڑی ہوئیں جس میں ان مردوں سے ہم

بستری کر لیں جوان سے اعلانیہ حقارت کا اظہار کر چکے تھے۔ بولوکس نیاںؔ کو جب عمورہ کے بادشاہ کی طرف سے چالیس نوعمر لونڈوں کا تحفہ ملتا ہے لیکن جنسی امراض نے مردوں کو پچھاڑ دیا اور ملکسؔ جو شاہی طبیب ہے پورے روایتی اخلاقیات کو یوں بیان کرتا ہے۔

عشق اور فطرت کے تمام حقوق بحال کرو ——

عورتیں چودو اور گنڈ و مروا ختم کرو

یہ تخلیقی مقاصد کو تباہ کر دیتا ہے

جو فطرت نے تمہیں اس لئے عنایت کیا ہے کہ تم مزے کرو

لیکن اڑیل بادشاہ اتنا ہی بدلگام ہے کہ کہتا ہے ''میں ایسے تحفے پر لعنت بھیجتا ہوں (یعنی بیوی کا تحفہ) میں تو گنڈ مروا ہی پر قائم رہوں گا۔ شیاطین چیخنے لگتے ہیں اور پردہ گرنے سے پہلے آگ اور گندھک کی بارش ہونے لگتی ہے۔ پھر تماشایوں سے مختصر خطاب میں ایک اداکار کہتا ہے کہ درباری عورتوں نے چدوانے کے لئے خود کو بہترین ساتھی کہا کیونکہ ان کی جنسی ضرورت پوری کرنا آسان نہیں ہے۔ یہ تمام کردار عوام میں سے نہیں ہیں بلکہ نجی حصوں کی صدا بندی تھی۔ سڈوم کے وسیلے مصنف نے جھاڑ پھونک کے ذریعے عہد پارسائی کی سب سے زیادہ موثر حکایت کو اس طرح پاش پاش کر دیا کہ وہ پھکڑ افسانہ بن کر رہ گئی۔

خواتین کے درمیان:

اگر انگریز الیز بتھؔ اول اور جیمزؔ کے عہد حکومت میں مردانہ ہم جنس پرستی کے معاملے پر منہ پر تالے ڈالے رہے لیکن عورتوں کے معاملے میں خاموشی وہ بھی ان عورتوں کے متعلق جنہیں دوسری عورتیں دلربا لگتیں ان کے لئے تو قطعاً سناٹا چھایا رہا۔ چپٹی بازی کا قانون سے سرے سے کوئی تعلق نہ تھا اور برطانیہ میں کسی ملکہ کرسٹیناؔ کا وجود نہ تھا۔ بے شک ایک فرانسیسی سیاح کاونٹ ڈی گرامونٹؔ نے یہ تبصرہ کیا کہ انگریز ''اتنے غیر مہذب ہیں کہ ابھی تک انہوں نے عشق کی نفیس ترین قسم کے متعلق کچھ نہیں سنا جو قدیم یونان میں پایا جاتا

تھا۔'' سیفو ویت کے متعلق معلومات چند قارئین تک اس لئے محدود تھیں کہ وہ سیفو، لوسیان اووڈ اور مارشیل کی شہوانی تحریروں کی رمز کشائی نہیں کر سکتے تھے۔

اس کے باوجود سترہویں صدی کے آغاز میں ایک منظوم خط میں جو جون ڈون کو بھیجا گیا اس کے دوست تھومس وڈورڈ نے ایک خیال انگیز استعارے کے ذریعے اپنی باہمی آرزوؤں کو ''ایک پاک دامن اور صوفیانہ مساحقہ بازی کہا۔'' یعنی یہ ایک سیفو ویت والا معاملہ ہے جس میں اس کا ٹنا ''رگڑا جاتا ہے اور کھجلایا جاتا ہے۔'' ڈون کو چاہئے ''کہ اس کی کچھ ندی خرچ کرے۔'' یہ زمانہ ۱۵۹۰ء کا ہے جب یہ سطریں لکھی گئی تھیں۔ ڈون ان دنوں لندن میں قایم رنز آف کورٹ کا رکن تھا جہاں یونیورسٹی سے گریجویشن کی سند رکھنے والے طلباء قانون کا مطالعہ کرنے آتے تھے اور اس بات پر فخر کرتے تھے کہ وہ ادب کے شناور ہیں۔ اس لئے ہم فرض کر سکتے ہیں کہ اس دانشوارنہ فضا میں جو جسارت سے مملو تھی ڈون نے یہ لکھا ''سیفو سے فیلانیس'' ایک قابل ذکر نظم جس میں چپٹی بازی والے عشق کی مدح وثنا کی گئی تھی (یہاں پر ڈون مارشیل کی اصطلاح ''فیلانیس'' استعمال کرتا ہے جو یونانی میں لزبین کی مخصوص اصطلاح ہے۔'' ''سیفو سے فاون'' میں اووڈ نے یہ دکھایا ہے کہ سیفو ایک وجیہہ جوان ملاح کے عشق میں مبتلا ہوجاتی ہے جس کے لئے وہ اپنی خواتین عشاق کو تج دیتی ہے۔ ڈون اووڈ کی تحریر کو الٹ دیتا ہے اور اپنی خود کلامی میں سیفو فاون کے لئے اپنے جذبات کو ادا کر دیتی ہے اور کسی اور عورت کے لئے اپنے فنافی الذات عشق کو جایز ٹھہراتی ہے۔

قاری اس پر حیران رہ جاتا ہے کہ ڈون ایسی انقلابی عبارت کیسے لکھ گیا جو اپنے عہد کے اخلاقی اور مذہبی عقاید کے بالکل برخلاف ہے۔ ''سیفو سے فیلانیس'' راسخ الاعتقادی کے منہ پر طمانچہ تھا جب اس قسم کے عشق کی مدح وثنا کی جائے جسے معمول کے مطابق خلاف فطرت کہہ کر مذمت کی جاتی ہو۔ ڈون کی سیفو یہ کیوں پوچھتی ہے کہ کیا وہ ''کسی درشت اور اجڈ مرد کو جوتنے کے لئے آنے دے'' جب کہ کسی عورت کا عشق کسی بھی قسم کا ملامتی ثبوت نہیں چھوڑتا ماسوائے ''سرور'' کے۔

اور ہم دونوں کے درمیان صرف سرور ہی ملتا ہے

اور کُل جو بھی فطرت نے فصل تیار کی ہے یا پھر فن اضافہ کر سکے
میرے دو ہونٹ، آنکھیں، رانیں تیری والیوں سے مختلف ہیں
لیکن میری والیاں بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں
اور آہ اس سے زیادہ نہیں، مشابہت بھی ایسی ہے
وہ کیوں نہ چاہیں گی کہ ہر عضو کو چھوا جائے؟
ہاتھ کو اجنبی ہاتھ اور ہونٹ کو کوئی اور ہونٹ نہ چھوئے
کیوں نہ پستان سے پستان ٹکرائے یا پھر ران سے ران

''سیفو سے فیلانیس'' میں سیفو ویت والے عشق کی اس لئے تعریف و توصیف ہوتی ہے کیونکہ اس کا دارومدار اختلاف کے بجائے ''ہم رنگی'' پر ہوتا ہے۔

لگتا ہے مردانہ ہم جنس پرستی کے متعلق ڈونؔے کا طرز عمل روایتاً منفی تھا۔ جین موئیلر کی دانست میں ڈوؔنے نے شہوانی مساوات کا مثالی نمونہ اس لئے نسوانی اصطلاحات میں تشکیل دیا ہے کیونکہ چپٹی بازی کا ذکر زبان پر شاذ و نادر آتا اور اس لئے مردانہ عشق کے مقابلے میں اس زمانے میں بہت کم تنقید ہوتی۔ لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ اس زمانے میں مساحقہ بازی کو سخت مخالفین کا سامنا تھا۔ اس کی کتاب جو نامور عورتوں پر ہے ڈونؔے کے ہم عصر تھومس ہیوؔڈ نے کچھ اس طرح کہا ''لغو اور ممنوع تعیّشات'' (ہوس والی) کا بہتان سیفو پر لگا دیا گیا۔ اغلب یہ ہے کہ ڈونؔ کے لئے عورتیں بڑی باعث کشش تھیں اس لئے اس کے لئے یہی واحد راستہ تھا کہ وہ ان عورتوں میں پائے جانے والے باہمی احساسات سے ہمدردی کا اظہار کرے۔ وہ کوئی تنہا پر جنسیہ مرد نہ ہوگا جس نے اپنے زور تخیل سے اسے ہیجان انگیز پایا ہو۔ بعد کے زمانے میں جب ڈونؔے مقدس احکام کے تحت انجیلیکن ڈین بن گیا تو اس کے پاس کوئی راستہ نہ رہا ہوگا سوائے اس کے کہ پالؔ کی عاید کردہ ممنوعات کی توثیق کردے۔ لیکن بطور ایک نوجوان شاعر کے جب اس پر ایسی پابندیاں نہیں تھیں تو اس میں ایک تخیلی ہمدردی نے جنم لیا جس نے صدیوں پرانے تعصّبات کو سمیٹ دیا۔

سترہویں صدی کے انگلینڈ میں تین شاعرات۔ کیتھراین فلپسؔ، نیوکاسل کی ڈچز اور آفرا بیہنؔ ان کا چپٹی بازی کی ادبی تاریخ میں ایک مقام ہے۔ ان میں سے کیتھراین فلپسؔ

سب سے زیادہ مبہم واقع ہوئی ہے۔ اور ''انگریز سیفو'' کہلائی۔ فلپس نے اپنی نظموں میں عورتوں کو مخاطب کیا جس سے ایسی جنونی قربت جھلکتی ہے جس سے عشق کا معاملہ ثابت ہوتا ہے۔ ۱۶۴۸ء میں کیتھراین جب سولہ برس کی تھی تو اس نے جیمز فلپ سے شادی کر لی جو اس وقت چون برس کا تھا۔ لیکن اس کی زندگی کا زیادہ حصہ ''سماجی دوستوں'' کے گرد گھومتا تھا جو زیادہ تر خواتین تھیں۔ ان پر وہ اپنی محبت نچھاور کرتی اور خود کو ''اورنڈا'' کہتی اور دیگر عورتوں کو گلہ بانی کی اصطلاح میں Precieuse نام دھرتی اسی طرز میں جنہیں چارلس اول کے عہد میں فرانسیسی ملکہ نے مقبولیت بخشی تھی۔ ہنسر یٹا ماریا اس کا پہلا شوق ماری اوبری (روزاینہ) تھا۔ جسے وہ لکھتی ہے ''اس کا چہرہ اتنا درخشاں ہے / جو کسی عاشق کو گوشہ نشین بنا سکتا ہے۔۔۔ کیونکہ تیری ہر نظر قتل عام ہے۔'' جب روزاینہ کی شادی ہوئی تو کیتھراین نے اس کی بالا علان یہ کہہ کر مذمت کی کہ وہ ''حسین مرتد'' ہے۔ اس کے بعد کیتھراین نے اپنی محبت کا رخ اپنی اوون کی جانب موڑ دیا جسے وہ ''لوکاسیا'' کہتی۔ اپنے خط میں یوں خطاب کیا '' میری اعلیٰ مرتبت لوکاسیا، ہماری دوستی پر۔'' فلپس یہاں پر جون ڈون کی نظموں کا اسلوب اختیار کرتی ہے تاکہ اپنے آتش شوق کو بیان کر سکے۔

میں اس وقت تک نہ سمجھ پائی
کہ میری شادمانی کا سبب کیا ہے
جب میں کہہ سکتی بلا کسی جرم کے
کہ میں تو نہیں، بلکہ تو ہی میں ہوں
یہ ڈھانچہ سانس لیتا ہے چلتا ہے اور سولیتا ہے
جیسا کہ دنیا سمجھتی ہے
ہاں روح بھی ہے جو حرکت کا سبب ہے
لیکن وہ سب ہی فریب میں پڑے رہے
کیونکہ جیسے گھڑی میں ہنرمندی سے کوک بھری جاتی ہے
میری حرکات و سکنات بالکل ویسی ہی ہیں
لیکن جیسے اورنڈا ملنا تھا نہ ملی

جب تک اسے تیری روح نہ مل گئی

کیتھراین کے جذبات کی گہرائی جو اس نظم میں اپنی ہم جنس کے لئے ہے وہ ہمیں شیکسپیئر کی سونیٹ سے موازنہ کرنے کو اکساتی ہے۔ لیکن شیکسپیئر کے برعکس فلپس دوستی اور عشق کے درمیان امتیاز کرتی ہے—— دوستی کی تعریف ہے "عشق نتھرا ہوا اور ہر میل کچیل سے محفوظ" آتش شوق سے توانا "مگر ایسا مستانہ بھی نہیں" فلپس ۱۶۶۴ء کے عظیم طاعون کے زمانے میں چیچک میں مبتلا ہو کر مرگئی وہ ابھی اکتیس سال کی تھی۔ جان ڈرائیڈن اور جرمی ٹیلر نے اس کی نظموں کو سراہا اور ابراہام کاولے نے تعریف کرتے ہوئے یہ احتیاط کی اور کہا کہ اس میں سیفو والے "بداطوار" نہ تھے۔ اپنے ہم عصروں میں وہ نہ صرف "لاجواب" نہ تھی بلکہ پاک دامن اور نڈر تھی۔ چاہے اس کی نظمیں نئی روایات کی روحانی دوستی کی حامل نہ ہوں جو عورتوں کے مابین ہوتی ہیں یا پھر چاہے ان سے چپٹی بازی کا عنصر جو اس کی نفسیات میں جھلکتا ہے اب بھی جواب طلب ہے

ایک منظوم ڈرامہ جو نیو کاسل کی ڈچز نے لکھا اس میں سیفو ویت کو اچھی طرح واضح کیا۔ مارگریٹ لوکاس جو ہنریٹا ماریا کی مصاحبت کی ملازمت کرتی تھی اس نے ولیم کیونڈش سے شادی کی تھی جو پہلے مارکویس تھا اور بعد میں نیوکاسل کا ڈیوک بنادیا گیا۔ ۱۶۴۵ء میں جب وہ بائیس برس کی تھی تو اس کا شوہر اکیاون سال کا تھا۔ کیتھراین فلپس کے برخلاف جس نے ہر معاملے میں تقلیدی رویہ رکھا اور اپنے عہد کے مجلسی آداب میں تکلفات کی غلو کی حد تک پیروی کی۔ لیکن ڈچز قابل ذکر حد تک من موجی تھی۔ وہ مردانہ اور زنانہ کپڑوں کے امتزاج والا پوشاک زیب تن کرتی جس سے اس کے عمدہ خدوخال اشتعال انگیز ہوجاتے جس کا اہم عنصر متعجب کرنے والا چاک گریبان ہوتا۔ دوشیزاؤں کی مانند گھٹنے خمیدہ کر کے ادب کرنے کے لئے وہ مردوں کی طرح خمیدہ کمر ہوجاتی۔ ملکہ کرسٹیانا جو ڈچز سے اینٹورپ میں ملی تھی اس کے سال بھر بعد اس نے سویڈن چھوڑ دیا تھا ہو نہ ہو اس نے اس کی ذات میں کوئی شعلہ فروزاں دیکھا ہوگا۔ اس کی تحریر و تصنیف میں ورود ایک اور شعلہ جوالہ تھا کیونکہ کسی عورت کا کہہ کر بطور مصنف شہرت حاصل کرنا اسے بھی ایک اور قسم کی "بے حیائی" سمجھا جاتا تھا۔ ڈچز نے ۱۶۶۸ء میں ایک مجموعہ مضامین شایع

کیا ''ڈایلاگ اپون سیورل سبجیکٹس'' مگر خیالی کھیلوں کی شکل میں ایک فلسفیانہ رومانس ''مسرت کی خانقاہ Convent of pleasure کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ یہ کسی انگریز عورت نے براہ راست عورتوں کے مابین ہونے والے عشق کو پہلی مرتبہ چھیڑا۔

اس یوٹوپیائی افسانے میں لیڈی ہیپی مردانہ جنسکاری سے احتراز کرتی ہے اور ایک لڑکیوں کی خانقاہ میں جا کر قیام کرنے لگتی ہے جو تارک الدنیا نہیں ہے بلکہ امیرانہ ٹھاٹ باٹ والا ہے۔ وہ محصور ہے مگر مرد کا گزر نہیں ہوتا۔ معزز خواتین خشمگیں اور خاموش اداکاراوں کا ڈرامہ دیکھتی ہیں جو ان عورتوں کے مصایب پر ہوتا ہے جو شادی کرتی ہیں۔ جب وہاں دورے پر آنے والی ایک شہزادی جس کے ''تیور واقعی مردانہ'' تھے سب میں گھل مل جاتی ہے اور اجازت چاہتی ہے کہ اسے بھی مردانہ کپڑوں میں ملبوس ہو کر ڈرامے میں شرکت کرنے کی اجازت دی جائے لیڈی ہیپی اسے ممنون کرنے پر آمادہ ہے اس کے دماغ میں اس وقت خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگتی ہیں جب اسے یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ خود ''مسمات'' کے عشق میں مبتلا ہو چکی تھی۔ اسے لیکن اس بات سے ڈھارس ہوئی۔ اور ایک انقلابی خیال۔ کوندا۔ '' میں کیوں نہ کسی عورت سے اسی طرح عشق کروں جیسا کہ میں کسی مرد سے کر سکتی ہوں۔'' یہ ایفس کی آہ و بکا سے کہیں آگے کی بات ہے۔

دونوں ہی عورتیں افلاطونیت کے سحر سے جلد ہی دور نکل جاتی ہیں۔ اسٹیج کے اداکاروں کو دی جانے والی ہدایات سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ''وہ ہم آغوش ہوتی ہیں، بوس و کنار کرتی ہیں اور ایک دوسرے کو بازووں میں لئے رہتی ہیں۔'' (۱:۴) جلد ہی یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ وہ ایک دوسرے کو چوم رہی ہیں'' وہ بھی اس مستعدی سے جس کی عورتیں عادی نہیں ہوتیں جس میں ایک قسم کی ترغیب بھی شامل تھی۔'' (۱:۵) اصلاح دین کے زمانے کے طربیے میں مردانہ ہم جنسی کے قصوں کو مضحکہ خیز یا غیر شایستہ شمار کیا جاتا۔ 'مسرت کی خانقاہ' میں عورت سے عورت کی ''مڈبھیڑ'' کو کسی رومانس کا پرتو بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے اس کھیل کو یہ نام دیا گیا'' ایک غیر معمولی مایل بغاوت چپٹی بازوں کا معاشقہ۔'' یہ ایما ڈونوگھ کا دیا ہوا نام ہے۔ اگر روایات کے نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو ڈچز کو شہزادی کو بالآخر شہزادہ دکھانا چاہئے تھا۔

افرا بیہن تو اور بھی غیر روایتی ذات نکلی۔ اس کی پرورش ولندیزی سری نام میں ہوئی اور کچھ عرصے کے لئے اس کی شادی کسی ولندیزی تاجر سے بھی چلی۔ بیہن نے اینٹورپ میں بطور انگلش جاسوس خدمات انجام دیں۔ ایک ناول لکھا (اورونوکو) جس میں سیاہ فام غلام ہیرو تھا۔ ایک درجن یا کچھ اوپر کامیاب مزاحیہ تحریروں کے زور پر وہ پہلی انگلش عورت ٹھہری جس کا گزارہ قلم کی کمائی پر تھا۔ ہم عصروں نے اس کی یہ کہہ کر داد دی کہ وہ "زنانہ شیرینی اور مردانہ آن بان" کا نمونہ ہے اور اس میں نرزایہ موجود ہے۔ اور اس کی شاعری میں "دونوں اصناف کا حسن پایا جاتا ہے۔" اس کی زیادہ تر شہوانی نظمیں مردوں سے مخاطب ہو کر کہی گئی ہیں لیکن چند ایک میں عورتوں سے بھی کشش کا احساس ہوتا ہے جس سے یہ احتمال ہوتا ہے کہ وہ دو جنسیا تھی۔ "اس پری وش کلارینڈا کے لئے جس نے مجھ سے اختلاط کیا اور مجھے عورت سے بڑھ کر سمجھا جس میں متضاد جذبات کی فراوانی ہے"۔ "بے مثال آفرا" صنفی ابہام سے اس طرح کھیلتی ہے جیسے شیکسپیئر اپنے اس سونیٹ میں کھیلتا ہے جو "ماسٹر۔مسٹریس" (Master-Mistress) کہلاتا ہے۔

کھلی کھلی سی دلکش خادمہ، یا اس کا یہی عنوان ہو
نہایت نازک تیری نیکی کے لئے تیری دوشیزگی زیادہ ہے
ایسا نام لو جو سچ کا بڑھ کر ہاتھ تھام سکے
اور مجھے اس دلفریب اور دلکش جوان کو بلانے دو
آخر والا ہی میرا نام شکوہ رفع کرے گا
جب کہ یہ بھی ممکن ہے کہ میرے انقباض کو کم کردے
اور بغیر کسی لاج کے اے جوان میں تیرا تعاقب کرتی ہوں
جب کہ چہار جانب حسین عورتوں کی بہار آئی ہوئی ہے

بیہن بڑی ہوشیاری سے ان رواجوں کا استعمال کر رہی ہے تاکہ انہیں کھوکھلا کردے۔ کلارینڈا کو ایک "دلکش خادمہ" کہا مگر اس سے وہ انصاف نہ کرسکی۔ کیونکہ اس جوان مرد میں شریف آدمی کے دیگر اوصاف بھی موجود ہیں۔ لیکن اگر وہ واقعی (عورت کے بجائے) کوئی جوان مرد ہے تب آفرا حق بجانب ہوگی کہ ایک نظم اس کے لئے کہے۔ جب

کہ دوسری جانب کلارینڈا کی زنانہ حیثیت کسی بھی اخلاقی اعتراض کو رفع کرسکتی ہے۔ کیونکہ عورت کا عورت سے عشق روایتاً کوئی جنسی مسئلہ نہیں سمجھا جاتا بیہن اس پر بہت خوش ہے جب دونوں مزے اڑاتی ہے۔

تیری دلفریبی سے ہم جو جھتے ہیں مگر لاچار ہیں
تیرے جھوٹے وعدے ان سے ہمارا درد ہی بڑھتا ہے
جب کہ اجلی پری اس طرح بے وفائی کرتی ہے جیسے دیہاتی جوان ہوں
ہائے افسوس کہ، تم میری ہی جنس میں پیدا ہوئی ہو
یوں ہم عشق بھی کریں گے اور معصوم ٹھہریں گے
یہ بھی یقینی ہے کہ ہم سے کوئی جرم سرزد نہیں ہوسکتا
اور اگر ایسا ہو بھی گیا—— تو تم معاف کردو گی

لیکن بیہن کہیں زیادہ بلاواسطہ اسلوب میں دوسری عورت کے لئے اپنے احساسات کو بیان کرسکتی تھی۔ ایک نظم جو ۱۶۹۲ء میں شایع ہوئی یعنی اس کی موت کے تین سال بعد، ایسا عنوان لئے ہوئے ہے جو کسی اعتراف سے کم نہیں۔ اشعار جو مسز اے بیہن نے نظم کئے جسے کسی حسینہ کو بھیجا جانا تھا جو یہ چاہتی تھی کہ اپنی عدم موجودگی سے اس کے عشق کا علاج کرے گی۔ آغاز یوں ہوتا ہے۔

بے کار ہی میں جنگلوں اور صحراؤں میں ماری ماری پھرتی ہوں
تا اس دلربا کو فراموش کردوں جس پر میں فدا ہوں
میرا پہاڑوں کی کھو میں پڑا رہنا بھی اتنا ہی بے سود ہے
عشق تو ایسی جگہ پیوست ہو جاتا ہے جہاں کرن بھی نہیں داخل ہوسکتی
جتنا میں ہاتھ پاؤں مارتی ہوں تو میرا غم واندوہ کہتا ہے
تو اس طرح کیوپڈ کی زنجیروں میں مزید بڑھتی جائے گی

یہ نظم جس میں اووڈ کا مصرع طرح سامنے رکھ کر اووڈ کے رنگ میں کہنے کی کوشش کی گئی ہے مگر جذبات خالصاً سیفو کے ہیں۔ ممکن ہے یہ انگریزی میں پہلی مرتبہ ہوا ہو جس میں کوئی عورت غیر مبہم انداز میں برملا کسی عورت کے لئے اپنی شہوت انگیزی کو بیان کررہی

ہو۔ یوں اس نے ایک خطرناک راستے پر چلنا شروع کردیا۔ پھر بھی اپنی غیر روایتی طرز زندگی اور رسوائے زمانہ معاشقوں کے باوجود بہن کی تدفین ویسٹ منسٹر ایبے کے قبرستان میں ہوئی جب اس کا ۱۶۸۹ء میں انتقال ہوا۔

ولیم ۔سوم انگلینڈ میں:

ہم پہلے ہی اورنج کے ولیم کو یورپ کے اسٹیج پر بطور جنرل دیکھ چکے ہیں۔ لیکن انگریزوں نے اس کے ساتھ کیا کیا جب وہ ۱۶۸۹ء میں ان کا بادشاہ بنا۔ یہ ایک عہدہ تھا جس کے لئے اس کے دو دعوے تھے۔ اس کی بیوی میری۔ دوم۔ جیمز۔ دوم کی بڑی بیٹی تھی لیکن اس کی ماں ایک اور میری اسٹوورٹ تھی جو چارلس۔ اول کی بیٹی تھی۔ مزید براں چونکہ اس کی ماں ہنریٹا ماریا کی بیٹی تھی جو لوئیس۔ سیزدہم کی بہن تھی یوں وہ موسیو کی فرسٹ کزن ہوئی۔ اس طرح ولیم ہم جنس پرستی پر عامل شاہی خاندان کی طرف سے سٹوارٹ اور بوربون ہر دو جانب سے ماں کی طرف سے رشتہ تھا۔ اسی دور کے دو اور جنرل گریٹ کونڈے اور ڈک ڈی ونڈوم بوربون موروثی سلطنت کے رنگروٹوں کے شعبے سے تعلق رکھتے تھے۔ کہ یہ لوگ جو اپنی ہی جنس کے لوگوں کے حامی تھے وہ سترہویں صدی کے رہنماؤں کو قبول کرلیتے انہوں نے ولیم کو ضرور تسلی دی ہوگی ۔ تاہم اس میں ایک اہم فرق بھی تھا شہزادہ اور ڈیوک کیتھولک فرانس میں آزاد خیال لوگ تھے۔ ولیم کٹر مذہبی پروٹسٹنٹ تھا جس کی نظر میں ایک ہی جنس والوں میں ہونے والا عشق ایک لاطینی یا پوپ کی پھیلائی ہوئی بدی تھی۔

اس کا باپ اورنج کا ولیم ۔ دوم ۱۵۶۰ء میں اپنے بیٹے کی پیدائش سے ہفتہ بھر پہلے چیچک میں مبتلا ہوکر مر چکا تھا۔ اورنج کے شہزادے روایتاً ''Stdadtholoders'' ہوتے —— یعنی نیشنل مجسٹریٹ جو ولندیزی فوج کے زمانہ جنگ میں سپہ سالار بن جاتے۔ لیکن قومی پارلیمنٹ کے رہنما جو ریپبلک میں اشرافیہ کے اثر ورسوخ کو محدود کرنے کے خواہاں تھے نے جوان شخص کو یہ عہدہ دینے سے انکار کردیا۔ اس وقت تک جب تک

فرانس نے ۱۶۷۲ء میں ولندیز پر دھاوا بول دیا اور پیدا ہونے والی افراتفری میں انہیں کمان سونپ دی گئی۔ نوجوان جنرل نے غیر منظّم دستوں کو از سر نو منظّم کیا، فرانسیسیوں کو مار بھگایا اور یہ لقب جیت لیا، ''پدر وطن کے بازیاب'' کرانے والے۔ اس کے بعد ولیم کا اہم ترین مقصد لوئیس۔ چہار دہم کی جارحیت کا تدراک کرنا تھا۔ اس کی ایسا کرنے کی صلاحیت میں قابل ذکر توانائی اس وقت آ گئی جب ۱۶۸۸ء میں انگلینڈ کے مخالفین نے اسے مدعو کیا کہ وہ اس کے چچا اور خسر جیمز دوم کا تختہ الٹ دے جس کی کیتھولک دوست پالیسوں نے ایک عمومی گھبراہٹ کو جنم دے دیا تھا۔ یوں ولندیری کا لونیسٹ رہنما جو پروٹسٹنٹ یورپ کے تھے انگریز حامیوں کے لئے مسلّم 'نجات دہندہ'' برائے اینگلیکن انگلینڈ بن گئے۔ جیمز کا بے جاطرفدار، ایک بدیسی غاصب تھا جس کے جنسی مشاغل مشکوک تھے۔ ایک جیکوبی طنز نگار نے اس مخمصے پر تعجب کا اظہار یوں کیا تھا۔

صاحب تنازعہ کچھ یوں ہے
رعیت اس میں سر کھپا رہی ہے
کہ جناب کا عشق اطالوی ہے اور آپ کی حکومت ڈچ
ہائے! کیا کسی کے خیال میں آیا ہوگا کہ نشیبی ملک کا آختہ گھوڑا
اور پروٹسٹنٹ بادشاہ خود کو اطالوی ثابت کریں گے؟

ولیم۔ سوم ایک متین اور سنجیدہ شخص تھا اور اپنے تاجور پرکھے ولیم، خاموش کی طرح کم آمیز تھا۔ تاہم وہ نہ تو پارسائی پر کاربند تھا اور نہ ہی کٹر مذہبی۔ اس کی تربیت جنگجوئی اور مدبری کے لئے کی گئی تھی۔ ادب کے لئے اس کے پاس وقت نہ تھا لیکن آرٹ اور تعمیرات کے واسطے بڑا شوق رکھتا۔ ذہین، منصف مزاج اور لئے دیے۔ اس کے اطوار ایسے نہ تھے جن کا اثر دیر تک رہے اور اس کا لئے دیے رہنے سے انگلینڈ کے سیاسی طبقے سے بیگانگی پیدا کر دی جنہوں نے ولیم کے لئے کبھی گرم جذبات نہ محسوس کئے جیسا کہ وہ اس کی بیوی میری کے لئے محسوس کرتے تھے۔ میدان کارزار میں اپنی توانائی اور شجاعت کے باوصف اسے سٹین کرک کے مقام پر ۱۶۹۲ء میں شکست کا منہ دیکھنا پڑا اور لانڈن میں ۱۶۹۳ء میں جس کے بعد اسے نامور کے مقام پر ۱۶۹۵ء میں کامیابی ملی۔ اس سب کے باوجود اس نے

بڑی کامیابی سے پروٹسٹنٹ اور کیتھولک سلطنتوں کے دشوار اتحادیوں کے ذریعے کئی مہموں کے درمیان لوئیس کی قوت کو حدود میں رکھا۔ اسقف گابرٹ برنیٹ جو ولیم کو سولہ برس سے جانتا تھا اور اس کی جنسیاتی فطرت سے واقفیت رکھتا تھا اپنی کتاب Histoy of his own time میں لکھتا ہے ۔ میں اسے ایسے شخص کی حیثیت میں جانتا ہوں جسے خدا نے فرانس کی طاقت کی مزاحمت کے لئے پیدا اور پروان چڑھایا اور استبداد اور داروگیر کے لئے۔ اورنج کے پانچ شہزادوں کا سلسلہ جس کا اس کی ذات پر آ کر خاتمہ ہوا۔ جو جانشینی کے پانچوں ہیرو میں شریف ترین تھا جو آپ کو کسی بھی تاریخ میں ملیں گے۔۔۔ اس سب کے باوجود اس کی غلطیوں اور کمزرویوں کی وجہ سے اس کے مقام میں جو بھی کمی آ جائے اس کے باوجود تاریخ کے عظیم ترین شہزادوں میں اس کا شمار ہوگا اور اس میں بھی شک نہیں کہ کسی اور تاریخ میں بھی ہم پلہ نہ ملے گا۔ فرانسیسی سالار جو اس سے ورسیلز پر اکثر جنگ آزما ہوئے انہوں نے اس کی ستایش ہی کی ''کہ دنیا کا سب سے عمدہ شہزادہ۔''

ولیم اپنی ولندیزی کزن سے ۱۶۷۷ء میں اس لئے شادی کر چکا تھا تا کہ اس اتحاد سے فرانس سے جاری جدوجہد میں حلیف مل جائے۔ لیکن جلد ہی اس کے دل میں میری کی گہری محبت جاگ اٹھی جو خود بھی اس پر فریفتہ ہوگئی۔ تاہم اس سے بادشاہ کی الیزبتھ ولیرز سے دس سالہ شیفتگی متاثر نہ ہوئی جو کئی حاضر باش خواتین میں سے ایک تھی۔ جو حاضر جواب، ذہین اور عموماً اس کی داشتہ سمجھی جاتی تھی۔ لیکن ولیم کے گہرے اور دیرپا بندھن جو تاحیات رہے وہ مردوں سے تھے۔ ان میں سے سب سے زیادہ اہم ولیم بینٹنک تھا جو ولندیزی اشرافیہ کا تھا اور ولیم سے سال بھر بڑا تھا اور سولہ سال کی عمر میں خانہ زاد ملازم کی حیثیت سے داخل ہوا تھا۔ ولیم ہی کے مانند وہ سنجیدہ لایق اور باضمیر تھا، وہ جلد ہی اس کا بہترین دوست بن گیا، مشیر اور بااعتماد سیاسی رازداں ۔ یہ ایسا کردار تھا جو اسے تیس سال تک نبھانا تھا۔ جب پچیس برس کی عمر میں شہزادے کی جان کو چیچک سے خطرہ پیدا ہوا تو اس کے ڈاکٹروں نے اپنے زمانے کے دستور کے مطابق یہ حکم جاری کیا کہ کوئی اس کا ہم عمر شخص اس کے بستر میں سویا کرے۔ ''تا کہ بخار اتر کر اس پر چڑھ جائے۔'' بینٹنک جس نے بڑی جاں نثاری سے بیمار ولیم کی بیماری کے کمرے میں خدمت کی تھی، رضا کارانہ خود کو پیش

کردیا۔ شہزادہ جانبر ہو گیا مگر بینٹنک پر عارضے نے حملہ کردیا لیکن وہ بچ گیا۔

ان کی یگانگت اس وقت بھی جاری تھی جب ولیم انگلینڈ کے تخت پر بیٹھا۔ جہاں پر اس کی بڑی بڑی اراضی کے بخششوں اور محلات کو ولندیزی منظور نظر کو دینے پر پارلیمنٹ میں سخت تنقید کا جواز پیدا کردیا۔ تب ۱۶۹۲ء میں ایک ولندیزی بنام آرنلڈ جوسٹ وان کیپل نے ولیم کی توجہ اپنے جانب مبذول کرائی۔ کیپل تئیس برس کا وجیہہ اور تمام معاملات میں بینٹنک کی ضد تھا۔ نہایت خوش باش، دلبستگی کی باتیں کرنے والا اور چوتیا شہید۔ جلد ہی کیپل کو عمر رسیدہ شخص کے مقابلے میں بادشاہ کی زیادہ قربت حاصل ہوگئی اور کنگسٹن محل میں بینٹنک کی رہائش کا کمرہ جو ایک خفیہ دروازے کے ذریعے ولیم کے کمرے سے منسلک تھا اسے واپس لے کر کیپل کو دے دیا گیا۔ جب ۱۶۹۴ء میں چیچک سے میری کا انتقال ہوا تو بادشاہ جو اپنی بیوی کے کمرے میں ایک تخت پر اس کی بیماری کی وجہ سے سویا کرتا وہ اس غم میں فی الحقیقت بیمار ہو گیا اس بحران میں وہ نوجوان پر مزید انحصار کرنے لگا۔

معاملہ اس وقت اور بگڑ گیا جب دونوں منظور نظر لوگوں کے سامنے طنز وا نچھر کرنے لگے اور بعد میں لڑ پڑے۔ بینٹنک جو اب پورٹلینڈ کا ارل تھا وہ پورے یورپ میں سب سے امیر رعیت تھا۔ اب کیپل پر بھی تحایف کی ارزانی ہونے لگی جسے نوابی عطا کر کے البی مارلے کا ارل بنا دیا گیا۔ برہم اور حسد کا مارا اور بالعموم کاہل الوجود عمر رسیدہ شخص نے بادشاہ سے درخواست کی کہ اسے درباری فرایض سے سبکدوش کردیا جائے تاکہ وہ جدا ہو کر تنہائی کی زندگی بسر کرے۔ جب ولیم نے اس سے اس کا سبب دریافت کیا تو بینٹنک کا جواب بم دھماکے سے کم نہ تھا۔

> عالم پناہ یہ آپ کی عزت افزائی ہے جو میرے دل پر ہے اور آپ کی رحم دلی ہے جو عالی مرتبت ایک کم عمر پر ارزانی فرماتے ہیں اور وہ اطوار ہیں جن سے یوں لگتا ہے جیسے اسے کھل کھیلنے کی اجازت ہو کہ وہ شوخ چشم ہو جائے اور دنیا کی ایسی باتیں کہنے کا موقع ملتا ہے جنہیں سن کر مجھے شرم آتی ہے اور جن سے یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ آپ مجھ سے اتنے دور جا چکے ہیں جیسا کہ دنیا میں دوسرے۔ میں تو یہ سمجھا تھا کہ یہ سب عیب انگلینڈ میں ان ناہنجار چیزوں کو نہ جانے کس نے ایجاد کیا تھا۔

مجھ پر تو بجلی کڑک کر گری جب یہ معلوم ہوا کہ ہیگ اور فوج نے اس قسم کا علم الکلام وضع کیا تھا جس سے عزت خاک میں مل کر رہ گئی اور یہ نوبت اس سے پہلے کبھی نہ آئی تھی۔

بات صاف تھی کہ بادشاہ اور کیپلر کے مابین معاشقہ ہو جانے کی افواہیں انگلینڈ میں ولیم کے دشمنوں کے علاوہ اس کے اپنے وطن نیدرلینڈ میں اور اس فوج میں بھی گشت کر رہی تھیں جو اورنج کے خانوادہ پر فدا تھیں۔ ولیم جو اب بھی بینٹنک کو بہت اہمیت دیتا تھا بہت فکرمند ہو گیا جب اپنے تیس سال کے دوست سے جدا ہونے کا خیال آیا۔ اس نے اسے یقین دلایا کہ ''میں تو تم سے اسی طرح محبت کرتا ہوں جیسی پوری زندگی بھر کی ہے اگر چہ تمہیں اس کا اعتبار نہ آئے گا۔'' اور یہ جواب دیا۔

تم مجھے بتاتے ہو کہ تمہارے خیال میں میں تم سے اتنا دور ہو چکا ہوں جیسا کہ دنیا کو کوئی اور فرد یہ سب ان بدشکوک کا کیا دھرا ہے جو لوگوں نے میرے متعلق پھیلائے ہیں۔ اور تم نے یہ سمجھ لیا کہ جب تک تم یہ دیکھو گے کہ وہ کیا چیزیں ہیں جو مجھے برباد کر رہی ہیں۔ اور تم اسی لئے علیحدہ ہونا چاہتے ہو کہ اس غم سے بچو جو تم محسوس کرتے ہو۔ اور یہ بھی کہ یہ میری دانش اور احتیاط پر منحصر ہے کہ میں اپنی شہرت کو بچاؤں۔ بلاشبہ یہ مجھے ہمیشہ سے عزیز رہی ہے۔ لیکن یہ ایک خلاف معمول چیز لگتی ہے جسے کوئی دوسرا نہیں محسوس کر سکتا ہے وہ احترام اور محبت جو ایک نوجوان مرد کے لئے کر سکتا ہے بغیر مجرم بنے۔ میں معقول حد تک ہر وہ کام کروں گا جس سے ایسی ہولناک بہتان طرازی سے بچا جا سکے۔ لیکن میں یہ بھی اعتراف کرتا ہوں کہ یہ میرے سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ کیوں جدا ہونا چاہتے ہو اور اس کی کیا وجہ ہے۔ اگر یہ معلوم ہو جائے، جو ہو کر رہے گا جس سے مجھے گہرا خسارہ ہوگا اور جہاں تک تمہارا تعلق ہے تو سب ہی تمہارے رویے پر تمہیں ہی الزام دیں گے۔

ہم دیکھیں گے کہ بینٹنک ان خیالات کے تبادلے میں افواہوں پر کان دھرنے کو تیار نہیں ہے اور بادشاہ ان کی مذمت کرتے ہوئے ان کی تردید کرنے سے تکلف سے کام لیتا

ہے۔ تاہم بینٹنک کا یہ بیان کہ بادشاہ ''کبھی بھی اس نوعیت کے حملوں کا مرکز نہیں بنا۔'' یہ بھی غلط تھا۔ ایسے حملے درحقیقت وجود رکھتے تھے اور لاتعداد تھے جن میں بینٹنک خود ہی ہدف بن چکا تھا۔

ولیم کے پردادا جیمز اول کی ہم جنس پرستی کی داستان انگلینڈ میں کبھی زبان زد عام و خاص نہیں بنی تھی۔ تبصرے بالعموم خفیہ روزنامچوں اور یادداشتوں کی زینت بنے اور جیمز کی موت کے بعد شایع ہوئے۔ مگر ولیم کے زمانے تک صورتحال بدل چکی تھی آزاد گفتار احیائے دین کے شعرا اور ڈرامہ نگاروں نے اس ممنوعہ سناٹے کو پاش پاش کر دیا تھا اور اس تصنع کو کہ ہم جنس پرستی کا انگلینڈ میں کوئی نام نہیں جانتا اب اس کی وکالت دشوار تھی۔ بادشاہ کے معاملے میں سیاسی فضا زیادہ معنی خیز اور مسموم تھی۔ نئی نئی قائم ہونے والی پارٹیاں (وِگ اور ٹوریز) اس بات پر سختی سے بٹی ہوئی تھیں کہ کیتھولک جیمز کو کیوں نہ تخت و تاج سے جدا کر دیا جائے جیسا کہ فرانس میں ہنری۔سوم کے تحت ہوا جب ایک مہلک قومی لڑائی شروع ہوگئی جس کی جڑوں میں مذہب کے زیر اثر طنز نگاروں نے ایک تاجور کی جنسی ترجیحات کو خوب تشت ازبام کیا۔ یہ ایسا موضوع تھا جو عموماً اتنا نازک سمجھا جاتا کہ اسے چھیڑا ہی نہ جاتا۔

ولیم ۔سوم کے جدید سوانح نگاروں نے ان طنزیات کا حوالہ دینے سے اجتناب کیا ہے۔ ان میں ظرافت دھیمی ہے اور ان کے اشعار گھناؤنے ہیں۔ اور بادشاہ کے مداحین جو اس کی بحیثیت سپاہی، مدبر اور مسیحی کے بڑے تواتر سے یہ کہہ کر انہیں مسترد کر دیتے کہ یہ سب سیاسی مفادات کے تابع ہیں۔ مانا کہ یہ نظمیں بلاشبہ ''نمایاں طور پر بھدی'' ہیں اور جلی کٹی حد تک غیر منصفانہ حامی، اس سب کے باوجود یہ حقیقت اٹل ہے کہ وہ یکسانی کی حد تک اس خیال پر تکرار کا شکار ہیں جس سے ہمیں ہانپنے کا موقع ملنا چاہئے ۔ ہم کسی طرح بھولے پن سے اس مرغزار کی زمین پر مفروضہ نہیں قائم کر سکتے، جیسا کہ ان کے مدیر کا شعار ہے کہ وہ ''غالبًا بے پیندے کے ہیں۔''

ایسے حملے ولیم کی تاجپوشی کے بعد ۱۶۸۹ء میں شروع ہوئے جس میں بینٹنک کو اس کا عاشق کہا گیا۔ ''تاجپوشی کا عشقیہ گیت'' ایک تضمین ہے جو اسقف برنر کا تاجپوشی کے موقع

پر دیا جانے والے وعظ ہے جو ایک یعقوبی ہمدرد نے جو بادشاہ پر الزام عاید کرتا ہے کہ وہ بینٹنک کی ''گانڑ مارتا'' ہے۔ ان نظموں میں چند مواقع پر بینٹنک ''مغلم'' ہوتا ہے اور زیادہ تر'' گانڈو، جو فرانسیسی لفظ ''برڈاچ'' کی بگڑی ہوئی صورت ہے بہ معنی مفعول ہم جنس پرست 'دی ریفلیکشن' انعکاس ایک ایسی نظم ہے جو پارلیمنٹ پر اس لئے حملہ کرتی ہے کیونکہ اس نے جیمز۔ دوم کو تخت سے معزول کر دیا تھا اور یہ اعلان کیا کہ ''ولیم وان نساو بینٹنک (بارداشا) کی لیتا ہے/ ان کا قدیم کھیل عمورہ والا تعلق ہے۔'' ایک اور یعقوبی طنز نگار نے بینٹنک کو ''ایسا کونی کہا جو تن تنہا سلطنت چلاتا ہے۔'' متعدد لوگوں نے ایک قدیم اور پرانے بندھن کا اعادہ کیا اور ولیم پر الزام دھرا'' وہ اطالوی کھیلتا'' ہے وہ بھی اپنے دوستوں سے۔ ''جینی کروموبل کی اغلام بازی کے خلاف شکایت'' جو محض ایک دکھاوا تھا کہ جس میں لندن کی جسم فروش عورتوں کی برہمی کی نکاسی تھی اور وہ گھبرا گئی تھیں کہ ولیم نے ان کے مقابلے میں ایک اور بدی کو متعارف کرا دیا تھا۔ اس کا آغاز ڈرایڈن کی کہی ہوئی ایک تضمین میں یوں ہوتا ہے۔''Absalom + Achitophel''

تقوی والے زمانے میں، اغلام بازی نے سر اٹھایا
جب ہر جانب عورتوں کی حکومت تھی
ان دنوں اہل برطانیہ ملتے تو ایک دوسرے کا منہ ہی دیکھتے
اور اگر پیچھے سے کوئی دھکا لگا دیتا تو اسے دغا بازی اور برا کہا جاتا

ہم جنس پرستی سے متعلق الزامات کا بڑا غلبہ بینٹنک پر لگا۔ تاہم ۱۶۹۲ء کے بعد جب کیپل کا اثر ورسوخ بڑھ چکا تھا چند لوگوں نے اس کی جانب بھی اشارہ کیا۔ ایک طنزیہ نظم میں اس کا بھی ذکر پایا جاتا ہے اور دو دیگر درباریوں کا جو ولیم کی عنایات کے حصول کے لئے ہسکا کر رہے تھے۔

اپنے فدویوں کی محبت میں وہ جانبدار اور بے لگام ہے
اور رحمتوں سے مدبرین بن رہے ہیں اور کونیوں سے ارل
وہ کمرہ استراحت خدمت کی غرض سے چھوکروں سے بھرے ہیں
جیسے ایسیکس اور ونڈسر جس سے کیپل کو حسد ہوتی ہے

بات واضح ہے کہ یہ بدگویاں جو سب ہی مضحکہ اڑانا چاہتی ہیں دھمکاتی ہیں یا ولیم کی یوں تحقیر کرتی ہیں کہ ہم جنس پرستی کے رکیک جذبات کو انگیخت کرتی ہیں اور ان ذرائع سے حاصل کی جاتی ہیں جو سیاسی وجوہ پر بادشاہ کے لئے ضرر رساں ہوتی ہیں۔ لیکن ایسی شہادتیں بھی ملی ہیں جن سے لگتا ہے کہ ان میں ولیم کے مداحوں کو بھی ہاتھ تھا۔

ہم پہلے ہی اورلین کی ڈچز کا بیان سن چکے ہیں۔ جیمز۔اول کی پوتی کی بیٹی الیزبتھ کی بیٹی کی حیثیت میں جو بوہیمیا کی بدنصیب ملکہ تھی میڈم نے برطانوی معاملات میں گہری دلچسپی لی۔ جب وہ ابھی بچہ تھی تو ولیم کے ہمراہ ہیگ میں دھماکہ چوکڑی مچاتی رہی تھی اور مبہوت رہ کر اپنی خواتین رشتہ داروں کو دیکھا کرتی جو اس کی شادی کرنے کے منصوبے بنایا کرتیں۔ ایک مرتبہ جب وہ پیرس میں جم کر موسیو کے ساتھ رہنے لگی تو اس نے ولیم کا انداز اختیار کرلیا جس میں کھوجنا اور بدنصیب جیمز سے ہمدردانہ انداز میں موازنہ شروع کردیا۔ جو ان دنوں ورسایلز میں جلاوطنی کے زندگی بسر کررہا تھا، اسے کیتھولک تعصّبات سے کوئی غرض نہ تھی اور وہ گرجا کے سب سے معمولی عہدیدار کی جارحیت کے مقابلے میں بھی اسی کی مدافعت کرتی۔ ”میرے لئے اورنج کا شہزادہ بھی اتنا ہی قابل قبول ہے جتنے کہ تم بد ہو۔“ اس نے بادشاہ کو بتایا۔ ”اگر اسے بلا کر اس کے لوگوں نے تخت پر نہ بٹھایا جو اس کے ہم مذہب ہیں جنھوں نے میرے نزدیک کافی جبر واستبداد برداشت کیا ہے۔“

وہ ولیم کو ہم جنس پرست کہتی رہی جب وہ خط و کتابت کرتی۔ اس نے ۱۶۸۹ء میں اپنی چہیتی چچی صوفیہ کو قدرے نخوت زدہ انداز میں لکھا جو ہینور میں مقیم تھی۔ ”ہمیں بتایا جاتا ہے کہ آیرلینڈ کے ایک چھوٹے سے قصبے کی عورتوں نے شاہ جیمز کے خلاف علم بغاوت بلند کیا ہے اور اورنج کے شہزادے کے لئے ہتھیار اٹھائے ہیں وہ بھی محض عزت اور شہرت کی خاطر۔ کیونکہ کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کے دل میں ان کی صنف کے لئے کوئی ہمدردی ہے۔ اس کے متعلق یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ نہایت مختلف میلانات رکھتا ہے۔“ جب ولیم ایک محبت کرنے والا شوہر ثابت ہوچکا ہے۔ اس نے ۱۶۹۵ء میں دوبارہ لکھتے ہوئے کہا۔ ”یہ بھی سچ ہے کہ یہاں کے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جیسے بادشاہ ولیم ”اس“ برداری سے تعلق رکھتا ہے، لیکن وہ اب کہنے لگے ہیں کہ اب وہ اس جانب کم ہی مایل ہے۔ لیکن ۱۷۰۱ء میں اپنی

موت سے سال بھر پہلے۔ موصوفہ نے اسے مثل اولیٰ قرار دے دیا اور ان مردوں کے متعلق بتایا ''جو بادشاہ ولیم کے میلانات میں شریک ہوتے ہیں۔'' یہ کوئی سیدھی سادی گپ شپ نہ تھی جو موسیو کے حلقے میں ہوتی ہو۔ اس کا دعویٰ تھا کہ وہ انگلینڈ میں آنے والے ملاقاتیوں سے ہم جنس پرستی کے متعلق گفتگو کرتی تھی۔ اس کے باوجود کہ میڈم کو بادشاہ کے مذاق کا علم تھا اس کے باوصف اسے افسوس تھا کہ اس نے بادشاہ سے شادی کیوں نہ کی۔ اس نے ۱۶۹۷ء میں رنڈ وے کو لکھا ''میرے دل میں بادشاہ ولیم کا گہرا احترام ہے اور اگر یہ سچ ہے کہ وہ میری بیٹی کو قبالہ نکاح میں لینا چاہتا ہے تو میں بھی صمیم قلب سے اس کے لئے تیار ہوں۔'' تاہم اپنے خیال میں یہ ممکن نہیں کہ وہ دوبارہ شادی کرے۔

جدید نیدرلینڈ میں اب ہم جنس پرستی کلنک کا ٹیکہ نہیں رہی۔ اور ہنری اور باربرا وان ڈرزی اس پر مایل تھے کہ ولیم اور میری کی سوانح عمری میں ان گواہیوں کو قبول کرلیں جو ولیم میں غیر تقلیدی علتیں پائی جاتی تھیں۔ لیکن چونکہ اس کے اہم ترین انگریز اور امریکی سوانح نگاروں کی نظر میں ہم جنس پرست سورما سے ایسے خیال کو وابستہ کرنا ایک ناقابل تردید تضاد تھا۔ اس لئے سٹیفن باکسٹر نے ولیم کی سیاسی اور عسکری زندگی کی روداد بیان کرتے ہوئے داد وتحسین سے کام لیا لیکن ہم جنس پرستی کے الزامات کو مسترد کرتے ہوئے انہیں ''غلط افواہیں'' قرار دے دیا جنہیں ولیم کے فرانسیسی دشمنوں نے گھڑ لیا تھا۔ باکسٹر کے مطابق بہتان انگلینڈ میں اس وقت سکہ رائج الوقت بنا جب بادشاہ کی خواب گاہ کو ایک نجی دروازے کے ذریعے کیپل کے کمرے سے منسلک کر دیا گیا یہ ایسا بندوبست تھا جس کی باکسٹر یہ وضاحت کرتا ہے اور فرض کرتا ہے کہ بادشاہ کو اپنے مشیر کی اعانت کی ضرورت پڑتی ہوگی جب وہ رات گئے کام کرتا ہوگا۔ نیسکا روب کی مستند سوانح عمری کم از کم ان میں سے چند ایک شہادتوں پر نظر ثانی تو کرتی ہے لیکن وہ بھی ان ہی کی طرح سرسری انداز میں انہیں مسترد کر دیتی ہے کہ ولیم کوئی ''بگڑا'' ہوا شخص تھا۔ اس کا ۱۹۹۵ء میں شایع ہونے والا انسایکلو پیڈیا برٹینیکا والا مقالہ اس میں برطانوی امریکی اتفاق رائے کا اس طرح خلاصہ کیا ہے اور نہایت صراحت سے اپنے فیصلہ کن جملوں میں کہا کہ ''ولیم کی ہم جنس پرستی کا روایتی قصہ تفتیش اور جرح کے سامنے ٹک نہیں پاتا۔''

یہ ولیم کا دوست اور سینہ سپر بشپ برنیٹ ہے جس نے برطانوی امریکی سوانح نگاروں کو ہانپنے کا موقع مہیا کر دیا۔ اپنی تحسینی 'تاریخ' میں برینٹ نے یہ مبہم تبصرے کئے ہیں "اس میں کوئی بدی نہ تھی الا ایک کے جس میں وہ بہت محتاط اور صیغہ راز کا جویا رہا۔" وہ لوگ جو اس پر مصر تھے کہ ہم جنس پرستی کا ذکر ابہامی انداز میں کرتے ہوئے انہیں ولیم کے مشہور واقعے سے منسلک کریں جو الیز بتھ ویلیر ز سے ہوا تھا اس کا یہ معیاری جواب ہوتا۔ اس نقطہ نظر کی حمایت کرنے کی غرض سے روب بادشاہ کے چال چلن کی بابت ایک ابتدائی خاکہ پیش کرتا جسے ۸۷۔۱۶۸۶ء میں برنیٹ نے لکھا تھا جب وہ ہالینڈ میں بطور جلا وطن کے رہ رہا تھا اور بعد ازاں اس نے اپنی کتاب ہسٹری کا ضمیمہ شایع کیا تھا۔ اس میں برنیٹ قدرے زیادہ صاف گو ہے۔" اگر وہ (بادشاہ) ایسی بے اعتدالیوں میں سے کسی ایک کا مجرم تھا جو شہزادوں میں پائی جاتی ہیں۔ اس کے باوجود اس نے ان پر عمل نہ کیا جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ان میں ملوث تھا بلکہ یہ مساعی کیں جن سے ان کو پردہ اخفا میں رکھنا مقصود تھا۔ اگر چہ شہزادوں کو ہمیشہ مخفی ہی رہنا چاہئے کیونکہ ایسے امور میں یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ وہ ان میں شریک ہوں گے۔" ایچ۔ سی فوکس کروفٹ نے ۱۹۰۲ء کے ضمیمے والے ایڈیشن میں یہ تسلیم کیا ہے کہ مذکورہ سطریں "انتہائی مفسدانہ سوءِ فہم کی غرض سے آشکار رکھی گئیں۔" اور ولیرز والے واقعے کی بارہا اس لئے دہائی دی گئی تاکہ وضاحت پیش کی جا سکے۔ روب اسی روندے ہوئے راستے پر چلتا ہوا کہتا ہے "نہ تو نساو اور نہ ہی سٹوارٹس بدنام حد تک ہم جنس پرست تھے اور حوالہ واضح طور پر ولیرز کی رسوائی کی جانب اشارہ کرتا ہے۔" لیکن اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ جیمز۔ اول کے بور بورن ہم جنس پرست رشتہ داروں خصوصاً رسوائے زمانہ موسیو پر توجہ دی جائے۔

بادشاہ کے ہم عصروں نے برنیٹ کے اس قول "کوئی بدی نہیں بلکہ صرف ایک قسم کی" کا کیا جواب دیا تھا۔ جہاں تک جوناتھن سویفٹ کا تعلق ہے ہمیں جواب معلوم ہے۔ سویفٹ نے برنیٹ کی ہسٹری کے حاشیوں پر خاردار تبصرے قلمبند کئے جب وہ ۱۷۲۳ء میں شایع ہوئی۔ اس عبارت "کوئی بدی نہیں سوائے ایک قسم کی" اس نے برہمی سے لکھا "یہ دو قسموں کی تھی —— مردانہ اور زنانہ۔ اول الذکر میں نہ وہ محتاط تھا اور نہ ہی رازداری

برتتا۔'' جب برنیٹ البی مارلے کے ارل کے متعلق کہتا ہے کہ ''بادشاہ ولیم کے ہر معمولات سے ہٹ کر مشاغل اور خوشیوں میں سائے کی طرح لگا رہتا۔'' اس پر سویفٹ جواب دیتا ہے ''نہایت رسوا کن خوشیاں۔'' حامی سوانح نگاروں نے سویفٹ کے تبصروں کو یہ کہہ کر اڑا دیا کہ وہ ٹوری قدامت پسندوں کے تعصّبات کا مارا تھا۔

ضمیمہ (دی سپلیمنٹ) میں تاہم ایک ایسا حصہ ہے جسے بکسٹر اور روب اور دیگر نے بھی نظر انداز کیا ہے۔ قیاس آرایاں (۱۶۸۸ء سے پہلے) کہ وہ کون سے اسباب ہیں جو ولیم کی انگلش تخت نشینی میں مانع ہیں، اسقف برنیٹ کو تین مشکلات نظر آئیں پہلی، ولندیزی ریپبلکن یہ پسند نہ کریں گے کہ ان کا کوئی صوبہ دار شاہی مرتبہ پا جائے۔ دوسرا سبب اہل انگلستان کو یہ بات ناگوار گزرے گی کہ کوئی غیر ملکی شہزادہ جو تیس ہزار افواج کا سپہ سالار رہے ان پر حکمرانی کرے۔ اس کے بعد وہ اضافہ کرتا ہے ''یہ اور ایک مخصوص بات جو اتنی نازک ہے کہ ضابطہ تحریر میں نہیں لائی جاسکتی جو اس کے قرن ہا قرن میں عظیم ترین بادشاہ بننے میں مانع ہے۔'' دی سپلمنٹ کا مدیر اس اعتراف کو دیکھ کر سناٹے میں آ گیا اور یہ کہنے لگا کہ ہوسکتا ہے برنیٹ ایک مرتبہ پھر الیزبتھ ولیرز کا حوالہ دینا چاہتا ہو مگر اپنے عہد کے اطوار سے چشم پوشی کرتا ہے۔ آگسٹس۔ دوم کو جو سکسونی کا تھا اس حقیقت کے باوصف پولینڈ کا بادشاہ منتخب کیا گیا تھا جب کہ اس کی شہرت ایسے باپ کی تھی جس کے تین سو ناجایز بچے تھے۔ اسی طرح فرانس کا لوئیس۔ چہاردھم اور فلپ۔ چہارم اسپین میں لاتعداد حرامی بچوں کا باعث تھا۔ اگر انگریز جو چارلس۔ دوم اور جیمز۔ دوم کی لاتعداد داشتاوں کے روادار سن چکے تھے اور اس پر آمادہ تھے کہ صرف یک زوج گیری پر کاربند امیدوار کی تخت نشینی پر غور کیا جاسکتا ہے تو ان کی سترہویں صدی کے اختتام پر مشکلات بلاشبہ نہایت دشوار ہوگئیں۔ کوئی اسقف بھی اس بات پر بہ مشکل اعتبار کرتا کہ ان میں ضبط نفس پیدا ہو چکا ہے۔ ہنیور کا جارج۔ اول ملکہ این کی جگہ تخت نشین ہوا جب کہ وہ اپنے ہمراہ ایک جرمن آتش جوالہ کو بطور داشتہ انگلینڈ لا رہا تھا۔ تاہم دو جنسیا ہونا ایک سنجیدہ مسئلہ تھا۔ جیسا کہ ایک منظوم بذلہ سنج نے جو ولیم سے معاندانہ رویہ رکھتا تھا یہ کہا ''اگر کوئی ولندیزی کسان مکاری سے کسی لڑکی سے جماع بالجبر کرے/ تو سولی پا جائے قانون کی توثیق سے۔ تو وہ کس سزا کا

مستحق ہے جو ایک ارل کو مارے۔'' وہ جس امیدوار کی پرجوش حمایت کر رہا تھا اور یہ جانتے بوجھتے ہوئے کہ بادشاہ مردوں کی ایسی قسم کا فرد ہے جسے ذلت آمیز موت کا سامنا عوامی جلاد کے ہاتھوں کرنا پڑ سکتا ہے، اس سے برنیٹ نے اطمینان کا سانس لیا ہوگا۔

بطور تاجور ولیم۔سوم کی حقیقی کامیابیوں نے مداح مورخین کے لئے دشوار بنادیا ہوگا کہ وہ اس کی جنسی فطرت کا ذکر کریں۔ اگر چہ اشرافیہ طبقہ جس کے ہاتھ میں انگریزی پارلیمنٹ تھی اس کے غیر ملکی ہونے پر اسے ناپسند کرتی تھی جو ولندیزی مشیروں پر عنایات کرتا اور بین الاقوامی معاملات میں گلے گلے تک ڈوبا رہتا۔ وہ عوام میں مقبول تھا۔ اس نے نہ صرف ولندیزی فوج کو از سر نو منظّم کیا جو اس قابل ہوگئی کہ اس نے لوئیس۔ چہاردھم کے حملوں کو روک دیا۔ بلکہ اس نے ایک طاقتور انگریزی فوج تیار کی جو یورپین اتحاد کی سربراہ بن گئی جس نے فرانس کی بڑھتی ہوئی طاقت کی ڈٹ کر مزاحمت کی۔ دوسری جانب آئرلینڈ میں ''کنگ بلّی'' نے ایک ملاجلا ترکہ چھوڑا تھا۔جیمز۔ دوم کی بوائین کی لڑائی میں شکست دے کر وہ السٹر کے پروٹسٹنٹ کا صنم سورما بن گیا تھا اور آئرلینڈ کی کیتھولک آبادی کے واسطے استبدادی عفریت۔ اس کے باوجود ولیم نے مصالحت آمیز امن کی حمایت کی جس سے آئرلینڈ کے ہٹ دھرم پروٹسنٹ کو لگام دی جاسکی۔

جہاں دیگر سٹوارٹس بادشاہ جیسے چارلس اول اور جیمز۔ دوم نے انگلینڈ کو ڈھکیل کر فرانس ، جرمنی اور آسٹریا کی مطلق العنانی تک پہنچادیا تھا وہیں ولیم۔سوم نے شاہی اختیارات پر قانونی قدغنیں قبول کرلیں اور ایسا کر کے ایک آزادی پسند سیاسی نظام قائم کردیا۔'' جو اٹھارہویں صدی کے یورپ میں ایک عجوبہ بن گیا'' 'اعلان حقوق' جس پر اس نے صاد کیا جسے اس نے تخت نشین ہونے کے لئے ایک شرط رکھی اس سے ایسی نظیر قائم ہوگئی جو امریکی آئین کے لئے پیش خیمہ بنی۔ انیسویں صدی کے آزاد خیال مورخین کی نظر میں جیسے میکالے وہ انگلینڈ کا عظیم ترین بادشاہ تھا۔جس کی ولندیزی وراثت نے اس وقت جو ہر دکھائے جب اسے مذہب سے نمٹنا ہوتا۔ ولیم پروٹسٹنٹ اختلاف کرنے والوں اور کیتھولک عقاید کے مذہبی حقوق کا بھی حامی تھا۔ دی ٹولریشن (رواداری) مجریہ ۱۶۸۹ء انگلینڈ میں مذہبی آزادی کا پہلا ضامن بنا۔ اور پریس سنسر شپ کا قانون بھی ۱۶۹۵ء میں

زائد المیعاد ہوکر دم توڑ گیا۔ اور یہ سب ملٹن کی آریوپا گی ٹیکا (Areopagitica) کی اشاعت کے پچاس سال بعد ہوا۔ سترہویں صدی کے خاتمے پر ولیم۔ سوم یورپ کے مدبرین میں ممتاز ترین لگ رہا تھا۔

آرنلڈ وان کیپل اپنے بے فکرے اطوار کے باوجود ایک جانفشاں، وفادار اور لگن والا مشیر ثابت ہوا۔ جب بادشاہ مرا تو اسے غمزدہ دیکھ کر میڈم اتنا متاثر ہوئی کہ اسے کہنا پڑا کہ اس کے شوہر کے تمام چاہنے والوں میں کوئی بھی اس مرتبے کا نہیں ہے۔ ولیم بینٹنک اپنے حسد کے باوجود ولیم کے خدمت گاروں میں رہا اور پیرس میں بطور سفیر شاندار خدمات ۱۶۹۷ء میں انجام دیں۔ جس نے رایزوک امن معاہدے کے مذاکرات کئے۔ وہ میڈم سے ملا جس کو اپنی ہم سفر انگریز اشرافیہ میں ہم جنس پرستوں کی تعداد کا علم تھا۔ پانچ سال بعد بادشاہ اس کا ہاتھ تھامے مر گیا۔ کیا ہم پر واجب نہیں ہے کہ ہم ولیم سوم کی کامیابیوں کو تسلیم کریں۔اور اس حقیقت کو کہ وہ ایک باعمل مسیحی تھا جس کی اسقف برنیٹ بھی اس طرح تعریف کرتا ہے۔ ''اعلیٰ مرتبہ خدا کی دین تھا۔'' اور ساتھ ہی ساتھ برطانوی تاریخ کا عظیم ترین فرد جو دوسروں سے بھی محبت کرتا تھا۔

باب:۱۳

قبل از میجی جاپان

۸۰۰۔۱۸۶۸ء

یورپ جاپان کو دریافت کرتا ہے:

اس کا مشاہدہ کرنے کے بعد کہ نشاۃ ثانیہ کے زیر اثر اسپین، فرانس اور اطالیہ اپنے زہر میں بجھے تعصّبات اور ہلاکت خیز پھانسیوں کے ساتھ ہمیں خود کو یاد دہانی کرانا چاہئے کہ ایسی اقوام جو مسیحی مغرب سے دور تھیں کس نظر سے ہم جنسی تعلقات کو دیکھتی تھیں۔ جن میں چین جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں وہاں ایک روادار فضا دیکھنے میں آئی مردوں کے درمیان عشق میں جو اس زمانے میں تھی۔ غیر رسمی طور پر ان تعلقات کے لئے ادارے سازی ہوئی جن سے نازک اور ہمدردی سے مملو افسانوی تحریریں وجود میں آئیں جنہوں نے وہاں کی نفسیاتی پیچیدگیوں کو اس طرح کھنگالا جن میں شیطانی عنصر ناپید تھا۔ اس کے باوجود ایک اور تمدن بھی تھا جو رنگوں کے نقطہ نظر سے کہیں زیادہ چبھنے والا تھا جو اس نے یورپ کے سامنے پیش کیا۔ یہ جاپان کا تھا اور جو ۱۸۶۸ء کے میجی کے دور بحالی سے پہلے کا ہے۔

صدیوں سے جاپان کا وجود یورپی شعور کی کگر پر تھا سوائے مارکو پولو کی کہانی کے مگر سیپانگو کے جزایر کی سیاحت کے بغیر۔ پھر ۱۵۴۰ء کے آغاز میں چند تباہ حال پرتگالی جہازوں کے ملاح لڑکھراتے ہوئے، آپ اس کے یہی معنی لیں کہ وہ ملک میں داخل ہوئے۔ دہائی کے ختم ہونے پر سینٹ فرانسس زیویر جو گوا ہندوستان میں بطور مشنری یسوعی فرقے کے لئے خدمات انجام دے رہا تھا۔ نئی دریافت ہونے والی سرزمین کے لئے جہاز

کے ذریعے عام سفر ہوگیا۔ وہ ان داستانوں سے بہت متاثر تھا جو وہاں کے باسیوں کے متعلق ماجرے اس سے بیان کئے گئے تھے۔ دس ہفتے تک کاٹسو ماجزیرے کے مغربی ساحل پر قیام نے اسے قایل کردیا کہ راویوں نے کوئی زیادہ تعریف نہ کی تھی۔ اس کے جو شیلے بیان کے مطابق ''بہترین ہیں جنہیں ہم نے آج تک دریافت کیا ہے اور مجھے یوں لگتا ہے کہ ہمیں بے دین لوگوں میں ایسی کوئی نسل نہ ملے گی جوان جاپانیوں کی ہم پلہ ہو۔'' ان کا میل جول اور خوش اطواری بڑی دلربا تھی۔ ان کا فوجی اخلاق اور احساس عزت نے اس پر بہت اثر ڈالا جب کہ وہ اسپینی اشرافیہ کا فرد تھا۔ اور ان کی مسیحیت کو سمجھ لینے کی بے تابی پر وہ لہلوٹ ہوگیا۔ دیگر یسوعیوں نے جاپانی معبدوں کی خوبصورتی اور باغات کی دلفریب تفصیلات لکھیں۔

ایک دستور نے تاہم پوری تصویر کو بگاڑ کر رکھ دیا۔ جب زیویؔر ہکاتا میں زین خانقاہ کے راہبوں سے ملنے گیا تو اس نے کیا پایا۔ جو اس کے لئے ہولناک تھا۔ کہ وہی قابل مذمت بدی جو خلاف فطرت تھی وہ اتنی مقبول ہے کہ وہ اس پر بلا کسی احساس شرم کے عمل پیرا ہیں۔ راہبوں نے مشنریوں کا نہایت دوستانہ انداز میں خیر مقدم کیا محض یہ سمجھ کر کہ نوواردان ممکن ہے کسی نامعلوم ہندوستانی بدھ مت کے فرقے کے ارکان ہوں لیکن زیویؔر ان کی شایستگی سے بھونچکا رہ گیا۔ اس نے ''بہ آواز بلند بڑے راہب اور دیگر راہبوں کو ایسے شرمناک ارتکاب پر ملامت کی جو ایک گھناونا اور قابل نفرت جرم ہے۔ اسے ایک مرتبہ اس وقت اور جھٹکا لگا کیونکہ سمورائی جنگجوؤں میں مردانہ عشق ایک عام سی بات تھی جو ضلعوں کی حکومت چلا رہے تھے۔ یاما گوچی کے مقام پر مقامی جاگیردار یا (ڈاے میو) اوچی یوشی ٹاؔکا نے اس کا گرم جوشی سے استقبال کیا اور کری شی ٹان کے نظریات سننے میں گہری دلچسپی دکھائی۔ ایک مترجم نے دس احکام الہٰی کا جاپانی ترجمہ سنایا اور سدوم کے گناہ کے خلاف ایک آتشیں پر ملامت بیان دیا اور جسے اس کے بقول ''سور سے بڑھ کر غلیظ اور کتوں اور دیگر جانوروں سے بدتر مگر کوئی دلیل نہ دی۔'' اس بھاشن پر اوچؔی کی برہمی قابل فہم تھی اور یسوعیوں کو اس نے فی الفور رخصت کردیا کہ کہیں وہ مار نہ ڈالے جائیں۔

مزید لوگوں سے ملاقاتوں سے یسوعی اس پر قایل ہوگئے کہ مردانہ عشق محض کوئی مقامی

معاملہ نہیں تھا بلکہ یہ قومی روایت ہے۔ وہ بھی ایسی جسے جاپانی فطری اور قابل تحسین سمجھتے تھے۔ جس سے لویولا کے پیروکار ہکا بکا رہ گئے جنہوں (یونانیوں کو فراموش کر کے) نے محض دلیل کو نظریے میں ڈھال دیا بغیر کسی وحی کے جس سے لوگ اس مذموم علت کے قایل ہوجاتے۔ آلیسانڈروواِلگنانو جو یسوعی منتظم تھا اس نے ۱۵۷۹ء سے ۱۶۰۳ء کے درمیان جاپان کے متعدد دورے کئے اس نے مشنریوں کے بیانات کا خلاصہ اپنے سے بڑے حکام کے لئے تیار کیا۔

> اس سے بھی بری (کاروکاری سے) ہے ان کی عظیم بدچلنی اس گناہ میں کہ جس کا ذکر کرنا ممکن نہیں۔ ہر معاملہ اتنا سرسری لیا جاتا ہے کہ دونوں لڑکے اور مرد جو ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہیں کہ معاملے پر پردہ ڈالنے کے بجائے کھلم کھلا گفتگو کرتے ہیں اور شیخی بگھارتے ہیں۔ ایسا اس لئے ہے کہ ان کے پروہت یہ تعلیم دیتے ہیں تو صرف یہ کہ یہ کوئی گناہ نہیں ہے بلکہ یہ ایسی چیز بھی ہے جو قطعاً فطری اور نیکد لی ہے اور اس لئے پروہت ایک حد تک اس مشغلے کو اپنی حد تک محدود رکھتے ہیں۔ انہیں قدیم قوانین اور روایات اور شدید جرمانوں کے ذریعے ممانعت کی گئی ہے کہ وہ عورتوں کو مصرف میں لائیں اور اس لئے انہوں نے اپنی بگڑی ہوئی ہوس کے لئے ایک مداوا تلاش کرلیا ہے جس کے واسطے وہ اس تباہ کن نظریے کی اندھے بے دینوں پر تبلیغ کرتے ہیں۔۔۔عوام پر ان کے عظیم اثر ورسوخ اور جس کو تقویت ان کے پرکھوں کی روایات سے ملتی ہے ان سب نے جاپانیوں کو پوری طرح نابینا بنادیا ہے۔ جس کے نتیجے میں وہ یہ نہیں سمجھتے کہ کس قدر لایق مذمت اور بد یہ گناہ ہے۔ یہی بات دلایل کے ذریعے سیدھی سادہ نظر آتی ہے۔

آغاز میں تو کیتھولک مشنوں کو کچھ کامیابیاں بھی ملیں۔ انہوں نے اس کے لئے کوئی سو برس جھیلے اس کے بعد مسیحیت کو جاپانیوں نے ہولناک اور بے رحمی سے تہس نہس کردیا۔ انہیں یہ خطرہ لاحق ہوگیا کہ یہ فلی پاینز کی طرح اپنی مسیحیت اختیار کرنے والی آبادی کے تعاون سے کوئی اڈہ حاصل کرلیں گے جن سے یورپی قبضے کی راہ ہموار ہوجائے گی۔ اس عرصے میں یسوعیوں نے تواتر سے جاپانیوں پر تین خاص گناہوں کے الزامات عاید کئے۔

بت پرستی (یعنی بدھ ازم) اسقاط حمل اور اغلام بازی۔ ہم پوچھ سکتے ہیں کہ یہ آخری ''گناہ''
جسے جاپانی نان شوکو کہتے ہیں یا پھر ''مردوں کا عشق'' کیونکہ ملک کے مذہبی اور عسکری
رہنماؤں کے لئے معزز طرز حیات بن گیا یہاں تک کہ اس کا موازنہ اور چند معاملات میں
ان سے بھی بڑھ کر قدیم ایتھنز سے ہونے لگا۔

بدھ مت کی پیشوایت:

جاپان کی کہاوتی تاریخ جس کی تصدیق کی جاسکے بہ مشکل ۵۲۲ء سے پیچھے وجود نہیں
رکھتی ۔ جب بدھ مت کو چین سے لاکر یہاں متعارف کرایا گیا تھا۔ یہ کم ترقی یافتہ تمدن تھا
جس کا کوئی رسم الخط نہ تھا۔ جاپانیوں نے چینیوں سے اتنی زیادہ خوشہ چینی کی جتنی کہ مثال
کے طور پر رومیوں نے یونانیوں سے نہ کی تھی۔ بدھ مت اپنے ہمراہ دیگر اثرات کے سیلاب
بھی لایا مثلاً خطاطی، فن یا آرٹ اور ادب، ایک مرکزی شاہی سلطنت کا تصور اور بعد میں
کنفیوشسؔ کا فلسفہ اور تاومتؔ کے جنس کے متعلق عقاید۔ کئی سو برس تک تعلیم یافتہ جاپانی
مرد چینی زبان کو اتنا عزیز جانتے کہ اپنے سنجیدہ ادبی مساعی کے لئے چینی ادبی سانچوں کی
غلامی کی حد تک نقالی کرتے اور باقی سب کچھ عورتوں کے لئے چھوڑ دیتے ۔ مثلاً لیڈی
موراساکیؔ اور سی شوناگنؔ کے لئے تاکہ جاپانی زبان میں جاپانی شاہکار تخلیق کریں۔

ان اثرات کے نتیجے میں چینی روایات جو عشق کے بابت تھیں مثلاً کٹی آستین اور
'دانت کاٹا آڑو' نے جاپان میں مردانہ عشق کی روایات کو قانونی استحکام مہیا کیا۔ اس موافق
تمدن سے مغرب زیادہ تر بے خبر رہا کیونکہ صرف حال ہی میں جاپانی اور امریکی اہل علم نے
اس فسوں گر اور فراموش کردہ دنیا کو روشنی دکھائی ہے۔ ''جاپانی نان شوکو روایت'' کے متعلق
گیری لی اپؔ ہمیں اپنے وسیع تاریخی خسرے میں بتاتا ہے ''یہ سب کچھ زیادہ تر چینی تمدن
سے کشید شدہ ہے۔ ٹوکوگاوا کے دفاتر (۱۶۰۳ء ۔ ۱۸۶۸ء) جو اس موضوع پر ہیں وہ تواتر
سے مشہور ہم جنس پرستی کے تعلقات کی جانب اشارہ کرتے ہیں جو چین کے ماضی کے
ہیں۔ اور یا پھر براعظم کے ہم جنس پرست ادب کے ہیں اور تاؤ مت کے اور ین یانگ کی

جنسیت کے کلیوں کے ہیں۔ سترہویں صدی کے جاپانی منابع شہنشاہ آئی کی شجاعت و نجابت کی داستان ہے۔نواب وئی اور میزی زیا کی کہانی اور ہان شہنشاہوں کا ذکر جن کے منظورنظر جیری اور موسیقار لی ینیان جیسے لوگ تھے۔

اس کے علاوہ ریپبلکن روم کے برعکس ایسا نہیں لگتا کہ جاپان میں کبھی کوئی توڑ کرنے والی یا منفی روایات نہ تھیں جو سدباب کرتیں۔ روم کی طرح ہم جنس پرستی غلامی میں پیوست نہ تھی۔ جاپان کا شنٹوازم کا خصوصی زور دلجوئی کرنے والے مناسک اور تقریبات والا تھا۔ اس کی اساطیر قوم پرستی کو بڑھاوا دیتیں اور وہ بھی الوہی شہنشاہوں کے طبقے کے وسیلے سے ۔لیکن اس میں کوئی ایسا خصوصی اخلاقی ضابطہ نہ تھا اور لگتا ہے جیسے یہ جنس کو ایک فطری مظہر سمجھ کر چند ممانعات کے ساتھ اس سے لطف اندوز ہونے کی راہ ہموار کرتا۔ لنگ والے معبد تمام دیہات میں پائے جاتے تھے۔ شادی سے پہلے پردہ بکارت کی موجودگی پر کوئی خاص اصرار نہ کیا جاتا۔ اور وہ لڑکے جو آزاد شہری پیدا ہوتے اگران کے بالغ عشاق موجود ہوتے تو ان کی شہری حیثیت میں کوئی فرق نہ آتا۔ ابتدائی ضابطہ قانون تزویج محرمات اور جانور چود کو سزا دیتا مگر ہم جنسی کے تعلقات پر نہیں۔ شنتو ہڑوار میں جتنے خدا دفن تھے وہ سب ہی نہایت شہوت پرست تھے۔ بعد کے زمانے میں چند ایک کو یہ بھی سمجھا جانے لگا یعنی ''سرپرست دیوتا'' مگر مردانہ عشق کے۔ یہ داستانیں تاہم بطور معیار نہ مانی جاتیں لیکن گینی میڈ اور ہیاسنتھ کی کہانیوں کی طرح جو قدیم یونان کی ہیں ایسا نہیں لگتا کہ انہوں نے جاپان میں ٹوکاگاوا عہد تک سر اٹھایا ہو۔

چند جاپانی روایات کے مطابق نان شاکو کا آغاز آٹھویں اور نویں صدی میں ہوا تھا۔ لیکن یہ معروف مثالیں مسایل آمیز اور غیر یقینی ہیں۔ ایک ابتدائی اور نتیجہ خیز واقعہ تاہم یہ کہتا ہے کہ ہم جنس پرستی کو بودھستوا مانجو یا پھر مونجوشری نے ''ایجاد'' کیا تھا۔ بودھستو دراصل بدھ بھکشو تھے جنہوں نے اسی دھرتی پر نروان حاصل کرلیا تھا۔ مگر آتش شوق سے مجبور ہوکر انہوں نے نروان پر اس لئے جگہ نہ لی کہ باقی لوگ بھی منزل پالیں۔ مونجو بالخصوص دانش (بدھ) کا بودھستوا تھا۔ یہاں پر اس کا ہم پلہ چینی زرد شہنشاہ ہے۔

تاہم بڑی حد تک سب سے اہم روایت جس میں مردانہ عشق کے بدھ حکیم ملت کو

کاآئی سے متعارف کرانے کا ذکر ہے۔ جو موت کے بعد کوبوڈا ایشی (عظیم استاد) کہلایا۔ کوکاآئی جاپان کا غالباً سب سے زیادہ قابل احترام مذہبی رہنما ہے۔ وہ ایک تارک الدنیا بھکشو تھا جو ۸۰۶ء میں دو سال تک ٹانگ، چین میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد لوٹا اور شنگون (سچا راستہ) بدھ مت کو جاپان میں قائم کیا۔ جلد ہی وہ ایک داستانی شخصیت سمجھا جانے لگا، تمدنی سورما، جس کی ذات میں سینٹ پیٹرک اور لیونارڈو دونوں جمع ہو گئے۔ کوکاآئی نے متعدد باثر مذہبی تحریریں چھوڑیں، بطور فنکار اور خطاط شہرت حاصل کی، کئی انجینئرنگ کے منصوبوں پر بطور مشیر معاینہ کام کیا۔ وضع (جیسا کہ ہمیں بتایا جاتا ہے) کے صوتی اجزا اور علامات کی جدول جسے بعد میں چینی تصویری رسم الخط سے جاپانی زبان میں منتقل کرلیا گیا۔ اور کوہ کویا پر ایسی خانقاہ قائم کی جو آج تک جاپان کا سب سے اہم مذہبی مرکز ہے۔

یہ بھی کہ جاپانی مرور ایام کے ساتھ مردانہ عشق کو بودیشی سے وابستہ کرتے ہیں اس جانب اشارہ ہے کہ ''نوجوانوں کا راستہ'' کتنا باوقعت ہے۔ جیسا کہ یہ کہلاتا ہے۔ اس روایت کا ایک شاداں وفرحاں حوالہ ملتا ہے۔ جو سب کے آخر کا ہے۔ ایک چینی نظم میں جسے نامور زین بھکشو اکنکیو جو (۱۳۹۴۔۱۴۸۱ء) تک جیا۔

مونجو، کلی ذات مقدس جس نے راستہ صاف کیا
کانگو کا کوبو (کوبودیشی) نے اسے مستحکم کیا
بغیر نر اور مادہ کے
اس کی مسرتیں ایک نہ پورے ہونے والے دایرے کی مانند
لوگ تو مارے خوشی کے چلاتے ہیں جب انہیں وہاں داخلہ مل جاتا ہے

پھر ۱۶۷۶ء میں ایک ادبی عالم بنام کِتا مورا کی جن نے ان نظموں کی بیاض مرتب کی اور ایسی کہانیاں یکجا کیں جن میں مردانہ عشق کا ذکر تھا جن کا عنوان اس نے سفید برگ ریز جھاڑی رکھا۔ اس نے یہ عنوان ملول کرنے والی نظم جو، شنگا سوزو سے منسوب تھی اس میں سے لی جو کوکائے کے دس مصاحبین میں سے ایک تھا جس میں کی جن نے ایک مرہم لگانے والے اسلوب میں مردانہ عشق کو بیان کیا ہے۔

عشق کی یادیں ہری ہورہی ہیں
جیسے جنگلی برگ ریز جھاڑی کھلی جاتی ہو
اور وہ بھی سدا بہار پہاڑوں پر
میری خاموشی مانند سنگ صرف یہ ظاہر کرتی ہے
میں تمھیں کتنا چاہتا ہوں

کی جِنؔ نے اپنی بیاض کا دیباچہ لکھا جس میں نان شوکو کو بدھ مت کے سیاق میں جایز قرار دیا۔ ساتھ ہی اس میں واکگناؔنو کی منفی رپورٹ کی تفصیلات کی تصدیق کی جو کوئی ایک صدی پہلے شائع ہوئی تھی مگر اس کا لہجہ واضح طور پر مختلف ہے۔

یہ مردوں کے دلوں کی فطرت کے خلاف ہے کہ وہ حسین عورتوں کے حسن سے مزے لیں کیونکہ مرد اور عورتوں کے خداوں کے زمانے سے، لیکن وہ تو نوجوان لڑکے کی خوبصورتی سے بہکنے لگتے ہیں۔۔۔ جب کہ دونوں ہی غلط اور خلاف معمول لگیں گے اس کے باوجود مہاتما بدھ نے یہ تبلیغ کی تھی کہ اموز پہاڑ (جو پرجنسیہ محبت سے منسوب ہے) ایسی جگہ ہے جس سے بچا جائے اور صرف قوانین کے علماء یہ راہ اختیار کریں۔ راستہ (واکا شوڈو، جوانوں کا راستہ) تاکہ ان کے جذبات کی نکاسی ہوسکے۔ کچھ بھی ہو آخر ان کے دل نہ تو مٹی کے اور نہ ہی لکڑی کے بنے ہیں۔ بالکل پانی کی طرح جو ٹسوکوبین کی چوٹیوں سے مینا دریا کے طاس میں گرتا ہے۔ یہ عشق تو گہرائی میں عورت اور مرد کے درمیان ہونے والی محبت سے گذشتہ دنوں میں کہیں زیادہ بڑھ گیا ہے۔ یہ نہ صرف درباریوں اور اشرافیہ سے متعلق لوگوں ہی کے دل میں طاعون نہیں بن جاتا (کہے بغیر نہیں رہا جاتا کہ) بلکہ بہادر جنگجوؤں کو بھی مغلوب کرلیتا ہے۔ یہاں تک کہ پہاڑوں کے باسی جو ایندھن کے لئے لکڑی کاٹتے ہیں یہ سیکھ چکے ہیں کہ نوعمر اور نوجوان سائے کے نیچے کتنے مزے ہیں۔

مذکورہ دیباچہ پورے ہزاریے اور ایک براعظم پر محیط ہے جس سے ایسے جذباتی رویے آشکار ہوتے ہیں جن سے ہمارا کبھی واسطہ نہیں پڑا جب سے افلاطونؔ کے مکالمے اور

پلوٹارک کی تاریخ وجود میں آئی تھی۔

بدھ مت کے سفاکانہ طرز عمل کے باوجود جو اس نے جاپانی رویے کو مردانہ عشق کی جانب موڑنے میں اختیار کیا۔ ایسے تمام معاشقے جنہیں قلمبند کرلیا گیا ان میں نہ صرف بھکشو شامل ہیں بلکہ کلاسیکل ہیان عہد کے اشرافیہ کے لوگ بھی تھے۔ جس کا زمانہ ۷۹۴ سے ۱۱۸۵ء تک پھیلا ہوا ہے۔ ایسے درباری جو ہیان آن (موجودہ کیوٹو) میں شہنشاہی دربار میں حاضری دیا کرتے تھے وہ سمورای جنگجو نہ تھے (جو جاپان میں نظر نہ آئے کچھ بعد تک) لیکن حساس جمالیات پسند جن کے لئے شستہ مذاق چاہے شاعری ہو، خطاطی، ملبوسات یا پھر خوشبویات انہیں ہر چیز پر بالادستی حاصل تھی۔ اس دنیا کا اس سے بہتر کہیں بھی اظہار نہ ہوتا جیسا کہ ''گینجی کی داستان'' میں ہوا جو لیڈی موراساکی کی تصنیف ہے۔ اس کی مراق کی حد تک بڑھی ہوں نفاست پسندی کے باوجود اس کا پیچیدگیوں سے بوجھل ناول ایک نفسیاتی شاہکار ہے جس میں کئی مردانہ معاشقوں کا کھوج اس کے ہزار صفحوں میں لگایا گیا ہے۔ تاہم صرف ایک مرتبہ موراساکی نے ایک ہی جنس کے لئے پائی جانے والی دلربائی کو مس کیا ہے۔ باب دوم میں وجیہہ اور تہذیب میں رچا ہوا شہزادہ گینجی جس پر نظر ٹھہرنا دشوار ہو ایک شادی شدہ عورت کو پرچانے کی کوشش کرتا ہے اور سلسلہ جنبانی کے لئے اس کے بھائی کو استعمال کرتا ہے۔ لڑکا —— ''خصوصا بارہ یا تیرہ برس کا دلکش لڑکا ہے''۔ ''جو خاموش طبع اور خوشگوار مزاج ''والا اور ایسی صفات کا حامل ہے۔ ''جو کلاسیکل عہد کے میلانات ہیں'' وہ بھی گینجی کی خوبروی پر ریجھ جاتا ہے۔ لڑکا اس کے خطوط پہنچانے کو بے تاب ہے۔ جب اس کی بہن شہزادے کے پیشکش کو جھٹک دیتی ہے تو گینجی کی مایوسی روایت کے مطابق ''لڑکے کو اس حالت میں پاتا ہے جیسے وہ آبدیدہ ہو۔'' بالاخر عاشق زار بھائی کی جانب دیکھتا ہے''۔ ''بہت خوب کم سے کم تم ہی مجھ سے ترک تعلق نہ کرو، گینجی نے لڑکے کو کھینچ کر اپنے پہلو میں بٹھالیا۔ لڑکا جس پر خوش ہوگیا کیونکہ گینجی کی جوانی دلربا تھی۔ گینجی نے اپنی حد تک یا پھر جیسا کہ راوی کا بیان ہے لڑکے کو اپنی سرد مہر بہن سے کہیں زیادہ دلکش پایا۔'' موراساکی اپنے ہیرو کی 'دوجنسیا' پن کو قطعاً سرسری سمجھا لیکن یہ ایک نادر واقعہ ہے جو کتاب کے چھپنویں باب میں بیان کیا گیا ہے۔

لیڈی موراساکی کے متعلق یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس نے ''گینجی کی داستان'' کہی ہے جو ۱۰۲۰ یا ۱۰۳۰ء کی ہے۔ مردوں کے درمیان ہونے والے عشقوں کا ذکر درباریوں کے روزناموں میں اس کے بعد ہی نمودار ہونا شروع ہوئے۔ گیری لی اپ نے پہلی مرتبہ انہیں اوتادا فوسا (۱۰۴۰۔۱۱۱۱ء)، فوجی وارا یورنگا (۱۱۲۰۔۱۱۵۶ء) اور فوجی وارا کانی زین (۱۱۴۷۔۱۲۰۷ء) کی ڈائریوں میں پایا۔ ہیان کے زمانے میں فوجی وارا خاندان جاپان میں سب سے ممتاز تھا۔ وہ اپنی طاقت کو اپنی مٹھی میں رکھنے کی غرض سے اپنی بیٹیوں کی شادی پے در پے شہنشاہ بننے والوں سے کرتا رہتا چند اندراجات تو واقعی صاف گوئی کا مرقع ہیں جیسا کہ لی اپ کا کہنا ہے'' مثلاً یورنگا مختلف ساتھیوں سے اپنے جنسی تجربات کا ذکر کرتا ہے جن میں مرد ملازمین سے لے کر اشرافیہ کے لوگ بھی شامل ہیں۔ ان میں سے پہلا واقعہ ۱۱۴۲ء میں درپیش آیا۔ جب نوجوان یورنگا نصف شب میں اپنے گھر پر کسی رقاصہ کو طلب کرتا ہے۔ دو مرتبہ اسی طرح ۱۱۴۷ء میں اس کے بیان کے مطابق وہ ارباب نشاط کے ساتھ شب بسری کرتا ہے۔ اور ۱۱۴۸ء کے ماہ جنوری کی پانچویں شب کو اس نے لکھا۔ ''میں امشب یوشیماسا کو اپنے بستر میں لے گیا اور میں تو دیوانہ ہوگیا: یہ آسودگی بخش تھا۔ وہ کچھ عرصہ بیمار رہ کر ان دنوں آرام کر رہا تھا یوں آج کی رات پہلی رات تھی (طبیعت کی بحالی کے بعد)'' یورنگا کے روزنامچے دو ہیان شہنشاہوں کا بھی ذکر کرتے ہیں جو انگلینڈ کے نارمن بادشاہوں کے ہم عصر تھے اور لڑکوں کے ساتھ سویا کرتے تھے۔ شیراکاوا (حکمرانی ۱۰۷۳۔۱۰۸۷ء) آہنی عزم والا حکمراں تھا جس نے اپنی ریٹائرمنٹ کے تینتالیس برس کے بعد تک جاپان پر اپنی بالادستی قائم رکھی۔ اور اس کا پوتا ٹوبا (حکمرانی ۱۱۰۷۔۱۱۲۳ء) جو عقیدت مند بدھ تھا۔

جاپان کے عہد وسطی میں تاہم بدھ بھکشوؤں اور خانقاہوں کے معاونین کے درمیان معاشقے ہوتے تھے جو شیگو کہلاتے جو ایک نہایت نمایاں اصطلاح ہے جس کا لی اپ نے ابتدائی ۱۱۰۰ء تک سراغ لگالیا ہے اور عشاق کو شناخت کرلیا۔ عمر رسیدہ بھکشو کو نجا کہا جاتا اور انیس سال سے کم عمر لڑکا نیاک (غالباً نیک کی جمع؟ مترجم) کہلاتا۔ بعد میں دیگر انداز بیان جنم لینے لگے۔ سترہویں صدی کے آنے آنے تک بزرگ رفیق کو ''بڑا بھائی'' یا (انی بون)

کہا جانے لگا اور کم عمر کو ''چھوٹا بھائی'' (اوٹوٹو بن) اور رشتہ بالذات 'برادرانہ بندھن' کہلاتا (کیوڈائی مسوبی)۔ اور جوڑا رسم کے مطابق ایک دوسرے سے وفادار رہنے کا عہد کرتا اور وقت گزرنے کے ساتھ اپنے تعلقات کو دستاویزی شکل دینے کی غرض سے تحریری حلف بھی رائج ہوگیا۔ ہمیں چاہیئے کہ ان معاملات میں قدیم یونان اور شاہی چین کے درمیان مماثلتوں پر توجہ دیں۔

قصے کہانیوں کا اتنا بڑا ذخیرہ جو ہندوستان، چین اور جاپان کے متعلق ۱۱۰۰ء تک کی ہیں اور جنہیں کونجا کو کہا جاتا ہے اور جن کی کہانیاں (اٹھائیس جلدوں میں ہیں) اور بغداد کی الف لیلی سے ضخامت میں زیادہ ہیں ان میں مردانہ عشق کا بھی ذکر ہے۔ تو کیا وہ کہانیاں جو اوجی کی داستان سے ماخوذ ہیں اور ایک صدی بعد کی ہیں ان میں سے ایک آموختہ جس میں کچھ نفسیاتی ذکاوت کی شمولیت سے فوجی وارا نوزویو کی کہانی جو کویوٹو کے نزدیک ایک معبد کا سربراہ پروہت ہے اور جس کا انتقال ۱۱۱۶ء میں ہوا۔ وہ ایک نوآموز پر لٹو ہوگیا جو رقص کرتا اور بازیگر تھا۔ زویو نے اسے ترغیب دی کہ وہ بھی ایک راہب بن جائے تاکہ وہ اس کے نزدیک رہے۔ لڑکے نے عمر رسیدہ شخص کی محبت میں مگر اپنے میلانات کے خلاف آمادگی ظاہر کردی اور بھکشو والے کپڑے زیب تن کر لئے۔ تاہم الفت گھٹنے لگی یہاں تک کہ ایک دن سربراہ پروہت نے لڑکے سے کہا کہ وہ اپنے وہی کپڑے پہن لے جو وہ اس دن پہنے ہوئے تھا جب وہ اس سے پہلی مرتبہ ملا تھا اور اسے اپنا ناچ دکھایا تھا۔ جوں ہی لڑکا اس کی فرمائش پوری کرتا ہے عشق لوٹ آتا ہے اور پروہت اس پر تاسف کرتا ہے کہ آخر اس نے کیوں لڑکے سے اپنے دیوانی حلیے کو بدلنے کو کہا تھا۔

یہی وہ زمانہ ہے جس میں جاپانی شہوانی آرٹ کے عظیم ترین شاہکاروں میں سے چند ایک تخلیق پائے۔ یہ شنگا طوما بہت بڑی تعداد میں رواج پاگئے جن میں جنسکاری کے تمام آسنوں کو آزادانہ دکھایا جاتا جس میں تفصیلات کے جلو میں مصوری اپنے عروج پر ہوتی۔ ''روایتی جاپان کے لئے'' یہ ہمیں ایک جدید انسائیکلو پیڈیا بتاتی ہے۔ ''جنسکاری نہ تو عشق کی کوئی رومانی مثال تھی اور نہ ہی خداؤں کی کوئی مذہبی رسم۔ سادہ سی زبان میں یہ دو مختلف جنسوں کی پرمسرت یکجائی کے علاوہ ایک فطری وظیفہ ہے۔ اس طرح شنگا جاپانی

فنکاروں کی نظر میں ایک عام سا موضوع سمجھا جاتا، نہ خلاف معمول یا اہانت آمیز بالکل ایسے ہی جیسے کوئی فنکار برہنہ جسم سازی کرے یا پھر کوئی کلاسیکل مجامعت والا منظر کسی اہل مغرب کی نظر میں۔'' لاتعداد طومار ہم جنس پرستی کے اطوار سے بھرے پڑے ہیں جو ہمیشہ دبری مجامعت کی صورت میں ہیں ان میں سے سب سے زیادہ قابل ذکر جو تاریخی طور پر فنکارانہ نقطہ نظر سے ایکولائیٹس سکرول (چیگو نوسوشی) جو آج کل سامبوین معبد کے دائے گوجی خانہ نوادر میں رکھا ہے جو کیوٹو شہر کے جنوب میں واقع ہے فنون کے مورخین کا خیال ہے کہ اس کے موضوع سے صرف نظر کر کے ایکولائیٹس سکرول کو قومی خزانے کا مرتبہ بھی دیا جاسکتا ہے۔

نان شوکو سے سب سے زیادہ مشابہت زین بدھ مت کو دی جاسکتی ہے جسے چین سے لاکر ۱۲۳۶ء میں متعارف کرایا گیا تھا۔ جہاں پر یہ کئی صدیوں سے اپنے قدم جمائے ہوئے تھا۔ اس کے نہایت سادگی والے نظم و ضبط نے نئے سمورائی کے جنگجو طبقے کو متاثر کیا جس نے بعد ازاں ایک مخصوص سیاسی اہمیت کا مقام حاصل کرلیا۔ اس کے علاوہ زین مت کا جاپان کے دیوانی تمدن پر گہرا اثر مرتب کرنے کے علاوہ ، شاعری کو متاثر کیا، مصوری ، خوشخطی ، باغبانی اور چائے نوشی کی تقریبات کی مناسک سازی میں اعانت کی ۔ زین بھکشو جنہوں نے شاعری کی وہ اظہار خیال چینی زبان میں کرتے اور اپنے ہم عصر چینیوں کے برعکس انہوں نے اپنی تخلیقات میں مردانہ عشق کو اہم موضوع کے طور پر برتا۔ کاٹو سویچی جاپانی ادب پر اپنی تاریخ میں یہ کہتا ہے'' کہ اس نوعیت کی ہم جنس پرستی کی شاعری اور نثر نگاری کا فروغ میوروماچی عہد میں جاپانی تمدن کے لئے ایک بہت بڑا اثاثہ ثابت ہوا جو زین مت کی بڑی دین ہے۔'' کاٹو ایک نظم کا حوالہ دیتا ہے جو ریوسوشو (۱۴۶۲ء) سے لی گئی ہے جو توشوجن کا رہنے والا تھا اور جس کا زور تخیل ہمیں منگ کے چین میں پہنچا دیتا ہے۔

ہم نے ایک ہی بستر پر شب بسر کی
اور اب زرد چاند کو تاک رہے ہیں جو صبح میں دریچے سے جھانک رہا ہے
ہم دونوں کی پرچھائیں پردے پر پڑ رہی ہے

منی سی چینی بطخوں کا جوڑا

میں تو رتجگے کا مزہ پوری عمر یاد رکھوں گا

میرا معبد تو بالکل کمشان مندر کی طرح ہے جو دریائے یانگ زی پر ہے

سب سے قدیم عہد وسطی کا جاپانی ادب کا قابل ذکر ایسا کام جس میں مردانہ عشق بیان کیا گیا ہوتا ہم، نام نہاد چیگو مونو گاتاری ہے یا ایکولایٹ کہانیاں جو بدھ پروہتوں کے عشق کو دکھاتی ہیں یا پھر بھکشوؤں کو لڑکوں کے لئے خانقاہوں میں سرگرداں دکھاتی ہیں۔ مارگاریٹ چایلڈز کے ہم بہت ممنون ہیں کہ اس نے نہایت پراثر کہانیوں کا ترجمہ کر دیا۔ ''جینمو کا قصہ'' اور (ایک طویل قصہ جو خزاں کی رات کا ہے)۔''جینمو کا قصہ'' (جس پر بعد کی تاریخ ۱۴۸۲ء ڈال دی گئی جب کہ یہ کہیں قدیم تر ہے) ایک معاملہ عشق کی کہانی ہے۔ جو بدھ مت کے اثرات سے معمور ہے۔ جوان جینمو ایک حلف برداری کی تقریب میں ایک نوجوان کو دیکھتا ہے اور اس کے حسن کو دیکھتا ہی رہ جاتا ہے۔ اس کے بکھرے ہوئے بالوں کی آب و تاب سے ذہن میں یہ خیال آتا ہے جیسے موسم بہار کی بارش میں کسی پرسکوت شام میں چیری بلاسم جھکی جارہی ہو یا پھر علی الصبح بید مجنوں کی جھومتی شاخیں۔ نہ ہی لفظ نہ کوئی تصویر اس سکوت کا ابلاغ کر سکتی ہے۔ یہ واقعی ایک سحر انگیز منظر تھا۔

لڑکے کے رخصت ہونے کے بعد ہانا ماتسو کو آنے میں برفباری کے سبب مقبرے سے واپسی میں تاخیر ہو جاتی ہے، وہ اور جینمو پوری ایک شام نظموں کی دھنیں تیار کرنے میں صرف کر دیتے ہیں۔ اپنی کٹیا کی طرف واپس آتے ہوئے ''عشق کا مارا دل لئے ہوئے۔'' جینمو یہ پاتا ہے کہ ''اس لڑکے کی شبیہہ نے جس کے عشق میں وہ مبتلا ہو چکا تھا اس نے اس کے تمام طاہر خیالات کو تہس نہس کر ڈالا تھا۔ لیکن جب نوجوان کی دعوت پر وہ ہانا ماتسو خانقاہ کو لوٹتا ہے تو اسے کوئی پناہ گاہ نہیں ملتی سوائے سنسان مستطیلی کمرے کے جہاں وہ بانسری کی ایک بھیانک آواز سنتا ہے۔ ''سرور بخش اور ڈراونی'' بجانے والا ہانا ماتسو ہے اور ایک مرتبہ پھر وہ پوری رات نظمیں کہنے میں بسر کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد لڑکا اسے بانسری حوالے کر کے اڑن چھو ہو جاتا ہے۔

شام میں جینمو کو معلوم ہوتا ہے کہ ہانا ماتسو سترہ دن ہوئے مر چکا ہے جب وہ اپنے

مقتول باپ کا انتقام لے رہا تھا۔ جیمنو ایک رات کسی بھوت کے ساتھ بسر کر چکا تھا۔ جیمنو غم واندوہ اور احساس جرم سے مغلوب ہو جاتا ہے اور اسے توبہ و استغفار کرنے کا احساس پیدا ہونے لگتا ہے۔'' ایسے ہی افسوس اور ذہنی عذاب میں وہ سوچتا ہے: میں نے کیسی حماقت کی کہ اس محبت کے جنجال میں خود کو ڈال لیا جو ایک رومانی شوق ہے اور اسی لئے ایک روح سے سابقہ پڑا۔۔۔ اگر ہم یہیں پر ایک طویل وقفہ کرلیں اور اس کے متعلق سوچیں، اس حقیقت پر کہ ہم سب کو بوڑھا ہونا ہے اور مرنا ہے جو بالکل عیاں ہے۔۔۔ تو میں تو بھٹک گیا! میں کتنا شرمسار ہوں! لوٹس سوترا اناڑیوں اور جوانوں کو عشق کرنے سے منع کرتا ہے کہ یہ ایسی شے ہے جس سے انہیں اجتناب کرنا چاہیئے۔ جین شن اپنی تصنیف لازمی ہدایات برائے نئی جون۔۔۔ اور زور دے کر کہتا ہے کہ عشق کی سزا تیسرے جہنم میں ملے گی۔ اس کے نتیجے میں کچھ بھی ہوسکتا ہے مگر دنیا میں متواتر جنم ممکن نہ ہوگا۔ لوٹس سوترا جو ایک ہندوستانی فن پارہ تھا اوراس میں جوانوں کے عشق کرنے پر ناپسندیدگی ظاہر کی گئی تھی۔ گین شن ایک جاپانی پروہت تھا جس کی تعلیمات (۹۸۴ء) بعد کی صدیوں میں بہت مصروف رہیں۔ اگرچہ اس کا منفی فیصلہ جو نان شوکو پر تھا قطعاً نظرانداز کردیا گیا۔

کویا کے پہاڑ پر واقع کوبو دیشی کے مقبرے میں عبادت کرتے ہوئے جیمنو ایک بیس سالہ بھکشو سے ملتا ہے جو آخر میں ہانا ماتسو کا قاتل نکل آتا ہے۔ اس کے شکار کی جوانی اور حسن پہلے ہی جوان آدمی کے اندر شرمندگی کا احساس پیدا کر چکا تھا اور جس سے مجبور ہو کر اس نے مذہبی زندگی اختیار کرلینے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ وہ اور جینمو غمزدہ رہتے ہیں اور مذہبی پارسائی پر عمل درآمد کرنے لگتے ہیں یہاں تک کہ انہیں موت آجاتی ہے یہی کوئی چالیس سال بعد۔ انہیں مغربی جنت میں بدھ کی رفاقت میسر آتی ہے اور انہیں وہی کنول والی نشست ملتی ہے جو دایمی قیام گاہ ہے۔ یہ تب جا کر فاش ہوتا ہے کہ ہانا ماتسو درحقیقت بدھی ستوا مونجو کا پرتو تھا جس نے یہ وسیلہ محض اس لئے اختیار کیا تا کہ دونوں افراد کو نروان میں لے آئے۔ کہانی کا دارومدار ایک مخمصے پر ہے جو عہد وسطی کے مسیحی ماحول میں ناقابل فہم تھا۔ کہ ممنوع معاملہ عشق کیونکر نجات کا سبب بن سکتا ہے۔

یہ بھی کہا گیا کہ جینمو کی کہانی (ایک طویل قصہ جو خزاں کی رات کا ہے) سے متاثر

ہو کر لکھی گئی جو پہلی مرتبہ قلمی حالت میں ۱۳۷۷ء سے پہلے دریافت ہوئی تھی۔ ماسٹر کی کاتی ایک اعلیٰ مرتبہ پروہت اور استاد تھا جسے ادبی شہرت اور فوجی اعزاز اپنی ''فتح یاب شمشیر اور غضب کی جرأت'' پر ملی تھی۔ لیکن وہ اپنے مذہبی فرایض نظر انداز کرنے پر یوں شرمندہ ہے کیونکہ یہ دنیاوی مکروہات مانع رہے اور وہ اب اپنی نجات کے لئے اشی یاما کے مقام پر بدھی ستوا کانن کے سامنے عبادت کرنے آیا ہے۔ (کانن بدھی ستوا کا ''بے کنار رحم والا تھا'' جسے جاپانی مسیحی بی بی مریم سمجھتے ہیں۔) مقبرے پر وہ ایک خوبصورت سولہ سال کے اشرافیہ کے لڑکے کے عشق میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ حالانکہ لڑکا خود بھی نہایت پاک طبیعت ہے۔ مگر وہ اس کی الفت کا جواب دیتا ہے اور رات گئے اس کے کمرے میں پہنچتا ہے۔

> انہوں نے ایک دوسرے کے سامنے اپنے دل کھول کر رکھ دیے اور خوب روئے۔ جب وہ ہم بستر ہوئے تو انہوں نے خوب وعدے وعید کیے۔ نہ تو ان کے شیریں الفاظ ختم ہوئے جب ٹھنڈے کمرے میں ان کے خواب اچانک پریشان ہو گئے۔ وقت کی قلت کے باعث یہ ممکن نہ ہوا کہ ان کے آنسو خشک ہو لیں، انہوں نے بڑی کبیدگی سے کسی چڑیا کا چہچہانا سنا جو بانس کے درخت کی ایک شاخ پر بیٹھی تھی اور صبح کے آغاز کا اعلان کر رہی تھی۔۔۔ سحر کے چاند کی روشنی کمرے میں پھیلی ہوئی تھی جو مغربی کھڑکی سے آ رہی تھی۔ نوجوان کی نند اسی آنکھوں پر بال بکھرے ہوئے تھے اور چہرے پر ہلکے سے سٹپٹانے والے تاثرات تھے۔ یہ دیکھ کر اور یہ سوچ کر کہ وہ لڑکے کی مفارقت جھیلے گا اس کے بعد ماسٹر نے محسوس کیا کہ وہ جدائی کیونکر برداشت کرے گا۔

اس کے باوجود کہ بدھ مت نان شوکو کا رسماً مخالف ہے لیکن اس کہانی میں کسی بھی نوعیت کے اخلاقی تضاد کا ذکر نہیں ملتا۔

لیکن لڑکا اپنی خانقاہ چھوڑ کر پروہت کی آمد کے جواب میں جب روانہ ہوتا ہے تو اسے راہ میں عفریت پکڑ لیتا ہے اور ایک تاریک غار میں مہینہ بھر قید رکھتا ہے اس کے بھکشو ساتھی کی کائی خانقاہ کے بھکشوؤں پر اس کی گمشدگی کا الزام لگا دیتے ہیں جس کے نتیجے میں ایک خونی بلوہ شروع ہو جاتا ہے جس میں ہزاروں ہلاک ہو جاتے ہیں۔ رہا ہونے پر لڑکا

اپنی خانقاہ کی جگہ راکھ کا ڈھیر پاتا ہے۔ وہ ڈوب کر جان دے دیتا ہے اور کے کائی کو اس کے اتارے ہوئے کپڑے نہر کے کنارے ملتے ہیں۔ اپنے متوفی معشوق کے لئے آہ وزاری کرتے کرتے وہ خلوت پسند تارک الدنیا بن جاتا ہے۔''تیری ہوئی دنیا کے خوابوں سے جاگنے کے بعد۔'' خانقاہ کی سرپرست روح اس پر الوہی منصوبہ فاش کرتی ہے۔'' کی کائی کا نروان اس طرح پایہ تکمیل کو پہنچا کہ اشی یاما کنون۔ خود کو ایک نوجوان کے روپ میں لائی۔'' یہ واقعات اور کی کائی کی قابل تقلید زندگی بہت سے لوگوں کے نجات کا سبب بنی۔ ایک مرتبہ پھر ایک عشقیہ معاملے نے ایک مذہبی معجزہ کر دکھایا۔

سمورائے اور شوگن:

جاپانی تاریخ کے اگلے مرحلے میں جوانوں سے عشق سیاسی اور فوجی اہمیت اختیار کر گیا بطور جاگیردار جنگجو سماج کے فیصلہ کن عنصر کے۔ جاگیرداری نے جاپان میں بھی ان ہی وجوہ پر بالادستی حاصل کر لی جن اسباب سے اس نے یورپ میں سر اٹھایا تھا۔ یعنی موثر مرکزی اقتدار کے خاتمے سے کیوٹو کے ہیان شہنشاہوں کے ہاتھوں سے ملکی اختیار نکل گیا۔ ان کی انتظامیہ ٹھپ ہو کر رہ گئی اور علاقائی جاگیرداروں نے اختیارات سنبھال لئے۔ شہنشاہ گو۔ شیراکاوا (ح ۱۱۵۶۔۱۱۵۸ء) نے اپنے دیگر اسلاف کی طرح کہیں زیادہ موثر طریقے سے اس وقت حکومت کی جب وہ ریٹائر ہو گیا۔ اس معاملے میں مزید کوئی اور چونتیس سال۔ وہ بدھ مت کا کٹر حامی اور عمدہ موسیقار تھا۔ گو شیراکاوا نوجوان فوجی وارا نو بو یوری کے عشق میں گرفتار ہو گیا جسے اس نے ایک اہم عہدے پر فایز کر دیا۔ تاہم اس کا انجام المناک ہوا۔ نوجوان کو ۱۱۵۹ء میں اس وقت سولی دے دی گئی جب اس نے ہی جی بغاوت کے دوران میں شہنشاہ سے بغاوت کی۔

ہی جی بغاوت جاپانی تاریخ میں ایک فیصلہ کن واقعہ ثابت ہوئی۔ اس کا خاتمہ مینا موٹو یوری ٹومو کی فتحیابی پر ہوا۔ جس کی قوت کو گو۔ شیراکاوا نے ۱۱۹۲ء میں تسلیم کر لیا اور اس کا نام شوگن رکھ دیا یا فوجی کمانڈار۔ کوئی چھ سو برس سے زیادہ عرصے تک ایسے افراد اس

خطاب کے ساتھ شہنشاہ کے نام پر کارروایاں کرتے رہے جو اب محض تقریبات کے لئے کٹھ پتلی سربراہ بن کر رہ گیا تھا۔ درباری اشرافیہ کے اثر ونفوذ سے بچنے کی خاطر یورٹومو نے اپنا صدر دفتر کا ماکورا میں قایم کرلیا تھا۔ یہ ایسا قصبہ تھا جو ایک کھاڑی میں ڈیڑھ سو میل کے فاصلے پر جدید ٹوکیو کے قریب تھا۔ یہیں سے میناموٹو شوگنوں کے نام نہاد کا ماکورا عہد کا افتتاح ہوا۔ جو ۱۳۳۳ء تک چلا۔

اس ہیبتناک شخص نے جاپان میں پہلی فوجی حکومت قائم کی اور جاپانی تاریخ میں اسے ''ناچہیتا شخص'' بیان کیا جاتا ہے۔ اس کی کامیابی کی کہانیوں میں چند ایک ہی انسانیت نوازی کی حامل ہیں جن میں اس کے اپنے لونڈے یوشی ناؤ سے تعلقات بھی ہیں جو شاہی محافظ دستے کا ایک نوجوان افسر تھا۔ اسی میں اور دیگر مقامات پر بھی یوری ٹومو نے ایک قابل ذکر نظیر قائم کی۔ جنگ سے شکستہ حال آنے والی صدیوں میں خوبرو نوجوان مردوں نے متعدد شوگنوں کی زندگی میں اہم کردار ادا کئے۔ یہ جوان کوئی بودے اور پھولوں جیسے نازک نہیں تھے جیسے معبدوں میں مبتدی شاگرد ہوتے ہیں۔ بلکہ اکثر وہ بیشتر رنگروٹ جنگجو ہوتے۔ وہ وکاشو کہلاتے اور ان سے عشق کو واکا شوڑو یا سادہ الفاظ میں شوڑو کہا جاتا تھا۔ یونان کی طرح عاشق سے یہ توقع کی جاتی کہ وہ خود کو اس کا اہل ثابت کرے کہ وہ معشوق کے لئے مرنے کو آمادہ ہے۔ مردانہ عشق کے سترہویں صدی کے ایک وکیل کا دعوی (برخود غلط) تھا کہ جس معشوق کے لئے چینی شہنشاہ آئی نے اپنی کمخواب کی آستین کو کاٹ ڈالا تھا اس نے خود کو شہنشاہ پر قربان کردیا تھا اور یوں اس روایت کو ولولہ خیز بنادیا اور ''کوئی مصاحب اس لئے خودکشی کرے تاکہ اپنے آقا کے ساتھ قبر میں چلا جائے چاہے چین ہو یا جاپان۔'' حقیقت تو یہ ہے کہ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں نوجوان آدمی کو آئی کی موت کے بعد دربار کے جارحیت پر مایل ارکان نے قتل کرادیا۔ اس کے باوجود نان شوکو کا ترجمان یہ اعلان کرتا ہے کہ ''ان میں سے زیادہ تر جو میدان جنگ میں دھاوا بولتے ہیں، دشمن کے وار کو خالی جانے دیتے ہیں اور اپنے آقا کا آخری دم تک ساتھ دیتے ہیں وہی آقا کے مردانہ جنسی رفقا ہوتے ہیں (جی موٹسو)

لیکن حقیقی زندگی میں جاگیردارانہ ذمہ داریاں اور مثالیت پسند عشق کے مطالبات ممکن

ہے ایک دوسرے سے متصادم ہوجائیں۔ کوئی سمورائے ممکن ہے کسی ہرکارے پر عاشق ہوجائے جو آقا یا جاگیردار کا ہم بستر ہو۔ یا پھر اپنے آقا کے لئے اس کے فرایض یہ تقاضہ کریں کہ وہ اپنے عشق کو قتل کردے یا ایسے فرد کو جو اس کے قریب ہو۔ ایک مثالی کہانی جو اس نوعیت کی ہے ای ہارا سایے کاکو کی ہے ''دو دشمنوں کا المناک عشق۔'' کتاب سمورائے روح کی کہانیاں (۱۶۸۸ء) میں سے۔ جب سن پاتجی کو اس کا جاگیردار حکم دیتا ہے کہ وہ اس کے بہترین دوست کو قتل کردے تو دوست کی بیوہ سکونت ترک کرکے کسی دور دراز صوبے میں رہایش اختیار کرلیتی ہے جہاں وہ ایک بیٹے کو جنم دیتی ہے جس کا نام شای نو سوک ہے۔ برس ہا برس کے بعد سن پاتجی عورت اور بچے کو پہچانے بغیر ان سے ملتا ہے جو غربت میں جی رہے ہیں۔ ان کی ذاتی شایستگی سے متاثر ہوکر وہ ان کی مدد کرتا ہے اور پھر لڑکے پر عاشق ہوجاتا ہے۔ جب ماں کو احساس ہوتا ہے کہ سن پاتجی کون ہے تو وہ بیٹے کو حکم دیتی ہے کہ وہ اسے قتل کردے۔ شای نوسوک احتجاج کرتا ہے کہ وہ اپنے مربی کو قتل نہیں کرسکتا لیکن سن پاتجی احتجاج کرتا ہے۔ ''مجھے تمہارے ہاتھوں مرنے میں خوشی ہوگی، آؤ اور مجھے قتل کردو اور اپنے باپ کا انتقام لو۔'' ماں کے کان میں یہ باتیں پڑ جاتی ہیں '' میں تم دونوں ہی کو سراہتی ہوں۔ دونوں ہی بات کے دھنی ہو۔ امشب تم ایک دوسرے کو پھر سے چاہ لو۔ میرے جی میں ہے کہ تمہیں ایسا وقفہ میسر آجائے۔ یہ المناک کہانی یوں ختم ہوتی ہے کہ جب صبح میں ماں کمرے میں داخل ہوتی ہے اور کیا دیکھتی ہے کہ ''شائی نوسوک نے سن پاتجی کا کلیجہ اپنی تلوار سے چھید دیا ہے اور جو اس کے اپنے سینے سے پار ہوکر پشت میں نکل آئی ہے۔''

قدیم یونان کی طرح جاپانی تمدن نے شوڈو کو مثالی شے بنادیا جو اخلاقیات اور فوجی جرأت کا مرکب بن گیا۔ ۱۴۸۲ء میں جب فیسینو فلورنس میں افلاطونی عشق کی تفسیر پیش کررہا تھا ایک جاپانی مضمون نگار بنام اجیری چوسوک یہ لکھتا ہے۔

> ہماری جاپانی مملکت میں یہ وضع خاص طور سے ہمارے عظیم کوبو کے عہد سے پھیلی ہے۔ اور کیوٹو اور کاماکورا کے معبدوں میں۔۔۔ اور شرفا اور جنگجوؤں کی دنیا میں عشاق مکمل اور دایمی عشق کے لئے حلف اٹھائیں گے اور صرف اپنی نیک نیتی ہی

پر انحصار نہ کریں گے۔ چاہے ان کے رفیق شرفا کے طبقے سے تعلق رکھتے ہوں یا عوام میں سے ہوں، غریب ہوں یا امیر اس کی قطعاً کوئی اہمیت نہیں ہے۔ جس کے نتیجے میں کچھ تو اپنی جائے داد گنوا بیٹھے یا پھر عہدہ اور یہ سبق عشق جنوں خیز کا نتیجہ تھا۔ جب کہ دیگر کو اچھا مرتبہ ملا یا پھر ان کو اپنے عشق کے طفیل ناموری حاصل ہوئی۔۔۔ مذکورہ وضع کی واقعی عزت کی جانا چاہئے اور اس کی سعی کی جانا چاہئے کہ یہ ناپید نہ ہوجائے۔

گمنام مقالہ شن یوکی (روحانی ساتھیوں کی دستاویز ۱۶۴۳ء) میں بدھ مت میں ترس کھانے کے خیالات (جی ہی) اور ہمدردانہ عشق (نا سکے)۔

اس میں کسی عاشق کے لئے احساسات کو مذہبی فرض کا درجہ دے گیا جس پر عملدرآمد کوئی لوگ دشوار جانتے ہیں۔''چند ہی جوان اور خوبصورت مرد ایسے ہیں جن میں روح بھی ہے۔اس سے اس ضرب المثال کی تصدیق ہوجاتی ہے کہ حسن بالعموم بے روح ہوتا ہے۔ جو اس جون میں معذور پیدا ہوتا ہے ممکن ہے اپنی گذشتہ حیات میں حسین ہو اور اس نے اپنے مداحوں سے بے اعتنائی برتی۔موجودہ جسمانی نقص سابقہ زندگی بے روح ہونے کا نتیجہ ہے۔۔۔ یہ بھی ہے کہ اگر تم اپنے چاہنے والوں کو اپنے دل میں جگہ دینے سے قاصر رہو تو تم پر لازم ہے کہ اس ذمہ داری کو اپنے اطوار کا حصہ بنالو۔'' دیگر ماہرین اخلاق کے نزدیک شوڈو اس لئے ضروری تھا تا کہ ''گفتار میں نرمی'' پیدا ہو۔اور پھر'' نرم رویے میں مزید بہتری'' مزید اصرار یہ کیا گیا کہ ''اگر تم مہاتما بدھ کی تعلیمات حاصل کرنا چاہتے ہو اور بیداری حاصل کرنے کی توقع کرتے ہو تو تم لازماً شوڈو پر عمل کرو گے۔کیونکہ یہ راہ ہی اس راستے کی طرح ہے جس سے سچی بیداری ملتی ہے۔اور یوں ہم خود کو اس کے سپرد کر سکتے ہیں۔''

لیکن عمر رسیدہ رفیق کا کیا ہوگا۔اگر لڑکا اپنی ذات میں عشق اور فرض کے اوصاف پیدا کرے تو ایسی کونسی صفات ہوں گی جنھیں مثالی نجا کہا جائے؟ سونیو وتنابے نے اپنی کتاب 'دس انچ کا آئینہ برائے مردانہ عشق' (۱۶۸۷ء) میں اس مثالیت پسندی کا خلاصہ پیش کیا ہے۔

یوں، واکاشو کو اس کی ذمہ داری کا صلہ دینے کے لئے نجا پر فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اس کی تعلیم کا انتظام کرے۔ ''یہ ایک سنگین غفلت ہوگی اگر واکاشو (لونڈے) کو تعلیم نہ دلائی جائے جو حقیقی اور مجازی عشق میں خط امتیاز ہے۔ یہ کبھی نہ بھولے ''کہ واکاشو اگر نامعقول ہے تو ہم اس کے عاشق کی حالت زار کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔'' جو اپنے معشوق کو تعلیم نہیں دلا سکتا تو وہ شوڈو کا پیروکار بننے کے لئے نااہل ہے۔ اس لئے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ چند لمحے کے لئے اس کی عملی تعبیر کے سوال کو ایک طرف رکھ دیتے ہیں کہ طویل عرصے کی شکست وریخت کے طفیل جاپانی ہم جنس پرستی کی روایت حتمی طور پر قدیم یونان کی شہوانی تعلیم کے ہم پلہ ہو سکی۔

جب ہم یہ کوشش کرتے ہیں کہ جاپانی مردانہ عشق کا شوگن ریاستوں میں سراغ لگائیں تو ہمیں ان میں ڈرامہ زیادہ دکھائی دیتا ہے لیکن بلند مثالیت بہ مشکل نظر آتی ہے۔ میناموٹو شوگنوں کی حکمرانی اس وقت اختتام کو پہنچی جب شہنشاہ گو۔ دائیگو نے شاہی اقتدار کو ۱۳۳۳ء میں بحال کرلیا۔ لیکن گو۔ دائیگو کو اس کے اہم ترین حلیف نے جب دغا دی جس کا نام آشی کاگا تاکاوجی تھا جس نے پانچ سال بعد ایک حریف شہنشاہ بٹھا دیا اور خود شوگن بن بیٹھا۔ تاکاؤجی نے اب فوجی مرکز کو کاماکورا سے ٹوکیو کے ضلع موروماچی میں منتقل کر دیا۔ جہاں سے جاپانی تمدن (۱۳۳۸۔۱۵۷۳ء) کو ایک نیا نام مل گیا۔ موروماچی جاپان نے پندرہ اشی کاگا شوگن خلق کئے، جن میں سے چھ بہ شمول تاکاوجی کے یہ معلوم ہے کہ وہ واکاشو (لونڈے) معشوق رکھتے تھے۔ اگر ان میں ہم توکوگاوا شوگنوں کو بھی شامل کرلیں جو ان کے بعد سترہویں اور اٹھارویں صدی میں شوگن بنے تو ہم سمجھ سکتے ہیں کہ جن چھبیس شوگنوں نے جاپان پر (۱۳۳۸۔۱۸۳۷ء) تک حکومت کی ان میں سے کم از کم آدھے شوگنوں کے مردوں سے معاشقے ہوئے۔

حصول اقتدار کی خونریز جدوجہد کے وبال میں الجھے رہنے کے ساتھ اشی کاگا شوگن سلطنت کا ملک پر سے اقتدار ختم ہو گیا اور ملک افراتفری والی خانہ جنگی میں پھنس گیا۔ اس کے باوجود موروماچی جاپان تمدنی کامرانیوں سے جگمگا گیا جس نے جاپانی آرٹ اور ادب

کے سانچے ڈھال دیے۔ اس عہد کو پہلی مرتبہ رفعت تاکاوجی کے پوتے یوشی مٹسو کے دور حکومت میں ملی۔ جس نے ۱۳۶۷ سے ۱۳۹۴ء تک حکمرانی کی اور پھر ریٹائر ہو کر ۱۴۰۸ء تک۔

اگر چہ یوشی مٹسو ایک لائق رہنما تھا جس نے اشی کا گا اقتدار کو مستحکم کیا اور اس نے اپنی عظیم ترین شہرت اس طرح حاصل کی کہ اپنے دربار میں آرٹ اور علم کو اہمیت دی جو چند امور میں کوسیمو ڈی میڈیسی کے دربار کی ہم پلہ تھی جس کی وہ فلورنس میں اگلی نسل میں صدارت کرنے والا تھا۔ اس سنہری دور میں شانہ ارکٹیایاما کا زمانہ ابھرا۔ جس کا نام کیوٹو کے ایک ضلع پر پڑا جہاں یوشی مٹسو نے اپنے واسطے ایک رفیع الشان محل تعمیر کرایا تا کہ جس میں وہ اپنی ریٹائرمنٹ کی سرگرم زندگی بسر کر سکے۔ یہیں پر بدھ بھکشوں کا تمدن جو قدیم ہیان اشرافیہ کے ساتھ ساتھ نئے فوجی رہنما اشتراک عمل کرتے اور پھلتے پھولتے۔ یہ جاپانی نشاہ ثانیہ اپنے ''پانچ پہاڑ'' والی شاعری جو بدھ مت کے زین فرقے کے زیر اثر تھی، اس کے علاوہ دوات والی تصاویر کشی، اس کا طرز تعمیر (خاص طور پر اپنے سنہری پولین جسے یوشی مٹسو نے کیتا یاما جاگیر میں تعمیر کروائی تھی) اور ان سب پر یہ کہ اس نے ''نو'' ڈرامے کو فروغ دے کر ایک شستہ ادبی ہیت دے دی۔

یوشی متسو کا بیٹا یوشی موچی جو چوتھا اشی کا گا شوگن (ح ۱۳۹۵۔ ۱۴۲۸ء) بنا۔ ایک سمورائی نوجوان آ کا ماتسو ماچی ساڈا سے عشق کرتا تھا۔ جو آ کا ماتسو شاہی خانوادے کا ایک شہزادہ تھا۔ پندرہویں صدی کی ایک تاریخ ہمیں یہ کہانی بتاتی ہے ''ایک نہایت خوبصورت جوان مرد (ماچی ساڈا) کو تین صوبوں کی صوبہ داری محض اس لئے مل گئی جو آ قا (یوشی موچی) نے ہم جنس پرستی کے رشتوں کے عوض نوازشات کی تھیں۔ آ قا کی نوازشات پر اتراتے ہوئے اس نے ایسے من مانے اطوار اختیار کر لئے جن سے وہ نا انصافی کا ارتکاب بھی کرنے لگا اور جن پر ہر ایک ناک بھوں چڑھانے لگا۔ مگر کوئی بھی آ قا کے منظور نظر معشوق پر الزام لگانے کی جسارت نہ کر سکا۔ تاہم آ کا ماتسو متسو سوکو جو آ کا ماتسو قبیلے کا سربراہ تھا اس (بداطواری) کو قبیلے کی توہین سمجھ کر اس نے کئی بڑے سرداروں کو اپنے ہاں جمع کیا اور موچی ساڈا کے خلاف الزامات کی فہرست پیش کی جوان کی تردید نہ کر سکا۔''

جس نے یوشی موچی کے ہاتھ باندھ دیے تس پر اس نے اپنے معشوق کو حکم دیا کہ وہ سیپوکو پر عمل کرے۔ شوگن نے کبھی بھی متسوسوکو کو معاف نہ کیا اور اپنی موت تک دل میں نفرت رکھے رہا۔

یوشی موچی کا چھوٹا بھائی یوشی نوری (ح ۱۴۲۹۔۱۴۴۱ء) جو دس سال کی عمر سے بدھ مت کا بھکشو بن گیا تھا۔ جب پینتیس برس کا ہوا تو وہ خلاف توقع شوگن بن گیا۔ اس نے خود کو مذہبی رنگ ڈھنگ سے جدا کرلیا اور حیران کن حد تک ایک طاقتور حکمراں ثابت ہوا۔ یوشی ناری جو ان ارباب نشاط کے حجروں سے لطف اندوز ہوتا جو دیبلوں میں ہوتے اور انہیں اپنے محل کی جانب روانگی میں خدم وحشم میں شریک کرلیتا۔ جہاں ان کے پاس انکار کی گنجائش نہ رہتی اور وہ اس کے بستر میں شریک ہوتے۔ لیکن کسی جوان آدمی سے جنونی عشق کے سبب یوشی نوری اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ ایک مرتبہ پھر آکاماتسو متسی سو کے نے فیصلہ کن کردار ادا کیا۔ جب یوشی نوری نے یہ منصوبہ بنایا کہ ایسے تین صوبوں کو جو مٹسو سوکے کے زیر انتظام ہیں انہیں اپنے کم عمر معشوق کو دے دیا جائے، جس پر مٹسو سوکے نے یوشی مورا کو کیوٹو میں ایک ضیافت میں مدعو کیا اور قتل کردیا۔

یوشونوری کے جانشین نے مزید بربادیاں دیکھیں کیونکہ آشی کاگا خاندان کے نصیب کے ستارے نے ایک منحوس موڑ لے لیا اور پھر نہ ختم ہونے والے بکھیڑے ابل پڑے جن کا نتیجہ ایک خونخوار بغاوت کی صورت میں نکلا۔ جنگ اونن جو ۱۴۶۷ سے ۱۴۷۷ء تک چلی جس کے خاتمے پر کیوٹو ملبے کا ڈھیر بن چکا تھا کوئی ایک صدی بعد اتحاد بحال ہوا وہ بھی ان تین مہموں کے بعد جو ''اتحاد کرانے والے تین ہیرو'' کہلاتے ہیں۔ عظیم جنگجو اوڈا نابنگا ٹیوٹو مو ہایڈیوشی اور ٹوکو گاوالی آسو۔ بالآخر ۱۶۰۳ء میں ٹوکو گاوا شوگن خاندانی سلطنت برسر اقتدار آگئی اور ایک شکستہ حال ملک ایک ڈھائی سو سالہ بے نظیر امن کے عہد میں داخل ہوگیا۔

نو ڈرامہ اور کابوکی:

دنیا کا قدیم ترین جاری وساری پیشہ ورانہ تھیٹر جاپان کا 'نو' تھیٹر ہے۔ نو کا وجود ایک خام آمیزے کا مرہون منت ہے جس میں مقبول عوامی ناچ، مذہبی رقص اور ایسی بازی گری شامل ہوتی جس کا اوچھا سا نام ''ساروگاکو' پڑ گیا۔ جس کے لغوی معنی ''بوزنہ موسیقی'' ہیں۔ اس کا ایک انتہائی اعلیٰ اسلوب کا اشرافیہ آرٹ ہے جس میں تقریباتی نفاست پائی جاتی ہے بدلا مگر اس نے اپنی جڑیں چودھویں صدی عیسوی میں مستحکم کیں اور یہ سب ایک اداکار لڑکے پر شوگن کے عاشق ہو جانے کے طفیل ہوا۔

اس بارہ سال کے لڑکے زیامیؔ نے ۱۳۷۴ء میں آشی کا گایوشی مٹسو کی موجودگی میں اداکاری کی۔ یہ جاپانی تھیٹر کی تاریخ میں ایک فیصلہ کن موڑ کا لمحہ ثابت ہوا کیونکہ یوشی مٹسو ــــــ جو بذات خود محض سترہ برس کا تھا۔ وہ نوجوان لڑکے کی خوبصورتی اور صلاحیت کا بے حد مداح تھا۔ اسی لگاؤ نے اس پانچ سو سالہ شوگن سرپرستی کو جنم دیا جو اس وقت تک ایک ادنی سی تفریح سمجھی جاتی تھی۔ یوشی مٹسو کی ہمت افزائی سے زیامیؔ نے نو کے ادبی مرتبے میں اضافہ کیا اور اس کے لئے لاتعداد کلاسیکل کھیل بھی لکھے۔ اس کے باوجود یاشی مٹسو کے ڈرامہ نگار اداکار سے قریبی تعلقات تنقید سے نہ بچ سکے۔ ان کی پہلی ملاقات کے چار سال بعد جب جوان شوگن نے اپنے منظور نظروں کے جھرمٹ میں ایک روایتی میلہ دیکھا تو ایک معزز آدمی بنام گو۔ اوشیکو کنٹا ڈا نے ناپسندیدگی ظاہر کرتے ہوئے کہا'' یاماٹو ساروگا کا دستے کا بچہ۔۔۔ کو شریک ہونے کو کہا گیا اور اس نے ساری کاروائی شوگن کے لئے مخصوص کھلے کمرے سے بطور تماشائی دیکھی۔ شوگن نے اسی وقت سے ایک غیر معمولی رغبت اس میں دکھائی۔ وہ لڑکے کے پہلو میں بیٹھا اور مشروبات پیے۔ ساروگاکو، یہ تو فقیروں کا وطیرہ ہے اور کسی ساروگاکو کے کھلاڑی پر ایسی نوازشات سے یہ لگتا ہے جیسے قوم میں کجی پیدا ہو چکی ہے۔ کوئی جنسی رشتہ کسی حال میں کنٹا ڈا کو بے چین نہیں کرسکتا تھا لیکن جس طرح سے یوشی مٹسو سے پیش آ رہا تھا جس کی حیثیت کسی بن جاتی کے آدمی جیسی تھی جسے سماجی حیثیت اشرافیہ طبقہ بہ استکبار دے رہا تھا۔

نیجو یوشی موٓٹو جو سر براور دہ درباری مدبر تھا اور ذاتی طور پر ایک معزز شاعر تھا وہ بھی کہیں زیادہ مایل بہ ہمدردی اور لگتا تھا کہ جیسے اس نوعمر اداکار۔ ڈرامہ نگار کی دلکشی سے اتنا ہی مغلوب ہو چکا تھا جتنا کہ شوگن۔ یہ سب ایک ضایع ہونے سے بچ جانے والے خط سے اندازہ ہوتا ہے۔

''اگر زیاآمی کے پاس فرصت ہو، تو ازارہ کرم ایک مرتبہ پھر اسے ملانے لائیے۔ سارا دن دلفریب گزرا یہ سمجھئے جیسے میرا دل کھوگیا ہو۔ ایسا لڑکا تو نایاب ہوتا ہے، تو کیوں اس کی رینگا اور درباری اٹھا پٹک۔ اس کے ذاتی فن کا ذکر کجا! ایسے دلربا اطوار اور قیامت کا سراپا! میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ خوش وضع لڑکا کہاں سے آٹپکا۔۔۔ میں تو اس کا موازنہ موسم بہار سے کرسکتا ہوں کہ جیسے چیری اور آڑو کے لدے پھندے درخت صبح کی دھند میں جھوم رہے ہوں۔ اس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں ہے کہ شوگن بھی اس پر لٹو ہے۔۔۔ میں بھی بلکہ میں تو یہ محسوس کرتا ہوں کہ جیسے میرے دل کی کلی میرے حجر شدہ قدیم جسم کے ملبے میں دفن ہے۔

یوشی موٹو کی وجہ شہرت یہ ہے کہ اس نے زیاآمی کی صلاحیتوں کو صیقل کیا اور اس کے نازک اور کنایوں کے حامل شاعرانہ اسلوب کی اصلاح کر کے جاپانی کلاسیکس کا درجہ دلایا۔ اس کے لکھے ہوئے کھیل آج بھی نو ڈرامہ کے اکھوے اور مرکزی اہمیت کے حامل ہیں۔ نہایت سادہ فن جس میں شہوانی شاعری کی شہوانیت سے نہایت اعلیٰ بھاؤ اور نرت اور برفانی رفتار جس سے جاپان میں والا وشیدا ناظرین آج بھی اس کے سحر میں گرفتار ہیں۔ حالانکہ ایک جاپانی قاموس الکتب ایسے سترہ کھیلوں کو اپنی فہرست میں شامل کرتا ہے جن میں مردانہ عشق کو مرکزی خیال بنایا گیا ہے مگر اس موضوع پر کم ہی توجہ دی گئی ہے۔

کابوکی کا مبدا چاہے کچھ بھی ہو چاہے وہ ''نو'' کے ہم پلہ نہ بھی ہوں۔ یہ سال ۱۶۰۳ء کا قصہ ہے کہ کیوٹو دریا کی خشک رہگذر پر قایم اسٹیج پر ایک معبد کی کارکن بنام اوکونی نے ایسے رقص کا مظاہرہ کیا جو بہ اعتبار تاثرات مذہبی کے بجائے شہوانی تھا۔ ایک فوری شہوانیت آمیز سنسنی تو یہ ہوئی کہ محترمہ نے عورتوں کا ایک ایسا دستہ منظّم کیا کہ ان کے حجروں کی دستیابی کے اوقات اڑے وقتوں کی طوائفوں جیسے تھے۔ عورتوں کی چھینا جھپٹی شروع

ہوگئی اوراس لئے حکومت نے ان نام نہاد زنانہ کابوکیوں پر ۱۶۲۹ء میں پابندی عاید کردی۔ یہ ایسی اصطلاح ہے جس کا مفہوم ہے'انوکھی' یا پھر''بے سری'' جن میں دعوت گناہ کا اشارہ ہوتا۔ اسے بدل کرلڑکوں کا کابوکی متعارف کرادیا گیا جن میں تیرہ سے انیس برس کی سن کے لڑکے دونوں اصناف کے کردار نبھاتے اور اسلاف کی طرح بلانے پر تخلیے میں اختلاط کرتے۔ سترہویں صدی کا ایک ماجرہ یہ بیان کرتا ہے کہ''انہوں نے ایک تھیٹر ترتیب دیا جو واکا شوکابوکی کہلاتا جن میں رقاص جوان مرد ہوتے۔ بہت سے مردتو ان کی دلربائی سے اتنا مسحور ہوجاتے کہ وہ بالآخراسے اپنا دایمی عشق قرار دے دیتے اور بیماریوں پڑ جاتے کیونکہ وہ اپنے بازووں کو بری طرح گھایل کرلیتے تھے۔'' جوان کی گرویدگی کا ثبوت تھا۔ چونکہ سمورائی لڑکوں کے لئے ایسے ہی مغلوب الغضب ہوکرلڑتے جیسے وہ عورتوں پر لڑا کرتے ۱۶۵۲ء میں واکا شوکابوکی پر بھی پابندی عاید کردی گئی۔

حکومت نے اب یہ تقاضہ کیا کہ کابوکی کے کردارصرف''بالغ'' مرد کیا کریں گے۔ یعنی ایسے مرد جن کی عمریں پندرہ برس سے اوپر ہوں اورانہوں نے پیشانی کے اوپر طرے منڈوا دیے ہوں جو جاپانی جوان روایتاً رکھا کرتے تھے۔ یہ بھی شرط رکھی گئی کہ کابوکی کھیلوں میں شہوانی ہونے کے بجائے چالوقسم کے ہوں مگر ان میں باقاعدہ کہانی ہو۔ ان تبدیلیوں اوراس حقیقت نے کہ کابوکی میں کام کرنا ایک تاحیات پیشہ بھی بن سکتا ہے۔ ان تمام امور نے اسے ایک سنجیدہ فن میں ڈھال دینے میں مدد کی جس میں حصہ لینے والے انتہائی مانے ہوئے لوگ بنے۔ ایروز (عشق) تاہم صاحبان اختیار سے زیادہ دانا نکلا۔ نوجوان اداکار جوارغوانی گلو بند باندھتے تاکہ اپنی گھٹی ہوئی چندیا کی خفت کو چھپائیں اس کے باوجود مربی کشاں کشاں چلے آتے۔ ناول نگار ایہارا سیکاکو کے لئے پیشانی پر بال رکھنے کی پابندی سے ایک خلاف توقع نتیجہ بڑی دلبستگی کا سبب بنا۔''تھیٹر کے مالکان اورلڑکے اورمینجر وغیرہ'' وہ لکھتا ہے''اس کے اثر سے انہیں یہ فکر دامن گیر ہوگئی کہ کہیں کاروبار پر نہ اثر پڑے لیکن اب پیچھے مڑکر دیکھنے پر قانون غالباً سب سے اچھی افتادتھی جوان پر پڑی۔ دستور یہ تھا کہ اس سے کوئی فرق نہ پڑتا کہ لڑکا کتنا شاندار ہے یہ اس کے لئے ناممکن ہوتا کہ وہ اپنے طروں کے ساتھ اپنے مربیوں کو بیسویں سال کے بعد بھی خوش رکھتا۔ اب چونکہ سب

ہی بالوں کو ایسے انداز میں رکھتے جو بالغوں کے لئے طے تھا تو یہ ۳۴ اور ۳۵ برس کے سن کو پہنچ جانے والے ایسے اداکار جن کے چہروں کی شگفتگی نوجوانوں سی ہوتی تو وہ لونڈا ہی بنے رہتے۔

چند کابوکی اداکار اسٹیج پر دکھائے جانے والے صنفی ابہام کو حقیقی زندگی میں کھینچ لائے۔ یہ وہی مرد تھے جو عورتوں کے کردار ادا کیا کرتے تھے نام نہاد ان ناگاٹا یا اویاما۔ اس فن پر لکھتے ہوئے عورتوں کا ایک کامیاب بہروپیا کہنے لگا ''کوئی بھی اس وقت تک لاجواب اویاما نہیں بن سکتا جب تک وہ روزمرہ زندگی میں عورت بن کر نہ رہا ہو۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس میں چھپی مردانگی نہایت آسانی سے جھانکنے لگے گی اگر وہ محض عزم کے زور پر اسٹیج پر عورت بننے کے لئے جتن کرے گا۔'' یہ مقبول اداکار اکثر گھر پر بھی عورتوں کی طرح ملبوس رہتے گلی کوچوں میں اور یوں دونوں اصناف کے عشاق کی دلربائی کرتے۔ ہو نہ ہو پیکنگ اوپیرا کے ہم عصر اداکاروں کی طرح۔ مال کار آزمودہ ''اداکارایں'' جو ساٹھ برس کو پہنچ کر سولہ برس کی پٹاخہ لڑکی کا کردار ادا کرتے۔

ہمیں بتایا جاتا ہے کہ شوڈو کے 'ٹوٹے' جو کبھی کابوکی کے اسٹیج پر پیش کئے گئے تھے۔ ''اب ان کا کوئی اتہ پتہ نہیں چلتا اور جدید آزمودہ فنی مظاہروں کے مجموعے میں ان کا ذکر نہیں ملتا۔'' اٹھارہویں صدی کا ایک مقالہ جو اداکاروں کے ادبی اقتباسات کی بیاض ہے ہمیں اطمینان دلاتا ہے کہ یہ کسی زمانے میں بہت مقبول تھے اور یہ بھی کہ ایسے اداکار جو لڑکوں کا کردار کرتے ان کی کہیں زیادہ طلب تھی بہ نسبت ان ناگٹا۔ ''ماضی کے کھیلوں میں مردانہ عشق کا نظریہ اکثر و بیشتر جھلکنے لگتا۔ اہم اداکار جو جوان مرد ہوتے عموماً خطیر تنخواہیں پاتے (ان سے بھی) زیادہ جو عورتوں کا کردار ادا کرتے۔ ان دنوں میں ہم جنس پرستی کا بخار پورے قصبے کے ہر کونے کھدرے پر چڑھا ہوا تھا۔

تھیٹر کی حدود میں اور باہر جسم فروشی پھل پھول رہی تھی اور اعلیٰ طبقات میں خوش مذاقی کے معیارات قائم کر رہی تھی۔ کسی ماہر اخلاقیات نے شکوہ کیا کہ مقامی جاگیردار اور اعلیٰ مرتبہ عورتیں بھی اب اداکار طوائفوں کے انداز گفتار اور اطوار کی نقالی کرتی ہیں۔ امن کی بحالی کے ساتھ ہی شہروں کی آبادی میں قابل ذکر رفتار سے اضافہ ہونے لگا۔ چونکہ سمورائی

کی یہ ضرورت ہوگئی تھی کہ وہ اپنی دیہی جایدادوں کو قصبوں میں منتقل کریں۔ ۱۵۵۰ء میں جاپان میں چند ہی شہر ہوں گے جہاں پچاس ہزار سے زیادہ باشندے رہتے ہوں۔ جب کہ ۱۷۰۰ء میں اڈو جس کے باسیوں کی تعداد دس لاکھ ہوگئی شاید دنیا کا سب سے بڑا شہر ہو۔ اور شہری آبادی میں اضافے کے ساتھ ہی ایک بڑا اور امیر کاروباری طبقہ بھی نمودار ہوا۔ کنفیوشیس کے سماجی سلسلہ مراتب میں ان تجار کو محض غیر پیدواری کاروباری سمجھا جاتا اور انہیں سماجی سیڑھی کے آخری پایدان پر اور وہ بھی سمورایوں کے نیچے جو کسان اور دستکار تھے۔ انہیں کسی بھی قسم کی سیاسی حیثیت حاصل نہ تھی۔ تاہم ان کی بساط اتنی ضرور تھی کہ شایستہ اہل نشاط کے علاقوں میں جا کر رنگ رلیاں منالیں جب کہ یہ مراعات نظریاتی طور پر اہل سمورائی کے لے ممنوع تھیں جب کہ یورپ کے برعکس جہاں نئے درمیانی طبقے نے وہ اسباب پیدا کر دیے تھے جو مذہبی پارسائی کی تحریکوں کے لئے ریڑھ کی ہڈی ثابت ہوئے۔ جاپان کا درمیانی طبقہ بڑا ڈھیٹ نشاط پسند تھا جب کہ انگنت سمورائی امن کے فروغ اور اجناس کی گرتی ہوئی قیمتوں کی وجہ سے قلاش ہوگئے اور اس مالی اقتصادی نظام میں مفلسی میں گزر بسر کرتے۔ یہ درمیانی طبقہ تھا جو کابوکی تھیٹر کو مربی اعظم فراہم کرتا، اس کے علاوہ فنون کے شہ پاروں اور چکلوں کے لئے مہذب درباریوں کو مہیا کرتا جو دونوں صنف کے ہوتے۔

فرانس میں اور دیگر یورپین مما لک میں ہم جنس پرستی کی یہ کہہ کر مذمت کی جاتی کہ یہ اشرافیہ کی برائی تھی۔ اس کے برعکس جاپان کے نئے بسنے والے شہروں میں نیا درمیانی طبقہ اس سمورائی روایت کو گلے لگانے کے لئے بڑا بے تاب تھا۔ لیکن ان رشتوں میں سورمائی جنگجوں والی مثالیت پسندی کی کمی تھی جو ابتدائی زمانے میں ہوا کرتی تھی بلکہ ''برادرانہ بندھن'' کے پردے میں تواتر سے کاروباری سودے ہوتے جو کبھی جگمگاتے ہوئے اور کبھی گھٹیا۔ ایڈو میں چودہ علاقوں میں نان شو کے چائے خانے تھے جہاں نزدیک رہایشوں میں لڑکے ہوتے یا پھر عندالطلب مل جاتے۔ ان میں سب سے زیادہ مشہور یوشیکو ضلع تھا جس میں سو سے اوپر طوایف۔ لونڈے دستیاب تھے۔ ان میں سے چند ایک تو بڑی بڑی فیسیں طلب کرتے جن کی مقدار سمورائی خدمتگار کی آدھے سال کی تنخواہ کے مساوی ہوتی۔ بہت

سی نر (طوایفیں) بہت مستحکم تھے یا پھر نو آموز اداکار تھیٹروں سے منسلک تھے۔ جن کے شایستہ اطوار اور فیشن ایبل اور بیش قیمت ملبوسات کی بہت مانگ تھی۔ ایک رہنما کتابچہ جو ۱۷۶۸ء میں شایع ہوا اس میں ایڈو کے مقیم بطور نمونہ ۲۳۲ لڑکوں کا نام ملتا ہے، ۸۵، کیوٹو کے اور انچاس اوساکا میں۔ مقابلتاً چھوٹے شہر اور دیہات نے بھی اشک شوی کی۔ خاص طور سے وہ جو خانقاہوں کے قریب واقع تھے اور ممکن تھا کہ وہاں زایرین ٹھہریں۔ پروہتوں اور سمورایوں کے علاوہ ان کے مربی ''کسانوں، ٹوہا نکنے والوں، گھاٹ مزدوروں کے علاوہ لکڑ ہارے اور مچھیرے'' بھی ہوتے۔ ایڈو میں یوں لگتا ہے جیسے ۱۷۸۰ء میں نر طوایفوں کا دور اپنے نقطہ عروج کو پہنچ چکا ہو اور ۱۸۳۰ء تک متعدد اصلاحات کے نتیجے میں تخمینے کے مطابق اس میں ۹۰ فیصد کمی آ چکی تھی۔

ایک مباحثہ اور ایک منتخب مجموعہ کلام:

ٹوکوگاوا جاپان نے مردانہ عشق پر قابل ذکر ادب تخلیق کیا جس پر قدیم یونان کے بعد کوئی اور تمدن بازی نہ لے جا سکا۔ علاوہ ازیں چونکہ ان تحریروں کو نثری فکشن کا جامہ پہنایا گیا اس لئے یہ مردوں کی زندگی اور سماجی حالات کی انوکھی اور بے تکلف احساسات کی مظہر ہیں۔ عہد جدید سے پہلے کے زمانے کے کسی بھی سماج کے مردوں کے خیالات اور احساسات کا ماجرا جو مردوں سے عشق کرتے ہوں کا کوئی براہ راست تجربہ دستیاب نہیں ہے لیکن یہ پوری تصویر نہیں ہے ایسی دستاویز بھی ہیں جیسی کہ قدیم یونان کے مکالمے جن میں مردانہ عشق کی اخلاقی، جمالیاتی اور سماجی خوبیاں بیان کی گئی ہیں۔ یہ مباحث جو پر جنسیوں اور ہم جنس پرستوں کو ایک دوسرے کے خلاف صف آرا کر دیتے ہیں جس سے پلوٹارک اور ''لوشیان'' کا ذہن میں آنا ناگزیر ہے اور سب ہی ان کے دلایل کی یکسانیت پر ششدر رہ جاتے ہیں۔ اس کے باوجود سیاق اپنے جوہر میں قطعاً جاپانی رہتا ہے۔ اس کی چاندنی، چیری بلاسم اور بدھ مت اور کنفیوشس ازم کی مثالیت کی کشش کے ساتھ۔

اس نغز کی ایک گمنام مثال جیسے گیری لی اپ نے ترجمہ کیا ہے اور اس کا عنوان ڈنبو

مونو گتاری ہے اور لغوی طور پر ''ایک گنوار کی کہانی'' ہے۔ یہ سمجھا جاتا ہے جیسے اسے ۱۶۴۰ء میں مرتب کیا گیا ہو۔ درحقیقت یہ کوئی کہانی نہیں ہے بلکہ دلایل کو ڈرآمائی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ جیسے پلوٹارک کے عشق کے متعلق مکالمے۔ اس میں مردوں کو سماجی ڈھانچے میں پیش کیا گیا ہے اس معاملے میں موسم گرما کی گرمی سے بچنے کی غرض سے دریا میں نہانا۔ ان میں سے ایک نوحہ گری کرتا ہے نوجوان لڑکوں کے عشق کی قیامت خیزی پر۔ اس کے دوستوں میں سے ایک ''نوجوان مرد پر دیوانہ ہوجاتا ہے۔'' ان سے میل جول پیدا کرتا ہے اور اس ناممکن جذبے پر آس رکھتا ہے۔ اس کے بیان کے مطابق دیگر مرد دائمی عشق کا عہد کرنے کے لئے قسم کھاتے ہیں اور عہد و پیمان ظاہر کرنے کی غرض سے بازووں اور رانوں کو رگڑنے لگتے ہیں۔ وہ رات کے جلد ختم ہونے پر تاسف کرتے ہیں کیونکہ ''وارفتہ قلوب یوں ستائے ہوتے ہیں جیسے عمیق یا شینو دریا'' اور بڑی بے کلی کے ساتھ اپنے عشق کے لئے کھلے ہوئے ہیں —— کبھی ادھر جاتے ہیں اور کبھی ادھر ان کے ملبوسات بناوٹی ہیں، ہاتھ پکڑے ہوئے، عملاً شور وغوغا کرتے ہوئے کہ ہمارے حال پر توجہ کرو!

جب کوئی شخص ان پر معترض ہوتا ہے کہ ''کتنا بے ہودہ شوق ان پر سوار ہے، یہ کہیں بہتر تھا کہ عورتوں کے ذریعے لطف اندوز ہوا جائے جن سے لوگ ازل سے محظوظ ہورہے ہیں تو چار یا پانچ لونڈوں کے عشاق اس سے بذریعہ شمشیر زنی مبارز آرائی چاہتے۔ لیکن پلوٹارک کی طرح تشدد مباحثے کا راستہ نکالتا ہے۔ راوی موضوع تجویز کرتا ہے'' کیا عورتوں کا راستہ سچ مچ عامیانہ ہے اور نوجوان کا راستہ زیادہ نفیس ہے۔'' جیسا کہ شمشیر زنوں کا استدلال تھا۔ اس سے یہ مشکل غیر جانبداری ظاہر ہوتی ہے مگر گفتگو کو بڑھانے کی غرض سے وہ اس گروہ کی ملامت کرتا ہے'' ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ کس کی دلیل بہتر ہے اور ہمیں بودی دلیل کے متعلق روادارانہ رویہ اختیار کرنا چاہئے۔''

لونڈوں کے عشاق کی تقریر سے ایسی جمال پرستی ٹپکتی ہے جو جاپانیوں سے مخصوص ہے اور قطعاً غیر قدیم یونانی ہے۔ وہ استدلال کرتا ہے ''نوجوانوں کا راستہ'' اس لئے نفیس ہے کیونکہ اسے ''عموماً بلند مرتبہ سمورائی اور پروہت ترجیح دیتے ہیں۔ فی الواقع کسی جوان کی چھب دیکھو جب وہ خوبصورت کپڑوں میں ملبوس ہو جس پر طلائی اور نقرئی کام کیا ہو اور وہ

شمشیر و خنجر سے چار آینہ ہو تو یوں لگتا ہے جیسے بید مجنوں ہوا سے جھوم رہا ہو۔ اسے آپ دعوت دیں کہ وہ چیری بلاسم کا نظارہ کرے یا پھر چاند کا اور یا پھر اسے اپنے ساتھ بخور شناخت والی پارٹی میں لے جایں۔'' کسی عمدہ منظر کو دیکھنے کے لئے نکلئے اور آپ کا ہاتھ آپ کی داشتہ کے ہاتھ میں ہو تو اس صورت میں عوامی رسوائی لینے کے علاوہ والدین کی بھی ذلت ہوگی۔

عورت کا عاشق (جو پورے مباحثے میں فرداً ''گنوار'' کہا گیا) جواب دیتا ہے کہ ہوسکتا ہے لڑکوں سے معاشقہ بلند مرتبہ عہدیداروں کے لئے مناسب ہو مگر متکلم کے لئے نہیں جو ایک بلغ زوا شہری ہے۔ اس کے علاوہ لونڈوں کے عشاق اس کے دعوی کے مطابق اکثر میلے کچیلے، گنوار اور جنگجو قسم کے ہوتے ہیں۔ (شاید یہ ان مفلس سپاہیوں کی جانب اشارہ ہو جو نئے سماج میں کوئی حیثیت نہ رکھتے ہوں) ۔ علاوہ ازیں یہ لڑکے مروانے میں بہت تکلیف جھیلتے ہیں۔'' جب ان کے والدین پوچھتے ہیں کہ ''تم اس طرح کیوں چل رہے ہو جیسے تمہارے اندر بانس کا ٹکڑا گھسا ہوا ہو، تو وہ وضاحت نہیں کر پاتے کہ ان کی بیماری کا سبب کیا ہے۔ وہ صرف شرمندہ ہو کر سرخ ہو جاتے۔ ماضی میں مردوں کا شعار رہا کہ وہ اپنی دولت کسبیوں پر اڑاتے لیکن اب وہ اپنی رقوم کابوکی کے نئے نوجوان اداکاروں کے عشق خام پر اڑانے لگے۔ پروہت چاہتے تو لڑکوں سے عشق کر سکتے تھے لیکن یہ اس لئے ممکن تھا کیونکہ انہیں عورتوں سے راہ رسم رکھنے کی ممانعت تھی۔

لیکن عورتوں کی خوبیوں اور خامیوں اور متاہلی زندگی کا کیا ذکر، ان مردوں نے جنہوں نے جاپان میں بدھ مت کی بنا ڈالی تو لونڈوں کے عشاق اس کے مدعی ہیں کہ وہ عورتوں کو اس لئے حقیر سمجھتے ہیں کیونکہ وہ مردوں/ بچوں کی بہ نسبت جلد بدی کا شکار ہو جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ یہ ایک دائمی بوجھ بنی رہتی ہیں۔ گنوار اس کا جواب کنفیوشس سے مدد مانگ کر دیتے ہیں ۔ جو کنبے کے تسلسل پر اصرار کرتا ہے۔ لڑکے بچے نہیں جن سکتے اور والدین فطرتاً بے چین ہو جاتے ہیں اگر ان کے بیٹے شادی کرنے سے احتراز کریں۔ بیٹے اس طرح کنبے کو بچا سکتے ہیں کہ پروہت بن جائیں اور ان غلطیوں کا انتقام لیں جو ان کے باپوں سے سرزد ہوئی تھیں۔ ایسا نہیں ہے کہ عورتیں باوقار نہ ہوں چند ایک تو ممتاز شاعرات

ہوتی ہیں۔ جاپانی ادب میں سب سے نامور عاشق جیسے ''تابناک گنجی'' عورتوں ہی سے محبت کرتا تھا۔ کیا وہ گنوار تھے۔

آخر میں جس کی ہمیں توقع تھی کوئی بھی فریق دوسرے کو قایل نہ کرسکا۔ حالانکہ عورتوں سے محبت کرنے والوں کے دلایل طول طویل انداز میں پیش کئے گئے ہیں اور ان ہی پر مباحثہ ختم ہوتا ہے کنفیوشس کے افکار کو ماننے والا بلاشبہ انہیں ترجیح دے گا۔ اور بدھ مت کی جمالیات کا حامی دوسری جانب جھکے گا۔ تاہم راوی کسی قسم کی خوش فہمی میں مبتلا نہیں رہے جب یہ ''دلیل'' مردوں کی جنسی پسند و ناپسند کا حتمی فیصلہ کرے گی۔ ہمیں تو اس کی یہ استدعا یاد آ رہی ہے کہ ہمیں رواداری اختیار کرنا چاہئے۔ رات بھیگنے لگتی ہے اور فیصلہ نہیں ہو چکتا لوگ تیز قدموں سے گاؤں کی جانب لوٹتے ہیں تاکہ ان دلایل کو کسی اور دن کے لئے اٹھا رکھیں۔

مان شوکو کے متعلق بحث بہت مقبول تھی اور ایسے مردوں کے وجود کو افشا کرتی ہے جو خود کو مسلمہ ہم جنس پرست کہہ کر متعارف کراتے ہیں۔ اور اس پر کمر بستہ رہتے کہ اپنی ترجیحات کی مدافعت کریں۔ لیکن کیا وہ اپنی مخصوص شناخت کی کوئی برادری یا انجمن بنا سکے۔ وہ بیاض جسے ممتاز ٹوکوگاوا نقاد کیتاموراکیتا جن (۱۶۲۵۔ ۱۷۰۵ء) جس کا اقتباس ہم پہلے ہی پیش کر چکے ہیں اسے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا ہی ہوا۔ اس وقت تک مردانہ عشق کی کہانیاں ان نسخوں میں شامل کی جاتیں جن میں ایسی نظمیں اور کہانیاں بھی درج ہوتیں جو عورتوں کے متعلق ہوتی تھیں۔ لیکن کی جن نے یہ مساعی کیں کہ ایک علیحدہ ادبی تاریخی روایت کو جو ہم جنس پرست مردوں کے متعلق ہو، بیان کی جائے اور جس سے ان کے طرز بود و باش کی توثیق ہو سکے۔

کیتاموراکی جن ایک اسکالر تھا جس نے ایک ضخیم تحقیقی کتاب ''گنجی کی کہانی'' کے نام سے لکھی۔ جو مثالی عورتوں کی سوانح عمریاں تھیں اور خواتین شاعرات کا مطالعہ اور ایک استاد جس کی جاپانی کلاسیکل ادب کا علم شوگن خاندان کا سرکاری معلم کے عہدے پر فایز کئے جانے کا سبب بنا۔ اس کی ہم جنس پرستی کے خیالات پر مرتب کی ہوی بیاض (وایلڈ ازالیز) (Iwatsutsuji۔ ۱۶۷۶ء) جس سے اس نے اپنا عنوان لیا جیسا کہ ہم نے دیکھا

ایک ایسی نظم جو نویں صدی کے کسی مذہبی معلم کی نظم سے لیا گیا تھا۔ اس نے لکھا کہ یہ پہلی نظم تھی ''جس نے پہلی مرتبہ فاش کیا کہ پامپاز گھاس کی قد آدم پھنگنیوں پر جیسے کلغیاں بے محابا لہرا رہی ہوں ۔ اس نوعیت کے عشق کا وجود اور یہ تک ہوتا کہ متین لوگوں کے کان میں بھی بھنک پڑ گئی اور وہ بھی شریک کار ہو گئے۔'' کی جن کی چونتیس نظموں میں سے زیادہ تر میں اور سولہ پروہتوں اور بھکشوں نے اپنے نازک جذبات کا اظہار معبدوں کے مبتدی ملازمین کے لئے کیا جن میں مثالیت پسند رشتے ہوتے جو اگرچہ جنسی طور پر عریاں نہیں ہیں۔ مثلاً ایک دسویں صدی کی نظم جو گون نوسوزو یوین کی کہی ہوئی ہے اس پر آہ و زاری کرتا ہے کہ ایک لڑکا بنام ٹاٹسو وعدے کے مطابق نہیں آتا۔

اگر تم چاند ہوتے
تو بہ آہستگی آسمان میں سے گزرتے
ہمارے عشاق کی قیام گاہوں پر سے
تو شاید میں بھی تمہاری جھلک پا جاتا
اپنی آنسوؤں سے تر آستین کے آئینے میں

کی جن کی نظمیں آٹھ شاہی بیاضوں میں سے لی گئی ہیں جس کا زمانہ ۹۰۵ء سے ۱۲۰۵ء تک کا ہے اور ان سے بھی پہلے کے ماخذوں کا۔ نظموں والے حصے میں مشہور نظم کا خلاصہ شامل ہے 'خزاں کی طویل رات کی کہانی' ۔ یہ زویو کی کہانی ہے جو اوجی کی کہانیوں سے لی گئی ہے۔ اور دیگر کہانیاں بھی پروہتوں اور چیگو کی ہیں۔ کوئی بھی ۱۵۱۰ء کے بعد کی نہیں ہے۔ کی جن جو اپنے کام کو ہر حال میں کلاسیکل مرتبہ دینے پر تلا ہوا تھا۔ اس نے چند جدید فکشن تحریروں کو اس لئے شامل کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ وہ معروف تھیں اور سنسنی خیز بھی۔ اس نے اپنے مسودے کی طباعت کی کوشش نہ کی۔ لیکن جب اس کی کتاب ۱۷۱۳ء میں طبع ہو کر نمودار ہوئی تو اسے قابل ذکر مقبولیت حاصل ہوئی اور بارہا زیور طباعت سے آراستہ کی گئی۔ آخری ایڈیشن جس کا سن اشاعت ۱۸۴۹ء ہے کم و بیش وہ وقت ہے جب کموڈور پیری خلیج ٹوکیو میں لنگر انداز ہوا تھا۔

سیکا کو کا عظیم آئینہ:

جاپانی کلاسیکل ادب اور آرٹ کا ایک اور سنہری دور نام نہاد جیز وکو عہد میں آیا۔ یہ اصطلاح خصوصاً سال ۱۶۸۸ء تا ۱۷۰۴ء کے لئے استعمال کی جاتی ہے یا پھر وسعت دے کر اس صدی پر جو ۱۶۵۰۔۱۷۵۰ء پر محیط ہے۔ یہ خوشحالی اور ''خلاصی پائے ہوا'' عہد تھا جس میں شاہ خرچی اور عیش کوشی کا دور دورہ تھا جس میں خام عشق نہایت نفیس اور چند روزہ حسن ہوتا اور ''تیرتی دنیا'' میں ملتا۔ اس عہد کا بڑا شاعر ماٹسو باشو تھا، اس عہد کا سب سے بڑا ڈرامہ نگار چیکا ماٹسو تھا اور عظیم ناول نگار اے ہارا سے کاکو تھا۔ پہلے دو بعد کے زمانے تک اس کے حامی رہے لیکن سے کاکو اپنی عصری مقبولیت کے باوجود انیسویں صدی کے آنے تک نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ اور پھر ۱۹۳۰ء میں اس کی شہوانی کہانیوں کو جاپان کے حکمراں فوجی ٹولے نے سنسر کر دیا۔ دوسری عالمگیر جنگ میں کہیں جا کر اس کا مرتبہ پوری طرح بحال ہوا۔ ابتدائی جاپانی ناول نگاروں میں اسے ادب میں مورا ساکی کے بعد شمار کیا جاتا ہے۔

سے کاکو ۱۶۴۲ء میں اوساکا میں پیدا ہوا جو جاپان کا سب سے بڑا کاروباری مرکز تھا اور ۱۶۹۳ء میں وفات پا گیا۔ اس کا پس منظر درمیانی طبقے کا تھا اور اس کا زیادہ تر فکشن نئے تجارت پیشہ طبقے کی دنیا سے سروکار رکھتا ہے جس کا قابل دید عروج ٹوکوگاوا کی حکمرانی کے زمانے میں ہوا۔ وہ ایک خوشحال تاجر کا بیٹا تھا۔ وہ جلد ہی کاروبار سے بیزار ہوگیا اور شاعری سے وابستہ ہوگیا۔ سے کاکو کو پہلی ادبی شہرت 'منسلک ہائے کائے' کی دھن مرتب کرنے پر ملی۔ اور ایک ناقابل یقین لیکن دستاویزی شہادتوں کے ساتھ اس نے ۲۳۵۰۰، اشعار چوبیس گھنٹوں کے اندر کہہ ڈالے۔ جب تک وہ چالیس برس کا نہ ہوا اس نے اپنا کوئی فکشن نہ شائع کیا۔ جب اسے اپنی کتاب 'ایک جنس کے مارے عاشق کی زندگی' سے بے پناہ شہرت مل گئی جس کا ہیرو اپنی جنسکاری کی سرگرمیاں سات برس کی عمر میں شروع کرتا ہے۔ چون برس کی عمر میں وہ اس لئے وقفہ کرتا ہے کہ اپنی کامرانیوں کو شمار کر ڈالے جن سے وہ موزارٹ کے ڈون کو پچھاڑ دیتا ہے جسے ۳۷۴۲، خواتین نے عزت بخشی تھی۔ اور ۷۲۵،

لڑکوں نے بھی۔ اس کے بعد تواتر سے اس کی دیگر کتب شایع ہوئیں جن میں ''ایک جنس کی ماری عورت کی زندگی'' اس کی ہیروین مول فلونڈرز قسم کی عورت ہے جو بطور فیش ایبل درباری کے آغاز کرتی ہے اور خاتمہ بطور گشتی کے ہوتا ہے تب ۱۶۸۷ء میں سے کا کو کسی اور مشغلے میں دلچسپی لینے لگتا ہے جب چالیس کہانیوں کا مجموعہ شائع ہوا جس کا عنوان تھا' مردانہ عشق کا عظیم آینہ' (نان شوکو اوکا گامی) یہ مردانہ ہم جنس پرستی پر ایک ایسی تصنیف تھی جس کی جدید عہد تک دنیا کی کوئی بھی زبان ہمسری نہیں کرتی تھی۔

عظیم آینہ دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلی بیس کہانیوں کا انحصار سمورائے کے عشق کا ان لڑکوں سے ہے جو ان ہی کے طبقے کے تھے اور آخر کے بیس کا کابوکائی کے نر اداکار طوائفوں سے تھا۔ سمورائے کہانیاں سورمائی ایثار کے خیال پر منحصر ہیں۔ جن کے مختلف رنگ ہیں مگر جو اکثر ایک روکھے طنز سے مس ہوتا لگتا جن سے کرداروں کے انسان ہونے کا احساس ہوتا ہے۔ ایک انوکھی صورتحال پیدا ہوتی ہے جس میں ایک خوبصورت لڑکا جو ایک جاپانی جاگیردار کا معشوق ہے وہ اپنے آقا کا ہم بستر ہوتا ہے جو اگر چہ اس کے جاگیردارانہ فرایض میں ہے مگر وہ اس کا آرزو مند ہے کہ اسے ''حقیقی'' عاشق مل جائے وہ بھی اس کی پسند کا۔ ''حدود کے اندر'' میں (۱:۳) ٹامانوسو کو اس ملازم سے کہتا ہے جو اسے آقا کے دربار تک پہنچانے جا رہا ہے۔ ''میرے خیال میں میری ماں نے تم سے کہا تھا کہ میرے عشاق کے خطوط مجھ تک نہ پہنچایا کرو۔ یہ تمہاری سنگدلی ہوگی اگر تم مجھ کو نہ بتاؤ گے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ مکتوب نگار کس حیثیت کا فرد ہے۔ مجھ پر یہ رحمت ہوئی ہے کہ میں انسانیت کی ایسی دنیا میں پیدا ہوا ہوں اور ایسی شکل ملی ہے لوگوں کو پسند آتی ہے۔'' یہ کس قدر ہولناک ہوگا کہ مجھے ایسی شہرت ملے کہ میں ''سنگدل جوان'' ہوں جیسا کہ چینی لڑکا یوسین کہلاتا تھا۔'' ٹامونوسوک ''اس کا آرزو مند تھا کہ وہ عاشق کے اڈے پر جب پہنچے'' تو کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ وہ اپنے آقا کا پسندیدہ بن جاتا ہے لیکن جلد ہی اسے ایک سمورائے مل جاتا ہے جس سے ایک بندھن پیدا ہو جاتا ہے اگر چہ دونوں ہی کو یہ معلوم تھا کہ اس سے ان کا انجام اچھا نہ ہوگا۔ جب وہ پکڑ لئے گئے تو انہوں نے التجا کی کہ انہیں سیپو کو ساتھ کرنے کی اجازت دی جائے۔ انہیں معافی مل گئی اور جبراً جدائی اختیار کرنی

پڑی۔

کورن، ایک اور کہانی (۲:۲) میں اتنا خوش قسمت نہیں ثابت ہوتا وہ بے باکی سے اپنے جاگیردار کو بتا دیتا ہے جو اسے چاہتا ہے ''تم مجھے مجبور کر رہے ہو کہ میں تمہارے سامنے دب جاؤں تو اے میری جان یہ صحیح نہیں ہے۔ میرا دل تو میرا ہی ہے اور کسی دن کسی نے مجھے اگر بتا دیا کہ وہ واقعی تم سے محبت کرتا ہے تو میں اپنی زندگی اس پر نچھاور کر دوں گا۔'' جب وہ بعد میں اپنے عاشق کا نام ظاہر کرنے سے انکار کر دیتا ہے تو اسے موت کی سزا دی جاتی ہے اور اس کا عاشق اس کے مقبرے پر خودکشی کر لیتا ہے۔ لیکن سب ہی لڑکے اپنے آقا کی نظر کرم نہ ملنے کا برا نہیں مانتے۔ بعض اوقات لڑکا نہایت خلوص سے جاگیردار کو چاہتا ہے اور اس وقت دغا محسوس کرتا ہے جب اس کی محبت کسی اور طرف گھوم جاتی ہے۔ (۱:۲)

یہ سورمائی جاں نثاری والی کہانیاں جاپانی گھسی پٹی رویات پر پوری اترتی ہیں لیکن سے کاکو کوئی تنگنائے والے نسخوں والا مصنف نہیں ہے۔ جن نوسوکے اور گون کورو نے ''عشقیہ خط سمندری آہنگ میں بھیجا۔'' (۱۔۴) یہ مثالی سمورائے ہیرو تھے جو موت کا ناقابل برداشت حالات میں ایک ساتھ سامنا کرتے ہیں۔ لیکن یہ حاسد جوان کو لکھنے میں مانع نہیں ہے کہ وہ چڑچڑاہٹ بھرا خط اپنے عاشق کو لکھتا ہے جن میں شکایات کی ایک طویل فہرست ہوتی ہے۔ یہ ہی تمام سورما عشاق سمورائے ہوتے ہیں۔ سیہاچی جو حجام ہے اس وقت شہرت حاصل کر لیتا ہے جب وہ اپنے عاشق کی جان بچاتا ہے (جو کسی سمورائے کا بیٹا ہے) وہ بھی آمادہ پیکار بھکشوں سے جو اس کی مارنے پر تلے ہوئے تھے۔ (۳۔۱)۔ ''الوپسوڈ لڑکے'' میں (۲۔۴) کسی دکاندار کا لڑکا کسی تاجر پر فریفتہ ہوجاتا ہے جو ذرا دیر کے لئے خاندانی لوبان سٹور پر ٹھہر جاتا ہے۔ جب لڑکا مرض عشق میں بیمار پڑ جاتا ہے تو اس کے درمیانی طبقے کے غمگین والدین اجنبی کی تلاش میں نکل پڑتے ہیں۔ یہاں تک کہ دستور کے مطابق اگر کوئی شخص بیس برس سے اوپر ہو تو اس کے ساتھ ایک نوجوان جو انیس برس سے چھوٹا ہو لگا رہتا ہے لیکن یہ کوئی عالمگیر کلیہ نہیں ہے۔ کہانی ''دو قدیم چیری کے درختوں میں اب بھی بہار'' (۴۔۴) میں دو مرد جواب چھیاسٹھ سال اور تریسٹھ برس کے ہیں

اب بھی ایک دوسرے سے عشق کرتے ہیں، ان میں سے ایک تو آج بھی ''چھوٹے بھائی'' کا کردار ادا کرتا رہتا ہے۔ ان کی عورتوں سے انتہائی کراہت کو مضحکہ خیز بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ وہ روتے رہتے ہیں اور اپنے ڈیوڑھی کو اس وقت صاف اور پاک کرتے ہیں جب کوئی عورت اسے پھلانگ جاتی ہے۔

زن بیزاری کا نظریہ ''گریٹ مرر'' میں جس طرح سرایت کر گیا ہے اس سے مفسرین حیران و پریشان ہیں۔ یوں یہ نہایت دشوار ہو جاتا ہے کہ اسے سے کاکو کی اپنی زندگی اور تحریروں سے کیسے مناسبت دی جائے، جن میں عورتوں اور مردوں کے درمیان بلا کسی تعصب کے محبت دکھائی جاتی ہے۔ اس کی ایک نوجوان عورت سے شادی ہوئی جو کئی بیٹیاں جن کر پچیس برس کی عمر میں مر جاتی ہے۔ سے کاکو اس گہرے غم پر آہ وزاری کرتا رہا جس کا ذکر اس کی نظموں کے سلسلے میں ملتا ہے جس کے بعد وہ تاحیات بھکشوؤں کا جامہ پہنے رہتا ہے۔ اس کے باوجود اس نے جو مختصر پیش لفظ ''عظیم آئینہ'' کے لئے لکھا ہے۔ اس میں عورتوں کو بے مصرف قرار دے کر ایک طرف کر دیتا ہے اور کہتا ہے کہ صرف ''کار آمد ہیں کہ ریٹائرڈ عمر رسیدہ لوگوں کی ان خطوں میں دلبستگی کریں جہاں وجیہہ جوانوں کی کمیابی ہو۔'' پہلی ''کہانی، جس کا عنوان ہے، عشق: ''جو دو قوتوں کی رسہ کشی ہے۔'' درحقیقت یہ ایک ایسا مضمون ہے جس میں سے کاکو ایک لڑکوں کے عشق میں مبتلا جنونی کا روپ دھار لیتا ہے جو عورتوں سے متنفر ہے۔ لیکن مضمون نگار کا استدلال لگتا ہے جیسے عمداً بالکل مہمل رکھا گیا ہو۔ وہ جاپانی اسطور کے بے ڈھنگے پن کی تشریح کرنا چاہتا ہے جس کے لئے وہ لغو اشتقاقیات کا سہارا لیتا ہے، وہ مشہور مصنفین کے مابین معاشقوں کو بیان کرتا ہے جو کبھی نہ ہوئے تھے اور ایسے عاشقوں کا ذکر کرتا ہے جن کے درمیان زمانی بعد صدیوں کا تھا۔ یہ خونخوار زن بیزاری سے کاکو کے اپنے تخلیق کئے ہوئے کردار کی سخت سرزنش کرتی ہے۔ یونوسوکے جو ''جنسی عشق کرنے والے مرد کی زندگی کی کہانی'' کا ہیرو ہے۔ عورتوں پر نوازشات کرتا ہے۔ پھر بھی زن بیزاری دیگر سیاق میں نمودار ہوتی ہے جو واضح طور پر طنز آمیز نہیں ہے۔

جب کہ دوسری جانب تمام کہانیوں میں ہی زن بیزاری کا تعصب موجود نہیں ہے۔

کہانی ''عشق میں ڈوبے ہوئے'' (۱:۴) میں ایک مرد کسی ایسی عورت کی محبت میں گرفتار ہوجاتا ہے جیسے اس پر تنویم کی گئی ہو جس سے وہ بیاہ کرلیتا ہے، جب عورت مرتی ہے تو اگرچہ وہ بری طرح غمزدہ ہے لیکن یونانی کہاوت اور فیسؔ کی طرح لڑکوں سے عشق کرنا شروع کردیتا ہے۔ سے کاکوؔ ثابت قدم رہنے کے بجائے سیر بینی کا ڈھنگ اختیار کرتا ہے۔ اس کے ضمیر میں ذرا سی بھی خلش نہیں ہوتی جب ایک کہانی بعد دوسری کہانی میں اپنے نظریات بدلتا چلا جاتا ہے ایک موڈ میں وہ ایک نکتہ نظر بیان کرتا ہے اور دوسرے میں دوسرا۔

کابوکی کی طوائفوں والی کہانیاں ہمیں کسی اور دنیا میں پہنچا دیتی ہیں ایک کو سے کاکوؔ اچھی طرح جانتا ہے جو اس کے لئے دلربا ہے۔ اگرچہ وہ اس کا شاکی ہے کہ ''اس نئے جنون'' نے قیمتوں کو آسمان پر پہنچا دیا ہے—— کفایت شعار پروہتوں نے اس کے بقول قیمتوں کو اوپر پہنچادیا ہے۔ وہ لونڈوں کی خوبصورتی، دلکشی، تھیٹر اور بستر میں ان کے ہنر پر فریفتہ ہے۔ اس کی تیار کی ہوئی دنیا کی تصویر جذبات اور حقیقت کا لاجواب آمیزہ ہے۔ ہاتسوڈاؔیو (۱:۵) ایک سمورائے کے عشق میں مبتلا ہوجاتا ہے جس نے اسے کسی فسادی گنوار سے بچایا تھا۔ جب گھامڑ فرار ہوجاتا ہے تو وجیہہ رقاص جو ''دوسروں کا خیال رکھنے والا نرم دل جوان'' ہے۔ اپنے نقصان پر آہ و بکا کرتا ہے اور کوہ کویا پر جاکر بھکشو بن جاتا ہے۔ اس کے علاوہ لونڈوں میں یہ روایت چلی آرہی ہے کہ وہ کسی ایسے چاہنے والے کا ہاتھ نہیں جھٹکتے جو ان سے اخلاص سے پیش آتا ہے۔ جب ایک ستر برس کا کنجوس اور مضروب نمودار ہوتا ہے تو فیاض شیزوؔما خود کو اسے پیش کردیتا ہے تب کہیں جاکر اسے پتہ چلتا ہے کہ اسے اس کی محض اس لئے تلاش تھی کیونکہ یہ اس کی بیمار محبت بیٹی کی آرزو تھی۔ اگرچہ ''فکرمندی یہ تھی کہ لوگ کیا کہیں گے'' کہ اس نے ایسا انحراف کیوں کیا مگر وہ لڑکی سے ہم بستری کرنے پر آمادہ ہوجاتا ہے۔ سن نوجوؔ ایک مقبول ان ناگاٹا ایک روزنامچہ لکھتا رہتا ہے اور لکھتا رہتا ہے کہ وہ کب بدل کر ''بادامی سمورائے بنتا ہے۔۔۔ خرخراتی بلی، عورتیں جو مٹیالے کسان کو خوش مذاق آدمی بناتی ہیں۔ وہ شنتو پروہتوں کی جٹیں ترشوا کر کہیں زیادہ خوشنما بنواتی ہیں اور بدھ نچلے درجے کے پروہتوں کو ہکاما (پتلون) پہنا دیتی ہیں۔'' لیکن

جب کوئی سابقہ عاشق مفلس چقماق فروش بن جاتا ہے اور کسی پل کے نیچے سونے لگتا ہے تو سن نوجو اس کی مشکل کشائی کی کوشش کرتا ہے اور اپنے تعلقات کی تجدید کرتا ہے جس پر بے خانماں اور بے آسرا شخص اس کی پیشکش ٹھکرا دیتا ہے جو اس کے لئے تمام احساسات سے محروم ہو چکا تھا۔

سے کاکو کی کہانی میں زیادہ تر لڑکے وہ نام اختیار کر لیتے جو کیوٹو کے تھیٹر میں اداکاروں کے نام ہوتے یا اوساکا یا اڈو کے اسٹیج والوں کے۔ ایڈو میں شایع ہونے والی رہنما کتاب جس کا سال اشاعت ۱۶۶۲ء ہے اس کے بیان کی تصدیق ہوتی ہے کہ ان اداکاروں نے کتنا ہنگامہ برپا کیا تھا۔ جب یہ جوان جن کے گیسو خوبصورتی سے بنے ہوتے اور ہلکا سا سنگار ہوتا اور زرق برق پوشاک جس کے شانوں میں گدیاں رکھی جاتیں زیب تن کیئے نہایت آہستہ آہستہ داخل ہونے والے راستے پر چلتے ہوئے گانا گاتے اور نہایت نازک سروں میں اور ان کے تماشائی ان کے سامنے اپنے چوتڑوں پر زور زور سے اچھلتے کودتے۔۔۔ اور (دیگر) چیختے چلاتے، دیکھو، دیکھو۔ ان کی شبیہیں لگتا جیسے دیویوں کی پرچھائیں ہوں ۔اس کے باوجود رہنما کتاب نے لونڈوں کی یہ کہہ کر مذمت کی ہے کہ یہ ایسے شوریدہ سر ہیں کہ اپنے مربیوں کو موسنے کے علاوہ انہٰیں تباہ بھی کر دیتے ہیں۔ جب کہ صرف ''طوایفیں مردوں کو رجھاتی ہیں اور ان کی چیزیں لے لیتی ہیں۔'' ایسا ہی نظریہ جس کی دیگر ٹوکوگاوا کے ماہرین اخلاقیات نے توثیق کی ہے جو ایسے لونڈوں کا ذکر کرتے ہوئے انہیں ملیچھ شمار کرتا ہے۔لیکن سے کاکو ایسے ہی ایک لڑکے اداکار کی قصیدہ خوانی کرتے ہوئے کہتا ہے ہی ہاچی جس نے جنگجوؤں کے کردار میں کمال حاصل کیا (۵:۶) اور خود کو وقف کر دیا ''عشق کے لئے نہ کہ تنخواہ کے لئے اور ان لوگوں کے لئے جو اس پر فدا تھے۔'' جب کسی گرویدہ دہقان نے اپنی انگلی کاٹ کر اسٹیج پر پھینکی جو اس کے عشق کا ایک ثبوت تھا۔ ہی ہاچی نے معاملے کو شایان شان انداز میں نمٹایا۔ لونڈے کے لئے محبت کو اپنی حرکات و سکنات کے ذریعے اچھی شہرت میں مزید اضافہ کیا۔ اس کی عشق اور جنگ میں دونوں ہی مہارت نے جیسا کہ ہمیں بتایا جاتا ہے ''ایک شاندار نمونہ بن کر تمام جاپانی لڑکوں کے لئے پیش کیا۔''

کبھی کبھار جوان اداکاروں کے مربی اس خلش کا اظہار کرتے جو وہ ان جنسی مفعولوں کو استعمال کر کے محسوس کرتے۔ ایک کہانی کا راوی (۸:۳) تسلیم کرتا ہے ''میرے بطور مردانہ عشق پر جان دینے والے شخص کے میں ہمہ اقسام کے لڑکوں سے عشق کر چکا ہوں اور جب حافظے پر زور ڈال کر ان کے نام لکھنے بیٹھتا ہوں تو ان کی فہرست ۱۰۰۰، بنتی ہے۔ ان سب میں سے صرف چند ہی کے ساتھ ایسا ہوا کہ مجھے عزت افزائی کے علاوہ مردانہ افتخار کا احساس ہوا ہو۔ دیگر صرف کام کاجولڑکے تھے جنہوں نے خود کو اپنی منشا کے خلاف مجھے سپرد کیا۔ جب آپ ان کی کلھم اجمعین تکالیف کا اندازہ لگانا چاہیں تو یہ قابل ذکر نکلیں گی۔ بطور کفارہ اس نے کوئی ایک ہزار کے برابر کاغذ کی لگدی کی بنی ہوئی چیزیں دان کیں جو لڑکوں کی شبہیں تھیں اور انہیں پگوڈا کو عطیہ دیتا ہے۔ اس امید میں کہ ایک دن اس فعل کو ''مقدس کام'' مانا جائے گا۔ بابرکت وہ بھی ''مردانہ عشق کے فرقے کا'' سے کاکو تسلیم کرتا ہے کہ ان لڑکوں کو ستایا جائے اور انہیں خفت میں ڈالا جائے جس سے کسی بھی مربی کو خوشی ہوگی یا پھر انہیں مجبور کیا جائے کہ وہ مدہوش گاہکوں کی خدمت کریں یا چڑچڑے بڈھوں کو جو دانت نہیں مانجتے اور مہکتے ہوئے چمڑے کے اونچے موزے پہنے ہوتے ہیں۔ ایک کہانی کا عنوان تو براہ راست ہے'' جگنونسل کے پتنگے بھی رات میں اپنے چوتڑوں کو آرام دیتے ہیں۔'' (۱:۷) ۔ بااین ہمہ اس کہانی کا سرگرم حامی اس تجارت کی صعوبتوں کو فراموش کر دیتا ہے۔'' جب اس نے عورتوں اور مردوں کے محبت سے عاری چہرے دیکھے جو اسے گھر تک پورے راستے میں ٹکٹکی باندھے دیکھتے رہتے اور وہ ان کی انگنت تحسینی چیخیں سن سکتا۔ جس سے وہ ایک احساس مسرت سے لبریز ہوگیا اور اسے اپنے حسن پر ناز ہونے لگا۔ اور یہ واحد وجہ تھی جس نے اسے اس پر تیار کرلیا کہ وہ ہڈیوں کا سرمہ بنانے والی بحالی صحت کے لئے تجویز کردہ تدابیر اختیار کرلے۔ سے کاکو کبھی بھی اس پر آمادہ نہ تھا کہ خود کو محدود کر کے سہل پسندانہ انداز اختیار کرے۔

اس جگمگاتی نفیس اور رواداری کی فضا جس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں ہے جہاں ہمیں احساس ذات کے ذیلی تمدن کی شہادتیں ملتی ہیں۔ حالانکہ عظیم آئینہ کہیں کہیں دو جنسیا رویے کو بھی دکھاتا ہے لیکن یہ ملحوظ خاطر رہنا چاہئے سے کاکو کے بیاں کے مطابق بسا اوقات مردانہ عشق کے فریفتگان بطور طبقہ اپنی ترجیحات میں خود کو کوئی چیز سمجھنے لگتے ہیں اور اپنے چیز ہونے پر اصرار کرنے کے لئے خود کو ''زن متنفر'' (ان نا گیرائی) کہلاتے ہیں اور ایک انوکھی برادری قائم کر لیتے ہیں—— گویا ''مردانہ عشق کا فرقہ'' کوئی بھی قدیم سماج اس قسم کے مظہر کو اس صفائی سے نہیں بیان کرتا جیسا کہ سترہویں صدی کا جاپان۔ اور کسی بھی مصنف نے اس تفصیل سے دستاویزات تیار نہیں کیں جیسی سے کاکو نے عظیم آئینہ میں تیار کیں۔

ٹوکوگاوا کی دھن کا اختتام:

جس شوگن نے جین روکو عہد میں حکمرانی کی (محدود معنوں میں) اس کا نام ٹوکوگاوا سونا یوشی تھا جس کا دور حکومت ۱۶۸۰ سے ۱۷۰۹ء تک رہا۔ وہ لوئیس چہاردھم اور ولیم۔ سوم کا ہم عصر ہوتا ہے۔ سونا یوشی ایک متناقض طبیعت کا مالک تھا۔ بیک وقت انسانیت نواز اور مستبد۔ کنفیوشس کا ماننے والا مگر کنفیوشس کے اصول رواداری سے قطعاً لاتعلق۔ اپنے شجرہ نسب کے دیگر شوگنوں کی طرح وہ ایسے عہد کا حکمران تھا جسے عسکری۔ پولس ریاست کہا جاتا ہے۔ ایک کبیدہ خاطر انگریز ۱۶۱۴ء میں لکھتا ہے اور جاپان کو ''عظیم ترین اور انتہائی طاقتور مستبد کی حکومت جیسی کبھی دنیا نے نہ سنی ہوگی'' کہتا ہے۔ لیکن اگر سیاسی مخالفت کو بے رحمی سے کچلا گیا تو حکومت نے کہیں اور رعایتیں دے دیں۔ چوبیس نشاطی اضلاع جن میں تھیٹر، چائے خانے اور چکلے ہوتے شہروں اور قصبوں میں حکومت کی اجازت سے قائم تھے تاکہ بے چینی کے غبارے کے سامنے حفاظتی صمامہ یا والو کی طرح کام کریں۔ ۱۶۱۶ء میں لی یاسو (جس کا نام پہلے ٹوکوگاوا شوگن کے نام پر رکھا گیا) کے نام نہاد ترکے میں تسلیم کیا گیا تھا کہ ''خانگیاں، طوائفیں، رقاص، گنڈی، کوچہ گرد اور اسی قماش کے لوگ شہروں میں

اور مسلک کے خوشحال علاقوں میں ہمیشہ آتے ہیں۔ اگر چہ بہت سے لوگوں کا چال چلن یہ لوگ خراب کر دیتے ہیں۔ اگر مذکورہ لوگوں کو سختی سے کچل ڈالا جائے تو (اس سے) بڑے جرایم روزانہ ہونے لگتے ہیں۔ آگسٹائن اور اقیناس اس کلیے سے اتفاق کر لیتے مگر ''گانڈووں کو چھوڑ'' کر۔

اگر چہ سمورایوں کو اہل اسپارٹا کے فوجی نظم وضبط کا پابند کر دیا گیا جن کے لئے ارباب نشاط کے محلوں کا پھیرا لگانا منع تھا۔ مثالی جنگجو ان قوانین کو نظر انداز کر دیتے اور چوگوشیہ ہیٹ لگا کر اپنے چہرے چھپا لیتے اور تھیٹر میں داخل ہوتے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ کس طرح ان کی لپاڈگی دونوں پر پابندی کا سبب بنی پہلے عورتوں والی اور پھر لڑکوں والی کابوکی پر۔ ۱۶۴۸ء میں ایک ناقابل نفاذ فرمان کے ذریعے ان مردوں کو پھٹکارا گیا کہ وہ ''اشتعال انگیز شوڈو دعوت گناہ نہ دیا کریں'' دوسری صورت میں واکا شو میں اپنا سر گنوا بیٹھیں گے۔ پانچ سال بعد اس دھمکی کو دہرایا گیا''۔ ''ماضی کی طرح اشارہ کرنا یا نان شو کو دعوت گناہ قبول کرنے کی سخت ممانعت کی جاتی ہے'' مگر کسی قسم کی یورپی طرز کی پکڑ دھکڑ نہ شروع ہوئی جہاں لوگوں کو پھانسی دی جارہی تھی اور جلایا جارہا تھا۔

مردانہ عشق کی مقبولیت کو دیکھتے ہوئے جو سماج کے تمام طبقوں میں پایا جاتا تھا یقین کرنا دشوار ہے کہ اس مخالفت کو کسی نے شاید ہی سنجیدگی سے اہمیت دی ہو۔ دیگر کئی سلطنت کے حق میں اخراجات میں کمی کرنے والے قوانین کی مانند جیسے تاجر پیشہ لوگوں پر قیمتی پوشاک پہننے کی پابندی۔ یا تو انہیں نظر انداز کر دیا گیا یا ان کی تفسیر کرنے میں نرمی سے کام لیا گیا تھا۔

ایسے اخلاق سدھار فرامین نے بلند مرتبہ سمورایوں پر کم اثر ڈالا اور کمتر خود شوگنوں پر۔ جن کی زندگیاں تقریباً یکسانی سے دو جنسیا ڈھرے پر چلتی رہی۔ بے شک وہ گیارہ ٹوکو گاوا حکمران جو ۱۶۰۳ء اور ۱۸۳۷ء کے درمیان گزرے ان میں سے یوں لگتا ہے جیسے آٹھ نے مردانہ عشق کئے۔ رہے باقی ماندہ تین ایک سات برس کی عمر میں مر گیا دوسرا تا حیات اپاہج رہا۔ ٹوکو گاوا لیاسو ایک جنگجو جس نے جاپان کو متحد کیا اور موروثی سلطنت قائم کی اس کے سترہ بچے انیس بیویوں اور داشتاؤں سے ہوئے اس کے باوجود تنقید کا نشانہ بنا کہ ''اپنا

بہت زیادہ وقت لونڈوں سے اٹھکھیلیاں کرنے میں صرف کرتا ہے۔'' اس کا محبوب ہرکارہ لڑکا جس کا نام لی ماتچیو تھا جو ایک طاقتور قبیلے کا چشم و چراغ تھا وہی اس کے اہم ترین حلیف تھے جب وہ رہنمائی کی جدوجہد میں لگا ہوا تھا۔

لیاسو کا بیٹا ہایڈٹاڈا جو جیمز اول کا ہم عصر تھا اس کے بھی کئی شاہی ہرکارے لڑکے معشوق تھے۔ ایک رشتہ تو المناک طریقے سے اس وقت ختم ہوا جب اس نے نوجوان کو حکم دیا کہ وہ ُسے پوکو' پر عمل کرے کیونکہ اس نے کسی جاگیردار سے بھی راہ رسم بڑھا لئے تھے۔ ہایڈٹاڈا کا بیٹا آ ی متسو نے میسیحیت پر گھیرا اس حد تک تنگ کیا کہ وہ جاپان میں ختم ہوگئی اور ۱۶۳۹ء میں اس نے دنیا سے الگ تھلگ رہنے کی پالیسی جاپان کے لئے تیار کی جس پر دو سو سال تک عملدرآمد ہوا۔ آ ی متسو نے لڑکپن میں کسی مرد خادم سے عشق کیا تھا جس کا نام سکا بے گوزا ے من تھا جس سے وہ اپنے بچپن سے واقف تھا۔ آئی متسو ''چھوٹا بھائی'' بنا جیسا کہ ہمیں بتایا جاتا ہے ''خود کو جسمانی طور پر بھی پیش کرتا، گوزا ئے من ''بڑے بھائی'' کو مزے کراتا۔ مگر تعلقات میں ترشی آ گئی اور سولہ سالہ آ ی متسو نے اکیس برس کے عاشق کو قتل کر ڈالا۔ ''کسی حقیقی یا خیالی جرم پر جب کہ دونوں ۔۔۔ نہانے کے ٹب میں تھکن دور کر رہے تھے۔ اس کی کابوکی میں گہری ذاتی دلچسپی نے غالباً لڑکوں والے کابوکی تھیٹر پر عاید کی جانے والی پابندی کو معرض التوا میں ڈال دیا جس پر مزید کارروائی ۱۶۵۲ء تک نہ ہوئی اس کی موت کے سال بھر بعد۔

تمام ٹوکوگاوا شوگنوں میں یہ ایک متضاد سونا یوشی تھا جس کے ہم جنس پرستی کے مشاغل لاتعداد اور قابل ذکر تھے۔ وہ شوگنوں میں سب سے زیادہ تعلیم یافتہ اور متجر عالم تھا۔ سونا یوشی کی زور اثر کامیابیوں میں سے ایک یہ تھی کہ اس نے جاپان کے سمورایوں کو جو متلاطم اور صاحبان شمشیر کا مجمع تھا اسے ایک معقول تعلیم یافتہ سول انتظامیہ میں بدل دیا۔ وہ آرزومند تھا کہ اسے صاحب فراست حکمراں سمجھا جائے جس نے بدھ مت کی رحمدلی کو کنفیوشس کی دانش سے مربوط کر دیا ہو۔ سونا یوشی نے آغاز تو اچھا کیا معبدوں کو تعمیر کرایا علم دوستی کو فروغ دیا اور کنفیوشس کی کلاسیکل تصانیف کی تعلیم پر زور دیا۔ جب وہ اقتدار حاصل کرنے میں ۱۶۸۰ء میں کامیاب ہوا تو اس نے اسیروں کی حالت بہتر کی اور متروک بچوں کی مدد کرنے

کی غرض سے انتظامات کئے۔ لیکن وہ بے صبرا تھا اس لئے اس کی رفاہی مساعی استبدادی بن گئیں۔ اس نے بہت سے قوانین جاری کئے جن سے جانوروں اور پرندوں اور یہاں تک کہ مچھلیوں تک کو اور خاص طور سے وہ کتوں کی بھلائی کے لئے فکر مند رہتا۔ اس نے ہزاروں کو اس لئے قید کر دیا کہ وہ ان سے بدسلوکی کرتے تھے۔ چونکہ کتا سونا یوشی کا جنمی نشان تھا۔ بذلہ سنجی تو یہ چاہتی ہے کہ کاش وہ شیر یا ڈریگن کے سال میں پیدا ہوا ہوتا ایسی مخلوق جن کی جاپان میں تعداد کم عام ہے۔

سونا یوشی میں لونڈوں کا شوق جنوں کی حد تک پہنچا ہوا تھا اور وہ اکثر اپنے مددگار اپنے درباری ہرکاروں ہی میں سے منتخب کرتا۔ ایک ہرکارہ یانا گساوا یوشی یاسو جو کسی غریب سمورائی کا فرزند تھا آخر کار اس کا وزیر اعظم اور تاحیات رفیق بنا رہا۔ اٹھارہویں صدی کا ایک مخطوطہ جو میجی کی بحالی کے بعد طباعت سے آراستہ ہوا نے بتایا ''حکمران مردوں سے جنسکاری کرنا پسند کرتا تھا خاص طور سے جاگیردار کے بیٹوں اور ہاٹا موٹو (افسران) سے لے کر سپاہیوں تک اور اسپتالی ڈاکٹروں تک سے جن کی کوئی اہمیت نہ تھی کہ فرد کس کمتر حیثیت کا ہے۔ شرط یہ تھی کہ وہ خوبصورت ہو تو وہ انہیں اپنا خدمتگار مصاحب کے طور پر بھرتی کر لیتا۔ اس فہرست میں اس کے مرغوب لوگوں کی تعداد انیس تھی جب کہ جدید تحقیق کے مطابق یہ بڑھ کر ۱۳۰، ہو چکی ہے۔ سب سے زیادہ پسندیدہ لڑکے یوشی یاسو کی قیام گاہ پر قیام کرتے جس سے ایک قسم کا حرم قایم ہو گیا تھا۔ کڑی نگہبانی ہوتی اور انہیں اپنے خاندانوں سے علاحدہ کر دیا جاتا۔ ان کا صلہ خدمت جو تحایف، اعزازات اور جاگیروں کی صورت میں ہوتا جو بڑے بھی ہوتے۔ جن کی وجہ سے کئی عامی جاگیردار بن گئے اور انہیں سیاسی اختیارات بھی مل گئے۔ ایسے لڑکے جو خدمت بجالانے سے انکار کر دیتے، انہیں شہر بدر کیا جاسکتا تھا۔ ہم اس صورتحال کا یورپ کے چارلس دوم سا کسونی کے آگسٹس اور لوئیس۔ پانزدہم کے حرم سے کر سکتے ہیں تاہم ترتیب مختلف تھی۔ یہ شاہی داشتائیں کسی عہدے پر فایز نہ ہوتیں۔ یہیں پر ایک انوکھا تجربہ ''بالک راج'' کا ہوتا نظر آئے گا۔ نقادوں نے نہ صرف ہم جنس پرستی کو ناپسند کیا بلکہ عامیوں کے نوجوانوں اور ''نو'' کے اداکاروں کا اشرافیہ کے چشم و چراغ سے میل جول کو بھی ناپسند کیا۔

ایسا نہیں ہے کہ جنزوکو دور میں مردوں کے درمیان عشق شوگن اقتدار کی وجہ سے گہنا گیا۔ ماٹسو باشو جو اس کا ممتاز ترین شاعر تھا ساگا روزنامچے (۱۶۹۱ء) میں اظہار غم کرتا ہے کہ ایک کم عمر شاعر جس سے وہ بہت بے تکلف ہو گیا تھا۔

خوابوں میں ٹوکوکو کے لئے آہ وزاری کرتا اور آنکھوں میں آنسو لئے بیدار ہوتا۔۔۔میرے لئے اس کے متعلق خواب دیکھنا بالکل ایسا ہے جسے لوگ ''تمناؤں کا خواب'' کہتے ہیں۔ وہ مجھے اتنا چاہتا تھا کہ وہ طویل فاصلہ طے کر کے میرے وطن مالوف اِگا یونو آ گیا تاکہ میرے ساتھ قیام کرے۔ رات میں ہم ایک ہی بستر پر سوتے ہم ساتھ ہی سوتے اور ایک ساتھ جاگتے۔ اس نے سفر کی تمام صعوبتوں کو برداشت کرنے میں میرا ہاتھ بٹایا اور کوئی سو دنوں تک ایسی رفاقت دی جیسے میرا سایہ ہو۔ کبھی کبھی اس میں کھلنڈرا پن آ جاتا کبھی افسردہ ہو جاتا ——اس کا اکیل پن میرے دل کی گہرائیوں میں اتر جاتا۔ مجھے تو ایسے خواب دیکھنا ہی چاہئے کیونکہ میں اسے بھول نہیں سکتا۔ جب میں جاگتا ہوں تو ہر بار اپنے آنسو اپنی آستینوں میں پونچھتا ہوں۔

باشو سکوت کا عاشق تھا جو تنہائی کا جویا تھا حد یہ ہے کہ اپنے بہت سے شاگردوں تک سے۔ جنزوکو تھیٹر دوسری جانب تازہ بہ تازہ المیوں اور رسوایوں کا استحصال کرتا اور کبھی کبھی ہم جنس پرستی اور پر جنسیہ معاشقوں کے برعکس کشاکش پر ڈرامے پیش کرتا چیکا ماٹسو کا 'عورتوں کے معبد میں عشق کی خودکشی' (۱۷۰۸ء) کوہ کویا میں ایک معبد میں شروع ہوتا ہے۔ یہ ایسا مقام ہے جو روایتاً کوبوڈایشی اور لڑکے کے عشق سے منسوب کی جاتی ہے۔ جیسا کہ ابتدائی سطور یاد دہانی کراتی ہیں۔

کویا پہاڑ کے اوپر
جہاں عورتوں سے نفرت کی جاتی ہے
وہاں دوشیزہ صنوبر کیوں اگتی ہے
پھر بھی اگر دوشیزہ صنوبروں
کو اکھاڑ پھینکا جائے

تو کیا عشق کے ستارے
پھر بھی رات بھر نہ چمکیں گے

اس کے بعد آتا ہے ''صنوبر سے زیادہ حسین، بلکہ آلوچے یا پھر بید مجنوں سے یا پھر منہ چڑھی چیری سے، معبد کا ہرکارہ کیونکہ اس کا عشق منجو کی طرز کا ہے۔۔۔ جسے عظیم استاد (کوبوڈائیشی) نے پھیلایا ہے۔ یعنی خوبصورت جوانوں سے جن کی عام لوگ بھی عزت کرتے ہیں۔ یہی ہے لونڈے بازی کے رازوں کا گھر۔''

ان روایات کی موجودگی میں کومونوسوکے کا ایک انیس سالہ ہرکارہ جو معبد میں ملازم تھا۔ جو ایک ناقابل معافی جرم کا ارتکاب کر بیٹھا یعنی کسی عورت سے محبت۔ جب اس کا اپنا عاشق جو معبد کا عمر رسیدہ پروہت تھا لعنت ملامت کرتا ہے تو وہ بھیگی بلی بن کر جواب دیتا ہے '' اگر میں جان من اومی سے نہ ملوں اور قطع تعلق کرلوں تو کیا آپ مجھ پر اتنے ہی مہربان رہیں گے اور عشق کرتے رہیں گے جتنا اب تک کرتے رہے ہیں۔'' لیکن کومونوسوکے جس کے لئے اومی کی جدائی برداشت سے باہر ہے ذلیل کرکے پہاڑ سے دربدر کردیا جاتا ہے اور ڈرامہ المناک انداز میں ختم ہوجاتا ہے جب جوڑا خودکشی کرلیتا ہے ایسے ''لڑکے اور لڑکیوں'' کو خودکشی کابوکی تھیٹر کے واسطے مقبول موضوع تھا اور کٹھ پتلی تماشوں میں بھی جوان سے ابتدائی اٹھارویں صدی تک ہم سری کرتے رہے۔ تاہم یہ ملحوظ خاطر رہے کہ دہری خودکشی جس نے عوامی توجہ مبذول کرائی وہی والی تھا جس میں دو جوان سمورائے عشاق ۱۶۴۰ء میں پیش ہوئے۔ بالآخر یہ محسوس کرتے ہوئے کہ زندگی فن کی نقالی پر اتر آئی ہے اور بہت سے جوڑے ایک ساتھ مرنے لگے ہیں حکومت نے ۱۷۲۳ء میں اس موضوع پر پابندی لگادی۔

مردانہ عشق کا موضوع کابوکی تھیٹر میں جانبر ہوگیا اور انیسویں صدی تک چلا۔ قرمزی شہزادی (سکوراہایم ازوما بُن شو) جو ایک المیہ تھا جس میں نام بوکوسوروّیا اور دیگر جلوہ گر ہوئے۔ جو پہلی مرتبہ ۱۸۱۷ء میں پیش کیا گیا جس کا آغاز ایک ڈرامائی تمہیدی تقریر سے ہوتا ہے۔ بھکشو سیےجن اور معبد کا ہرکارہ شہراگی کو ایک ایسی ڈھلوانی چٹان پر کھڑے ہوتے ہیں جو روایتاً خودکشی کرنے والے عشاق سے منسوب کی جاتی ہے۔ جو ایک ساتھ مرنے پر

رضامند ہوں۔ ہر کارہ خود کو سمندر میں گرا دیتا ہے لیکن آخری لمحات میں سیجن کی ہمت جواب دے جاتی ہے اور وہ نہیں کودتا۔ کھیل میں کہانی کے مطابق سترہ برس کے بعد لڑکا نئی جون میں شہزادہ ساکورہ بن جاتا ہے۔ سیجن کا غم میں مبتلا رہنا اور اس کے عشق کے جواب میں گرم جوشی سے حسین شہزادے کا جواب نہ دینا جس کے نتیجے میں اس کی موت ہو جاتی ہے۔ یہ ایک سزا تھی جو اس کی بزدلی کی تھی جو بدھ کرما کی توضیح تھی۔ دو دیگر کھیل مصنف نام بوکو۔ چیگو گا فوچی پھولوں کی سفید لہریں، اور اسا کو سا معجزے (۱۸۲۹ء) —— ان میں بھی مردانہ عشق ہی موضوع تھا۔

مردوں کے عشق کے موضوع پر فکشن تحریروں کا سلسلہ پھلا پھولا اور سے کاکو کی موت کے بعد بھی جاری رہا۔ اس کا پیروکار اجیما کی سیکاکی جو اپنی متوسط طبقے کی ترکے میں ملنے والی آمدنی کیوٹو کے نشاط آور ضلع میں اڑا چکا تھا۔ اس نے کھیل ''جوان مردوں کے دنیاداری والے کردار'' ۱۷۱۵ء میں لکھا۔ ایک خاکہ ایسے عیاش ورثہ پانے والا شخص کا ہے جس کا باپ دولتمند تاجر تھا ''جس نے کبھی بھی عورتوں کی پرواہ نہ کی: ساری عمر وہ غیر شادی شدہ رہا لیکن وہ کبھی ایک حسین لڑکے کے پیچھے دیوانہ ہو جاتا کبھی دوسرے پر۔'' ہیراگا جین نائی (۱۷۲۶۔۱۷۷۹ء) اعلیٰ طبقے سے تعلق رکھتا تھا۔ ایک رونن یا موالی سمورائے جو مغربی علوم کا عالم بن گیا۔ اس نے تھرمامیٹروں اور بجلی پر متعدد تجربات کئے اور نباتات اور حیوانات پر کئی مقالے شایع کئے۔ اسے بے انتہا شہرت ملی تاہم بطور مزاحیہ تخیلاتی کہانیوں کے مصنف کے مثلاً ''بے جڑوں کی خودرو گھاس'' (نی ناشی گوسا۔۱۷۶۳ء) اس کا اب تک ترجمہ نہیں ملتا لیکن گیری لی اپ نے اس قابل ذکر ادبی چٹکلے کا خلاصہ مہیا کیا ہے۔

> یہ جہنم میں اس طرح شروع ہوتا ہے کہ ایک بیس سالہ نوآموز بھکشو یہاں داخل ہوا ہے مقبول اداکار سگاوا کی کنوجی کے عشق میں برباد ہو کر اس کے جرایم میں یہ بھی شامل ہے کہ اس نے بڑے بھکشوؤں کی دولت اڑا دی۔ اس نے اپنے معبد کے قرباں گاہ کے کمخواب کے پردے بیچ ڈالے۔ اور بدھا کا ایک نہایت قیمتی مجسمہ اشیا کے عوض دے ڈالا —— یہ سب محض سکائے۔ چوکی آمدورفت کے اخراجات پورا کرنے کے لئے تاکہ کی کونوجو کی دلربائی خرید سکے۔

اس بدنصیب بھکشو کے ساتھ شیطان سائے کی طرح لگا رہتا اس نے تاڑ لیا کہ
موصوف نے اپنے سے بڑے بھکشوؤں کے خلاف گناہ کیا ہے تاہم انہوں نے یہ
محسوس کیا کہ ان دنوں مذہبی پروہت کسبیوں کی سرپرستی کرتے ہیں اور معبدوں کی
دیویوں کے قوانین کو نظرانداز کردیتے ہیں۔" یوں اس بھکشو کا اداکاروں کے لئے
جنوں کو پہنچا ہوا اشوق مقابلتاً گناہ صغیر لگا۔" وہ اس لئے بھکشو کی سزا میں قدرے
تخفیف تجویز کرتے ہیں۔ تاہم اینما جو جہنم کا بادشاہ ہے اسے کوئی آمادہ نہیں کرسکتا
کہ وہ کوئی نرمی برتے۔ "اس کا گناہ" وہ اعلان کرتا ہے۔ "صغیر ضرور نظر آتا ہے
لیکن یہ ہے نہیں۔" وہ ہم جنس پرستی کے جنون کے اثرات بد کی فہرست پیش کرتا
ہے جو بواسیر سے لے کر سیاسی بغاوت تک ہوتی ہیں۔ اور حکم دیتا ہے کہ فوری طور
پر نان شوکو کی اب قطعاً ممانعت ہے۔

لیکن جب اینما کی کونوجو کی تصویر کا جایزہ لیتا ہے جو بھکشو اپنے ہمراہ لایا ہے تو وہ اداکار کی خوبصورتی پر مبہوت ہوکر رہ جاتا ہے اور غش کھا کر تخت پر سے گر پڑتا ہے تب وہ جہنم کو چھوڑ دینے کا فیصلہ کرتا ہے جوان کی تلاش کرتا ہے اور اسی کے تکیے پر سونے لگتا ہے۔ اس سنگین راہ سے منہ موڑتے موڑتے وہ بالآخر یہ انتظام کرتا ہے کہ اژدھا باشاہ ایسی چال چلے گا جس سے کی کونوجو کی موت ڈوبنے سے ہوجائے گی۔ باقی ماندہ خرسند کہانی لایعنی مساعی کا بیان ہے تاکہ شہوانی آبی ارواح کے ذریعے ڈوبنے کی کارروائی پوری ہوسکے۔ کتاب کو بہت بڑی کامیابی حاصل ہوئی۔

سونا یوشی کا وارث اس کا بھانجا ای نوبو تھا چھٹا ٹوکوگاوا شوگن (ح ۱۷۰۹۔۱۲ء) جس کی اس وقت بہت مدح و ثنا ہوئی جب اس نے اپنے سلف کے نافذ کردہ درشت قانون بابت کتوں سے بدسلوکی کو منسوخ کردیا اور جاپانی مالیات کو بحال کردیا جسے سونا یوشی نے سکہ رائج الوقت میں ملاوٹ سے بے وقعت کردیا تھا۔ ای نوبو کا قریب ترین ذاتی بندھن اپنے عاشق منابے آکی فوسا سے تھا۔ جو کسی نوا اداکار کا بیٹا تھا۔ بطور شوگن کے معتمد ترین شخص کے آکی فوسا نے اس کی کوئی تیس برس تک خدمت کی۔ آخر میں بطور محل دار اعظم کے۔ ایک ہم عصر آکی فوسا کے متعلق بتاتا ہے۔ "یوں کہیے کہ ایک زیور بے بہا تھا،

خوبصورت ، نازک اور منسکر المزاج اور اس کے باوجود حقایق پر پوری گرفت۔ ای نوبو کا سیاسی مشیر آرائے ہاکوسیکی جو کنفیوشس کا گہرا معتقد تھا اسے آ کی فوسا کی کم علمی پر بہت افسوس ہوتا اس کے باوجود وہ اس کی بہت تعریف کرتا۔ بچپن ہی سے آقا آ کی فوسا کے پاس فارغ وقت نہ ہوتا اور اس لئے وہ تعلیم حاصل کرنے کے لئے وقت نہ نکال سکا لیکن اس کے کردار میں کوئی اچھی چیز ضرور ایسی تھی کہ وہ راہ نکال لیتا جس سے وہ شرمائے بغیر عمر رسیدہ بزرگوں کے سامنے کھڑا ہو جاتا۔

جاپانی جوش وخروش جو نشاطی اضلاع کے متعلق پایا جاتا تھا اس میں اگلے بالغ شوگن کے دور اقتدار میں چند پابندیاں بھی برداشت کرنا پڑیں۔ ٹوکوگاوا یوشی مونے کا ایک دور کا عزیز جو ای نوبو کے بیٹے کا جانشین بنا جب مرا تو سات برس کا لڑکا تھا۔ توانا اور کارگزار، اس نے سخت اقتصادی اصلاحات کیں اور اخراجات گھٹا دیے۔ وہ کہاوتی کفایت شعاری میں گزر بسر کرنے لگا اور کبھی کبھار سوتی پوشاک اور تنکے کی چپل پہنے باہر نکل آتا۔ شوگن ان لوگوں پر چیں بہ چیں ہوتا جو اپنی دولت کسبیوں پر صرف کرتے یا نامور مرد اداکاروں کی پرورش کرتے۔ لیکن جب ۱۷۵۱ء میں لوشی مون کا انتقال ہوا تو اس غیر مقبول کفایت پسندی کے خلاف ردعمل دیکھنے میں آیا اور جاپان ایسے دور میں داخل ہوا جس کا موازنہ لوئیس پندرہ کے روکوکو (نمایشی) فرانس سے کیا جاتا۔ دونوں صنفوں کی طوایفوں کے چائے خانے پھر سے پھیلنے لگے اور ہیراگا جین نائے جیسے مصنفین کے پیچھے لوگ دیوانے ہو جاتے۔ سونا یوشی کی طرح اور ای نوبو جو نہایت طاقتور گیارہواں شوگن ٹوکو گاوا اینارِی (ح ۱۷۸۶۔۱۸۳۷ء) ہوا وہ نو ڈرامہ کا بہت رسیا تھا۔ اس نے جاپان پر پچاس برس حکومت کی پچپن بچوں کا باپ بنا جس میں چالیس خواتین معاون بنیں۔ اس کے باوجود وہ معشوق لڑکے بھی نو ڈرامہ کے اداکاروں میں سے منتخب کرتا رہا۔

اینارِی کی موت کے بعد نئی اقتصادی اور اخلاقی اصلاحات یوں ضروری تھیں تاکہ شاہ خرچی میں تخفیف ہو اور نشاط افزاء چائے خانے ٹینپو (۱۸۴۲۔۱۸۴۳ء) عہد میں بند کر دیے گئے۔ لیکن یہ مساعی بھی طویل عرصہ تک موثر نہ ثابت ہویں۔ یہ حکومتی اہل اختیار کے اقدام نہ تھے بلکہ مغربی اطوار تھے جنہوں نے جاپان کے ہزار برس قدیم رویوں کو بدل

ڈالا۔ یہ ۱۸۵۹ء میں کموڈور پیرؔی کے ٹوکیو میں وردد سے چھ برس بعد ہوا(۱) جب جاپانی بندرگاہیں تجارت کے لئے کھول دی گئیں اور مغربی اثر ونفوذ بالادست ہوگیا۔ ان مصایب اور رسوای کے خوف سے جو چینیوں کو افیون جنگوں میں جھیلنا پڑی تھیں، جاپانیوں نے بہ عجلت جدیدیت اختیار کرنا شروع کردی جاگیرداری، روایتی مہمان نوازی سے لے کر مردانہ تعشق جو جنگجوؤں کے درمیان ایک بندھن ہوتا، میجی اصلاحات ۱۸۶۸ء کے ساتھ ہی شوگن طرز حکمرانی منسوخ ہوا اور شہنشاہ کو اقتدار واپس مل گیا۔ غیرملکی لنگ معبدوں کو دیکھ کر بھونچکے رہ جاتے ہیں، برہنہ شہوانی آرٹ اور ایسی تمام رسوم جیسے عوامی مخلوط برہنہ غسل سمیت متعدد مقامی رسوم جاپانی ضمیر کے لئے باعث پشیمانی بننے لگے۔ (۲) جوابی اصلاح دین میں جیسوٹ فرقے کی طرح وکٹوریہ عہد کے سیاح اس وقت خصوصاً یہ دیکھ کر دہشت زدہ رہ گئے جب انہوں نے جاپانیوں میں مردانہ عشق کی قبولیت دیکھی۔ اسے ان دنوں نسلی اصطلاحات کے تحت ایک خصوصی نوعیت کی ''بری بانجھ غلط روی'' جو'' غیر یورپی لوگوں'' میں ہوتی ہے۔ جاپان کے تمدنی اشراف نے بہ عجلت ان یورپی افکار کوتسلیم کرلیا اور ماضی کی ان ''بدروایات'' کی مذمت کرنا شروع کردی۔ اس کے باوجود کہ نان شوکو کی مثالیت پسندی سے وابستگی فوج اور یونیورسٹیوں میں جاری وساری رہی۔

ہم جنس پرستی کے خلاف مغربی قوانین کومختصراً اختیار کرلیا گیا۔ کیونکہ نئی جرمن سلطنت لگتا تھا کہ جیسے کسی سلطنت کے لئے جو جدید بننا چاہتی ہو سب سے زیادہ موزوں نمونے پیش کررہی تھی چاہے سائنسی میدان میں یا فوجی میدان میں۔ جاپان نے ۱۸۷۳ء میں پروسین (جرمن) ضابطوں کی پیروی اس طرح کی کہ مردوں کے مابین ہم جنس پرستی کے تعلقات کو جرم قرار دے دیا۔ تاہم سزا محدود رکھی یعنی کل نوے دن کی اسیری۔ (انگلستان میں نافذ قانون کے تحت عمر قید کی سزا ہوتی) دس سال بعد کسی فرانسیسی قانونی مشیر کے کہنے پر قانون منسوخ کردیا گیا اور پھر بحال نہ کیا گیا۔

اگر چہ بیسویں صدی کے جاپان میں ہم جنس پرستی کو اس انتہائی مذہبی اور اخلاقی تھوتھو سے واسطہ نہ پڑا جو مغرب میں ایک عام بات ہے۔ اسے بغیر ذکر کے نظرانداز کیا گیا جیسے یہ کوئی ایسی چیز ہو جس کا سرعام نہ تو ذکر آئے نہ گفتگو کا موضوع بنے۔ ایک نامور ناول نگار

یوکیو شیما نے بادل نخواستہ اپنا ''اعتراف'' (جیسا کہ اس کا کہنا ہے) کیا وہ بھی ایک ''نقاب'' کے پیچھے سے۔ مردانہ عشق کا کردار اور اس کا علم قوم کے تاریخی اور ادبی ماضی میں سے زیادہ تر ضایع ہو چکا ہے۔ جاپانی لونڈے باز اور چپٹی کھیلنے والیوں سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ شادی کریں اور بہ احتیاط ہم جنس پرستی والے تعلقات پس پردہ اس طرح جاری رکھیں تا کہ تقلید کا بھرم قائم رہے۔ جیسا کہ دنیا کے ان دیگر خطوں میں بھی ہوا جو آزاد خیالی کے اثرات کے لئے بعد سٹون وال عہد میں داخل ہو چکے تھے۔ ۱۹۹۴ء میں ٹوکیو میں پہلی مرتبہ اغلام بازوں کی پرافتخار پریڈ منعقد ہوئی اور متقبول رویے کی قبولیت کا آغاز اس وقت ہو چکا ہے جیسے جیسے گفتگو میں کشادگی آ رہی ہے۔ اس طرح ان اسباق کو جو مغرب نے مشرق کو ازبر کرائے تھے ذہن سے اترنا شروع ہو گئے۔

---

(۱) کہیں یہ جاپان کی صنعت کاری شروع ہونے کا شاخسانہ تو نہیں۔ ہندوستان میں سامراجی حکومت نے (سرسید کے کہنے پر۔ اسباب بغاوت ہند) ۱۸۶۰ء میں زنا اور فحاشی کو جرم قرار دے کر پینل کوڈ کا حصہ بنایا تھا جس سے نجات ۱۴۶ سال کے بعد (حدود آرڈیننس میں ترمیم سے) ملی۔
جنگ کراچی ۲۵ نومبر ۲۰۰۶ء۔ (مترجم)

باب:۱۴

دار و گیر کے طریقے

۱۷۰۰ء۔۱۷۳۰ء

پیرس پر پولس کی نظر:

اٹھارہویں صدی میں چین اور جاپان اس سے شاید ہی آگاہ ہوں کہ کوئی ایسا براعظم ہے جو اس پر فخر کرتا ہے کہ وہ ''عقل کے عہد'' میں داخل ہو چکا ہے۔ جب کہ اس کے بالکل متضاد یورپ کے اہل دانش اپنی نئی معلومات کو جو انھوں نے مشرق کی اعلیٰ تہذیبوں سے حاصل کی تھیں ان سے یہ ظاہر کرنا شروع کر دیا کہ ان خطوں سے کیا حاصل کیا جا سکتا ہے جہاں مسیحی الہامات ابھی نہیں پہنچے۔ ایک نئی قسم کی تشکیک نمودار ہوئی جس کے پیچھے نیوٹن کی سائینسی قوت تھی اور انسانیت نواز بیزاری تھی جو مذہبی جنگوں کی متشددانہ ہٹ دھرمی اور سنگدلی کے خلاف تھی جس نے گذشتہ صدی میں پورے یورپ کو تہ و بالا کر دیا تھا۔ فرانس میں ایک اور قسم کے ''فلسفیوں'' نے مذہبی رواداری کی تبلیغ کرنا شروع کر دی، ایسے قوانین کی مذمت کرنے لگے جو بدعت اور جادوگری کی موافقت کرنے والے قوانین تھے اور بے رحمانہ جرمانوں پر اظہار افسوس کرتے اور دیگر جرایم پر۔ اس نئے ماحول میں ہم جنس پرستی کا کیا حال رہا۔

مخمصہ یہ ہے کہ وہ اتنا بہتر نہ کر سکے جن ملکوں میں ۱۷۰۰ء میں زیادہ آزاد خیالی کی سیاسی روایات موجود تھیں جن میں انگلینڈ اور نیدرلینڈ شامل ہیں۔ بلاشبہ پروٹسٹنٹ ازم نیا

عقیدہ تھا جس نے یورپ میں مذہبی آزادی کو فروغ دیا۔ اس نے اس عہد میں ایک ایسی فضا پیدا کردی جو ''اغلام بازوں'' کی مذمت میں خونخوار حد تک ملامتی تھی۔ یہ حتمی انداز فکر کا فرانس تھا جس نے انقلاب سے پہلے کے برسوں میں بتدریج ہلاکت خیز ذرائع ترک کر دیے اور تبدیل کر کے سماجی کنٹرول کے کم پر تشدد حربے آزمانا شروع کئے۔ اٹھارہویں صدی کے پیرس کی سرگرم پولس کی نگہداشت نے بڑی حد تک لیز بوچرز (Les Buchers) کو بدل ڈالا اگرچہ کبھی کبھار جلانے کا واقعہ بھی ہو جاتا۔

اہل برطانیہ یہ سمجھتے تھے کہ اغلام بازی کے راستے پر کوئی دوزخ کا شیطان ہی لگ سکتا ہے۔ اس کے برعکس فرانسیسیوں کی نظر میں غیر تقلیدی جنسکاری ایک غیر قانونی نشاط ہے جس کے آگے ان کی اشرافیہ ڈھیر ہو چکی تھی۔ جب کہ عوام الناس کو دوسری جانب ایسا سمجھا جاتا تھا کہ وہ مقابلتاً آلودگی سے مبرا تھے۔ شرفا کے لئے جان لیوا سزائیں اس لئے نہ دی جاتیں تاکہ اس سے نہ صرف سماجی امن و امان کھوکھلا ہوگا بلکہ حکمراں طبقے کی قانون شکنی بھی فاش ہونے لگے گی بلکہ اس سے نوجوان اور بے خبر لوگوں میں بھی بگاڑ پیدا ہو جائے گا جو سماج کے نچلے طبقات کے ہیں۔ جس کے نتیجے میں اشرافیہ کے لونڈے بازوں کی سرعام فہمایش نہ کی جاتی بلکہ پہلے کی طرح انہیں ان کے دیہی جاگیروں کی جانب دیس نکالا دے دیا جاتا اور شاہانہ مراعات سے محروم کر دیا جاتا۔

لوئیس۔ چہار دہم کی موت ۱۷۱۵ء میں ہوئی اس کا جانشین اس کا پانچ سالہ پڑپوتا ہوا۔ جس کے نتیجے میں اتالیقی مادام کے بیٹے ڈا ولینز کے ہاتھ آئی جو اپنی جنسی بے راہ روی کے لئے بدنام تھا۔ ایک مرتبہ پھر سے جیسا کہ بوڑھے بادشاہ کی جوانی میں ہوا کہ درباری حلقوں میں ہم جنس پرستی فروغ پا گئی۔ ایڈمنڈ جین فرانکوایز باربر جو ۱۷۲۶ء میں ایک متوسط درجہ کا وکیل تھا اس نے اپنے جرنل میں لکھا ''عرصہ دراز تک (اغلام بازی کی) بدی کا اس سرزمین پر دور دورہ رہا اور حال ہی میں ہمیشہ سے زیادہ اس کا رواج ہو چکا ہے۔ تمام جوان نواب اس پر جان و دل سے فدا ہیں جس سے درباری خواتین میں افسردگی کی لہر دوڑ گئی ہے۔ ایک فلسفیانہ مزاج کی خاتون —— ڈچز ڈی لافرٹے —— نے فرانسیسی بادشاہوں کے بدلتے ہوئے ذوق کا ذکر کیا ہے اور اس تبصرے کے ساتھ ''ہنری دوم اور

چارلس نہم عورتوں سے محبت کرتے تھے اور ہنری ۔ سوم نوعمر خوبصورت لڑکوں سے، ہنری چہارم عورتوں پر فریفتہ تھا، لوئیس سیزدھم مردوں سے ، لوئیس چہار دہم عورتوں کا رسیا تھا۔ اب وہ سوچتی ہے کہ ''کیا نوعمر خوبصورت لڑکوں کی باری آ گئی ہے۔'' لیکن ۱۷۲۲ء تک آزادانہ رہنے والے فلپ نے محسوس کیا کہ اسے کارروائی کرنا چاہیئے جب نوجوان نوابین کے ایک گروہ نے ورسائیلز کے ایک پارک میں ایک پارٹی کا انتظام کیا۔ ماریکل ڈی انیچیلو کے بقول اس کا ''شراب اور فحاشی جو یونانی روایت'' کے مطابق تھیں اختتام ہوا۔ اور یہ سب لڑکے بادشاہ'' کی کھڑکی کے نیچے ہوا۔'' ایک کونسل طلب کی گئی تا کہ معاملے پر غور کیا جائے ۔ جس میں غصے میں بھرے اتالیق نے یہ اعلان کیا ''ہمیں چاہیئے کہ ہم ان نوابین کو ایک ناگوار ساسمن بھیجیں اور انہیں بتائیں کہ انہوں نے کسی خوش مذاقی کا مظاہرہ نہیں کیا ہے۔'' جب اسے بتایا گیا کہ انہوں نے ایک ''بھائی بندی'' والی انجمن قائم کر لی ہے تو اس نے حکم دیا کہ اس انجمن کو تحلیل کر کے نوابین کو دیس نکالا دے دیا جائے ۔ جب نوعمر لوئیس پانزدھم نے استفسار کیا کہ اتنے بہت سے جوان کیوں دربار سے لا پتہ ہیں تو اسے بتایا گیا کہ ان لوگوں نے باغوں کی باڑ کے کھمبے اکھاڑ ڈالے تھے۔ جس پر ایک محتاط شخص جو اشرافیہ سے تعلق رکھتا تھا نے کہا کہ چونکہ یہ بدی ابھی تک عوام میں نہیں ہے۔'' اس لئے یہ ضروری تھا کہ ایسی سزا دی جاتی ''جس میں کسی رسوائی کا احتمال نہ ہو۔''

سن ۱۶۶۰ء میں پیرس شہر نے پہلی مرتبہ ایسی پولس کی طاقت منظّم کی جس کی ذمہ داری سرکشی مایل جلسوں اور غیر قانونی مجمعوں کو ضابطے میں رکھنا تھا اور گلی کوچوں اور دارالحکومت کے بازاروں میں گشت لگانا تھا۔ مارک۔ رینے ڈا آرجنسن کے ماتحت جو اس کا ۱۶۹۷ء سے ۱۷۱۸ء تک لیفٹننٹ جنرل رہا۔ اسے بڑی توسیع دے کر اس میں دو طرح کے سرکاری جاسوس اور مخبر رضا کاروں کی ایک فوج شامل کی گئی جو سب عام شہریوں کی نجی زندگیوں کے متعلق اطلاعات مہیا کرتے۔ اغلام بازوں پر نظر رکھنا اب پولس کا ایک مسلمہ فرض بن گیا۔ اس سے گشت بالکل ویسے ہی ہو گئے جیسے تین سو سال پہلے فلورنس میں ہوا کرتا تھا۔ لیکن گمنام الزامات کے صندوقوں کے بجائے پیرس پولیس نے ایسے گماشتے بھرتی کئے (جنہیں مقبول عام زبان میں، ماوچنز یا ''مکھیاں'' کہا جاتا ۔ جو گلی کوچوں میں مٹر گشتی کرتے اور

پرچاوا اس طرح دیتے کہ معروف مقامات پر منڈلاتے رہتے اور یہ تاثر دیتے جیسے وہ ''رفیق'' کی تلاش میں ہوں۔ بہت سے بڑے وجیہہ جوان نرطوایف تھے جن سے پولس نرمی سے پیش آتی جس کے عوض انہیں یہ تعاون ملتا کہ وہ لوگوں کو پھانس لیتے۔ گرفتاریوں اور تفتیش کا ضخیم ریکارڈ جو ببلیوتھک ڈی لا آرسینل اور آرکایوز نیشنالز اور جس کا بڑی گہرائی سے مایکل ریؔ، ماوریس لیؔور اور کلاوڈ کا وروۓ نے مطالعہ کیا یہ سب سڑکوں پر ہم جنس پرستی کی زندگی کی تفصیلی تصویرکشی کرتے ہیں اور پیرس کے میخوانوں اور سرایوں کی۔

مگر ایک فکری تبدیلی بھی ہوئی۔ صدی کے آغاز میں پولس اس طرح کام کرتی جیسے وہ کلیسا کی اخلاقی اور ہاتھ بٹانے والی قوت ہو۔ افسران لونڈے بازوں کو خطبے دیتے اور پوچھتے کہ وہ آخری مرتبہ کب اعتراف کرنے کے لئے گرجا گئے تھے اور اس کے بعد انہیں مناسب کلیسائی عہدیداروں کی جانب روانہ کردیتے۔ اس کے عوض ایبے تھیؔرو جو مازارن کالج کا پروفیسر تھا وہ پولس کے لئے کئی دہایوں تک جاسوسی کرتا رہا اپنے کلیسائی پادریوں کی مذمت کرتا رہا اور ان کے لئے سنگین سزائیں تجویز کرتا رہا جیسے جلانے والی یا ملک بدری والی۔ ''تم جیسے سادہ لوح شخص'' اس نے پولس والوں سے مخاطب ہوتے ہوئے اس وقت کہا جب وہ کسی ایسے پادری پر ۱۷۲۵ء میں الزام لگا رہا تھا۔ ''چاہیے کہ خدا کے فرشتے یا مسیح کے حواریوں کی طرح کارروائی کرو۔'' لیکن ۱۷۴۰ء کے آتے آتے فرانسیسی سماج کے دینی اثر میں جزر آنے لگا۔ اور مذکورہ مذہبی طریقہ کار فرسودہ ہونے لگا۔ ایک معنی خیز تبدیلی والا ذخیرہ لغت پولس کے ماجروں میں دکھائی دینے لگا۔ ''لونڈے باز'' اب ہوگیا پیڈیراسٹیر جو ایک دیوانی اصطلاح ہے جو صرف لڑکوں کے عاشقوں ہی کے لئے نہیں استعمال ہوتی بلکہ بالعموم ہم جنس پرستوں کے لئے۔ انہیں ''ان فیمز'' بھی کہا جانے لگا (ایسا انداز بیان جو قانونی روایات سے ماخوذ تھا) یا پھر کہیں زیادہ شاعرانہ انداز میں ''آستینوں میں چھپا (چیلر؟)'' اس آخری انداز بیان کا مبداء ۱۷۲۶ء کی ایک طنزیہ نظم سے لیا گیا تھا جس کا اب سراغ نہیں ملتا۔ کیونکہ مندرجہ بالا دونوں انداز بیان خاص و عام میں استعمال ہوتے تھے۔ مایکل رےؔ نے اس لئے یہ قیاس آرائی کی کہ ممکن ہے کسی نے اشرافیہ کے کسی فرد کی نقالی کرتے ہوئے ان الفاظ کو ڈھالا ہو۔ بالکل اسی طرح جیسے انگلینڈ کے نائٹس آف

گارٹر۔ جب کہ حقیقت تو یہ ہے کہ چند آوارہ گرد لڑکوں نے اشرافیہ کی طرح لباس زیب تن کر کے پورے طبقے کو آناً فاناً مشکوک بنا دیا۔

پولس کی بنائی ہوئی ہزاروں رپورٹیں جو انھوں نے ۱۷۲۳ء سے ۱۷۴۹ء کے درمیان میں تیار کیں ان سے پیرس میں پائے جانے والا ایک ذیلی تمدن فاش ہوتا ہے۔ مخصوص کوچے اور پارکوں میں خاص طور سے زیادہ آمدورفت ہوتی۔ جن میں مصروف شارع عام مثلاً پونٹ نیوف اور سینٹ جرمین اور دریائے سین کے کنارے سایہ دار سڑکیں۔ شانزے لیزے پر بھی بہت زیادہ چہل پہل رہتی۔ ٹیولیریز باغوں میں، لکسمبرگ پیلس میں اور پالیس ریال میں جہاں کا ماحول روایتاً بالا طبقے کے خوش لباس ارکان کے لئے مخصوص رہتا۔ ان علاقوں میں مٹر گشتی کرنے والے فقط نگاہوں سے رابطہ کرتے، وقت پوچھتے یا بیڑا بھر تمباکو مانگتے اور اندھیرا ہونے پر رجھانے والے اشارے کرتے۔ کبھی کبھی وہ عوامی سنڈاسوں میں پہچان لئے جانے کے خدشے سے بھی دوچار ہو جاتے یا پھر تاریک گلیوں میں۔ ۱۷۰۶ء سے لے کر مردوں کی ''پنچایتیں'' سینٹ انٹواین ضلع کی سرائے اور مے خوانوں میں ہوتیں۔ ۱۷۴۸ء تک ریّے کے بیان کے مطابق ''کوئی بھی آٹھ سے زیادہ مے خوانوں اور سرایوں کو گن سکتا ہے۔'' جہاں لوگ جمع ہوتے کھانا کھاتے، میخواری کرتے، رقص کرتے اور جنسکاری کے لئے رفیق پا جاتے۔ چند گروہوں نے ایسے مناسک اختیار کر لئے جو درباری، کلیسا کے زنانہ اسکولوں یا فری میسن کی انجمنوں کی نقل ہوتے۔ اگر کچھ مرد عورتوں کی طرح ملبوس ہوتے اور زنانہ نام اختیار کرتے اور زنانہ انداز و اندام اپناتے تو دیگر لوگ اس صورتحال میں بڑے بے چین محسوس کرتے اور اس تصنع اور مکر پر معترض ہوتے۔ ان اجتماعات میں متوسط طبقے کے تاجر پیشہ اور ہنروردں کی بالادستی تھی۔ ۱۷۴۹ء میں جو ۲۳۴، افراد گرفتار ہوئے ان میں ۱۲۹، کاریگر اور تاجر تھے۔ ۵۸، خدام اور صرف ۲۸ ایسے تھے جن کا تعلق شرفاء یا مہذب لوگوں سے تھا ان میں سے ایک تہائی شادی شدہ نکلے۔ بھٹیارے ایسے بھی تھے جنھوں نے مردوں کو اس کی اجازت دی کہ وہ اپنے ''اٹھائے مال'' کے ہمراہ ان کی سرائے میں آئیں اور انہیں تخلیے کے لئے کرائے پر کمرے بھی دیے۔ اسی سال کوئی درجن بھر مے فروشوں کو مغلم ہونے کے الزام میں گرفتار کیا گیا۔

اگر چہ دستیاب پولس ریکارڈ ناگزیر طور پر انسانی خواص سے عاری ہے اور اپنی تنگ نظری کے سبب صرف غیر قانونی اقدام کا ذکر کرتا ہے اور شاذ و نادر ایسے جذباتی بندھنوں کا ذکر آتا ہے جو لوگوں کے درمیان پیدا ہوتے تھے۔ نجی احساسات یہاں زیر بحث نہیں ہیں۔ عوامی لعنت ملامت اور ایک احساس شرم نے مردانہ عشق کو روپوش ہونے پر مجبور کردیا۔ ہمیں اب کہیں بھی اغلام بازی پر فدا اور اس کا قولاً اعتراف کرنے والے گروہ نہیں ملتے جیسے کسی زمانے میں تھیوفایل ڈی وی یاو، گریٹ کونڈی اور سینٹ ایون میں کوی سو برس پہلے نظر آتے تھے اور ان میں کسی قسم کی یکجہتی کا احساس شاید ہی پایا جاتا ہو۔ پولس کا معمول تھا کہ وہ لوگوں کو اس لئے پھسلاتی کہ وہ اپنے دوستوں اور عشاق کو فریب دیں جس کے لئے ان سے سزایابی یا پھر رورعایت کے وعدے کئے جاتے۔ جو کبھی ایفا کئے جاتے یا پھر نہ کئے جاتے۔ مزاحمت شاذ و نادر ہوتی لیکن ایسا بھی نہیں تھا کہ ایسا واقعہ سننے میں نہ آئے۔ کسی ''مکھی'' نے پولس کو مطلع کیا کہ ایک ساز بنانے والے کا مددگار جس کا نام وی گلے ہے وہ اکثر عوامی جگہوں میں دیکھا جاتا ہے اور اس کے ہمراہ درجن بھر یا اس سے کچھ اوپر ان فیمز ہوتے۔'' اس کا بیان تھا کہ اسے پولس نے طلب کیا اور وہ کسی موسیو چاپان کے سامنے پیش ہوا۔ یہ بھی کہ موصوف نے مجھے ڈرانے کی کوشش کی اور دھمکی دی کہ وہ مجھے جیل میں ڈال دے گا اگر میں نے ان لوگوں کے نام نہ بتائے جن سے میرا۔ رسوا کن کاروبار تھا۔ لیکن جب وی گلے نے ترکی بہ ترکی جواب دیا تو اس نے مجھے رخصت کردیا۔ اور اس کے لئے بہترین طریقہ یہی رہ گیا تھا کہ پھر میں اپنے دوستوں کا نام کبھی نہ بتاوں۔''

ایسی تحقیر آمیز پوچھ گچھ سے اس کی کم ہی امید ہوتی کہ مرد اپنے دل کا حال بیان کردیں۔ اس کے باوجود چند رپورٹس سے ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ بامحبت تعلقات بھی تھے۔ کسی چاپلوس نے پادری کے سامنے اعتراف کیا'' کہ اسے ہمیشہ اس معاملے میں دشواری ہوتی ہے جب اس نے کسی خوش مزاج آدمی سے دوستی کرنا چاہی تاکہ اس سے میں خوشگوار تعلقات قائم کرلیتا جو دیرپا ہوتے'' بسا اوقات ایسی خواہش برائے رفاقت دردناک انجام پر پوری ہوتی۔ ایک پولس والے نے وہ تفصیلات بیان کیں کہ کوئی شخص جو اس سے ملا اس نے یہ بتایا'' کہ وہ مجھ سے تعلقات پیدا کرنا چاہتا تھا اور وہ میرے ساتھ بالکل اسی طرح

رہے گا جیسے دو بھائی رہتے ہیں۔ اور یہ کہ وہ کمرے کا آدھا کرایہ بھی ادا کرے گا اور یہ بھی کہ ہم ساتھ کھائیں گے اور ساتھ ہی پیے پلائیں گے۔'' دو ملازم جو دو سال تک ساتھ سوتے رہے۔ ''وہ اس وقت تک نیند کی آغوش میں نہ جا پاتے جب تک وہ ایک دوسرے سے چھیڑ چھاڑ نہ کر لیتے اور بغیر اس رسوائے زمانہ عمل کے وہ سو نہ سکتے۔ یہ ہمیشہ ڈی کویسنل پر لازم ہوتا کہ وہ اپنا ہاتھ سرہانے کی پٹی تک نہ پھیلائے اور ڈومین کے سر کے نیچے نہ آجائے اس کے بغیر ڈومین کو چین ہی نہ آتا۔''

۱۷۲۶ء میں باربیر اپنے روزنامچے میں پھر بھی درج کرتا ہے کہ لوگوں کی اکثریت یہ نہیں جانتی کہ لونڈے بازی کیا ہے۔ لیکن تھیرو جو ان معاملات میں زیادہ باخبر ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ کتنے اہل پیرس اس میں ملوث ہیں۔ اس بات پر فکرمند ہے کہ کتنے ذی عزت شہری اس کوٹھری سے نکل پڑیں گے اگر پولس نے اپنی گرفت ڈھیلی کر دی۔ اگر کوئی بے راہ رو لوگوں سے رورعایت کرے گا۔۔۔ تو بڑی بدنظمی پھیل جائے گی۔۔۔ کیونکہ ہر قسم کے لوگ اپنے اپنے نقاب اتار دیں گے اور سمجھیں گے کہ ان کے لئے ہر چیز جائز ہے اور وہ اپنی انجمن بنالیں گے اور سماجی تحریکیں تیار کر لیں گے جو نہایت تباہ کن ہوگا، ان میں سب سے آگے باعزت لوگ ہوں گے۔ ایسا ایک واقعہ میرے علم میں ہے اور جب میں مزید باخبر ہو جاؤں گا تو میں مجسٹریٹ کو متنبہ کر دوں گا۔ ایسے ''لیگ'' اگر اس کا کوئی وجود تھا تو اس کا ذکر تاریخ میں نہیں ملتا۔ لیکن چند لوگوں نے بلاشبہ نجی طور پر قیاس آرائی کی ہے کہ ہوسکتا ہے کہ پولس کی مخالفت سے نمٹنے کی خاطر کوئی تنظیم بنائی گئی ہو لیکن کوئی کارروائی نہ ہوئی۔

اس سب کے باوجود گرفتاریوں کی تعداد میں اضافے کے ساتھ یہ ماننا دشوار ہے کہ مذکورہ بدی بیو مونڈے تک مرتکز تھی۔ جین چارلس پیری لی نوآیر جو ۱۷۷۵ء میں پولس کا لیفٹننٹ جنرل تھا بتاتا ہے کہ آدھی صدی پہلے بھی پولس کے تخمینے کے مطابق پیرس میں اغلام بازوں کی تعداد ۲۰۰۰۰، سے اوپر تھی۔ اور ماوفل ڈا آنجرول اپنی ''خفیہ یادداشتوں'' میں جو ۱۷۸۴ء میں تحریر کی گئی۔ وہ رقم طراز ہے ''پولس کمشنر فوکالٹ جس کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے وہ اس پارٹی کا ذمہ دار تھا اور اسی نے اپنے دوستوں کو یہ عظیم کتاب دکھائی جس میں ان تمام لونڈے بازوں کے نام درج تھے جو پولس کے علم میں تھے۔ اس کا دعوی

تھا ان کی تعداد اتنی ہی تھی جتنی جسم فروش عورتیں پیرس میں تھیں، کہنے کا مطلب ہے ۴۰۰۰۰، ۔ چونکہ اٹھارہویں صدی میں پیرس کی آبادی کوئی چھ لاکھ تھی اس لئے اول الذکر تعداد ممکن ہے مبالغہ ہو۔ اس سے تو یہی نتیجہ ظاہر ہوتا ہے جیسے ۲۰ فیصد بالغ مرد آبادی جو شہر میں مقیم تھی وہ مرد رفیق حاصل کرنے کے لئے مارے مارے پھرتے تھے۔ پھر بھی یہ سوچنا اب کتنا دشوار ہے کہ ہم جنس پرستی کے میلانات صرف چند اشرافیہ تک محدود تھے۔ ماوفل ڈا آنجرول کو اس لئے تسلیم کرنا پڑا کہ ''یہ والی بدی جو پہلے زمانے میں 'لا بیووریس' کہلاتی کیونکہ اس سے اشراف، دانشور یا گبرو جوان متاثر ہوتے تھے، یہ آج اتنی مقبول ہو چکی ہے کہ اس میں سماج کے ہر طبقے کا عہدیدار نواب سے لے کر دربان تک اور عام آدمی تک کوئی ایسا نہیں ہے جو اس سے متاثر نہ ہو۔

پھر پیرس کے اغلام بازوں نے کیوں نہ کوئی تنظیم سازی کی جس کا ایبے تھیرو نے اندیشہ ظاہر کیا تھا۔ جس سے پولس کو پھانسنے والی چالیں ناکام بنائی جاتیں اسی طرح بلیک میلنگ اور ہراساں کرنے میں رکاوٹ ہوتی۔ اگر ہم ان کی تعداد کے متعلق نہایت قدامت پسندانہ تخمینے کو قبول کرلیں تو بھی اس تعداد سے ایک ناقابل تسخیر پارٹی بن سکتی تھی جس میں ہر طبقے کے افراد شامل ہوتے۔ یہ تخمینہ لگانا دشوار ہے لیکن ہم یہ سمجھ سکتے ہیں کہ کوئی فیصلہ کن عنصر اس تاریخی صورتحال میں ناپید تھا۔ اہل جرمن کی ہم جنس پرستوں کے حقوق کی تحریک جو ۱۸۹۷ء میں شروع ہوئی اور امریکی ''ہوموفایل'' تحریک جو ۱۹۵۰ء میں شروع ہوئی ان کی آگ بھڑکانے کے پیچھے اعداد وشمار کے مطالعے تھے جو ماگنس ہرچ فیلڈ اور الفریڈ کنسے نے کئے تھے جن کا کہنا تھا کہ ہم جنس پرستی کا رویہ انوکھے پن کے نقطہ نظر سے شاذ و نادر ہے لیکن اس سے کہیں بڑھ کر موجود ہے جتنا کہ عموماً خیال کیا جاتا ہے۔ لیکن ان دریافتوں کو سماجی سائنسدانوں نے الم نشرح کیا جو اصلاحات کی حمایت میں تھے۔ اٹھارہویں صدی کے فرانس میں صرف پولس کے پاس موضوع بحث سے مربوط معلومات تھیں اور وہ اس پر آمادہ نہ تھے کہ ان معلومات کو کسی سماجی تبدیلی کے لئے استعمال کریں۔ انسانی حقوق کا نظریہ ابھی فرانسیسی شہریوں کے ذہن میں جنین کی حالت میں تھا اور ابھی ۱۷۸۹ء نہیں آیا تھا جب عہد ساز اعلان جو انسان کے حقوق سے متعلق تھا نمودار نہیں ہوا

تھا۔ اگر چہ مصلحین یہ استدلال کر رہے تھے اور حقیقت یہ ہے کہ یہی حقوق جنسکاری کے واسطے تخلیے کے بھی ضامن ہوتے ہیں۔ چند ہی نے اس خیال کو سنجیدگی سے سمجھا کہ ہم جنس پرست ایک کچلی ہوئی اقلیت ہے۔

دریں اثنا سزائیں اب بھی جان لیوا تھیں۔ مردوں کو معمول کے مطابق پھانس لیا جاتا اور گرفتار کر لیا جاتا چند ایک کو محض بات چیت کرنے پر ''مشکوک جگہوں اور نامناسب اوقات میں۔'' جوان اور پہلی مرتبہ ارتکاب کرنے والے پر اکثر ڈانٹ ڈپٹ کی جاتی اور انہیں مجبور کیا جاتا کہ وہ ایک ایسے بیان پر دستخط کر دیں کہ وہ آیندہ ان سڑکوں پر مٹر گشتی کرنے نہ آئیں گے پھر رہا کر دیے جاتے غیر ملکیوں کو ملک بدر کر دیا جاتا اور دیگر صوبوں سے آنے والوں کو ان کے وطن مالوف بھیج دیا جاتا ''وہ بھی قرق امینوں، صوبائی اہلکاروں یا اسقفوں کی نگہداشت میں۔'' ایسے ملزمان جن کے متعلق پولس یہ سمجھتی کہ وہ راستے میں نوجوانوں کو ورغلالیں گے انہیں بایسٹر کے اسپتال جیل کے سپرد کر دیا جاتا۔ یہ ایسی جگہ تھی جن سے لوگ بہت ڈرتے کیونکہ وہاں شرح اموات بہت تھی۔ یہاں پر معاملہ بہت طول پکڑتا جو ہفتوں سے لے کر مہینوں اور پھر دہایوں تک جب تک ان کے اہل خانہ انہیں وہاں رکھنا چاہتے۔ ان میں سے چند ایک کو تو غرب الہند بدر کر دیا جاتا۔ ہماری اٹھارہویں صدی کی کارگذاریوں پر پنٹا گون والے متعجب ہو جائیں گے۔ ''زمانہ جنگ میں'' ایک سزا یافتہ ہم جنس پرست ''اس شرط پر رہا ہو سکتا تھا کہ وہ فوج میں بھرتی ہونے پر آمادہ ہو جائے۔'' (۱)

ان کمتر سزاؤں کے آگے آگ میں جل کر بھسم ہو جانے کا خطرہ منڈلاتا۔ لیوٹیکس اور جسٹینین کے ضابطے اب بھی قانون کی کتب میں بطور حوالہ دکھائے جاتے اور اب بھی مردوں کے مابین جنسی تعلقات کو یا عورتوں کے درمیان تعلقات کو الوہی یا انسانی قوانین کی خلاف ورزی سمجھا جاتا۔ اگر چہ اٹھارہویں صدی کے فرانس میں اغلام بازی پر جلانے کے واقعات نہ ہونے کے برابر ہوئے مگر اس کا خوف ہر وقت طاری رہا جس کا سبب وہ آدھا درجن واقعات تھے جن کا بہت چرچا کیا گیا تھا۔ کل ملا کر ان میں سے دو میں ایسے بگاڑنے والے حالات تھے جیسے اغوا یا پھر قتل۔ ۱۷۲۰ء میں فلپے باسّ برنارڈ موک نانیسے کو سولی پر

چڑھنا پڑا۔ بنجامن ڈی شافورسؔ جس نے لڑکوں کو اغوا کیا تھا اور انہیں اشرافیہ کے ارکان کے ہاتھوں فروخت کر دیا تھا۔ اس پر یہ الزام بھی لگا تھا کہ اس نے کسی کو قتل بھی کیا تھا۔ چونکہ اس میں بہت سے مردوں (۲۰۰) کے ملوث ہونے کو کہا گیا جن میں اوران میں ذی مرتبہ (ایک صاحب تولاون شہر کے اسقف) بھی تھے۔ ایک اور (ارل کا ہم رتبہ) اورممتاز طباخ —— ایک نایٹ جو روح القدس کے مرتبے والا تھا)۔ حکومت تو یہ چاہتی تھی کہ معاملہ رفع دفع ہوجائے۔ لیکن پولس کا سربراہ اس پر مصر تھا کہ ایک مثال قائم کی جانا چاہیئے۔ اور ڈی شافورسؔ کو ۱۷۲۶ء میں پلیس ڈی گریو کے مقام پر جلا ڈالا گیا۔ جلانے کے متوقع نتائج برآمد ہوئے اور کچھ عرصے کے لیے پیرس کے اغلام بازوں پر خوف طاری رہا۔

یہ بے رحمانہ اور ذلیل معاملے کا ایک عجیب مال کار رہوا۔ ڈی شافورسؔ کو شہید کے علاوہ برگزیدہ مقام مل گیا اور دقیانوسی قانون کا شدید نقاد مانا گیا۔ ۱۷۳۳ء میں ایک طرفہ پمفلٹ شایع ہوا جس میں اسے کچلے ہوئے طبقات کا پرزور حامی کہا گیا۔ فورشوڈا (ڈی شافورس) پیرس کے شہریوں سے مل کر جشن مناتا ہے جو اپنے جذبے کے تحت ابی گور کے لشکر جرار کا مقابلہ کرتے ہیں اور بعد میں اس جدوجہد کے نتیجے میں قیدی بنالئے جاتے ہیں۔ اسے عدالت سے سزا ملنے پر آگ کے الاؤ میں ڈال دیا جاتا ہے اور یہ سب کچھ سائیتھیران کے بے جا طرفدار ممتاز حاکم کے حکم اور فیصلے کے مطابق ہوا۔ (یونانی جزیرہ سائی تھیرا روایتاً پر جنسیہ محبت کرنے والوں سے وابستہ خطہ ہے۔ جیسا کہ واٹیو کی مصوری میں ہے)۔

ببلیوتھک ناشنیل میں رکھے ہوئے مخطوطات میں ایک ایسا بھی ہے جس میں خیالی مکالمے درج ہیں بہ عنوان 'ڈی شافورس کی روح' مجریہ ۱۷۳۹ء جس میں ڈی شافورسؔ دوزخ میں کسی پولس کے افسر سے مذاکرہ (Discourse) کرتا ہے جس میں متعدد شرفاء اہل کلیسا اور ان کے چلتے پرزے ملاقاتی شریک ہوتے ہیں۔ زیادہ تر جملے بازی سے مراد یہ ہوتی ہے کہ پرمزاح دلگی کی جائے۔ مثال کے طور پر ڈی شافورسؔ محسوس کرتا ہے کہ جہنم میں اس کی حیثیت نہایت مستحکم ہے کیونکہ اسے جیسوٹ فرقے کے دستوں کی حمایت حاصل ہے۔ (اس کی موت کی شب ایک جیسوٹ کالج بھی جلا ڈالا گیا تھا مسخروں کی رگ ظرافت

پھڑ پھڑائی اور انھوں نے یہ اڑا دی کہ اس کی چتا سے ایک چنگاری اڑی اور کالج کو فیصلے کے مطابق جلا ڈالا)۔لیکن طنزیہ مکالمہ پولس پر بھی حملہ کرتا ہے کہ وہ بے ایمانی کرتے ہیں تا کہ خود کو رشوت ستانی سے مالا مال کریں اور ان لوگوں کو ''داروگیر'' میں لائیں جن کے مذاق ان سے مختلف ہوں۔ ڈی شا فورس اس لئے جی رہا ہے تا کہ انسانی تنوع کی پشتیبانی کرے۔ ''تم لوگ نافہم ہو جو اصلاحات کے متمنی ہو اور نوع انسان کے مذاقوں کو بدلنا چاہتے ہو۔ مجھے دیکھو جس نے کبھی بھی کتیوں پر نظر نہ ڈالی اور نہ ہی چوت پر اور اسی بنا پر گانڈو (Bardailes) نہیں ہوں۔ سب کو اس کی پسند کے مطابق' کوئی شراب پیتا ہے 'دوسرے کھاتے ہیں۔ اپنی فطرت میں ہر ایک کے جدا میلان ہوتے ہیں۔ ایک اور جہنمی متفق ہو جاتا ہے'' ہمارا دوست صحیح کہتا ہے کسی خبیث کو کس نے اختیار دیا ہے کہ وہ لوگوں کے مذاق اور رنگوں پر چخ کرے۔ میلانات تو بہ وقت پیدایش طے ہو جاتے ہیں۔ آپ انہیں کیسے بدل سکتے ہیں جب کہ یہ آپ کے بس میں ہی نہیں۔''

اس سے کم معروف لیکن کہیں زیادہ دردناک مقدمہ ایسے دو کارکنوں کا تھا جن کا نام برونولی نوآیر اور جین ڈولیٹ تھا۔ جنہیں چوکیداروں نے ۴ جنوری ۱۷۵۰ء کی شب میں پکڑ لیا تھا جو ''جرم کا ارتکاب'' کر رہے تھے جیسا کہ مجسٹریٹ نے بتایا '' جسے شائستگی اجازت نہیں دیتی کہ اس کی وضاحت کی جائے اور قلمبند کیا جائے۔'' دونوں میں سے ایک شخص تو ٹُن تھا غالبًا لی نوآیر۔ فیصلے کا اعلان جون کی ۵ کو ہوا اور یہ سزا ہوئی کہ ''زندہ جلا دیا جائے۔ ان کی روبکاری کا ریکارڈ اور ان کو بھوبھل کی ہوا میں اڑا دیا گیا۔ اور ان کا مال اسباب بادشاہ نے ضبط کرلیا۔'' قرقی کے اس حکم کے علاوہ ان مردوں کے متعلق چند اور حوالے ہم تک پہنچے ہیں۔ لیکن وکیل باربیر جس کا خیال تھا کہ پھانسی کی سزا پر عملدرآمد نہیں ہوگا۔ اس کا ماجرا اس نے اپنے ایک رسالے میں لکھا ہے۔

> آج دوشنبہ جولائی کی چھٹی ہے۔ انہوں نے پلاس ڈی گریو میں ان دوکانداروں کو مجمع میں جلا دیا۔ ایک راج مزدور کا مددگار اور دوسرا قسائی تھا۔ اٹھارہ اور بیس برس کا سن۔ جنہیں پہرے داروں نے ایک رات کھلم کھلا اس جرم کا ارتکاب کرتے دیکھا۔ جسے ۔۔۔ S کہا جاتا ہے (سدومی) ۔ چونکہ کچھ عرصہ عدالتی فیصلہ ہوئے

گزر چکا تھا اور سزا پر عمل درآمد نہیں ہوا تو یہ سمجھا جانے لگا کہ ان کی سزا میں تخفیف کر دی گئی ہے جس کا سبب یہ ہے کہ اس قسم کی مثالوں سے جو غیر شایستہ ہوتی ہیں اور بلاشبہ ان سے جوانوں کو وہ تعلیم ہوجاتی ہے جس سے وہ بے خبر ہوتے ہیں۔۔۔(لیکن) چونکہ یہ دونوں کارکن شہر کے ممتاز افراد سے تعلق نہیں رکھتے تھے نہ ہی عدالت میں اور نہ ہی شہر والوں میں اور چونکہ انہوں نے نہ تو کسی (عہدیدار) کا نام لیا ہے۔ اس لئے یہ غیرت کا نشان بنائے گئے کہ ان کا کوئی پرسان حال نہ تھا۔

آگ تیار کرنے کی غرض سے سات گاڑی خاردار لکڑی لائی گئی۔ دوسو لکڑی کے گٹھے اور خشک گھاس۔ انہیں دوسولیوں پر باندھ کر پہلے سے گلا گھونٹ کر ہلاک کیا جاچکا تھا اور پھر اس کے بعد فی الفور انہیں جلا ڈالا گیا جب کہ ان کی قمیص میں گندھک پہلے ہی بھر دی گئی تھی۔ انہوں نے سزایابی کے بعد لوگوں کے سامنے چیخ و پکار نہ کی (جیسا کہ ڈی شافورس کے ساتھ ہوا) بظاہر اس لئے تا کہ کہیں نام اور جرم کی نوعیت نہ بیان کرنی پڑے۔

شاید سزاؤں پر عملدرآمد کا سبب یہ ہو کہ ۱۷۵۰ء کے موسم بہار میں پیرس خاص طور سے متلاطم حالات سے دوچار تھا۔ باربیر بتاتا ہے کہ پولس بڑی بڑی رقوم کمارہی تھی طریقہ واردات یہ تھا کہ وہ بچوں کو اغوا کر کے لوسیانا پہنچا دیتی جہاں وہ بطور ریشم کارکن کے کام کرتے۔ شروعات تو اس نے بے گھر شریر لڑکوں سے کیا اس کے بعد انہوں نے لڑکوں اور لڑکیوں کو پکڑنا شروع کر دیا جو مٹر گشتی کرتے ہوئے ملتے یا گرجا جاتے ہوئے جس کے نتیجے میں سنجیدہ بلوے پھوٹ پڑے اور احتجاج شروع ہوگیا۔ ان دو اغلام بازوں کو جلانے کی وجہ یہ سوچی سمجھی چال ہوسکتی ہے جس سے آبادی کو خوفزدہ کر کے امن و امان بحال کر دیا جائے۔

یہ والی فرانس میں آخری سولی تھی جو ایسے تعلقات پر ہوئیں جن میں کہیں بھی تشدد نہیں ہوا تھا۔ (آخری شخص جو لونڈے بازی کے الزام میں جلا یا گیا وہ ۱۷۸۴ء میں ہوا جب ایک کاپوچن (سینٹ فرانسس کے پیرو راہب نے ایک لڑکے پر قاتلانہ حملہ کیا تھا)

نکلا۔اگر چہ قدامت پسند عدالتی منصب پر فایز لوگ سزا کے جایز ہونے کا جواز قانونی حوالوں کے ذریعے پیش کرتے رہے۔مگر فرانسیسی عوامی خیالات ملزمان کوجلانے کے خلاف ہوتے چلے گئے۔لوگوں کی آ گاہی میں اضافہ ہوتا چلا گیا کہ ہم جنس پرستی کو نیست و نابود نہیں کیا جاسکتا اور یہ کہ وحشیانہ سزائیں پرانی اور فرسودہ ہیں۔ خاص فرانسیسی ''مغلم'' کو ایسے مرکب کی طرح دیکھتا ، جس میں احساس لطف، بیزاری اور تنفر شامل ہوتا مگر ایسی درشت سزاؤں کا مخالف تھا۔جیسا کہ ایک مزاح نگار نے انقلاب برپا ہونے کے بعد یہ لکھا کہ'' جلانا واقعی یہ کوئی سنجیدہ معاملہ ہے''!''کون''اس نے پوچھا۔''ملامت کرنے والا شخص ہوگا جسے آپ کو جلانا ہے اگر اسی کو سزا دے دی گئی ہو؟'' طنزیہ پمفلٹ اغلام بازی کے خیال کا دیگر عبارتوں کی تلبیس کر کے مضحکہ اڑاتے اور رسماً اپنے حقوق کا قومی اسمبلی کے سامنے مطالبہ کرتے۔لیکن ان کی ہرزہ سرائی میں ماضی کی''شہادتوں'' کے متعلق قدرے برہمی بھی ہوتی۔

اصلاح برطانیہ:

انگلینڈ میں جن احساسات کا دور دورہ تھا وہ مخالف سمت جارہے تھے۔ سزا یابی اور عملدرآمد کی شرح رفتار قابل ذکر حد تک بڑھتی رہی یہاں تک کہ انیسویں صدی کے آغاز میں چوٹی کو سر کرلیا۔فرانسیسیوں کے برعکس اہل برطانیہ نے پولس کی چوکسی کو زیادہ اہمیت نہ دی اور اسے ہم جنس پرستی کا سامنا کرنے کا معقول حربہ نہ جانا۔ بجائے اس کے اسے ایک آفت سمجھا جس کا قلع قمع کڑے اور نپے تلے اقدام سے ہوسکتا ہے۔ جرمی کولیر جو ایک اینگلیکن پادری تھا جس کی وجہ شہرت (بادشاہت کی بحالی) سے تھا سوء ہضم کی بیماری سے پیدا ہونے والی کمزوری کا شکار ہوگیا۔اس نے ۱۶۹۸ء میں ایک مضمون شایع کیا جس میں وجہ اطمینان لہجہ اختیار کیا۔جس میں اظہار اطمینان اس بات پر کیا کہ اغلام بازوں کو پھانسی دی جاتی ہے اور وہ پھٹ پڑا'' کہ ایسے عفریتوں کو نوع انسان کے واسطے وجہ نفرت سمجھنا لازم ہے اور انہیں قانون کے ذریعے کھدیڑ کر روے زمین پر سے نیست و نابود کردیا

جائے۔''

بے شک اس خصومت میں صدی کی عمر کے ساتھ اضافہ ہی ہوا۔ جب فرانسیسی مفکرین یہ سوچ رہے تھے کہ موت کی سزا ایک بربری اور عہد پارینہ کی چیز ہے مگر برطانوی صحافی اس پر اظہار تاسف کررہے تھے کہ کاش اغلام بازی پر اس سے زیادہ سخت سزائیں دی جاسکتیں۔ ۱۷۵۰ء میں سیاسی جریدہ 'اولڈ انگلینڈ' نے اس موضوع پر اظہار خیال کیا۔ اخبار کا سب سے بڑا معاون قلمکار لارڈ چیسٹر فیلڈ تھا جو مونٹسکے کا دوست اور والٹیر کا مداح تھا لیکن اس کا ہم جنس پرستی پر موقف بہ مشکل جگت آشنائی والا تھا۔ مدیر صاحب کا استدلال یہ تھا کہ اغلام باز محض سولی پانے سے زیادہ کے مستحق تھے اور بری کٹھور چرب زبانی کرتا جس سے یہ معلوم ہوتا کہ ہم جنس پرستی سے خوف کا احساس برطانیہ میں کن بلندیوں کو چھو سکتا ہے۔

محض اس قابل نفرت بدی کا زبان پر آنا انسانی فطرت کے واسطے صدمے کا باعث ہوسکتا تھا جو عظیم گناہوں کے مرتکب نفوس کی روحوں کو ہلا سکتا تھا۔۔۔ یہ لرزا دینے والی بدی ایک عرصے تک رومن کیتھولک ممالک پر منڈھی جاتی رہی اور رہائشی اسکولوں اور اہل کلیسا کے لئے وقف خانقاہوں اور دیگر مردانہ انجمنوں پر جہاں کوئی عورت داخل نہ ہوسکتی۔۔۔ لیکن اصلاح دین کے آغاز سے تمام پروٹسٹنٹ ممالک اور بالخصوص یہ جزیرہ عموی منشا سے اس اتہام سے بری الذمہ قرار دے دیا گیا۔۔۔ لیکن یہ معیوب بات (اب) وجہ رسوائی ہے۔ ہماری انصاف کی عدالتیں ان سے پہلے بھی نمٹتی رہی ہیں۔ ہم ان غلیظ مجرموں کو دیکھ چکے ہیں جب انہیں اس پر سزا دی گئی۔ چونکہ یہ ایک مہیب بدی ہے اس لئے اسے ایک ڈھیر کے نیچے نہیں چھپایا جاسکتا۔

اگر چہ اس کی سزا موت ہے جو ہمارا قانون اس پر ضرب لگاتا ہے، اس کے باوجود زندگی سے ایک سادہ سی محرومی اس کی سنگینی کے مقابلے میں ناکافی ہے۔ یہ تو اس کی مستحق ہے کہ ذات پر کوئی مثالی سزا دی جائے۔ یہ بھی درست ہے کہ ہمارے قوانین اور ہماری فطرت سزا دیتے وقت بے رحمی سے کراہت محسوس کرتی

ہیں۔۔۔ اور اس کے باوجود ان مقدمات میں جن میں بڑی بغاوت ہوتو مجرم کو زندہ ٹکڑے ٹکڑے کردیا جاتا ہے اور اس کی انتڑیاں اس کی آنکھوں کے سامنے ہی آگ میں جھونک دی جاتی ہیں۔۔۔ اور اگر کوئی عورت اپنے شوہر کو ہلاک کرتی ہے تو اسے زندہ جلادیا جاتا ہے۔ وہ کون سی نفرت اور کراہت ہے جس کے متعلق ہم باتیں کررہے ہیں الاّ بڑی بغاوت کے؟ اور یہ بھی بڑی حد تک پھر بھی —— بغاوت وہ بھی ظِل الٰہی کے خلاف اور قتل وہ بھی تخلیقی روح کا—— یہ موضوع میرے قلم کے نیچے امنڈ رہا ہے۔

وہی مدیر (جو قلمی نام آرگس سینٹو کولی کے نام سے لکھا کرتا) یہ دلیل دیتا ہے کہ دیگر قانونی شکنوں کے لئے انسان نواز قید خانے تیار کئے جائیں۔ لیکن اس کے یہ تسلیم کر لینے سے کہ انگلینڈ میں ہم جنس پرستی کا وجود ہے لگتا ہے اس نے کوئی زبردست برہمی پیدا کردی۔ اس پسندیدہ طلسم کے پاش پاش ہوجانے سے گویا وحشت جاگ گئی ہو۔ جیسا کہ اسپین میں کلیسائی عدالتوں میں ہوا۔ عدم رواداری خوبیوں کا تعویذ اور ظلم وسخت گیری قومی افتخار کا نقطہ۔

ایسا کیا ہوگیا جس نے روایتی تصورات کو بدل کر اور نفرت کی سطح کو اتنا بلند کردیا۔ تین چیزیں ہوئیں۔ اول لندن اب یورپ کا سب سے بڑا شہر تھا اور یہاں پر موجود خاصے بڑے ہم جنس پرستی کے ذیلی تمدن سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی تھی۔ دوم: صحافیوں نے اس کے وجود کو اخبارات میں بڑے سنسنی خیز انداز میں ماجرے قلمبند کئے۔ اور آخر میں اطوار کو بہتر بنانے والی سوسائٹی حال ہی میں قائم ہوئی تھی جس نے لونڈے بازوں کو کھدیڑنے کا کام اپنا پہلا مقصد بنالیا۔ وہ یہ بھی چاہتے تھے کہ انہیں سزا دی جائے جس سے لوگوں کو قاپوق میں کسا جاتا یا پھر ٹائے برن لے جا کر سولی دی جاتی۔

انگلینڈ میں نمایاں ہوتے ہوئے ذیلی تمدن کا تسلیم کیا جانا ایک انوکھا واقعہ تھا۔ اور ایک صدمہ بھی۔ سترہویں صدی کے آخر آخر میں کلب کی سرگرمیوں میں معتدبہ اضافہ ہوا تھا۔ (بادشاہت) کی بحالی کے بعد سینکڑوں کافی ہاوس ابل پڑے ایسے افراد کھنچے چلے آتے جن میں مشترک دلچسپیاں ہوتیں۔ آغاز میں تو سرپرستی کرنے والے کاروباری لوگ،

سیاسی حلیف یا دیگر شعبوں کے ارکان ہوتے۔ بعد میں کلبوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہوا تا کہ ذہن میں آنے والے ہر مذاق اور دلچسپی والوں کے لئے گنجایش پیدا کی جائے۔ اور اٹھارہویں صدی کے آغاز میں وہ مرد جو دوسرے مردوں کی توجہ کا مرکز بنتے وہ سب ان کافی ہاؤسوں یا مے خوانوں میں جمع ہوتے جو ان کی خدمت کرنے کے لئے چشم براہ تھے۔

ان آماجگاہوں کا ذکر ایک ایسی کتاب میں ملتا ہے جس کا زیادہ حصہ مزاحیہ ہے۔ نیڈ وارڈ کی لنڈن کے کلبوں کی تاریخ، (۱۷۰۹ء)۔ مصنف بذات خود مجلسی مزاج کا اور میخوانے کا مالک تھا۔ جن میں وہ طرفہ تماشے والی چیزیں شامل کرتا رہتا جیسے کذاب کلب، نکٹوں کا کلب، گداگر کلب، نخرہایا کا کلب اور پدوڑوں کا کلب۔ تاہم جب وہ زنخوں کے متعلق بیان کرنے لگتا ہے جنھیں وہ 'رنگین مچھلیوں کا کلب' کہتا ہے۔ وارڈ کا لب ولہجہ اس وقت بدل کر مزاح سے برہمی مایل ہو جاتا ہے۔

> اس قصبے میں ایک خصوصی گروہ ایسا ہے جس میں اغلام بازی کی علت پائی جاتی ہے جو خود کو رنگین مچھلیاں کہتے ہیں اور وہ مردانہ رویے سے اتنے گر چکے ہیں یا مردانہ کثرتوں سے کہ اپنے تئیں وہ خود کو عورت سمجھتے ہیں اور ان میں ان کی وہ تمام ادائیں آ گئی ہیں جو روایات نے عورتوں میں جاگزیں کر دی ہیں۔ انداز گفتار میں لوچ، چلنا، بولنا، خرافات، ادب آداب، چیخنا، طعن وطنز، اور زنخوں کے تمام اطوار کی نقالی جو کبھی بھی ان کے مشاہدے میں آئی ہوں مگر وہ ان غیر شایستہ باتوں کو فراموش نہیں کرتے جو شہوت پرست عورتیں کرتی ہیں۔ وہ یہ بھی کرتے ہیں کہ دوسرے کو رجھائیں جس کے لئے وہ ایسے چاؤ چونچلے کرتے ہیں تا کہ لوگ ان سے گھناؤنی جانور چو د حرکات کریں۔ جن کے متعلق میں ہرگز ہرگز کبھی بھی کوئی نام نہ لوں گا۔

وارڈ ایک جھوٹ موٹ کی منظر کشی کرتا ہے جس میں کوئی پٹ لیٹا ہوا ہے ایک دکھاوے کی تسمیہ ہو رہی ہے اور وہ بھی نہایت سرسری انداز میں جس سے لگتا ہے کہ گہری ادبی خلاقی کا جوہر دکھایا گیا ہو۔ لیکن اس پورے خاکے کا سب سے اہم عنصر وہ تفسیر ہے جو

وارڈ ان لوگوں سے بیان کرتا ہے، وہ ہے مردوں کا رویہ۔ ان کی نسوانیت، شعوری مساعی پر محمول کی جاتی ہے۔ ''تا کہ اس آتش عشق کو بجھایا جا سکے جو جنس نازک کو دیکھنے سے ہوتی ہے۔ اور ان کی نو عمر خواہشات کا رخ موڑ کر قبل فطرت (یا غیر فطری) تعفن کی جانب کر دیا جائے''۔ ''رنگین مچھلیاں'' یہ نہیں سمجھی جاتیں کہ جیسے وہ مرد ہوں جن کے ذاتی مذاق زنانہ طرز حیات کی جانب رہنمائی کرنے لگتے ہیں لیکن ان میں پر عناد عورت دشمنی ہوتی ہے۔ کوئی ایک صدی سے اوپر ہوئے کہ ''عورت بیزار شخص'' کی اصطلاح برطانوی صحافیوں کے مقاصد پوری کرتی رہی جسے ہم جنس پرستی کا ہم معنی بنا دیا گیا محض اس مفروضے پر کہ وہ مرد جو عورتوں سے نفرت کرتے ہیں عین ممکن ہے کہ اپنے ہی ہم جنسوں سے عشق کرتے ہوں۔ دو جنسیا کو نظر انداز کر دیا گیا جس طرح اس حقیقت کو کہ مردوں کی ایک بڑی اکثریت جن پر اغلام بازی کے مقدمات چلائے گئے وہ بالکل ویسے ہی لگتے اور سلوک کرتے جیسے لنڈن کے اوسط درجے کے تاجر پیشہ یا کاری گروں کا معمول تھا۔

وارڈ کی ہم جنس پرستی سے زن بیزاری کی مماثلت کا ایک تھیٹر میں جو منظوم ترجیع بند پر منحصر تھا اس میں براعتہ الاستہلال ہوا جو ۱۷۰۷ء میں کھیلا گیا تھا اور اس کا نام تھا ''عورتوں کے دشمن کی آہ و بکا'' جس میں عورتوں کو اس طرح شامل کیا گیا کہ جنہیں اغلام بازوں نے عمداً ٹھکر دیا تھا۔ اشعار یہ بیان کرتے تھے ''مسز گرانٹ کا مہلک انجام، ایک اونی کپڑے بیچنے والی اور دو دیگر جنہوں نے اپنے نرخرے کاٹ ڈالے یا پھر خود کو سولی دے لی بہ مقام کاونٹر (جیل) علاوہ ازیں یہ بھی فاش ہوا کہ (کوئی) سو ایسے مرد اور ہیں جن پر صنف نازک سے خلاف وضع فطرت گھٹیا حرکت کرنے کا الزام ہے، اس کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے سے بھی ۔۔۔'' پھانسی دینے کی سزا کے جواز کے طور پر نام نہاد حقوق نسواں کی حامیوں کی یہ دلیل بھی اٹھارہویں صدی کی قانون کی کتابوں میں در آئی۔ جس کے تسلیم کر لینے سے دنیا بھر کے مردوں کے علم میں یہ نیا جواز ہاتھ آیا وہ بھی قدیم تعصّبات کے خلاف جسے قدیم وضع والے شجیع مرد عورتوں کی مدافعت کے لئے پیش کر سکتے تھے۔

اس سے پہلے کہ لندن کے صحافی ''رنگین مچھلیوں کا کلب'' کا بھانڈا پھوڑتے کوئی تعلیم یافتہ انگریز شاید ہی ''اغلام باز'' کے مضمون کو اپنی گھسی پٹی زبان میں بیان کر سکتا۔ کسی عام

شخص کی شبیہ نک سک سے درست دو جنسیا روچسٹر سے ملے گی جو مفادنسواں کا کٹر موسیو تھا اور ولیم۔ سوم سے ۔ جہاں تک عام راہ گیر کا تعلق ہے کہ وہ لونڈے بازی کے متعلق کیا سوچتا ہے۔ اس کا زور تخیل تو اسے ایک دبّو راہبانہ قدوقامت والا شخص ظاہر کرتا ہے جو حسرت ناک طریقے سے براعظم کے کسی حصے میں خانقاہ میں رہایش حاصل کرنا چاہتا ہو۔ اب اس کلفت اور دہشت میں وہ ایک مقامی حقیقت بن چکے ہیں۔ جن میں زیادہ تر متوسط طبقے کے اہل لندن ہیں جو بلاشبہ پروٹسٹنٹ عقاید اور شبہ سے بالاتر انگریز ہیں۔ اپنے لاجواب مطالعے میں جس میں حوالوں کی کمی نہیں اس ذیلی تمدن پر رکٹر نورٹن کو یہ پتہ چلا کہ اس میں اکثریت خانگی ملازموں ، کاریگروں، تاجر پیشہ، حجاموں ، سرائے کے بھٹیاروں، قلیوں، ہنرمندوں (ریشم بننے والوں سے لے کر لوہاروں تک) اور ''ان میں پیادہ سپاہی فوجیوں کی کمی نہ تھی لیکن مقابلتاً اسکول کے اساتذہ کم تھے اور ایسے لوگ جن کے ذرایع آمدنی ذاتی تھے۔''

وہ عقاید جنھوں نے پہلی مرتبہ ان اغلام بازوں کو لندن میں طشت از بام کیا وہ اس انجمن کا کام تھا جو لوگوں کے اطوار کی اصلاح کرنے کی غرض سے قائم کی گئی تھی۔ ۱۶۹۰ء میں ایونا جیلیکل جوش وخروش کے ابتدائی ہلے میں جو عظیم الشان انقلاب کی دین تھا۔ اہل کلیسا اور عام لوگوں میں اتحاد ہوگیا اور انہوں نے شور و شرابہ شروع کردیا کہ اخلاقیات والے قوانین نافذ کیے جائیں۔ وہ بالخصوص ان قانون شکنوں پر متفکر تھے جیسے پی کر بھکنے والے، جسم فروشی کرنا اور توہین تقدس (جھوٹی قسم اور گالی بکنا) ۔ خدا کے دین سے بے گانہ ہونا (اتوار کو خرید وفروخت کرنا) یہ تحریک دراصل (بادشاہت کی بحالی) کی تحریک کے جواب میں شروع ہوئی تھی جیسے شاہ کی بحالی کی تحریک پارسائی کا ردعمل ہو لیکن اب وفادار اینگلیکن نے پارسائی کے منحرفین سے اتحاد کر کے ملک گیر ایسوسی ایشن قائم کرلی۔ انہوں نے مخبر بھرتی کیئے اور بلیک وارنٹس گرفتاریوں کے لئے تیار کیئے، جیسے جیسے تحریک بڑھی اسے مردوں اور عورتوں کی ایک بڑی تعداد کی فکری ہمدردیاں حاصل ہوتی گئیں —— سوسایٹی سالانہ جو بلیک لسٹ شایع کرتی (جو گاتھک ٹایپ اور ''سیاہ حروف' میں چھپتی) اس میں اوسطاً دو ہزار نام شامل ہوتے جس سے انگریزی کو ایک نئی اصطلاح مل گئی۔ ۱۷۳۸ء تک سوسایٹی

نے یہ بتایا کہ اس نے ۱۰۱۶۸۳، افراد پر مقدمہ چلایا جو کسی بھی پیمانے سے ایک متاثر کن تعداد تھی۔

اخلاق کی بہتری کے پردے میں ایک خلل دماغ بیٹھا تھا جس کا دارومدار اوہام پر تھا۔ ایک خصوصی پیش بندی نے انگلینڈ کو اسپینی بیڑے سے محفوظ رکھا اور بارود کی سازش سے۔ لیکن کیا یہی نادیدہ قوتیں اسے لویس چہار دہم کی افواج سے بچا سکیں گی جو ہوسکتا ہے کہ جیمز۔ دوم کو تخت پر بحال کردے یا پھر اس کے بیٹے کو اور ایک پروٹسٹنٹ مخالف تحریک کے پردے میں برطانوی جزیرے پر دہشت گردی پھیلادے۔ ایک زلزلہ حال میں جمیکا میں ہر چیز مسمار کرچکا تھا جس کے جھٹکے لندن تک میں محسوس کئے گئے تھے۔ کہیں یہ قہر الٰہی کی کوئی علامت تو نہ تھا۔ سماج کو چوکنا کیا جارہا تھا کہ یہ اس کی ان بدیوں کی وجہ سے ہے جن کی سزائیں دی گئی جس سے خدا غضب ناک ہوگیا ہو۔'' اور وہ ایک گناہ گار قوم پر عذاب نازل کرنے جارہا ہو۔'' جون ڈزلی نے اپنے مضمون (۱۷۱۰ء) میں یہ استدلال کیا کہ اس جرم کی سزایابی اس لئے ضروری ہے کیونکہ '' خوفناک گناہ اغلام بازی'' خدا کا عذاب نیچے کی طرف قوم پر نازل ہوتا ہے جس نے خصوصی اطوار کی وجہ سے اسے برداشت کرلیا تھا۔

زیادہ تر چھوٹے چھوٹے جرایم جو سماج کی نظر میں آتے ان کی سزا معمولی جرمانے ہوتے یا پھر مختصر مدت کی قید۔ لیکن یہ انوکھی بات تھی کہ لونڈے بازی ایسا جرم تھا جس کے لئے مردوں کو پھانسی دے دی جاتی۔ ۱۶۹۸ء میں سوسایٹی کے ایک گماشتے نے بحریہ کے ایک کمانڈر کو پھانس لیا جس کا نام کیپٹن ایڈورڈ رگبی تھا۔ اس کی سزایابی کا بہت چرچا ہوا۔ رگبی کو شکنجے میں کسا گیا اور قید کی سزا دی گئی تاہم وہ فرار ہوکر ملک سے باہر چلے جانے سے بچ گیا۔ اس کامیابی سے ہمت پاکر سوسایٹی نے دوسروں کو پکڑنے کے لئے مہم شروع کردی۔ ایک پمفلٹ بہ عنوان ''اغلام بازی لعنت اور انجام'' جو ''چرچ آف انگلینڈ کے ایک منسٹر'' نے لکھا تھا اس میں تنبیہہ کی گئی تھی کہ ''تمہارے نام اور جائے رہایش کا ہمیں علم ہے۔'' اور اس لئے ''ان کا پھیرا لگایا جائے گا تاکہ تمہارے کردہ جرایم کی سزا دی جاسکے۔'' یعنی ''سولی کے گھاٹ پر، جنہیں ہمارے قوانین نے تمہارے گناہوں کے لئے گڑوایا

ہے۔''

اس مہم کے پھندے میں آیندہ چند برس میں بہت سے لوگ شکار بن گئے۔ چار اغلام بازوں کو پھانسی کی سزا سنائی گئی جنہیں میڈسٹون اسیزس کے مقام پر جو کینٹ میں ہے ۱۷۰۲ء میں سولی دی گئی۔ ایک طنز جس کا عنوان ''دی ہی۔ سٹرمپیٹس'' بہ معنی مرد۔ طوائفیں۔ (۱۷۰۷ء) میں بیان ہوا کہ چالیس حراستیں اور تین خودکشیاں۔''عورتوں کے دشمن کی آہ و بکا۔'' میں یہ دعوی کیا گیا تھا کہ سوسایٹی کے گماشتوں نے سو افراد کو پھانسا لیکن اس میں مبالغہ لگتا ہے۔ ۱۷۱۰ء تک سوسایٹی اس قابل ہوگئی کہ وہ فخر کرے کہ اس کے مخبروں کی سرگرمیوں سے ''ہمارے گلی کوچوں کو بڑی حد تک شبینہ شہوانی آوارہ گردوں اور سب سے زیادہ قابل نفرت اغلام بازوں سے نجات مل چکی ہے۔'' نورٹن نے یہ تجویز دی کہ دارو گیر سے ایک غیر مطلوب نتیجہ نکلتا ہے۔ درحقیقت اس سے لندن میں پائے جانے والے ذیلی تمدن کو تحریک ملتی ہے جب ان ملاقات کی جگہوں کی تشہیر ہوتی ہے۔

گرفتاریوں کے باوجود رنگین مچھلیوں والے گھروں کی تعداد بڑی تیزی سے بڑھی۔ بیس سال کے بعد ایک قابل ذکر دھاوا بولا گیا ''اتوار کی شب کو ۲۶۔۱۷۲۵ء کی فروری کا مہینہ تھا پولس کے سپاہیوں کے ایک دستے نے رنگین مچھلیوں کے گھر کا محاصرہ کرلیا جسے مدر کلیپ فیلڈ لین ہالبورن میں چلاتی تھی۔۔۔ فرار کی تمام راہیں مسدود کی جاچکی تھی۔ صبح ہونے سے پہلے کمروں کو چالیس ہم جنس پرستوں سے خالی کرایا جاچکا تھا۔''بدنام لونڈے بازوں'' نے جو اس زمانے کی زبان تھی۔ انہیں گرفتار کرکے انیو گیٹ پرزن میں بند کردیا گیا تاکہ مقدمہ کا انتظار کریں۔ مہینے کے اختتام تک اس طرح کئی اور رنگین مچھلیوں والے گھروں پر چھاپہ مارا گیا۔ اور۔۔۔ جس کے نتیجے میں ٹای برن کے مقام پر تین اور مردوں کو سولی دے دی گئی۔ ان مقامات کی خبروں نے مقبول عام پریس میں بدتمیزی کا ایک طوفان کھڑا کردیا۔ ایک قلمکار نے تجویز دی کہ جو بھی اغلام بازی کے الزام پر سزا پائے تو اسے کھلی عدالت میں خصی کردیا جائے اور ''جلاد مجرم کے فوطے کو فوراً گرم کئے ہوئے لوہے سے داغ دے۔''

اطوار کی اصلاح کی سوسایٹی خود کو اپنی کامیابیوں پر مبارکباد دیتی رہی جو اس نے

لوگوں کو کھوج لگا کر نکالنے میں حاصل کیں۔ ۱۷۲۷ء میں سینٹ ڈیوڈ کے اسقف نے اس ''قابل تعریف جانفشانی'' کی جس نے ''ان قابل نفرت بدبختوں کو جو غیر فطری بدی کے مجرم ہوئے۔۔۔قرار واقعی انصاف کے کٹہرے میں لائے۔'' اس کے باوجود سوسایٹی کے دن انگلیوں پر گنے جاسکتے تھے کیونکہ اس کی غیر مقبولیت روز افزوں تھی۔ اس وقت فسادات پھوٹ پڑے جب اس نے غریب مضافات میں چکلے بند کرانے کی کوشش کی۔ اس کے مخبروں پر رشوت ستانی اور رقوم اینٹھنے کے الزامات لگائے گئے۔ جس کے نتیجے میں ان کی معاوضوں کے برتے پر حاصل ہونے والی گواہیوں پر عدم اعتماد کیا گیا۔ ڈینیل ڈیفو نے شکایت کی ''کہ وہ ڈروری لین کی غریب خواتین نشاط کے خلاف بڑے مستعد تھے اور اسمتھ فیلڈ کے کھلاڑی اور شعرا برہمی میں معقول نکلے۔۔۔لیکن فریب دہی، رشوت اور استبداد کو کوئی بھی مستعد مصلح نہ میسر آیا۔ دوسرے لفظوں میں سوسایٹی نے غریبوں کو سزایں دیں اور امیروں سے تعرض نہ کیا یوں اشرافیہ کے گناہگاروں کا بال نہ بیکا ہوا۔ دہایوں کی مساعی کے باوجود کہ قوانین کا نفاذ کیا جائے برائی لگتا تھا اتنی ہی رہی جتنی ہمیشہ سے تھی۔ تب کہیں جا کر ۱۷۳۸ء میں سوسایٹی کو تحلیل کر دیا گیا۔ لیکن جو خونخوار متعصب فضا اہل کلیسا اور صحافت نے پیدا کر دی تھی وہ اس کی موت کے ساتھ ختم نہ ہوئی۔ اس کی خون آشامی جاری رہی بلکہ کچھ اضافہ ہی ہوا۔ یہاں تک کہ ۱۸۳۵ء میں جو دور رس سیاسی اور قانونی اصلاحات کی دہائی تھی اس نوعیت کی سزائیں ختم ہوئیں۔

ارواح دساور میں:

دار وگیر کے لئے پائے جانے والے جوش وخروش کو دیکھتے ہوئے یہ نہایت روشن لگتا ہے جب ہم سوچیں کہ ان دنوں میں کہاں تک مشرق، مغرب سے مختلف تھا۔ جیسے جیسے انگلینڈ میں مردانہ زنخے پن میں اضافہ ہوا۔ مبہم صنف کے اداکاروں نے پیکنگ اوپیرا میں مقبولیت کے زور پر دھاک بٹھالی اور ٹوکیو کے کابکی تھیٹر میں۔ اور بالکل اسی طرح جیسے انگلش متوسط طبقے نے لونڈے بازوں کو سولی دینے کا انتظام کیا تھا، نوجوان لڑکے رکھنے کا

جنون شہری جاپان کے متوسط طبقے میں رواج پا چکا تھا۔ تمدنی روایات اور مذہبی اثر ونفوذ کے بس میں نہ تھا کہ وہ کوئی ڈرامائی تبدیلی لاسکیں۔

ہم حیران ہو جاتے ہیں کہ انگلینڈ میں بدکاری نے کس طرح حساس افراد کو اس عہد میں متاثر کیا جو کم از کم اس معاملے میں ''روشن خیالی'' کی ضد تھی۔ ٹومس گرے (۱۷۱۶۔ ۱۷۷۱ء) ایک عالم ہو کر کیمبرج میں رہا اور یورپ بھر سے واہ وا کا مستحق ٹھہرا۔ جس کی وجہ ایک مختصر سا شاعری کا نسخہ تھا، جس نے اسے کئی نسلوں کا ممتاز شاعر بنا دیا۔ ایک شرمیلا، چاہنے والا فرد اس کی جذباتی زندگی کا دارومدار ایک شدید مردانہ تعلق پر تھا۔ گرےؔ کے خطوط جو ہوریس واپولؔ کو لکھے گئے جس سے وہ بطور اسکول کے طالبعلم کے ایٹن کالج میں ملا تھا۔ انہیں عشقیہ خطوط کہا گیا۔ جن میں گہری لگاوٹ کا اظہار کیا گیا۔'' واپولؔ کو لکھتے ہوئے جوان دنوں کیمبرج میں ساتھی طالبعلم تھا گرےؔ اسے اپنی نصف روح کہتا ہے اور بتاتا ہے ''میں تمہارے لئے ہڑک رہا ہوں'' اور بیان کرتا ہوں کہ کس طرح وہ اسے خوابوں میں ڈراتا ہے۔ اگرچہ اس میں تمسخر اور مزاح کا مادہ موجود تھا گرےؔ کی پوری بالغ زندگی ایک مستقل مریضانہ افسردگی میں گزری۔ جو کچھ اس نے دیہی شاعر کے متعلق اپنی مشہور نظم ''ایلجی'' میں لکھا وہ اس پر بھی پوری اترتی ہے۔''افسردگی اس کی اپنی ذات میں بھی تھی۔'' بلاشبہ اس کے خطوط جو دوستوں کو لکھے گئے ان میں بھی اس کی بجھی بجھی طبیعت ملتی ہے۔ ذی علم گرےؔ نے خود کو مردہ زبانوں میں اس لئے دفن کر دیا تاکہ جاری و ساری درد سے نجات مل سکے اور ان میں اس نے یہ دریافت کر لیا کہ انا کریونؔ اور ورجلؔ میں انگریزی تعصّبات نہیں ہیں۔ ۱۷۳۹ء میں واپولؔ جو انگلینڈ کے وزیراعظم کا بیٹا تھا اس لئے اسے سماج میں جو مرتبہ اور دولت میسر تھی گرےؔ ان کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتا۔ اس نے اسے مدعو کیا کہ وہ اس کے ساتھ ''گرینڈ ٹور' پر چلے جو اس زمانے میں بالائی طبقے کے جوانوں کی تعلیم کا حصہ تھا۔ ان جوان مردوں کے لئے جو دیگر مردوں سے عشق کرتے تھے اس قسم کا دوست خصوصی معنویت رکھتا تھا۔ کیونکہ انہیں معلوم تھا اور براعظم (یورپ) کا سماج اغلام بازوں کو دیکھ کر کہیں بھی مشتعل ہو کر برہمی نہیں ظاہر کرتا۔ آخر کار دونوں دوست مل گئے اور فلورنس میں ایک ساتھ ٹھہرے۔ جیسا کہ ایک سیاح کا کہنا ہے کہ یہ شہر ''عشق اور عہد قدیم''

کی روایات سے مانوس ہو چکا ہے۔اس میں بھی کوئی شبہ نہیں ہے کہ فلورنس اہل برطانیہ کے لئے ایک پسندیدہ جائے پناہ تھی جنہیں اپنے وطن میں ان کی جنسی ترجیحات کے فاش ہوجانے پر لعنت ملامت کا سامنا کرنا پڑتا۔آخری میڈیسی نواب جیان کاسٹون نوجوان لڑکوں سے کھلم کھلا تعلقات رکھنے کے باوجود اپنی روادار رعیت اور شہریوں میں مقبول تھا۔ وہیں پر سر ہوریس مان سفیر بھی تھا جس کی سفارتی تعیناتی والپول کی مرہون منت تھی۔ وہ اپنے بنگلے پر کنوارے نوجوانوں کو بے تکلف حلقے میں بالا علان مدعو کرتا۔

کوئی شے —— جسے ہم نہیں جانتے وہ کیا چیز ہے —— جس نے دونوں افراد میں کشیدگی پیدا کردی۔ اور گرے انگلینڈ واپس لوٹ آیا۔اس کا عشق اب ایک ہم مکتب ایٹن درسگاہ کے ساتھی کے جانب منتقل ہوگیا، وہ ایک چوبیس سالہ رچرڈ ویسٹ تھا۔ اسے بھی گرے ایسے خطوط لکھا کرتا جن میں جنسی اور عشقیہ جذبات کی فراوانی ہوتی۔مگر ویسٹ بیمار اور نازک بدن تھا اچانک مرگیا۔گرے نے اس کا اپنی ایک لاطینی نظم اور انگلش سونیٹ میں گریہ کیا۔ان دونوں کی اشاعت بعد از مرگ ہوئی۔ اب اس نے ایک غیر مطمئن گوشہ نشین کی زندگی اختیار کرلی جس پر رنج واندوہ سایہ فگن تھے جس میں کبھی کبھار ظرافت کوند جاتی۔ کیونکہ اس نے اپنی ''اوڈ'' میں جو اس نے والپول کی چہیتی بلی کی موت پر لکھی۔ یہ اس کے لئے نہایت مشکل تھا کہ وہ ہم عصر طنزیہ تحریریں پڑھ کر مسرور ہوتا۔ یہاں پر وہ سزائیں بیان کی جارہی ہیں جو ایک معمولی سے شاعر ٹومس گلبرٹ نے اپنی نظم ''قصبے کا نظارہ'' میں اغلام بازوں کے لئے تجویز کی ہیں۔ (۱۷۳۵ء)

جیسوٹ کو کوئی نازک سی تکالیف ایجاد کرنا چاہیں
کیونکہ سولی تو ایک نرم سی سزا ہے
یا پھر وہ دہکتے ہوئے فولاد کے داغ سہیں
انہیں فرش پر پڑے پڑے بلبلانے دو کانٹے دار پہیوں کے نیچے
کوڑے، زہر، برچھیاں، مسیحی عدالتیں اور شعلے
یہ ایسا جرم ہے جو انتقام کا سب سے اونچے درجہ کا مطالبہ کرتا ہے۔

گرے کا زندگی کے متعلق جو قنوطی تصور ہے وہ اس کی نظم ''اوڈ جو ایٹن کالج سے

فاصلے پر ہے'' جس میں ایک تلخ کتبہ جو میناؔنڈر کا ہے ''میں ایک انسان ہوں جو میرے خستہ حال ہونے کے لئے کافی ہے۔'' یہ طاقتور نظم اس نے اس وقت کہی تھی جب وہ صرف چھبیس سال کا تھا۔ جس میں بیان کیا گیا ہے کہ اسکول کے لڑکے کس سادہ لوحی سے ایک طفلانہ جنت میں خوش رہتے ہیں جہاں ''بے خبری کی نعمت'' دستیاب ہوتی ہے۔ لیکن گرؔے اس پر کڑھتا رہتا ہے کہ کتنا افسوس ناک انجام آنے والے برسوں میں ان کا منتظر ہے۔ یہی ہوں گے انسانی شوق جنوں کی دھجیاں بکھیرنے والے/ انسانی ذہن کے گدھ/نخوت بھرا طیش، زردرو خوف/ اور شرم جو عقب میں گھات لگائے بیٹھی ہے۔'' شامل ہے بہت سوچ سمجھ کر، ساتھ ہی ''تلخ ملامت'' اور ''دانت پیستی ہوئی رسوائی۔'' اب آپ اے۔ ای۔ ہاؤسمیؔن (ایک اور کیمبرج یونیورسٹی کا گوشہ نشین استاد) کا یاس پسندی کا حامل تبصرہ ملاحظہ فرمائیں جو اس نے اٹھارہویں صدی کے رسمی اسلوب میں چھوڑا ہے۔

گرؔے کا موڈ اس وقت چند لمحوں کے لئے خوشگوار ہوگیا جب وہ ترپین برس کی عمر میں چارلس وکٹر ڈی بونسٹیٹؔن کے عشق میں گرفتار ہوگیا۔ جو سویٹزرلینڈ کا رہنے والا ایک ملنسار جوان تھا اور وہ بہت خوش شکل تھا اور اس میں دلربائی والی ذاتی کشش تھی۔ گرؔے نے بونسٹیٹؔن کو کیمبرج میں آکر اپنے ساتھ تعلیم حاصل کرنے کی دعوت دی تھی۔ یہ ایسی جگہ تھی جو بے کیف خانقاہ کے مقابلے میں مبہوت کرنے کی حد تک سویس کے پسند کی تھی جب کہ وطن میں تجرد کے مارے اساتذہ اور سیاہ پوشاک والے طالبعلموں کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ گرؔے کے پاؤں تلے سے اس وقت زمین نکل گئی جب اس نے نوجوان کو اپنی شاعری کے متعلق عاجزانہ انداز میں چاپلوسی کرتے سنا اور اس کے تبحر علم کو سنا اور اس کی وجاہت کو دیکھا۔ اس کے علاوہ اس کی پرجوش فطرت اور تعلیم حاصل کرنے کا ذوق دیکھا۔ ''میں نے کبھی ایسا لڑکا نہیں دیکھا۔'' اس نے اپنے کسی دوست سے کہا، ہماری اٹھان اس سانچے کی نہیں بنی۔'' بونسٹیٹؔن نے اپنی باری پر اپنے باپ کو لکھا ''جب مسٹر گرؔے مجھ سے گفتگو کرتے ہیں تو میرے دل کی دھڑکن تیز ہوجاتی ہے مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے ان کی آواز خدا کی ہو۔'' یہ ایک مکمل عاشق و معشوق کا سمبندھ تھا۔

جب بونسٹیٹؔن کو فرانس لوٹنے پر مجبور ہونا پڑا تو ڈھلتی ہوئی عمر کے شاعر نے اپنا دل

چیر کے رکھ دیا۔ یادیں ہی میری تسلی کی بچی ہیں۔ میری زندگی تو اب ایک دایمی گفتگو ہوگی جو میں تمہارے سائے سے کیا کروں گا۔۔۔ میں اس جگہ پر نہیں ٹھہر سکتا جہاں میں نے کئی اجیرن کر دینے والے سال بسر کئے ہیں اور تمہیں گئے ہوئے تو ابھی مہینہ بھی نہیں گذرا۔ انہوں نے سویٹزرلینڈ میں ایک بار پھر ملنے کا منصوبہ بنایا لیکن گرےؔ کی صحت ٹھیک نہ تھی اگلے موسم گرما میں انتقال کر گیا۔ ساٹھ برس کے بعد بوسٹیٹنؔ نے اپنے 'سونیر' میں گرےؔ کے متعلق لکھا کہ وہ ایسا شخص تھا جس نے اپنی فطرت کی وجہ سے ''کیمبرج کے قطب جنوبی میں دیس نکالا لے لیا تھا۔''

دیگر بہ آسانی شکار بن جانے والے انٹیلکچول بھی خاموشی سے دکھ جھیلتے رہے۔ ہوریس والپولؔ جو انگلینڈ کے سب سے طاقتور سیاستدان کا بیٹا تھا اور اس کا سماج میں ایک مقام تھا اور اس نے لاتعداد مکتوب الیہم کو اپنے پرمزاح خطوط سے گدگدایا تھا جو ییل والوں نے اڑتالیس جلدوں میں شایع کئے ہیں۔ لیکن اس کی اپنی کزن ہنری سی مور کون وےؔ سے تاحیات محبت کو کبھی جواب نہ ملا—— کون وےؔ نے سوچا ''کہ نوجوانی کے عہد و پیمان۔۔۔ بدنامی کی حد تک غیر صالح اور خلاف فطرت ہوتے ہیں۔'' اٹلی سے اپنی واپسی پر والپولؔ نے ماںؔ کو لکھا کہ میں ''فلورنس میں کسی طرح خوش نہ تھا اور اس کی توقع تھی۔'' جب والپول نے کون وےؔ کی سر عام حمایت کی جسے ایک سرکاری عہد سے برخواست کر دیا گیا تھا تو اس پر یہ کہہ کر حملہ کیا گیا کہ ''ایسا شخص جس کے لئے اگر فطرت پسند لوگوں کے فیصلے پر چھوڑ دیا جائے تو وہ اسے اپنی نوعیت کی واحد مخلوق قرار دے دیں گے۔ اگر چہ فطرتاً مردانہ ہے مزاجاً عورت ہے اس میں ان کا توازن خوبی سے پوشیدہ ہے کہ عام دیکھنے والا الجھ جائے گا اور اس کی درست صنف بیان کرنا دشوار ہوگی۔''

اس سے زیادہ جری اور زیادہ خوش قسمت لارڈ جون ہرویؔ تھا۔ اگر چہ اس کے دشمنوں نے اسے زنخا ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ لیڈی میری ورٹلےؔ جس کا یہ قول بڑی شہرت پا گیا کہ دنیا کا وجود تین جنسوں پر قایم ہے ''مرد، عورت اور ہرویاں''۔ اور الیکزینڈر پوپؔ جو 'گے' کو دانہ ڈالنے والوں میں شریک ہو گیا اور اسے طنزاً ''سپورس'' کہا جو نیروؔ کی کوئی بیوی تھی۔ اپنی کتاب (صحیفہ خط برائے ڈاکٹر آربتھناٹؔ)۔ ہرویؔ نے رندانہ

جرات سے کھلم کھلا اس سے ہم خیالی ظاہر کی اور کہا کہ میں اپنے چاہنے والے کے ساتھ ''مشترک رہایش'' رکھتا تھا۔ جو پارلیمنٹ کا رکن تھا بنام اسٹیفن فاکس۔ لیکن ہروی جو جارج دوم اور ملکہ کارولاین کا بااعتماد درباری تھا جس کے مرتبے پر کوئی کیچڑ نہیں اچھال سکتا تھا۔

ولیم بیکفورڈ کم خوش نصیب ثابت ہوا جو لارڈ میر کا صاحبزادہ اور انگلینڈ میں سب سے بڑا ترکہ پانے والا۔ بیکفورڈ لندن کے خوش باش نوجوانوں کا رہنما تھا، باصلاحیت موسیقار اور ایک معروف مشرقی معاشقے ''واتھک'' کا مصنف بھی تھا جو فرانسیسی میں ۱۷۸۲ء میں چھپ چکا تھا۔ لیکن جنوں خیز عشق جو جوان ولیم کورٹنی (جو ابھی سولہ برس کا تھا) سے ہوا وہ بگڑ کر بدنامی کا سبب بن گیا۔ نومبر کی ۲۷، ۱۷۸۴ء کو مارننگ ہیرالڈ نے یہ ملامتی لفظ شایع کئے ''یہ افواہ جو ایک گرامر کی غلطی تھی اور مسٹر بی —— اور عزت ماب مسٹر سی —— اور جو صنفوں کے متعلق تھی۔ ہمیں امید ہے کہ فطرت کا احترام افترا پردازی میں پنہاں ہوتا ہے۔ کیونکہ کوئی فرد چاہے کتنا ہی بدراہ ہو مگر ایسے ماجرے بغیر ثبوتوں کے الم نشرح نہیں کر سکتا ہماری تو یہ آرزو ہے کہ کاش کوئی ایسا ہو جو کرداروں پر ترجیح دے کر جو ربانی احکام کو پس پشت ڈالتا ہوا، فطری اور انسانی قوانین سمیت سب کو وحشیوں کے طبقے کے نیچے والے حصے میں ڈبو دے جو واہیاب مناسک میں مگن رہتے ہیں۔'' یہ چند سطریں جو ایک وقت تکبر اور بدشگونی کی حامل ہوتی ہیں۔ یہ کافی تھیں کہ یہ اٹل ہو جائے کہ بیکفورڈ جو اب چوبیس برس کا تھا وہ انگلینڈ کے سماج میں اپنی باقی ماندہ زندگی کے ساٹھ سال کی زندگی سماجی مقاطعے میں بسر کرے۔ ایک نسل بعد بایرن جو اپنے طویل سفر پر جب نکلتا ہے تو لزبن کے قریب واقع بنگلوں کی سیر کو جاتا ہے جہاں پر نامور گوشہ نشین نے دیس بدری کا زمانہ بسر کیا تھا۔ وہ واتھک کا بڑا مداح اور خود ایک دو جنسیا بایرن جس نے بیکفورڈ میں ایک ہمدم و دمساز پایا جس کے انجام میں وہ بھی حصہ دار بن سکتا ہے۔ چایلڈ ہیرالڈ کا مسودہ جس میں وہ اس اہانت کو قلمبند کرتا ہے۔

غمزدہ واتھک! کسی بری گھڑی میں
قدرت کی ہدایت کے خلاف کار بد پر اس نے ورغلایا

کبھی وہ خوش نصیبی کا بندہ، تو اب کیا تجھے اس کی قوت کا اندازہ ہوا!
تیرے کشیدہ سر پر عذاب کیوں نہ ٹوٹے
فراست میں دانش میں جیسے تو دولت میں فایق ہے
کیسی خوشگوار اور چمکدار تیری رعنا صبح انگڑائی لے رہی ہے
لیکن تجھے تو مار پڑی تھی ابلیسی پیاس کی
ایسے جرم کی جس کا نام بھی زبان پر نہ آئے، تیرے یہ دن کاش ختم ہو جائیں
بے مانگے عتاب اور تنہائی —— جو بہترین مصایب ہیں

برس ہا برس کے بن باس کے بعد جہاں انگلینڈ کے اہل اختیار ابھی تک اسے صحت یابی کی غرض سے رکھے تھے۔ بیکفورڈ انگلینڈ لوٹا اور فونٹ ہل ایبے تعمیر کرایا۔ جہاں وہ بڑی شان وشوکت سے رہتا اور اس نے اعلیٰ درجے کے فن کے شہ پارے جمع کر لئے تھے۔ قطع تعلق کیئے ہوئے جس کا کوئی ملاقاتی نہ آیا ایسے پراسرار طریقے سے تنہا کیا گیا جیسے ہمارے زمانے میں ہوورڈ ہیوز کے ساتھ ہوا۔ اپنی کسی بیٹی کو اس نے خط میں لکھا بیکفورڈ نے اپنے تلخی ایام کی گہرایوں کو بیان کیا ''مجھے برسوں سے کھدیڑا جا رہا ہے اور دار و گیر ہو رہی ہے۔ مجھے بار ہا زہریلے ڈنک مارے گئے اور ذہنی کچوے لگائے گئے اور اس کی اجازت نہ دی گئی کہ میں ان امور کا جن کا تمہیں مجھ سے شکوہ ہے ان غرانے اور بھونکنے والی حرکات کو دفع کر سکتا۔ جس کے لئے میرے دل میں تمنایں موجیں مارتی تھیں۔ اگر میں شرمیلا تھا یا وحشی تھا تو تمہیں ان ترغیبوں اور افکار پر غور کرنا چاہیئے جن کی جانب میں اشارہ کر رہا ہوں۔ مجھ سے پرتگال میں کیسا سلوک ہوا، اسپین میں، فرانس میں، سویٹزرلینڈ میں، وطن میں اور باہر، چپے چپے پر۔'' ۱۸۱۶ء میں یہ وہ دہائی ہے جب انگلینڈ والوں سے ہم جنس پرستی سے خوف ممکن ہے جیسا کہا جاتا ہے اپنے عروج پر پہنچ گیا ہو۔ بیکفورڈ نے اپنے روزنامچے میں لکھا ''کل (کاغذات کے مطابق) وہ کسی غریب اور دیانت دار اغلام باز کو سولی پر چڑھایں گے۔ میرا ان سے یہ سوال ہے کہ ان کی دیوی کیسی ہے جسے راضی کرنے کے واسطے ان رونگٹے کھڑے کر دینے والی انسانی قربانی کی ضرورت پڑتی ہے۔''

برطانوی طیش جو ہم جنس پرستوں کے خلاف تھا اگر اس کی جڑیں دینیات میں

پیوست تھیں تو مردانگی سے متعلق تشویش نے اسے مزید گہرا کر دیا۔ رینڈولف ٹرمباک نے زنانہ پن کے بدلتے ہوئے تصورات میں اپنے معلمانہ سلسلہ ہائے مضمون میں اس کا سراغ لگایا ہے۔ اٹھارہویں صدی کے آغاز میں ''چھیل چھبیلا'' اور ''خودنما'' کا یہ کہہ کر مضحکہ اڑایا جاتا کہ جو وقت انہوں نے خود کو بنانے سوارنے میں صرف کیا ہے تاکہ پیشکش کے قابل بن جائیں۔ لیکن یہ بھی فرض کرلیا جاتا کہ وہ عورتوں کی متوجہ کرنے کے لئے ایسا کرتے ہیں —— وہ سب ''عورتوں'' کے مرد ہوتے۔ لندن کے اخبارات میں 'رنگین مچھلیوں' کے سنسنی خیز ورود کے بعد تاہم زیادہ نفاست پسندی اور زنانہ دلچسپیوں کے سبب مردوں پر یہ کلنک کا داغ لگا کہ وہ اغلام باز ہیں۔ سنسنی خیز پمفلٹ جیسے ہیل اپون ارتھ (جہنم زمین پر) قضیے میں شوروغوغا (دی ٹاون ان اپرور) (۱۷۲۹ء) جن میں 'رنگین مچھلیوں کو'' زنانہ پن کی دشمن'' کہا جاتا۔ جنہیں مرجانا چاہئے'' بے چارے اور بے نوحہ گر'' ایک اور پمفلٹ شیطان کی فصل کا گھر (ساٹان ہارویسٹ ہوم) (۱۷۴۹ء) کو شمار کیا گیا ''اغلام بازی کے فروغ کا سبب۔'' مردوں کی ''زنانہ'' رسم کہ وہ ایک دوسرے کو چومتے (یہ صدی کے ابتدا میں انگلینڈ والوں میں عام بات تھی)۔ اطالوی اوپیرا اور نوجوان لڑکوں کو ''لڑکیوں کے اسکول'' میں بھیجا جانا، نامرد بنانے کے مترادف تھا جس سے مصنف کو اندیشہ تھا کہ برطانیہ کی فوجی قوت چوسی جاسکتی ہے۔

اس لئے ٹوبیاس سمولیٹ کے ناول روڈاک رانڈم (۱۷۴۸ء) میں کپتان وہیفل کو خوشبو میں بسا ہوا طرح دار شخص بیان کیا گیا ہے جسے اپنے رنگ و روپ کا بڑا خیال ہے جو ایک ملاح کے منہ سے نکلنے والے تمباکو نوشی کے دھویں سے بے ہوش ہو جاتا ہے اور دخانی جہاز کے سرجن ڈاکٹر کو تحریری اطلاع دیتا ہے ''ایسی خط و کتابت جس کو کوئی نام نہ دینا چاہئے۔'' یہ ایسی تصویر ہے جو جارح اور تمسخر آمیز ہے۔ بعد ازاں کتاب کا ہیرو لارڈ ڈسٹرٹ ول سے رابطہ کرتا ہے جس میں مربی بننے کی صفات پائی جاتی ہیں اور اس کی ذات سے وابستہ کوئی بھی کلنک کا ٹیکا نہ تھا۔ لیکن سٹرٹ ویل لونڈے بازی کی پشتیبانی کرتا اور یونانی اور لاطینی مصنفین کا حوالہ دیا کرتا۔ جس کے جواب میں بھیانک روڈرک قوی نظریے کا راگ چھیڑ دیتا ہے۔'' دائمی رسوائی ایسا نام جس کا ذکر سراسیمہ کرتا ہے/ وہ کون تھا جس

نے پہلی مرتبہ اس بدی کی برطانوی سرزمین پر شجر کاری کی!''۔ شعر تو درحقیقت سمولیٹ کا اپنا ہے جو اس کی طنزیہ تصنیف (Advice) مشورہ (۱۷۴۶ء) سے لیا گیا ہے لیکن یہ عقیدہ کہ ہم جنس پرستی بدیسی معاملہ تھی اتنا ہی قدیم تھا جتنا کہ ہنری دوم سے لے کر رچرڈ سوم تک کے بادشاہوں کا سلسلہ۔

اغلام بازوں سے بدسلوکی اہل برطانیہ کا ایک وسیلہ تھا جس سے وہ اپنی مردانگی منوانے کے علاوہ ان شکوک کو رفع کرتے جو ان کی اپنی جنسی سرگرمیوں سے تعلق رکھتی تھیں۔ کسی اور مقام پر اس نمایاں طریقے اور ڈرامائی انداز میں نہ دیکھنے میں آتی سوائے سزا دیتے وقت جب سرعام شکنجے میں کسا جانا ہوتا۔ سرعام کارروائی کا مقصد برأت یا پھر خاتمہ ہوتا۔ ڈینیل ڈیفو کو اس لئے شکنجے میں کسا گیا کیونکہ اس نے کلیسا پر طنز کیا تھا اس کے بعد اسے پھولوں سے لاد دیا گیا۔ لیکن ایک ایسا شخص جو عوامی نفرت کا مرکز تھا اور لونڈے باز کہا جاتا اس کی جان کو بھی خطرہ تھا۔ اگر ان کے پاس اس پر اغلام بازی کا مقدمہ چلانے کے لئے کافی شہادتیں نہ تھیں تو مردوں پر یہ الزام دھر دیا جاتا کہ انہوں نے ''اقدام'' کا ارتکاب کیا تھا جس کی جو معیاری سزا تھی وہ شکنجے میں کسنا تھا۔ جس پر جیریمی بنتھم یہ بیان کرتا ہے، یہ ممکن ہے کہ کوئی مرد ''اپنا جبڑا اتڑوا بیٹھے یا اس کی آنکھ نکال لی جائے۔'' یا اس سے بھی بری ہو۔ جب ۱۷۲۷ء میں چارلس ہیچن نے ایک بدنام زمانہ ساتھی جوناتھن وائلڈ کو جو ''چوروں کو پناہ دیتا'' اسے جب شکنجے میں کسنے کی سزا اس لئے ہوئی کہ اس نے اقدام اغلام بازی کیا تھا تو اس نے ایسی زرہ بکتر پہن لی جس سے محفوظ رہ سکے۔ لیکن چیخم دھاڑ کرنے والے اژدھام نے اس کے حفاظتی بند کو توڑ ڈالا اور ''آدھے گھنٹے بعد جب یوں لگا کہ ہیچن قریب المرگ ہے تو نایب تھانیدار کو اسے اتارنا پڑا۔''

ولیم اسمتھ کو ۱۷۸۰ء میں سزا دی گئی کہ اسے شکنجے میں اسی جرم میں بہ مقام ساوتھ وارک شکنجے میں کھڑا کیا جائے تو اس نے وہیں جان دے دی۔ یا تو بپھرے ہوئے ہجوم کے تشدد سے یا پھر گردن پر شکنجے کی تنگ گرفت سے۔ ایڈمنڈ برک میں اتنی جرات تو ضرور تھی کہ اس نے پارلیمنٹ میں احتجاج کیا اور یہ دلیل دی کہ شکنجہ میں کسنا کوئی موت کی سزا نہیں ہوتی اپنے ضمیر کی بے چینی کے لئے اخبارات نے اسے یہ کہہ کر رسوا کیا کہ وہ لونڈے

بازوں کا حامی ہے۔ ’’ہر شخص تماشایوں کے جذبات کی تعریف کرتا تھا۔‘‘ مارننگ پوسٹ نے اپنے قارئین کو مطمئن کرنا چاہا۔ ’’اور ہر عورت ان کے رویے کو حق بجانب سمجھتی ہے۔‘‘ یہ حب الوطن مسٹر برک کے حصے میں آیا کہ وہ یہ تاثر دے کہ جس جرم کا ارتکاب ان لوگوں سے ہوا۔۔۔ وہ ہلکی تنبیہہ کا سزاوار ہے نہ کہ ذلت آمیز موت کا ایسے مدیران کرام جنھوں نے اغلام بازی کے جرم کی سزا کے لئے پھانسی سے زیادہ بھیانک سزائیں تجویز کی تھیں اب تلملا رہے تھے کہ ’اقدام‘ کی سزا بھی موت قرار دی جائے۔

بالآخر برطانوی انتہا پسندی کی توجہ یورپ پر مبذول ہوگئی۔ غیر ملکی سیاح بالخصوص اس رویے پر متحیر رہ گئے کہ عورتیں تشدد میں حصہ لے رہی تھیں۔ معروف کٹر پن کہ اغلام باز عورتوں سے متنفر تھے تو اس شجر میں ہلاکت خیز پھل پھول لگنے لگے۔ آوارہ گرد عورتیں بالخصوص جسم فروش عورتیں اور مچھیرنوں کی ہمت افزائی ہوتی کہ پتھراؤ کرنے، کوڑا کرکٹ پھینکنے، گلی سڑی ترکاریاں پھینکنے میں آگے آگے رہتیں۔ سماج سے ملنے والے اس نئے کردار یعنی بطور اخلاقی فوجدار کے انہیں موقع ہاتھ آ گیا کہ وہ ذلت اور خواری جو سوسایٹی نے ان پر انڈیلی تھی اس ذلت کے ٹوکرے کو وہ ان بے چارے لونڈے بازوں پر الٹ دیں۔ ولہم وون آرکنہولز ایک پروسین (موجودہ جرمنی) سیاح نے اپنے اہل وطن کو ۱۷۸۷ء میں بتایا کہ ’’چونکہ انگریز عورتیں بہت خوبصورت ہیں اور ان کی سیر و تفریح اور لطف اندوزی اتنی عام ہے اس لئے اس جزیرے کے باسیوں کے دل میں اغلام بازی کے خلاف کراہت بے کنار ہے۔‘‘ کسی لونڈے باز کے لئے شکنجے میں کسے جانے کی سزا، اس نے اہل وطن کو یقین دلایا ’’اتنی ہی مناسب ہے جتنی کہ سزائے موت۔‘‘ یہاں تک کہ کاسانوؔدا نے اپنی یادداشتوں میں انگریزوں کی ’’بے عقلی‘‘ کو اس موضوع کا عنوان بنایا ہے۔ فرانس میں جب قوانین میں اصلاح کی تحریک چلی تو اس میں اسی صدی میں جان پڑ گئی۔ ۱۷۸۵ء میں سائنسدان اور مصلح کنڈورسٹؔ نے یہ تجویز پیش کی کہ اغلام بازی کو ضابطہ فوجداری میں سے نکال دیا جائے اور برائے انسانیت انگلینڈ میں شکنجے کے استعمال پر احتجاج بھی کیا۔ ’’انگلینڈ کا قانون جو ملزمان کو ہجوم کے تشدد کا نشانہ بنواتا ہے اور ستم بالائے ستم عورتوں کو اکساتا ہے کہ وہ ان کی تکا بوٹی کر ڈالیں جو کہ بہ یک وقت ہے۔ سنگدلی غیر شائستگی اور مضحکہ خیز

بھی۔'' ۱۸۱۰ء میں ایک گروہ کی مرکزی لندن میں شکنجے میں کسنے کے معاملے کا اتنا سنسنی خیز چرچا ہوا جس کی نظیر نہیں ملتی اور جمع ہونے والا ہجوم ایک تخمینے کے مطابق تیس ہزار سے پچاس ہزار افراد کے درمیان تھا۔ بالآخر چھ سال کے بعد پارلیمنٹ نے ان معاملات میں شکنجوں کا استعمال ممنوع قرار دے دیا۔

ہالینڈ میں جادوگرنیوں کا کھوج لگانا اور ایذا رسانی:

اٹھارہویں صدی میں ولندیزی ریپبلک نے انگلینڈ کے اس پر افتخار غرور کو کہ وہ یورپ کا سب سے زیادہ آزاد ملک ہے چیلنج کر دیا۔ ان کی اسپین سے اسی سالہ کشمکش میں متحدہ صوبجات اسپینی اور پرتگالی یہودیوں کے لئے جائے پناہ تھے اسی طرح فرانسیسی پروٹسٹنٹوں انگریز پارساؤں اور یہاں تک کہ کیتھولک عقاید والوں کے لئے بھی پناہ گاہ تھا۔ ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی نے آدھی دنیا سے تجارتی رابطے قائم کر لئے تھے۔ یوں تمام عقاید والے ایمسٹرڈم کے بازاروں میں شانہ بہ شانہ مصروف رہتے۔ اہل ثروت یہوواہ سے مسلمان مسیحی دنیا کی اکلوتی مسجد میں عبادت کر سکتے تھے۔ اسپینوزا بائیبل پر اپنے مطالعے کو شایع کر چکا تھا اور مسیحیت کی بنیادوں کو ہلا چکا تھا۔ اور بہت سے روشن خیال مصنفین نے اپنے لئے ڈان ہاگ یا ایمسٹرڈم میں طابع تلاش کر لئے تھے۔ لگتا تھا جیسے توہم پرستی بھی پسپائی پر مایل ہے۔ جادوگرنی جلانے کا آخری واقعہ ۱۵۹۵ء میں ہو چکا تھا۔ ایسے مقدمات انگلینڈ میں ۱۷۱۲ء تک ختم نہ ہوئے تھے۔ اور فرانس میں ۱۷۱۸ء تک۔ رواداری کا یہ ریکارڈ دیکھتے ہوئے یہ تاریخ کی ستم ظریفی ہے کہ ہم جنس پرستی کی سب سے زیادہ مہلک دارو گیر جو ہمارے علم میں ہیں اور جو ہٹلر سے پہلے وقوع پذیر ہوئیں وہ اٹھارہویں صدی کے ولندیز میں ہوئیں۔

یہ سب کچھ ۱۷۳۰ء میں شروع ہوا جب صوبائی صدر مقام اُٹرشٹ میں دو مردوں کو اغلام بازی کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔ انہوں نے ایک بائیس سالہ سابق سپاہی اور ایک معزز آدمی کے ذاتی خادم جس کا نام ذکاریاس ولسما تھا ملوث کر لیا۔ جو متعدد شہروں میں ہم

جنس پرستی کے حلقوں سے قریبی تعلق رکھتا تھا۔ ولسمآ نے اپنی باری آنے پر دیگر ۱۴۰، مردوں کو شناخت کرڈالا۔ جس کے نتیجے میں تحقیق کرنے والے ایمسٹرڈم، ڈان ہاگ، روٹرڈم، ہارلیم اورلیڈن تک پہنچ گئے۔ جلد ہی ایک حد تک یورپی تاریخ کا بےنظیر واقعہ ہوا کہ ریپبلک اس طرح اغلام بازی کے انسداد کے جنون میں پڑ گئی اور یوں پورا ملک اس میں ڈبکیاں کھانے لگا۔ نتیجتاً تلاش پھیل کر کئی چھوٹے قصبوں تک جا پہنچی بہ شمول ڈیلفٹ، گرونجن، ہیوسڈیں، کامپن لی اووارڈن، مڈل برگ، نارڈن، ریسوک، شی لینڈ، اٹرشٹ، ویانن، وور برگ، وویرڈن، زٹفین اور زویل۔ آخر میں کوئی ۲۵۰ مقدمات شروع ہوئے۔ سو سے اوپر افراد جو ملک چھوڑ کر فرار ہو چکے تھے ان کی عدم موجودگی میں انہیں سزا سنائی گئیں اور انہیں ہمیشہ کے لئے ملک بدر کر دیا گیا۔ وہ سب جنہوں نے ججوں کا سامنا کیا ان میں سے کم سے کم پچھتر کو پھانسی دے دی گئی۔

چونکہ سات متحدہ صوبہ جات ڈھیلے ڈھالے نظام میں ایک دوسرے سے مربوط تھے اس لئے وہاں کوئی یکساں فوجداری تعزیرات موجود نہ تھیں۔ ہر صوبہ اپنا جدا قانون رکھتا تھا اور ہر شہر اپنے قانونی ضابطے رکھتا تھا جن کی وہ بڑے حاسدانہ انداز میں پشت پناہی کرتا تھا۔ اگر چہ ''کیرولینا'' (چارلس پنجم کا شاہی ضابطہ مجریہ ۱۵۳۲ء جس میں لونڈے بازی کی سزا جلانا تھی) کو چند علاقوں میں تسلیم بھی کرلیا گیا۔ ان علاقوں میں جہاں کوئی واضح قانون موجود نہیں تھا اس کے باوجود یہ فرض کرلیا گیا کہ وہاں بھی بائیبل کو نظیر بنا کر اغلام بازی کی سزا جان لیوا ہونی چاہیے۔ جب ولندیزی ریاستوں نے جن میں نیدرلینڈ سب سے زیادہ آبادی والے صوبہ نے ۲۱، جولائی ۱۷۳۰ء کو ''اشتہار'' چسپاں کرایا جس کی سرارہ نمائش ہونا تھی اس میں گرفتاری کا جواز پوری طرح مذہبی بیان کیا گیا تھا۔

> یہ ہر کہہ ومہ کو معلوم ہو کہ ہم نے یہ سوچا ہے وہ بھی نہایت قلق سے کہ خدا کے نہایت متبرک قوانین کی خلاف ورزیوں کے علاوہ جس سے اس کا مبنی برحق عذاب ہمارے پدری وطن پر اترا ہے اور جسے بارہا مشتعل کیا گیا ہے اور چند بھیانک اور وحشیانہ حرکات کا ارتکاب ماضی قریب میں ہمارے پیارے وطن ہالینڈ میں کیا گیا اور مغربی فریز لینڈ میں جس سے فطرت ناراض ہوگئی اور ہماری رعیت اس حد تک

خوف خدا سے دور ہوتی چلی گئی جتنا کہ جرایم کے ارتکاب میں اتنی گستاخ ہوگئی جسے
کبھی ہم نے نہ سنا اس وجہ سے خدائے بزرگ و برتر نے پہلے زمانے میں ملکوں کو
تہہ و بالا کیا مسمار کیا اور سدوم اور عمورہ کو برباد کیا۔

اس امید میں کہ خدا ''ہمارے وطن کی بے انصافی کی سزا اپنے خوفناک عدل سے دے گا، اور اس زمین اور باشندوں کو اگل دیا (احبار: ۱۸۔۲۸)'' کے فرمان میں حکم دیا گیا کہ ان سزا یافتہ مردوں کو سرعام سولی دی جائے۔لیکن طریقوں کو ججوں کی صوابدید پر چھوڑ دیا۔

اس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں ہے کیونکہ گرفتاریاں اور سزایابیاں پہلے ہی ہوتی آ رہی تھیں۔ بہت سے لوگ ملک چھوڑ کر پہلے ہی فرار ہو چکے تھے۔جس کی نتیجے میں یہ حکم جاری ہوا کہ جو بھی ''بغیر بظاہر کسی معقول وجہ کے'' اپنا گھر یکم مئی سے چھوڑتا ہے اسے ملک بدر کیا جاتا ہے اگر وہ اپنی غیر حاضری کی وضاحت نہ کر سکے۔ بہت سے امیر کبیر یا اثر رسوخ والے افراد جو ملوث تھے غیر ملک کے لئے بھاگ کھڑے۔لیکن ڈیلفٹ کا کونسلر اور ہارلم کا پدر شہر اور فریڈرک وان ریڈ وان رینسوڈ ایک ممتاز سفارتکار اور اٹرشٹ کی ریاست کے نائیٹلی آرڈر کے خلاف مقدمہ درج کرلیا گیا۔جن لوگوں پر مقدمہ چلا تاہم وہ ادنی حیثیت کے لوگ تھے ''ہرکارے'' نو آموز، ملاح، کوچوان، گھریلو ملازمین، گھروں کی آرایش کرنے والے، مسالہ فروش، رنگساز، پیپے بنانے والے، بھٹیارے، مے فروش، گل فروش اور جولا ہے۔'' وہ کیا چیز تھی جس نے ایسی بے مثال مصیبت میں اتنے بہت سے لوگوں کو مبتلا کر دیا۔

آج کل کئی مغربی قوموں میں ہم جنس پرستوں میں یہ عام بات ہے کہ وہ تفریحی مقاصد کے لئے ایسوسی ایشنز منظّم کرتے ہیں جو سیاسی یا مذہبی مقاصد کے لئے یا سماجی خدمات انجام دیتی ہیں۔لیکن ۱۷۳۰ء کے نیدرلینڈ میں سماجی اداروں کے جال کی دریافت کا واقعہ مذہبی جنون کی فضا کی دھند میں دہلا دینے والے الہام و القا کی دین ہے۔اس کی روشنی میں یہ تنظیمیں ایک روشن اور شیطانی پانچواں کالم لگنے لگیں جن سے خود ریاست کے وجود کو سنگین خطرات درپیش تھے۔اس دریافت کی ''خباثت'' نے عوام اور خواص دونوں میں

ایک قسم کی سراسیمگی پیدا کر دی ۔ انگریزوں کی طرح ولندیزیوں نے بھی اغلام بازی کو بالخصوص کیتھولک گناہ جانا جس سے پروٹسٹنٹ عاری تھے۔ دونوں قوموں کو اپنے تقویٰ پر بڑا ناز تھا کہ ان کے اولیا کی ان پر ایسی خصوصی عنایات ہیں جس سے وہ اسپینی عسکری طاقت اور فرانسیسی جارحیت سے محفوظ رہیں گے۔ کیا یہ ممکن تھا کہ ایسے خوفناک گناہ سے بدظن ہو کر خدا اپنا وہ ضابطہ ہی منسوخ کر دے جو ان دونوں ممالک کا محافظ تھا۔

طبعی جغرافیائی حقیقت بھی ولندیزی تصورات پر مسلط تھی۔ نیست و نابود ہو جانے کا خطرہ خاص طور سے بظاہر معقول لگتا تھا کیونکہ متعدد ممالک شمالی سمندر کی سطح سے نیچے واقع تھے۔ پراچینی روایت کہ لونڈے بازی طوفان نوح کا سبب تھی جس نے ۱۷۳۰ء کے عمومی خوف کو تقویت پہنچائی۔ خطرناک سیلابوں نے ۱۷۲۸ء میں پورے ملک کو جیسے طاعون زدہ کر دیا ہو۔ جب اس وقت تک نامعلوم ایک قسم کی دیمک سیلاب کو روکنے والے پشتوں میں لگ گئی جس سے وہ ۱۷۳۱ء کے موسم سرما میں کھوکھلے ہو کر بیٹھ گئے۔ جس سے لگا جیسے دیواری اشتہار والے عذاب کے نازل ہونے کی پیش گوئی درست ثابت ہو رہی ہے۔ اہل کلیسا نے بڑی عجلت میں ایسے مواعظ شایع کرنا شروع کر دیے جن کے عنوان یوں تھے۔ 'ایسا کیڑہ جو نیدر لینڈ کے رنگ رلیاں منانے والوں اور گناہ گاروں کو تنبیہ' اور یا 'خدا کی انگلی' 'ہالینڈ اور زی لینڈ کو نجات کی سخت ضرورت ہے اور آج سے ایسے طاعونی کیڑوں سے جو کبھی نہ سننے میں آئے۔' پندرہویں صدی کے وینس کی مانند ولندیز ایک کامیاب تجارتی مملکت تھی جس پر ہر وقت اچانک آبی بربادی کی تلوار لٹکتی رہتی ۔

اغلام بازی ابھی تک ''ناقابل بیان جرم'' چلا آ رہا تھا۔ اور اس لئے اس کی مقدمے بازی اور سزا یابی نہایت خفیہ طریقے سے ہوا کرتی۔ اب قانونی اور مذہبی مقالوں، دستی اشتہارات، اعلان ناموں، پوچ قافیہ بندی والی شاعری کا ایک سیلاب امنڈ آیا۔ کیتھولک مخالف مصنفین نے قاریوں کو یاد دہانی کرائی کہ روم گانڈووں کی ماں تھا اور اس لئے جولیس سوم کا حوالہ دینا ناگزیر تھا۔ اسقف اعظم ڈیلا کاسا سے لے کر سکس ٹس ۔ چہارم جس کے متعلق عام طور سے دعویٰ کیا جاتا، جنہیں اس نے ایسا کھلا فرمان عطا کیا تھا کہ وہ موسم گرما میں لونڈے بازی کر لیا کریں۔ پروٹسٹنٹ سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ بہتر رویہ اختیار کریں

گے''اصلاح شدہ مسیحی یا پروٹسٹنٹ عقاید والے۔'' ایک پادری لکھتا ہے''اس لئے مفرور ہیں کیونکہ نہ صرف بلکہ اس لئے کہ ان پر الہام ہوا ہے بجائے دوسروں کی طرح ازلی روشنی کے۔لیکن چونکہ وہ اخلاقی معیار میں بہتری لا چکے ہیں جو بہت بری طرح انحطاط کا شکار تھی خصوصاً کلیسائی عہدیداروں میں۔'' لیونارڈ بیلس کی تصنیف ''سڈوم سِن اینڈ پنشمنٹ'' (۱۷۳۰ء) اعداد وشمار کے ساتھ افشا کرتا ہے وہ تباہ کن تفصیلات جنہیں عذاب الٰہی سے منسوب کیا جاسکتا ہے۔ اٹرشٹ میں واقع کیتھڈرل گرجا کا مخروطی منارہ ۱۶۷۴ء میں زمین بوس ہوگیا، ایک زلزلہ ۱۶۹۲ء میں محسوس کیا گیا تھا۔ سٹاوورن کا قصبہ ۱۶۵۷ء میں آنے والے سیلاب کے نیچے آنے سے غایب ہوچکا تھا، دعووں کے مطابق جس میں ایک لاکھ لوگ ڈوب گئے۔

سترہویں صدی میں ولندیزی ریپبلک اپنے سنہری دور سے نہال نہال تھی اور اسے ایک اہم یورپی طاقت سمجھا جاتا جو اپنی تجارت مالیات،صنعت کاری اور زراعتی پیداوار میں ممتاز مقام رکھتی تھی۔لیکن ۱۷۱۳ء کے بعد یعنی معاہدہ اٹرشٹ کے بعد نیدرلینڈز ایک عمیق زوال سے دوچار ہوگیا جس میں فوجی اور سیاسی وقار بھی شامل تھا۔ ایمسٹرڈیم بازار حصص نیچے آ گیا کیونکہ تجارتی حریف جیسے انگلینڈ نے ڈچ پر سبقت لے لی،جس سے تشویش میں اضافہ ہوا۔ان حالات میں اغلام بازوں کو بہ آسانی قربانی کا بکرا بنالیا گیا۔ایک نظم میں جو ۱۷۳۰ء میں کہی گئی تھی ایک برباد ہونے والا تاجر اور ایک بے روزگار بیوپاری شکایت کرتے ہیں'' اے (لونڈے بازو) تم ہی اس گراوٹ کے ذمے دار ہو'' ایڈورڈ کوک تیسرے حصے میں اپنے انسٹیٹیوٹ (۱۶۴۴ء) میں یہ اعلان کرتا ہے کہ''اغلام باز اس نفرت انگیز حالت میں چار راستوں سے پہنچے ہیں۔ اپنے غرور، ہوکے سے، بیکاری سے اور غریبوں کی توہین کرنے سے۔'' اس بھرتی نے ازیکیل کی چاروں وجوہ کو جو اغلام بازوں کے زوال کا سبب بنیں (۱۶:۴۹) وہی اغلام بازی کے وجود کا سبب بنیں۔ یوں دولت، اعلیٰ طرز بود باش جب کہ خیر خیرات نہ کرتے رہنے کو ہم جنس پرستی کے رویے کے فروغ کا باعث سمجھا جاتا تھا۔نظر آنے والی خوشحالی جو بالذات رحمت خداوندی کی علامت تھی بقول اہل شریعت کے ان سب نے مل کر اغلام بازی کے لئے راہ ہموار کردی۔جس کے جواب

میں اس پر یہ الزام لگا کہ وہ ملکی معیشت کے زوال کا سبب ہے۔

ڈچ فنکاروں نے بھی اس سنسنی خیز انکشافات پر تبصرے کیئے۔ ایک خصوصی نقاشی ——— جسٹس ٹرمفینٹ نے نہایت مزین کہانی میں ہم عصر مناظر کو یکجا کر دیا۔ یوں لگتا ہے جیسے انصاف ترازو لئے اوپر سے نیچے کی جانب دیکھ رہا ہو اور الوہی عذاب ایک جھنڈے کے پیچھے چلا آ رہا ہو جس پر پاآل کے قول درج ہوں۔ نیچے ایک ضعیف آدمی اور ایک ننگی عورت (وقت اور سچ) ایک پردے کو ایک جانب کھینچتے ہیں جس سے اغلام بازوں کا کلب نمودار ہوتا ہے اور جہاں چار خوش لباس جوڑے بیٹھے تعجب خیز خبروں پر گفتگو میں مصروف ہیں۔ پس منظر میں آگ کی بارش میدانی شہروں پر ہو رہی ہے جب کہ۔ ایک ڈچ مَس ——— بحر مردار کے ویٹر انہیں ڈبونے کے لئے کھڑے ہیں۔

نہایت خشونت آمیز اور نہایت صاف صاف اپنی حقیقت پسندی میں ایک منقش رکابی میں سلسلہ ہائے منظر ہے جس کا نام بروقت سزا یابی کے واسطے فرمان جاری ہوا تا کہ خدا کے نافرمان قابل مذمت گناہ گاروں پر لعنت ملامت کی جائے۔ پہلے منظر میں دو افراد ایک شاندار عمارت سے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے نکلتے ہیں۔ پھر وہ اپنے گھروں سے فرار ہوتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ اپنے پیچھے بیوی اور بچوں کو چھوڑتے ہوئے۔ کسی سڑک پر حراست میں لے لئے جاتے ہیں۔ اس کے بعد کے منظر میں وہ کسی جیل میں دکھائی دیتے ہیں اور اپنے نصیبوں پر آہ وزاری کرتے ہوئے۔ آخری اور نہایت واضح منظر ایک بڑے ہجوم کو دکھاتا ہے جو ایمسٹرڈیم کے شہری چوک میں جمع ہے جہاں پانچ افراد سولی سے لٹک رہے ہیں اور دو کو گلا گھونٹ کر کھمبے سے ٹانگ دیا گیا ہے اور ایک اور جوڑے کو بڑے سے مخروطی برتنوں میں ڈبو کر مارا جا چکا ہے۔ اس کے ایک جانب مردوں کے جسم سلاخوں میں پھنسے ہوئے جل رہے ہیں جب کہ پیش منظر میں ایک انسانی ڈھانچہ ایک کاغذ کا طومار تھامے کھڑا ہے جس میں ایک جہاز جس پر لاشیں لدی ہوئی ہیں سمندر میں پھینکنے کے لئے جا رہا ہے۔

تصویریں نہایت سرد مگر مبنی بر حقیقت لگتی ہیں جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں وہاں سزائے موت دینے کے مختلف طریقے تھے یہاں پر پانچوں افراد کا انجام دکھائی دے رہا ہے جو

ایمسٹرڈیم میں انجام کو پہنچے۔

- پیٹر مارٹین جینز سونؔ اور جو ہانز کیپؔ آرایش کرنے والا گلا گھونٹ کر ہلاک کیے گئے ۲۴ جون ۱۷۳۰ء۔
- موریٹس وان ایڈنؔ گھریلو ملازم اور کارنیلس بوّیز عمر اٹھارہ برس، کیپؔ کا خادم دونوں کو پانی کے حوض میں غوطہ دے کر زندہ مار ڈالا گیا جون ۲۴، ۱۷۳۰ء۔
- لارنس ہاس پوینؔ بحری فوج میں جاسوسوں کا افسر گلا گھونٹ کر پانی میں پھینک دیا گیا اور ۱۰۰ پونڈ وزن بھی باندھ دیا گیا تھا۔ ستمبر ۱۶، ۱۷۳۰ء۔
- تیرہ مزید افراد ڈان ہیگ میں ختم کر دیے گئے۔
- جان بیکرؔ گھریلو ملازمین فراہم کرنے والی کمپنی کا دلال اور جاں شٹؔ سولی پانے کے بعد جلایا گیا جون ۱۲، ۱۷۳۰ء۔
- فانس ورہیڈن کارنیلس ویسرمارؔ دودھ والا۔ پیٹر سٹاینؔ کوٹوں پر زر دوزی کرنے والا۔ ڈرک وان روایںؔ اور ہرمن مولونٹؔ ملازم سولی دینے کے بعد سمندر میں پھینک دیا گیا بہ مقام شی وے نجن پچاس پونڈ وزن کے ساتھ جون ۱۲، ۱۷۳۰ء۔
- پیروان ڈر ہالؔ اجناس کا حمال، آڈریان کولی مانؔ دستانوں کا دھوبی۔ ڈیوڈ مستا لجرؔ، دلال اور ولیم لافیرؔ سرائے کا مالک پھانسی پانے کے بعد لاش سمندر میں شی وی نجن کے مقام پر پھینکی گئی اور سو پونڈ وزن باندھ کر جولائی ۲۱، ۱۷۳۰ء۔
- انٹواے بای ویجنؔ ماہی فروش، سولی پانے کے بعد جلایا گیا اور راکھ بنا ڈالا گیا۔ جولائی ۲۱، ۱۷۳۰ء۔
- جان وانڈر لی لیؔ پھانسی پانے کے بعد سمندر میں پھینک دیا گیا ستمبر ۲۴، ۱۷۳۱ء۔

ناگزیر امر یہ تھا کہ اس بڑے پیمانے پر لوگوں کو سولی دینے سے بین الاقوامی سنسنی پھیل گئی۔ فرانسیسی ، برطانوی ، آئرش، جرمن اور یہاں تک کہ نو آبادیاتی امریکہ کے اخبارات مذکورہ رسوائی سے بھرے ہوتے اور فرار ہونے والے پناہ گیروں کی آمد سے بھرے ہوتے برطانوی پریس اگر چہ ہم جنس پرستی کا بہ مشکل حامی تھا پھر بھی ڈچ ٹریبونل کے طریقہ کار پر الزام تراشی کررہے تھے جو ہوسکتا ہے اغلام بازوں کے موافق نہ ہو۔ ولندیز کی ریاستوں نے رسمی احتجاج کے ذریعے حکومت برطانیہ سے کہا کہ وہ اخبارات پر پابندی لگائے لیکن وہ الزام جس کا ڈنک سب سے زیادہ زہریلا تھا کہ ڈچ عدالتوں نے مسیحی عدالتوں کی طرح تشدد کے استعمال کو شروع کردیا ہے۔ جس کی تردید دشوار تھی، چونکہ یہ اغلام بازی کے مقدمات میں عام بات تھی۔

دار و گیر جو ۱۷۳۰ء میں شروع ہوئی اس سے دہشت کی ایسی آگ لگی جو ولندیز میں پورے سال بھڑکتی رہی۔ افراد کی سولی پر لٹکنے والی لاشوں کا منظر، جلنے والی اور ڈوبی ہوئی ان سب سے یکے بعد دیگرے شہر بعد شہر خوف پھیلاتا چلا گیا۔ ناگہانی کی تشویش، مقدمہ میں ماخوذ ہونے کا اندیشہ، تشدد کا ممکنہ آزار، کٹ گھر میں موت کی جانکنی یا پھر قید خانوں میں قایم بھنورے جہاں پر ٹکٹکی پر باندھنے سے پہلے سزا یافتگان کا گلا گھونٹا جاتا، دوستوں سے ملنے جانے کی بے توقیری اور لاشوں سے ایسا سلوک جیسے وہ کوڑا کرکٹ ہوں جسے سمندر میں پھینکنا باقی ہو۔ یہ سب کچھ پرکراہت قومی آزمایش کا حصہ تھا۔ تاہم کہیں بھی اس افراتفری کی دہشت کو اس سنگینی کے ساتھ نہیں سمجھا گیا جیسا کہ ایک چھوٹے سے گاؤں فان میں جو صوبہ گرونیجن کے شمال مشرق میں تھا۔

سیلم جادوگرنی کی ۱۶۹۲ء میں تاریخی کھدیڑ اور فان میں ہونے والی دار و گیر جس کا ایک سیاسی رخ بھی تھا جسے دیہی جھگڑوں اور رقابتوں نے خوب ہوا دی۔ جلتی پر تیل ڈالنے والا روڈولف ڈی میپشے تھا جو مقامی منصف یا گریٹ مان تھا۔ ڈی میپشے جو اوسٹرڈیل۔ لانجولٹ کا جاگیردار تھا جس کی ملکیت میں فان کے علاوہ پانچ اور دیہات بھی تھے۔ یہ صاحب چند سال پہلے کسی حریف صوبائی شخصیت کے سامنے اپنے اختیارات سے محروم ہو چکے تھے یعنی مارٹس کلانٹ جو ہانکیما کا والی تھا۔ ضلع بھر کے لوگوں کے خیالات کو

بھڑکانے والا ڈی میشے کا ایک حامی تھا، ایک دیہی پادری بدنام ہنریکس کارل وان بائیلر جس نے ۱۷۳۱ء میں ایک کتاب شایع کرائی بہ عنوان ''شیطانی بدی بابت اغلام بازی ایک بھیانک گناہ۔'' جس میں اس نے اپنے جنونی خیالات کو بیان کر ڈالا۔ وان بائیلر لونڈے بازی کے مقدمات کو اپنی دانست میں پوپ اور یسوعی فرقے کی ملی بھگت اور ابلیسی سازش سمجھتا تھا جس سے وہ انسانی نسل کو نیست و نابود کرنا چاہتے تھے۔ وہ سرعام سزائیں دینے کا حامی تھا اور اس کا قایل تھا کہ لڑکے جن کی عمر کم سے کم چاہے بارہ سال ہو انہیں موت کی سزا ملنا چاہئے۔ اور وہ ہر ایسے شخص کی اعلانیہ مذمت کرتا جو اس کے خیالات پر شک کا اظہار کرتا کہ یہ ''شیطانی حکمرانی کے وکلا ہیں۔''

لیکن وان بائیلر کی جھلستی ہوئی تخیل کے باوجود فان درحقیقت ایک چھوٹی سی کاشتکار برادری بھی تھی جس کا قومی اغلام بازی کے جال سے کوئی باقاعدہ تعلق نہ تھا۔ فان میں واقعات نے اپریل ۱۷۳۱ء میں نمودار ہونا شروع کیا (جب دیگر علاقوں میں مقدمات کا زور ٹوٹ چکا تھا) جب تیرہ برس کے اندھے لڑکے سے پوچھ گچھ کا آغاز ہوا جس نے کسی ہم عمر لڑکے پر الزام عاید کیا تھا۔ اس جوڑے نے سترہ دیگر کے نام لئے جن میں زیادہ تر نوجوان تھے جن کی عمریں پندرہ اور بیس برس کے درمیان تھیں جن سے وہ جنسی کھیل کھیلا کرتے تھے۔ مئی کے خاتمے تک جال پھیل کر بڑا ہو گیا: چھ ادھیڑ عمر کے کاشتکاروں کو حراست میں لے لیا گیا، جن میں چار ماورٹس کلانٹ کے حامی نکلے۔ مال کار چھتیس کو گرفتار کرلیا گیا۔ ان میں بہت سوں کو اعتراف کر لینے پر آمادہ کیا گیا '' جس کے لئے اکثر ناقابل برداشت تشدد کیا گیا۔'' ستمبر کی ۲۱، کو چوبیس مردوں اور لڑکوں کو سزا سنائی گئی دو کو چھوڑ کر سب کو موت کی سزا۔ ان میں سے کتنے واقعی مجرم تھے یقین سے نہیں کہا جاسکتا۔ گھبرائے ہوئے رشتے دار اور ہمسائے مارے مارے بے سود پھرتے رہے کہ ان سزاؤں کے خلاف اپیل کریں۔ ڈی میشے عوامی بغاوت سے اتنا خایف تھا کہ اس نے سپاہیوں کی رجمنٹ بلوا کر گاؤں میں چھاؤنی ڈالنے کو کہا۔ ایسے شخص کی لاش جس کی موت عدالتی فیصلہ آنے سے پہلے ہو چکی تھی اسے عوامی سولی پر الٹا ٹانگ دیا گیا۔ تب ستمبر کی ۲۴، کو باقی ماندہ اکیس کا گلا گھونٹ کر سرعام انہیں جلایا گیا۔ جنہیں یہ سزائیں ملیں ان میں نو ایسے تھے جن

کی عمریں تیرہ سے انیس سال کے درمیان تھیں، ایک لڑکا پندرہ برس کا اور سب سے کم چودہ سال کا۔

کوئی سال بھر بعد ۱۷۳۲ء میں بارہ مرد اب بھی مقدمہ شروع ہونے کا جیل میں انتظار کر رہے تھے اور مزید گرفتاریوں کا اندیشہ تھا۔ تب ایک اور شخص جب جیل میں مر گیا۔ ——بات صاف تھی جس کی وجہ تشدد تھا—— جس پر صوبائی حکومت نے مداخلت کی اور ڈی پیٓشے کے خلاف بدعنوانی کے الزامات عاید کر دیے۔ عوامی رائے عامہ بدل کر اب خطرناک حد تک مجسٹریٹ کے خلاف ہو چکی تھی اور اس کا ہاتھ بٹانے والوں اور وان بائیلر کے خلاف۔ وہی جج جو کل دہشت کی علامت تھا آج ملامت اور نفرت کا نشانہ بنا ہوا تھا۔ آنے والے برسوں میں ڈمپیٓشے مقبول عوامی داستانوں میں ایک وحشی اور قہر شمار ہوتا اور معصوم لوگوں کا جلاد۔

اس قسم کا ردعمل ریپبلک کے کسی اور خطے میں ظاہر نہ ہوا تاہم جہاں مقدمے چلے چاہے المناک ہوں ان پر پوری توجہ نہ دی گئی۔ اگر چہ چند سری حکمرانوں نے کچھ فکرمندی اس پر ظاہر کی کہ اس کا ناخوشگوار اثر تجارت پر ہوگا، لیکن بڑے پیمانے پر گرفتاریاں اس صدی کے آخر میں بڑے بڑے وقفوں سے ہوئیں۔ ایمسٹرڈیم میں ۱۷۶۴ء میں دیگر شہروں میں ۱۷۷۶ء میں اور ڈان ہیگ میں اور اٹرشٹ میں ۱۷۹۷ء میں۔ اب تک سکوت اور اخفا نے جگہ خالی کر دی تھی اور ان کی جگہ پرتشویش قیاس آرایوں نے اس جاری و ساری مظہر کی اہمیت نے جگہ لے لی تھی۔ اس دریافت سے یہ ناگزیر ہو گیا کہ مردوں کی ایک بہت بڑی تعداد جنسی طور پر دوسرے مردوں سے مدخول ہے اور اس احساس نے کہ اغلام بازی کے تانے بانے، عدالتی دہشت گردی کے باوصف، اپنا وجود قایم رکھے ہیں جو نسل انسان کی چمن آرائی کا حصہ ہیں جو بالآخر انسانی مرغوب تصورات کو بدل کر رہیں گے۔ اغلام بازی جو کبھی ایک سادہ سا مذموم جرم ہوا کرتا تھا شیطان جس میں کسی بھی غلطی کے پتلے کو پھانس لیا کرتا تھا اب ایک قابل شناخت نوع کا ایک رجحان بن چکا ہے۔ ’’یہ مردود نسل‘‘، جیسا کہ کسی مصنف نے لکھا ہے ’’جس کے متعلق بڑے رنج و غم سے ہم میں سے کچھ نے ان دنوں بہت کچھ سنا ہے۔‘‘ ایک انوکھا سا مختلف آدمی جو اپنے ہی جیسے گھسے پٹے

جانے بوجھے اوصاف والے کے ساتھ۔ اس طرح ایک زخموں اور موت کے اسباب کی تفتیش کرنے والے نے ۱۷۶۸ء میں لکھتے ہوئے قارئین کو مشورہ دیا کہ اغلام بازوں کو ان کے زنانہ پن والے چال ڈھال سے پہچانا جا سکتا ہے، نزاکت والی ترچھی نظروں اور ظاہر دارانہ لہجہ۔

وقت کے ساتھ ان مردوں نے بھی خود کو کوئی دوسری ذات سمجھ لیا اور محسوس کرنے لگے کہ ان کی حالت ایک فطری مظہر تھی اور وجہ ملامت نہ تھی۔ مقدمے کے دوران میں ایک صاحب کلیسا نے یہ استدلال کیا کہ اس کے میلانات ''اپنی فطرت کے مطابق'' تھے۔ کیونکہ یہ سب کچھ اس کی ماں کے اپنے غیر حاضر شوہر کی آرزو تھی جن دنوں وہ حاملہ تھی۔ اس نظریہ نے کسی طور پر صاحبان اختیار کو متاثر نہ کیا اور انہوں نے سرسری طور پر اسے مسترد کر دیا جس سے لگتا تھا کہ فرد کا جرم تقلیل پا جائے۔ لیکن دیگر لوگوں نے جن کا عقیدہ گہرا تھا انہوں نے اس بات کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کہ ہم جنس پرستی کا ان کے عقاید سے کوئی تصادم ہے۔ جیرٹ وان آمی روجّن جو ڈان ہاگ میں ہم جنس پرست حلقے کا ایک رکن تھا اس بات پر اپنے مقدمے کے دوران میں اڑا رہا جو ۱۷۷۶ء میں چلا کہ اس کی طرح کے مرد ''پیدا'' ہی اس طبیعت کے ساتھ ہوتے ہیں اور رشتوں میں وہ اتنا ہی چاہنے والے ہوتے ہیں جتنا کہ کوئی بھی ''مرد اور عورت'' جوں جوں وقت گزرا ان مردوں کو مزید اطمینان اس علم سے ہوا کہ کتنے بہت سے اور لوگ بھی ہیں جو ان کے ہم خیال ہیں۔ ۱۷۹۷ء میں کسی نے اپنے دوست کو بتایا '' یہ ایک کمزوری ہے جس میں تم اور میں دیگر ہزاروں مردوں کی طرح مبتلا ہیں۔'' اور جان وان زانتن نے ۱۸۲۶ء میں اپنے عاشق کو ایمسٹرڈیم خط لکھا '' یہ ایک کمزوری ہے جو خلقی ہے اور خدا نے کسی انسان کو نہیں پیدا کیا جس کی مذمت کی جائے۔''

خیالات میں مخالفانہ موسم کے باوجود اصلاح کی تحریک نے بتدریج توانائی حاصل کر لی۔ ۱۷۷۷ء میں ابراہم پیرے نوٹ جو صدر مجسٹریٹ ولیم۔ پنجم کا قانونی مشیر تھا اس نے ایک گمنام مقالہ شایع کرایا بہ عنوان ''نئے خیالات چند شرمناک جرایم کے متعلق''، جس میں روشن خیالی کے حامل خیالات کی بازگشت موجود تھی اس نے دلیل دی کہ ایسے ہم جنس

پرستی کے رشتے جن میں نوجوان کو ورغلانے کی کوشش نہ کی جائے ان کی کوئی سزا نہ دی جائے۔ جج صاحبان کو موت کی سزا دینے میں تذبذب ہونے لگا اس کے عوض وہ طویل عرصے کی قید و بند دینے پر اتر آئے—— جو بسا اوقات تیس سے پچاس برس کی ہوتی۔ اغلام بازی پر ولندیز میں آخری پھانسی۔ جوشاید یورپ کے براعظم کی بھی آخری تھی۔ ۱۸۰۳ء میں دی گئی۔

ایک نئے ولندیزی تعزیراتی ضابطہ قانون ۱۸۰۹ء نے جیل میں طویل قید کو مقرر کردیا اتفاق رائے رکھنے والے بالغوں کے لئے اور موت کی سزا نابالغوں کو ورغلانے والوں کے لئے۔ بغاوت اور جنگ چھڑ جانے سے تاہم اس کے نفاذ میں رکاوٹ پڑی اور جب فرانس نے اس ملک کا ۱۸۱۰ء میں الحاق کرلیا تو نپولین والا کوڈ متعارف کرایا گیا۔اس کے بعد سے ہم جنس پرستی کے تعلقات رضامند بالغ ولندیزیوں میں سرے سے جرم ہی نہ رہے۔

دوسری عالمگیر جنگ کے بعد ایمسٹرڈیم نے جو ولندیزی سماج کے روشن خیال پہلو کو عموماً ظاہر کرتا ہے خود کو یورپ کا ایسا شہر ثابت کیا ہے جو پوری قوت سے گے اور چپٹی باز خواتین شہریوں کا حمایتی ہے۔ اینا فرینک کے گھر کے نزدیک ایک سول یادگار یاددہانی کراتی ہے کہ مرد اور عورتیں جنہوں نے ہم جنس پرستی سے متعلق استبداد کو جھیلا ہے یاد منائیں ان سب کے ساتھ مل کر جو نازیوں کے جنگی کیمپوں میں اور ۱۷۳۰ء میں شکار ہوئے اور جو دہشت کے مارے تھے۔

(۱) امریکہ کی فوج میں ہم جنس پرستی کی اجازت دے دی گئی روزنامہ ایکسپریس کراچی دسمبر ۲۰، ۲۰۱۰ء۔اسی طرح برطانیہ اور فرانس میں بھی ۲۰۱۳ میں قانون سازی ہوچکی ہے۔

(۲) اقوام متحدہ نے ہم جنس پرستوں کے لیے قرارداد منظور کرلی:

جنیوا (اے ایف پی) اقوام متحدہ کی انسانی حقوق کی کونسل نے ہم جنس پرستوں کے حقوق سے متعلق ایک تاریخی قرارداد منظور کرلی ہے اگرچہ اس قرارداد کی عرب اور افریقی ممالک نے شدید مخالفت کی ہے۔ جنگ۔کراچی۔۱۸۔۶۔۲۰۱۱ء

باب: ۱۵

چپٹی کھیلنے والیوں کی محبت

۱۷۰۰ء۔۔۔۱۷۹۳ء

قانون اور مذہب:

اٹھارہویں صدی میں مردانہ ہم جنس پرستی سے آگاہی سے انگلینڈ میں ایک اور تعجب خیز انکشاف ہوا: عورتیں بھی اپنی ہم جنسوں میں کشش محسوس کرسکتی ہیں۔ ہم پہلے ہی فرانسیسی کنایہ درج کر چکے ہیں جو کومٹے ڈی گرامونٹ کا ہے جس کے نزدیک چارلس دوم کا دربار ''اتنا غیر مہذب ہے جیسا اس سے پہلے کبھی سننے میں نہ آیا'' جو ایسے رومانی امکانات کے متعلق ہے۔ اس نابینا پن کو کس نے جنم دیا تھا؟ اس کے پھیلانے میں مذہب اور قانون کے باہمی اختلاف کا ہاتھ تھا۔ ہنری ہشتم کی ''لونڈے بازی'' کا قانون صرف گانڑ مارنے کی سزا دیتا تھا۔ چاہے یہ ہم جنسوں کے مابین ہو یا پھر پرجنسیوں کے درمیان۔ لیکن اسی قانون کو دو عورتوں کے مڈھ بھیڑ سے کوئی سروکار نہ تھا۔ جس کی وجہ سے اس نوعیت کے کوئی مقدمے چلے اور نہ ان کے چرچے ہوئے۔ اور ایسا ہی براعظم یورپ میں ہوا۔ علاوہ ازیں پروٹسٹنٹوں کے پادریوں نے بہ وقت اعتراف جنسی تعلقات والے سوالات نہ پوچھے جس کے نتیجے میں کیتھولک پادریوں کے برابر علم بھی نہ حاصل کر پائے۔

یہاں تک کہ کیتھولک اہل کلیسا بھی بسا اوقات اس معاملے میں الجھ کر رہ جاتے۔ ممتاز فرانسیسی فقیہہ لوڈوویکو ماریا سنسٹراری نے ۱۷۰۰ء میں اپنے شاندار مقالے میں یہ تشریح بیان کی جو جرایم اور کلیسائی قوانین پر تھا۔ جس میں قانونی لاطینی زبان میں بیاسی

پیراگراف پیش کیئے جاتے ہیں جن میں سنسٹراری نے طریقہ کار کی تفصیلات دی ہیں جو اغلام بازی کے مقدمات چلانے سے متعلق ہیں اور ان کے علاوہ اور وسیع معلومات مہیا کیں جو سیفوویت کے فقہی۔ قانونی پہلو سے متعلق ہیں۔ ان جیسی تفصیلات پر اس سے پہلے کسی مصنف کی نگاہ نہ گئی تھی ۔ بلاشبہ عالم و فاضل راہب نے بڑے پیشہ ورانہ افتخار سے یہ قلمبند کیا کہ ''نہایت تعلیم یافتہ'' معترضین نے بھی تسلیم کیا کہ وہ زنانہ 'اغلام بازی' کے بارے میں بڑی الجھن میں ہیں۔ سنسٹراری کا رسائی کا طریقہ بیک وقت قدامت پسندانہ اور انوکھا تھا۔ یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ روایتاً چپٹی کھیلنے والیاں جلائے جانے کی مستحق ہیں لیکن سنسٹراری نئ طبی تحقیق کے قریب پہنچ گیا خصوصاً گاسپر بارتھولن کی نسوانی جسمانی ساخت کے قریب اور ایک نیا زاویہ نظر پیش کر دیا کہ وہ کون سے اسباب ہیں جو وجہ ارتکاب بنتے ہیں۔ منصفین کا خیال تھا کہ جرم کی تکمیل کے لئے دخول لازم ہے۔ عورتوں پر صرف اسی وقت مقدمہ قائم ہوسکتا ہے اگر وہ کوئی مصنوعی آلہ استعمال کریں جیسا کہ دو اسپینی راہبات کے معاملے میں ہوا جنہیں جلا دیا گیا تھا۔ (پیرا۔۱۱) سنسٹراری نے اختراعی انداز سے دلایل دیے تاہم جرم کا ارتکاب صرف اس وقت ہوگا اگر عورت کا ٹنا (بظر) اتنا استادہ ہو کہ پیوست ہو سکے (۲۲:۱۴) وہ غور کرتا ہے کہ مصر اور ایتھوپیا میں عورتوں کا ختنہ کیا جاتا تھا جس کی وجہ سے اس سُقُم کا وجود تھا جو اس کے خیال کے مطابق یورپ میں خال خال ہے (۱۶)۔ اس لئے وہ مشورہ دیتا ہے۔ (۲۴)۔

> اگر عورتوں پر اس نوعیت کے جرم کا الزام لگتا ہے تو جج پر لازم ہے کہ وہ عورت کے جسم کا معاینہ کئی بواؤں سے کروائے۔ کیونکہ اگر انہیں ٹنا (بڑھا ہوا) ملے اور اس سے یہ ثابت ہو کہ عورتوں نے ہم بستری کی ہے اور بواوں کی تاید جرم کی جانب ہو تو ہم فرض کر سکتے ہیں کہ انہوں نے اس کا استعمال کیا تھا تا کہ جرم سنگین ہو سکے: بالکل اسی طرح جیسے یہ قانونی طور پر فرض کرلیا جاتا ہے جب کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ سوئے کہ انہوں نے چدائی کی تھی۔ (تب پھر) تو یہ لازم ہوجاتا ہے کہ تشدد کی راہ اختیار کی جائے اور یہ کہ منصف پوری طرح جانچ پڑتال کرے کہ آیا یہ ناقابل ذکر جرم واقعی سرزد ہوا ہے۔ یہ مقدمہ بہ عجلت زنانہ انجمنوں (خانقاہوں)

کے سامنے پیش کیا جائے، اگر چہ یہ ایسی حقیقت ہے جس سے سب ہی آگاہ ہیں
کہ ایسا واقعہ متعدد بار ایسی عورتوں کے درمیان بھی ہو چکا ہے جو عام عورتیں یا
دیوانی خواتین تھیں۔

سنسٹرارؔی جو پاڈوا میں قانون کا معلم تھا اور روم میں مقدس مسیحی عدالتوں کے سپریم ٹریبونل کا مشیر بھی رہا تھا۔ وہ نجی زندگی میں پرمزاح شایستگی کے لئے مشہور تھا۔ تاہم اغلام بازی کے معاملے میں وہ اتنا نستعلیق نہ تھا۔ سنسڑارؔی سینٹ آگسٹسؔ سے متفق تھا کہ سخت ترین سزائیں دی جانا چاہیں ''نا قابل درگزر ہوں اور لازماً ڈھائی جایں چاہے آبادی کی اکثریت نے اس مذہبی اور قانونی جرم کا ارتکاب کیا ہو۔'' کیا لونڈے باز شہری بھی اسی طرح سزائیں پاتے تھے۔

اس سختی کے باوجود سنسڑارؔی کے نظریات اگر قبول کر لئے جاتے تو ان کا خوشگوار اثر یہ پڑتا کہ چپٹی بازی کے مقدمات میں سزا یابی شاذ و نادر ہوتی یا ناممکن ہوجاتی۔ بدقسمتی کی بات ہے کہ کیتھراین مارگاریتھا لنکؔ کے مقدمے میں اسے ۱۷۲۱ء میں جرمنی میں موت کی سزا دے دی گئی۔ اور کوئی دلیل کام نہ آئی۔ لنکؔ کی داستان حیات قابل ذکر ہے جس میں بہت سی مہم جوئی بھی ہے، انہونیاں اور رسوائیاں کہ اس نے شورہ پشتی والا ناول مہیا کیا۔ (مقدمے کی روبکاری کی تفصیلات کو پیروسین سیکرٹ محافظ خانے سے لیا گیا ہے۔ جسے پہلی مرتبہ ۱۸۹۱ء میں ایف۔ سی۔ مولؔر نے ادویات کے قضائی علم کے رسالے میں شایع کیا تھا) ایک بیوہ کی ناجایز بیٹی جس نے اسے کسی یتیم خانے میں ڈال دیا جو ہال کے سیکسٹن شہر میں تھا۔ کیتھراین مارگریٹ جب انیس برس کی ہوئی اس وقت تک وہ ہینوور، پروسیا، ہیسیان اور پولینڈ کی افواج (مردانہ بھیس) میں خدمات انجام دے چکی تھی۔ جہاں سے وہ تواتر سے فرار ہوئی۔ ایک مرتبہ تو وہ اس طرح پھانسی پانے سے بچی کہ اس نے اپنی جنس فاش کر دی۔ اس کے مذہبی تجربات بھی اتنے ہی متنوع تھے۔ وہ کویکر فرقے سے ملتے جلتے فرقہ میں شریک ہوگئی جو خود کو ''انسپاریرنٹ' کہلاتا اس پر وجد یہ دورہ پڑتا اس لئے وہ پیغمبر بن گئی اور اس نے نیورمبرگ کے ایک امیر تاجر کو یقین دلا دیا کہ وہ پانی پر بھی چل سکتی ہے۔ (جو ناکافی ثابت ہوئی) وہ اپنے وطن سکسونی لوٹ آئی۔ اس نے تین چار سال جولاہا بن کر کام

کیا کبھی کبھار مردوں کی طرح ملبوس رہتی اور کبھی عورتوں کی طرح۔

ہالبرسٹاڈ کے مقام پر ۱۷۲۱ء میں ، یہ ایک چھوٹا سا قصبہ ہال سے کوئی چالیس میل کے فاصلے پر واقع تھا، لنک نے ''شادی'' ایک کیتھراین مارگریٹ سے کی جس کا موروثی نام محل ہان تھا جو اٹھارہ برس کی عمر میں اس سے پانچ سال کم تھی۔ ان دنوں وہ مردوں کی طرح ملبوس رہتی اور اپنی نشست و برخاست سے ایک مردانگی اور کمرہ خواب میں ایک ''چمڑے کا آلہ'' استعمال کرتی۔ شادی بڑی طوفانی ثابت ہوئی، جھگڑے ہوتے جن میں بڑھ کر کبھی کبھار مار پٹائی کی نوبت آ جاتی۔ لیکن جوڑا چار سال ساتھ ہی رہا۔ آخر کار اس کی مشکوک ساس نے اس کی ٹھکائی کر دی اور ننگا کر ڈالا تا کہ یہ بات شبہ سے بالاتر ہو جائے کہ وہ عورت ہے۔ اپنے مقدمے میں محل ہان نے دعوی کیا کہ وہ ایک عرصے تک اپنی رفیقہ کی حقیقی جنس سے ناواقف رہی۔ تاہم لنک کا یہ کہنا تھا کہ دونوں ماں بیٹیاں شادی ہونے سے پہلے ہی اس سچائی سے واقف تھیں۔ جب اس سے پوچھا گیا کہ وہ کیونکر اپنی مذموم حرکت کا جواز پیش کرے گی تو اس نے کہا کہ شیطان کا مجھ پر غلبہ ہو گیا تھا جب اس نے مرد بن کر شادی کی تھی اور اس نے ''قابل نفرت اغلام بازی'' کا ارتکاب کیا تھا۔ جس کے لئے وہ آہ وزاری کرتی رہی۔ ''وہ تو دس مرتبہ سزائے موت کی مستحق ہے۔'' اس کے وکیل صفائی نے تاہم لنک کے لئے عمر قید کی سزا کی درخواست کی اور درخواست کی کہ محل ہان کو رہا کر دیا جائے ، چونکہ وہ پہلے ہی قید میں وقت گزار چکی ہے اور ''انتہائی اضمحلال سے اس لئے گزر رہی ہے کیونکہ وہ دوشی کی مدد کرنا چاہتی تھی جو وہ نہ کر سکی۔'' اس نے بہت جھیلا ہے۔

مقدمے کی روبکاری جو ۱۷۲۱ء میں ہوئی وہ نہایت عمدہ ہے جن سے نہ صرف ہنگامہ خیز عورت کی داستان کو نئی زندگی ملی جو لگتا ہے جیسے کسی گھٹیا ناول کے چند صفحات ہوں لیکن جو یہ بھی منکشف کرتے ہیں کہ قانونی نظام کیسے کام کرتا تھا جس کا کام یہ تھا کہ چپٹی بازی کی کارروایوں کی کس طرح تشریح کی جائے اور سزا دی جائے۔ ہالبرسٹاڈ کی عدالت نے تو موت کی سزا دی۔ جوڈیشنل فیکلٹی جو ڈیزبرگ میں تھی اس نے اتفاق کرتے ہوئے اس تجویز کا اضافہ کر دیا کہ لنک کو سولی دی جائے اور پھر اس کی لاش جلا ڈالی جائے اور یہ بھی کہ اس کی معشوق پر تشدد کیا جائے ''تا کہ اس کے معاملے میں حقایق ہاتھ آ سکیں۔'' لیکن

اہل جیوری نے جنہوں نے بادشاہ کو پیش کرنے کے لئے حتمی رپورٹ تیار کی دیگر کئی اور تجاویز شامل کر دیں جن میں چارلس ۔ پنجم کے ضابطے کی دفعہ ۱۱۶ بھی تھی جس کے تحت زندہ جلانا ایک سزا تھی اور سیکسن روایتی قانون (جیسا کہ بینڈک کارپزؔو جس نے اپنے معیاری مقالے میں اس موضوع کی تفسیر لکھی تھی) جس میں طے کیا تھا کہ ''تلوار'' برائے مرد یا عورت اغلام بازی کے واسطے۔

تکلفات میں غلو کے مارے منصفین نے یہ بھی پوچھ لیا کہ فی الواقع زنانہ اغلام بازی کسے کہتے ہیں۔ آیا پاؔل نے (۲۶:۱) اہل روم کے حوالے سے جو عورتوں کا ذکر کیا ہے جنہوں نے ''فطری استعمال'' ترک کر دیا تو کیا اس سے وہ سیفو ویت کا ذکر کر رہا تھا یا پھر شاید اس کے ذہن میں جانور چودنے کا خیال ہو جس کی عہد نامہ عتیق میں واضح مذمت کی گئی ہے۔ انہوں نے یہ پوچھا کہ کیا وہ نئی راہ جس کی سنسٹراریؔ نے تجویز دی ہے آیا اس کے ذہن میں افریقی عورتیں تھیں ''جن میں فطرت کی غفلت سے ٹنا بہت طویل ہو گیا'' جس میں پیوست ہونے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ آخر میں انہوں نے دونوں اطراف کے طرز استدلال کو مسترد کر دیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ رومن ۲۶:۱ کی ''تمام تفسیروں'' نے پاؔل کے لفظوں کے معنی وہ رشتہ ہے جو عورتوں کے مابین ہو۔ جہاں تک مصنوعی آلات کا تعلق ہے پاؔل کو کم از کم اتنا علم ہونا چاہئے تھا چونکہ آرسٹوفینزؔ ان کا ذکر (olisboi) اپنے مزاحیہ کھیلوں میں کرتا ہے۔ بلاشبہ وہ خواتین جو انہیں استعمال کرتی ہیں، ان کے بیان کے مطابق ''اتنے غیر فطری انداز سے پیش آتی ہیں جیسا افریقی عورتیں بھی نہیں کرتیں۔ جو کچھ بھی کہیے اپنے عضو کو اس طرح استعمال کرتی ہیں جیسا کہ قدرت نے انہیں ودیعت کیا ہے۔ محض ایک غلط اور نامناسب طریقے سے۔

منصفین میں سے کسی رحمدل نے یہ سوچا کہ موت کی سزا یہاں اس لئے منطبق نہیں کیونکہ ''اس نوعیت کے آلات سے لحمی اتصال ممکن نہیں ہے اس سے بھی کم منی جھڑے گی ـــــ دونوں مطلوبہ کارروائی درکار ہیں تب ہی حقیقی جرم کا ارتکاب قرار پائے گا ۔۔۔ اغلام بازی کا'' چونکہ مصاحف میں کہیں بھی وضاحت کے ساتھ عورتوں کے جوڑے کے لئے موت کی سزا نہیں بیان کی گئی اس لئے ان کا کہنا ہے کہ سزا میں تخفیف کر کے کوڑے

مارنے تک محدود کردیا جائے۔ لیکن اکثریت جن میں زیادہ تر روایت پسند ہیں موت کے حق میں اپنا ووٹ دیتی ہے۔ وہ بھی بذریعہ ''تلوار'' —— یعنی سیکسن وضع میں۔

حتمی فیصلہ بادشاہ پر چھوڑ دیا گیا۔ بدقسمتی سے ۱۷۲۱ء میں پروسیا کا اس وقت حکمراں فریڈرک ولیم۔ اول تھا جو بدنامی کی حد تک چڑچڑا اور سپاہیانہ مزاج کا بادشاہ تھا اور فریڈرک اعظم کا باپ تھا۔ فریڈرک ولیم اس سے پہلے ایک فرمان جاری کرچکا تھا ''کہ سارے خانہ بدوش جو اس کی بادشاہت کی حدود میں ملیں گے انہیں گلا گھونٹ کر ہلاک کردیا جائے گا جب کہ لونڈے بازوں کو زندہ جلایا جائے گا۔'' جس کے نتیجے میں کیتھارینا مارگریتھا لنک کا سرقلم کردیا گیا اور اس کی ''بیوی'' کو جیل میں ڈال دیا گیا۔ چپٹی کھیلنے والی کسی عورت کی یورپ میں آخری جان لیوا سزا یابی تھی خصوصاً جب کہ اس میں ایسی نمایاں بے ربطی تھی وہ بھی ایسے عہد میں جب —— کم سے کم خواتین کی حد تک۔ ایسی وحشیانہ سزائیں متروک ہوچکی تھیں۔

اس سے ملتا جلتا کوئی ناٹک انگلینڈ میں نہ چلا اگرچہ کبھی کبھار عورتوں کے بھیس بدلنے کے واقعات کا ذکر اخبارات میں چھپتا رہتا۔ زیادہ تذکرے یہ ہوئے کہ عورتیں شوہروں کو تلاش کرتی رہتی ہیں یا عشاق کو یا اس کی متمنی ہوتیں کہ مردانہ مشغلے اختیار کریں جیسے سپاہ گری یا ملاحی۔ کبھی کبھار تاہم ایک شہوانی معاملہ بھی کہانی میں داخل ہوجاتا جب وہ دوسری خواتین سے شادی کرکے ان کے ساتھ رہنے لگتیں۔ سال ۱۷۴۶ء میں کوئی اور نہیں بلکہ مصنف ہنری فیلڈنگ اپنی شاہکار تصنیف ٹوم جونز لکھتے لکھتے ہانپنے لگا۔ تاکہ کسی معاملے کا افسانوی ماجرا قلمبند کرسکے۔ اگرچہ اس کا گمنام رہ کر ادنیٰ مال بیچ دینے کی تئیس صفحے کی کوشش بہ عنوان ''زنانہ شوہر یا پھر مسز ماری عرفیت مسٹر جیورج ہیملٹن کی حیران کن تاریخ۔'' جسے بیسویں صدی میں اچھی طرح شناخت نہ کیا جاسکا کہ یہ اس کی تحریر تھی۔

فیلڈنگ کی کہانی —— جس میں ایک حصہ حقیقت کے ساتھ دس حصے فسانے کی آمیزش تھی —— اسے باتھ شہر سے شایع ہونے والے اخبار کی ایک مختصر خبر پڑھ کر تحریک ہوئی جس میں بیان کیا گیا تھا کہ کسی میری ہیملٹن مگر جیورج یا پھر چارلس ہیملٹن پر مقدمہ چلایا گیا وہ بھی ایک نادر روزگار اور رسوا کن جرم پر۔'' محترمہ نے بیاہ کرلیا تھا ''کسی میری

پرائیس سے جو عدالت میں پیش ہوئی اور بیان کیا کہ اس کی شادی مبینہ قیدی سے ہوئی تھی۔۔۔اور اسی حیثیت میں وہ اس کے ساتھ چوتھائی سال رہی۔اس عرصے کے دوران میں مبینہ پرائیس یہ سمجھتی رہی جیسے مذکورہ قیدی ایک مرد ہو۔اس کی محض یہ وجہ تھی کہ اس پر چند نابکار اور پرفریب چالیں چلتا جن کا ذکر کرنا مناسب نہیں ہے۔

۱۷۴۰ء اور ۱۸۴۰ء کی درمیانی مدت میں متعدد معروف فرانسیسی ناول نگاروں نے چیپٹی کے کھیل کو مرکزی خیال بنا کر لکھا جن میں قابل ذکر ڈائی ڈیروٹ کی (لا ریلا جیوس) تھیوفایل کا وٹیر (میڈ مایزل ڈی ماوپن میں) اور بالزاک نے (ایسی دوشیزہ جس کی طلائی آنکھیں تھی میں)۔ فیلڈنگ کی ناولٹ ـــــ ایک قسم کی چیپٹی باز مول فیلنڈرز ـــــ انگریزی نغز کی ایک انوکھی مثال جو فرانسیسی ہم عصروں سے مختلف، دونوں معنوں میں یعنی شورہ پشتی کی پرحقیقت کہانیوں اور درشت اخلاق ساز قصوں میں۔اس کا آغاز پر جنسیہ کاری کے کامرانی کے گیت سے لیکن برطانوی احتیاط سے معمور۔''وہ جھکاؤ اور رحجان۔۔۔ جو کسی ایک جنس میں دوسری جنس کے واسطے پیدا ہوتا ہے، اگر اس پر لگام دی ہو اور رہنمائی نیکی مذہب سے لی گئی ہو تو اس کا ماحصل نہ صرف جسمانی اور نفسانی مسرت ہوتی ہے۔ بلکہ اس میں نہایت معقول شادمانی کا جواز بھی ہوتا ہے۔'' تاہم فیلڈنگ اس میں پرتشویش انداز اختیار کرتا ہے''اگر ایک مرتبہ ہماری مقعدی ہوس بے لگام ہوگئی جن پر کوئی احتیاط اور محفوظ قدغن نہ رہی۔۔۔تو کوئی چیز بھی اس سے بڑی عفریت اور غیر فطری نہ ہوگی جسے وہ ایجاد کرنے کے قابل نہ ہوں۔کوئی بھی اتنی وحشیانہ اور صدمہ پہنچانے والی نہ ہوگی جس کے لئے وہ آمادہ کار نہ ہوں۔'' اس کی اخلاقی ناپسندیدگی کی توپوں کی سخت گھن گرج کے باوجود فیلڈنگ خود کو اس طرح پیش کرتا ہے خصوصاً جذباتی زندگی میں جیسے وہ ہیروین مخالف ہو اور بڑی عجلت میں۔ یہاں پر جسے جدید یورپی فکشن کا پہلا واقعہ کہا جاسکتا ہے قارئین کو دعوت دی گئی کہ وہ اپنے زورِ تخیل سے بتائیں کہ یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ عورتیں دوسری عورتوں کے لئے جنونی محبت میں مبتلا ہوجائیں اور دوسروں پر جان نچھاور کریں اور اس محبت کو حیات آفریں پائیں۔

فیلڈنگ نے میری ہملٹن کو ایک نیک اطوار معصوم صفت اور اپنے جوہنسن کے لئے

گرم جوش گرفتار محبت متعارف کرایا۔ ایسی عورت جو نئے فرقے میتھڈازم کے لئے ''جوش'' میں خود کو بھڑکتا ہوا پاتی۔ اپنے جلد ہی اپنی نوجوان سہیلی کو دونوں کے لئے شیشے میں اتار لیتی ہے یعنی میتھڈازم اور شہوانی چپٹی بازی میں جو اس نے ''سیکھا تھا اور جس پر برسٹل میں متعدد بار اپنی میتھڈازم پر عامل بہنوں کے ساتھ عمل درآمد کر چکی تھی۔'' جب اپنے بادل نخواستہ اسے چھوڑ کر کسی موزوں مرد کے ساتھ فرار ہو جاتی ہے تو غمزدہ میری ایسا ظاہر کرتی ہے جیسے ''فدا شوہر'' دائمی جدائی پر اپنی ''محبوب بیوی'' کو یاد کرے۔ جب ترنگ میں آتی وہ کسی مرد کی طرح پوشاک پہنتی اور دخانی جہاز پر ڈبلن کے لئے روانہ ہو جاتی اس وقت وہ کسی میتھوڈسٹ مبلغ کے بھیس میں ہوتی۔ وہاں ایک امیر کبیر بیوہ مسز رشفورڈ کو یہ ''اٹھارہ برس کی حسین'' اور اپنے مذاق کی مل جاتی جو سڑسٹھ برس کی ہو کر پریشان کن حد تک شادی کے لئے بے تاب ہے۔ اس کی دولت پر للچا کر جیورج میری اس سے بیاہ کر لیتی ہے اور کوشاں رہتی ہے اور اپنی نئی بیوی کو خوش کرنے کے لئے منصوبہ بندی کرتی ہے۔ ''بذریعہ'' فیلڈنگ کے تبصرے کے مطابق '' شائستگی جس کے ذکر تک کرنے سے مجھے منع کرتی ہے۔'' داؤ چل جاتا ہے اور بیوہ بڑے جوش وخروش سے اپنے نئے ساتھی کی شہوانیت کے متعلق شیخیاں بگھارتی ہے۔ لیکن جب اسے حادثاتی طور پر اس کی اصل جنس کا علم ہوتا ہے تو وہ تمسخر آمیز طیش میں آجاتی ہے اور ''زنانہ شوہر'' منظر سے اڑن چھو ہو جاتا ہے۔

اب وہ کل وقتی طور پر اپنے بدمعاشی والے کاروبار میں لگ جاتی ہے۔ وہ امتحان دے کر ڈاکٹر بن جاتی ہے اور ڈیون شایر کی ایک نوخیز لڑکی کے ساتھ فرار ہو جاتی ہے، دوسری مرتبہ راز فاش ہوتا ہے مگر پھر بچ نکلتی ہے۔ آخر میں وہ میری پرائس (یا، مولی) سے ملتی ہے جس کا ذکر اخبار میں تھا۔ وہ بہ مشکل تعلیم یافتہ تھی ''کوئی اٹھارہ برس کی بالی عمر اور غیر معمولی حسین'' ''اس لڑکی کے ساتھ'' فیلڈنگ ہمیں بتاتا ہے ''اپنی اسیری کے بعد یہ بدچلن عورت بالا علان کہتی ہے کہ وہ درحقیقت اس سے اتنی ہی محبت کرتی ہے جتنا کوئی مرد اپنے لونڈے سے کر سکتا ہے۔'' جب ''ڈاکٹر'' اسے شادی کی تجویز پیش کرتا ہے تو مولی کی ماں خوشی خوشی صاد کر دیتی ہے۔ جب کہ دلہن ''اتنی مسحور ہو چکی تھی کہ مجھے پوچھنا پڑا کہ کیا وہ ڈاکٹر کے عوض دنیا کی ساری دولت لینا پسند کرے گی۔'' جس پر فیلڈنگ اپنے قارئین کو

اطمینان دلاتا ہے کہ ''نو بیاہتا جوڑا نہ صرف گزارتا رہا بلکہ اس نے اپنی چاہت میں اضافہ بھی کیا جوان کے دل میں پہلے سے موجود تھی۔'' موآلی اپنی طرف سے بڑی سادگی سے اپنی شادی کی جنسکاری کی کیفیات بتادیتی ہے جنہیں اطمینان بخش سے بڑھ کر کہا جاسکتا ہے۔ لیکن یہ خوشگوار وقفہ اس وقت ختم ہوجاتا ہے جب کوئی اس نام نہاد شوہر کو پہچان لیتا ہے اور موآلی کی ماں ''شوہر'' کی گرفتاری کے لئے وارنٹ حاصل کرلیتی ہے۔

حقیقی زندگی میں ہملٹن کے مقدمے نے قدرے الجھن پیدا کردی۔ کیونکہ کوئی برطانوی قانون چپٹی والے واقعات سے چشم پوشی نہیں کرتا۔ نومبر کی ۳، ۱۷۴۶ء میں باتھ کے اخبارات نے جنہیں فیلڈنگ اپنی روداد کی بنیاد بناتا ہے یہ کہتے تھے ''عدالت میں کچھ دیر تک جس مسئلہ پر خوب بحث مباحثہ ہوا وہ تھا جرم کی نوعیت کے متعلق اور اسے کیا کہا جائے لیکن آخر میں اس پر اتفاق رائے ہوگیا کہ (میری ہملٹن) ایک نایاب رسوائے زمانہ فریبی تھی (ایک دھوکے باز) اور اس لئے اسے سرعام مندرجہ چار قصبوں میں کوڑے مارے جائیں ٹاونٹن'' گلاسٹاویزی'' ویلز اور سپٹن مالیٹ میں (اور) چھ ماہ قید میں رکھی جائے۔''

میرؔی کی سزایابی، زنانہ شوہر یا (دی فیمیل ہزبینڈ) بالکل ویسی ہی ہے۔ اسے ''چار منڈی والے قصبوں میں'' کوڑے لگنے تھے جو سمرسٹ میں واقع تھے اور پھر اسیری پوری کرنا تھی۔ اس قسم کی کوڑے کی سزا وقفوں سے کئی ہفتوں میں مکمل ہونا تھی غالباً اس لئے تاکہ زخم جزوی طور پر بھرلیں۔ فیلڈنگ جمالیاتی زخموں کے متعلق کہیں زیادہ حساس ہے بہ نسبت اس بے رحمی والے سلوک کے۔ اور محض یہ تبصرہ کرتا ہے'' ایسے افراد جن کے دل میں عدل کے مقابل حسن کا زیادہ احترام ہے اس سے احتراز نہ کرسکے کہ اس کی جانب رحم کا اظہار کرے، جب انہوں نے دیکھا کہ نہایت حسین جلد کو ایسے سلاخوں سے داغا جارہا تھا جس سے خاتون کی پیٹھ کی کھال قریب قریب ادھڑ چکی تھی۔'' آخر میں فیلڈنگ میرؔی کی اوقات کم کردیتا ہے اور اس کی زبان سے جیلر کو کہلاتا ہے کہ کسی لڑکی کا کہیں سے انتظام کرے ''تاکہ اس کی عفریتی اور غیر فطری ہوس مٹ سکے۔'' شاید اپنی دانست میں وہ یہ بتاتے ہوئے حد سے تجاوز کرچکا تھا جب اس نے یہ فاش کردیا کہ عورتیں ایسی محبت میں کس طرح تشفی پاسکتی ہیں۔ جیسا کہ ایماڈونوگھ نے اٹھارہویں صدی کے حاصل مطالعہ میں اشارہ کیا

ہے" کہ کوئی چپٹی کھیلنے والی، دی فیمیل ہزبینڈ، کی قاری یہی سمجھے گی کہ وہ کوئی عفریت نہ تھی صرف اخلاق باختہ تھی اور کسی کسی وقت جان پر کھیل جانے والی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ تھا کہ چند "دیگر" بھی تھے جن کے آگے کوئی چیز مانع نہیں ہوسکتی تھی۔"

فیلڈنگ کی نایاب مثال کے باوجود سب ہی "زنانہ شوہر" میری ہملٹن جیسا انجام نہیں جھیلے۔ ۱۷۶۰ء میں دی لنڈی کرانیکل نے یہ اطلاع دی کہ باربراہل جس کی جنس اس وقت عیاں ہوئی جب اس نے خود کو بطور فوجی سپاہی کے بھرتی ہونے کے لئے پیش کیا جب کہ وہ کسی عورت کے ساتھ پانچ برس سے متاہلی زندگی بسر کررہی تھی۔ اور جس کے ساتھ اس کے تعلقات نہایت خوشگوار چلے آرہے تھے۔ اور یہ بھی کہ اس کی رفیق "سکونت ترک کر کے بڑی غمزدہ حالت میں قصبے میں آگئی تھی اور اس کی التجا کرتی رہی کہ کہیں جدائی نہ ہوجائے۔ اس ماجرے میں کہیں بھی قانونی سزا کا ذکر نہیں چھڑتا اور تحریر کا لہجہ ہمدردانہ رہتا ہے۔ دو ماہ بعد یہی اخبار یہ اطلاع دیتا ہے کہ کوئی سیمول بنڈی کا راز فاش ہوا ہے کہ وہ ایک عورت ہے اور اسے ساتھوارک میں جیل میں ڈال دیا گیا ہے۔ "اس نے ایک نوجوان عورت سے شادی کر کے رقم اور ملبوسات اینٹھ لئے تھے۔" "زوجہ" کو بظاہر اس پر ایسے الزامات عاید کرنے پر سخت ندامت ہے کیونکہ اخبار رقم طراز ہے کہ "ان کے درمیان گہری محبت لگتی ہے یا دوستی زوجہ کی طرف کیونکہ وہ قیدی کی رفاقت حاصل کرنے کی غرض سے اسی کے ساتھ اسیر ہے۔" جب اس نے مقدمے میں دلچسپی نہ لی تو جج نے بھی کوئی کارروائی نہ کی الا اس کے کہ "شوہر" کے ملبوسات کو جلوا ڈالا۔ ۱۷۶۴ء میں کرانیکل اطلاع دیتا ہے کہ ایک عورت مرگئی جو خود کو مرد ظاہر کرتی رہی وہ بھی ساری عمر کسان اور اس کی "شادی" کسی اور عورت سے کوئی بیس سال چلی۔ ایسی شادیاں جن میں کسی نوعیت کی فریب دہی نہ پائی جاتی ہو تو بسا اوقات ان معاملات کی جانب لوگ متجسس نظروں سے دیکھتے ہیں بجائے کسی جرم کے۔ اہل برطانیہ کا نسوانی جوڑوں کے متعلق مقبول رجحان یوں لگا کرتا اگر مجموعی طور پر دیکھیں اس میں کم ہی جارحیت ہوتی بہ نسبت فیلڈنگ کی داستان کے جو ہمیں کسی اور بات پر قایل کرنا چاہتی ہے۔

اگرچہ سیفو ویت نظری طور پر ولندیز ریپبلک میں موت کی سزا کا مستوجب جرم تھا

جہاں چارلس پنجم کا قانون مجریہ ۱۵۳۲ء موثر تھا لیکن ہمارے پاس اس قسم کی دستاویزات نہیں ہیں جن سے معلوم ہو کہ اس ملک میں کسی کو موت کی سزا دی گئی ہو۔ ۱۶۰۶ء میں ایک شخص میکن جوسٹن جو تیرہ سال سے شادی شدہ اور چار بچوں کا باپ تھا ایک نوعمر لڑکی کے عشق میں گرفتار ہو گیا، اس سے شادی کر لی اور اس الزام میں دھر لیا گیا اور الزام یہ تھا کہ ''وہ لڑکی سے ہر قسم کے جنسی رابطے رکھتا جیسے کہ وہ کوئی لڑکا ہو'' وکیل استغاثہ نے آگاہ کیا کہ اس کارروائی نے ''قہر خداوندی کو مشتعل کر دیا جس سے ملک کے تمام شہروں پر عذاب نازل ہوا۔'' اور اس نے استدعا کی کہ لڑکی کو ''بوری میں بند کر کے پانی میں غرق کر دیا جائے۔'' اس سب کے باوجود اس کی سزا میں تخفیف کر کے کوڑے لگانے کے بعد ملک بدر کر دیا گیا۔

ایک اور رسوائے زمانہ مقدمہ ہینڈرک لامبرٹس وان ڈرشیور کا ہوا۔ جو ولندیزی فوج میں بطور مرد خدمات انجام دے چکا تھا جب وہ بریڈا کے مقام پر ۱۶۳۷ء میں محاصرے میں تھا۔ مسمات ہنڈرک کی وجہ شہرت نکولاس ٹلپ کی مرہون منت تھی جو ایک ممتاز ولندیزی طبیب تھا اور رامبراٹ 'اناٹوی لیسن' کی وجہ سے امر ہو چکا تھا۔ اس نے بطور اصل ماخذ کے اس کے عارضے کے تشخیصی نسخے (۱۶۴۱ء) میں ذکر کیا۔ جس میں اس نے تشخیص کیا کہ مذکورہ خاتون دوغلا (نر، مادہ دونوں کے جنسی اعضا ہوں) ہے ستائیس سالہ ہینڈرک ایمسٹرڈیم کی رہائشی تھی اور اس کے ایک بیالیس برس کی (بیوہ) سے عرصے سے تعلقات چلے آ رہے تھے۔ مقدمہ اس الزام میں چلا'' کہ وہ ایسے رشتے میں پڑی ۔۔۔ جو تمام فطری اوضاع کے خلاف ہیں۔'' ہینڈرک کو کوڑے مار کر دیس نکالا دے دیا گیا۔

اٹھارہویں صدی میں سیفو ویت کے خلاف تمام تعزیری کارروایاں تقریباً ختم ہی ہو گئیں۔ لیکن ۱۷۹۵ء۔ ۱۷۹۸ء میں ایک استسنائی واقعہ ضروری ہوا جب کارکن طبقے کی آٹھ مفلس خواتین پر مقدمہ چلا اور انہیں ایمسٹرڈیم میں دو سے بارہ سال کے لئے جیل بھیج دیا گیا۔ جب ۱۸۱۰ء میں نپولین ضابطہ اختیار کیا گیا تو ہم جنسی والے تعلقات چاہے وہ عورتوں میں ہوں یا مردوں میں ولندیز میں اب جرم نہ رہے۔

رومانس اور ضلع جگت:

انگلینڈ میں چپٹی والی محبت نے ایک متناقض روپ اختیار کرلیا۔ میری ہملٹن قسم کی عورتیں عین ممکن ہے کہ سخت سزائیں پاتیں لیکن اسی زمانے میں عورتوں کے درمیان رومانی دوستی کا ایک مسلک پیدا ہوگیا مگر وضع دار خواتین اب بھی یہ ماننے کو آمادہ نہ تھیں کہ اس میں جسمانی رشتے کا بھی امکان ہے۔ کبھی تو یہ بے یقینی ایک سادہ سا پینترہ ہوتا۔ جس سے بدنیتی کی پردہ پوشی کرنا ہوتا کہ رسوا کیا جائے۔ جیسا کہ ڈیلاریویری مانلے کے سنسنی خیز ناول دی نیواٹلانٹس (۱۷۰۹ء) میں ہوا۔ جس میں حقیقی ناموں کو بدل کر فرضی نام دیے گئے تھے اس میں مانلے جو قدامت پسندوں کا چرچا کرنے والی تھی اس نے ایسی عورتوں کا ''نیا دھڑا'' بنایا جو ممتاز وگ (اصلاح پسند اور آئین کی حامی) تھیں۔ اس راز کے فاش ہونے پر دھڑے پر یہ شک کیا جارہا تھا کہ ان میں ''مجرمانہ'' انحراف نفوذ کر گئے ہیں۔ مانلے زور دیتی ہے کہ اس بہتان طرازی کو مسترد کردیا جائے۔ اس کے بیان کے مطابق چند نقاد ''دکھاوے کے لئے کہتے ہیں کہ یہ (عورتیں) قدیم روم کی بدروایات کا احیا کرنا چاہتی ہیں اور اس کے لئے چند قابل نفرت مصنفین کا حوالہ دیتی ہیں جنہوں نے (آنے والی نسلوں کو خوش کرنے کے لئے) آپ کو بدی کے پایدار آثار سے متعارف کرادیا جن کا گزر بسر صرف تخیل میں ہوسکتا ہے اور حقیقت میں ان کی کوئی بنیاد نہیں ہے سوائے یہ کہ انہیں شاعروں کے خوابوں میں تلاش کیا جائے۔

یہ اظہار لاتعلقی تاہم اس لئے پوری طرح خطرناک ہے کیونکہ مانلے تو اتر سے بہت ساری تفصیلات دیے جاتی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ عورتیں چپٹی باز تھیں۔ دھڑے کے پاس ایک خفیہ کنج راحت کامل ہے جس میں مردوں کا داخلہ ممنوع ہے اور جہاں پر شادی کو ایک ضروری برائی سمجھ کر اجازت دی جاتی ہے اور نا آموزوں کا امتحان لیا جاتا ہے تا کہ معلوم کرلیا جائے کہ آیا '' نابغہ'' (رجحان) دھڑے میں شرکت کی اہل ہے اور وہ اپنے نہایت ہی لطیف بوسوں کو کیف و سرمستی کے ساتھ ایک دوسرے کے لئے محفوظ رکھتی ہیں۔ ایک طبقہ اشرافیہ کا جوڑا سرگرداں رہتا ہے اور مردانہ بھیس میں اگرچہ ''شہر کے رنگین علاقے

میں۔'' جو کھم میں ڈالنے والے کاموں کے جو یا وہ بھی ''قابل خرید مخلوق'' سے ۔ جوان خطاب یافتہ رفیقوں کو ممنوں بھی کرتے ۔ ''انوکھا مذاق'' وہ بھی ''تمام آزادیاں جن کا تعلق صرف عورتوں سے ہے اور وہ تھا بگڑا چال چلن اور وہ بھی مقامی'' اس طرح دکھاوے کی خاطر مقبول شکوک کی لعنت ملامت مگر مصنفہ ان کی توثیق کیئے جاتی ہے۔

مانلے اور اس کے طابع کو اس رمزیہ طنز کے لئے مختصر مدت کے لئے جیل کی ہوا بھی کھانی پڑی۔ لیکن چونکہ مصنفہ نے یہ احتیاط کی تھی کہ اپنے کرداروں کا ذکر اطالوی اور اسپینی فرضی ناموں سے کیا تھا اس لئے اسے جلد ہی رہا کر دیا گیا۔ کسی فرانسیسی مترجم نے ایک سہولت والی کلید کا اضافہ کر دیا—— کیونکہ برطانوی ازالہ حیثیت عرفی کے قانون کے حلقہ اثر میں پیرس نہیں آتا تھا۔ غیبت اور چہ مگویوں کے رسیا لوگوں کی آتش شوق بھڑکانے سے اس کتاب کے انگریزی، فرانسیسی اور جرمن میں چھ ایڈیشن ہضم کر لئے گئے۔

مانلے کی تصنیف میں تیار کردہ کردار ''صاحبان اوصاف'' تک محدود تھے یعنی عہدے داروں تک ۔ دو صاحب حیثیت خواتین جو اس کے ''نئے دھڑے'' میں نمودار نہیں ہوتیں وہ تھیں ملکہ اینے (ح ۱۷۰۲۔۱۷۱۴ء) اور اس کی بڑی بہن میری ۔ دوم جو ولیم۔ سوم کی بیوی تھی۔ دونوں اینے ہائیڈ کی دختران تھیں جو یارک کی ڈچز تھی جس کے دائرہ اثر میں عورتوں کے مابین رابطوں میں لگتا ہے جیسے بہت فروغ ہوا۔ ان ہی میں سے ایک بیگم اینے کلی گریو نے قابل ذکر نظمیں کسی عورت کے متعلق لکھیں جس کے متعلق ہمیں صرف یہ معلوم ہے کہ اس کا نام ایوڈورا تھا اور جو سیفو اور کیتھراین فلپس کی ہم پلہ تھی۔ لیکن یہ دو شہزادیاں تھیں میری اور این جن کا دیگر عورتوں سے والہانہ تعلق خاطر خواہ انداز میں دستاویزات میں ملتا ہے کیونکہ شاہی خط و کتابت مرور زمانہ کے باوجود محفوظ رہی ہے جب کہ دیگر خطوط کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ ۱۶۷۳ء میں جب وہ گیارہ برس کی تھی تو میری نے دربار میں موسیقی آمیز ناٹک میں کالیسٹو کے اسطور میں اپنے جوہر دکھلائے تھے، ایک جل پری کے روپ میں جوڈایانا کی خادمہ بنی تھی۔ اصل روایتی داستان میں رجھانے والا جیوپٹر ایک دوشیزہ کے روپ میں کالیسٹو سے لگاوٹ کی باتیں کرتا ہے۔ ناگزیر طور پر ساری صورتحال یہ بتاتی تھی کہ چپٹی بازی کی خاطر لبھایا جا رہا تھا۔ ''میری سے کالیسٹو کے روپ میں یہ توقع کی جا رہی

تھی کہ منہ سے نکال بیٹھے گی'' اور بنکارے گی/ میں تو پریوں سے کہوں گی کہ وہ مدد کے لئے آواز دیں نہیں تو وہ کوئی خوفناک اقدام کرے گی مجھے اندیشہ ہے مدد، مدد، میری دیویاں کہاں بھٹک رہی ہیں۔''

دو سال کے بعد ایک طنز آمیز مگر الٹی صورتحال درپیش تھی ایک حالیہ سوانح نگار ہمیں بتلاتا ہے کہ میریؔ ''اس وقت چھوئی موئی ہوگئی جب اس کی ہم جنس نے اس پر ڈورے ڈالنا شروع کیا۔ جب کہ حقیقی زندگی میں وہ بڑی بے شرمی سے ایک اورلڑکی فرانسس آپسلےؔ کی محبت میں گرفتار ہوگئی۔ جو اس سے نو برس بڑی تھی۔ اور سرایلن آپسلےؔ کی حسین بیٹی جو بادشاہ کے عقابوں کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ فرانسیسی رومانوں سے تحریک پا کر جوان دنوں بہت مقبول تھے، میریؔ نے فرانسسؔ کو بڑے جذباتی خطوط لکھے اور اسے ان میں خطاب کرتی میرے قابل پرستش ''خاوند'' (کئی سال تک تو ان خطوط کے متعلق سمجھا جاتا رہا جیسے یہ ولیم۔سوم کو لکھے گئے ہوں) رچمنڈ محل کے طاقوں میں سے جہاں چارلسؔ۔ دوم دربار کرتا تھا۔ میریؔ نے اپنی محرومی کی ماری محبت کو عریاں کر کے رکھ دیا۔'' ''اگر یہ ممکن ہوتا تو تمہیں ہر چوتھائی گھنٹے بعد میرا خط ملتا'' اس نے فرانسسؔ کو لکھا، دنیا بھر میں بننے والا کاغذ بھی تمہارے لئے میری محبت کا نصف بھی بیان کرنے کے لئے کافی نہیں ہے، جان من، جان آرزو ڈیرا اور ںیلیا۔ خود فراموشی کی والہانہ کیفیت میں میریؔ نے خود کو'' تمہاری ادنی خادمہ کہا جو زمین کو چومنا چاہتی ہے چاہے تم جہاں جاؤ، تمہاری کتیا جو دانے دار رسی میں بندھی ہو، تمہارے جال میں پھنسی اور مچھلی بے آب، تمہارے پنجرہ میں ایک چڑیا اور تمہاری ادنی سے گھینتی مچھلی''۔ ''مجھ پر کچھ رحم کھاؤ۔'' وہ گڑ گڑ ای'' اور پھر سے مجھ سے محبت کرنے لگو یا پھر محض اپنے تغافل سے مجھے قتل ہی کر دو کیونکہ میں تمہاری اس بے رخی کے ساتھ نہیں جی سکتی۔'' دو برس بعد میریؔ کی ولیمؔ سے شادی کردی گئی وہ بھی اس کی منشا کے بغیر تاہم وہ اپنے سنجیدہ مزاج شوہر سے محبت کرنے لگی اور فرانسسؔ کے لئے اس کے جذبات میں کمی آنے لگی اور بدل کر پرسکوت دوستی میں بدل گئی۔

عورتوں کے دل میں پیدا ہونے والے جذباتی تعلق نے کہیں زیادہ اہم کردار ادا کیا ہے بالخصوص میریؔ کی چھوٹی بہن ملکہ اینؔ کی حیات میں —— اینؔ بھی کبھی فرانسسؔ کے سحر

میں گرفتار رہ چکی تھی اور اس نے بھی ادبی رومان کی روایات قرض لے کر اسے ''زی فارس'' بن کر لکھتی ہے کہ یہ ایسا شخص'' ہے جو اپنی 'حسین سمانڈرا' کی ایک جھلک کے لئے گھلتا رہتا ہے۔لیکن اینؔی کے گہرے ترین احساسات کو ولولہ خیز بنانے والی سارہ چرچلؔ کی ذات تھی۔ جو مالبورو کی ڈچز تھی اسے بطور ملکہ کے معتمد کے برطانوی سیاست میں آیندہ دو دہایوں تک اہم کردار ادا کرنا تھا۔ اپنی قابل ذکر خط و کتابت ،اینؔ کا زور اس پر رہا کہ وہ مراتب کے تمام امتیازی نشانات کو ایک جانب رکھ دیں، یوں سارہؔ ''مسزفری مینؔ'' ہوگئی اور اینؔ ''مسز مورلے''۔ اینؔ نے بارہا سارؔہ کو ''شوق آرزو میں کہا کہ میں تو تمہاری ہوں'' اپنی ترنگ میں رہنے والی بہن میریؔ کے برعکس اینؔ لئے دیئے رہتی اور کم سخن تھی اور سارؔہ جو حسین، ذہین اور تحکم پسند تھی اس کے سامنے وہ گہنائی رہتی۔۱۶۹۲ء میں جب میریؔ نے اصرار کیا کہ اینؔی (جو اس وقت ستائیس برس کی تھی) کو چاہئے کہ وہ سارؔہ کو سیاسی وجوہ پر اپنے ذاتی عملے میں سے سبکدوش کر دے کیونکہ اس کا شوہر جون چرچلؔ نظروں سے گر چکا ہے۔ اینؔ کی سرکشی ظاہر و باہر تھی اپنی بہن کی مزاحمت کی اور سارؔہ کو یقین دلایا ''میں تو اب پہلے سے بڑھ کر تمہاری ہوں جس کا بیان کرنا مشکل ہے اور میں تمہارے ساتھ کسی جھونپڑی میں رہنا پسند کروں گی بجائے یہ کہ میں دنیا پر تمہارے بغیر حکمرانی کروں''۔'' ان کا جو چاہے کریں، کوئی چیز بھی مجھے دق نہیں کر سکتی ہے یوں مجھے وہ چین و سرور میسر آئے گا جو مجھے مسز فری مینؔ کی جلوہ گری سے حاصل ہوتا ہے۔ اور میں قسمیہ کہتی ہوں کہ میں روکھی روٹی اور سادہ پانی پر کسی بھی چار دیواری میں تمہارے ساتھ جی لوں گی جس کے لئے کبھی پیچ و تاب نہ کھاؤں گی۔ اینؔ کی اپنی دوست کے لئے جاں نثاری سے میریؔ اور ولیمؔ کے تعلقات میں سنجیدہ رخنہ پڑ گیا۔ جن کے بعد اسے ہی تخت نشین ہونا تھا۔

آخر کار ۱۷۰۲ء میں ولیمؔ کے وفات پا جانے کے بعد اینؔ آزاد ہوگئی اور وہ سارؔہ کو ایسے عہدے پر فایز کر سکتی تھی جس میں سیاسی اقتدار تھا اسے شاہی محلات کا افسر جو زنانہ جامہ پہنے مقرر کیا اور ملکہ کے ذاتی اخراجات کے صندوق کا افسر۔ ان عہدوں پر سارؔہ نے اینؔ کو لارڈ چرچلؔ سے وفادار بھی رکھا جو —— اب اعلیٰ عہدے پر فایز ہونے کے بعد ڈیوک (نواب) آف مارلبرو بن گیا —— اس نے ولیمؔ کی جگہ لے لی اور یورپین گرانڈ

الائنس کا رہنما بن گیا جو لوئیس چہار دہم کے خلاف اسپین کی تخت نشینی کی خونریز جنگ کی وجہ سے منظّم کیا گیا تھا۔لیکن سب کچھ ہموار انداز میں نہ ہوا۔ باغ عدن میں ایک انسان کے روپ میں ایک سانپ نمودار ہوا جس کا نام ابی گیل ماشم تھا۔ یہ سارہ کی ایک غریب رشتہ دار تھی اور شاہی خوابگاہ کی خادمہ کی حیثیت سے ایک ادنی سے ملازمہ تھی۔ جو بالآخر متکبر ڈچز کے رویے سے تنگ آ گئی این نے کہیں زیادہ منکسر مزاج ابی گیل کی جانب رخ کیا۔ جو ٹوری رہنماؤں سے خفیہ خفیہ پوشیدہ رابطوں والی کارکن بنی ہوئی تھی جو سب امن کے لئے بے تاب تھے۔

جب سارہ کو ابی گیل کے اثر ورسوخ کا احساس ہوا اور این کے دل میں اس کی الفت کا تو اس کا طیش برہم خط میں ابل پڑا جس میں ملکہ پر الزام لگایا کہ اس میں چپٹی کھیلنے کے میلانات ہیں۔ ''مجھے یاد پڑتا ہے تم نے کہا تھا۔۔۔ دنیا کی تمام چیزوں میں سے جس شئے کو تم اہمیت دیتی ہو وہ ہے تمہاری ساکھ جس کے متعلق مجھے اعتراف ہے کہ اس نے مجھے بہت حیران کیا یہاں تک کہ یور میجسٹی کو عجلت میں یہ لفظ کیوں کہنا پڑا جب انہیں دریافت (فاش) ہوا کہ وہ کسی عورت پر لہلوٹ ہیں۔ (مسز ماشم) یہ امر یقینی ہے کہ اس میں ساکھ کہاں رہ سکتی ہے وہ بھی اس شئے میں جو اتنی انوکھی اور ناقابل گرفت ہے۔۔۔ نہ ہی میں یہ سوچ سکتی ہوں کہ کسی میں کوئی میلان نہ ہو اور وہ بھی اپنی ہی جنس کے واسطے تو یہ کہنے کے لئے کافی ہے کہ ایسا کردار اب بھی آپ ہی کا ہو۔'' ہمیں بینٹنک کا حاسدانہ خط یاد دہانی کراتا ہے جو ولیم۔سوم کو لکھا گیا تھا۔ ڈچز پہلے ہی این کو فحش عشقیہ گیت دکھا چکی تھیں جسے غالباً سارہ کی اپنی سکریٹری آرتھر مین وارنگ نے لکھا تھا۔

جب ملکہ این عظیم شہرت والی
برطانیہ عظمی کا عصائے شاہی ڈگمایا
گرجا کے علاوہ وہ گہرا عشق کرتی تھی
ایک غلیظ کمرہ جھاڑنے والی سے
وہ تو اس کی سکریٹری بھی نہ تھی
چونکہ وہ لکھنا بھی نہ جانتی تھی

لیکن اس کا کام کاج اور دیکھ بھال
راتوں میں سیاہ کرتوت ہوا کرتے

۱۷۱۰ء میں ایٓن نے سارہ کو اپنے دربار سے برطرف کردیا اور ٹوریوں کی حمایت شروع کردی کہ وہ جنگ کے خاتمے کے لئے بات چیت شروع کردیں اگرچہ ڈچز کی طرف سے متعدد بار بلیک میل کی دھمکیاں ملیں۔ اس طرح ان تینوں عورتوں کے تلخی کے مارے تعلقات نے یورپ کے مقدر کا فیصلہ کیا۔ یہ انتہائی غیر ممکن معلوم ہوتا ہے ایٓن کے ''رحجانات'' خواہ کچھ بھی ہوں اور کوئی چیز جنسکاری جیسی ہوئی ہو۔ ایٓن اتقا کا نمونہ تھی اور اپنی جانشینی کے وقت تک نحیف ونزار ہوچکی تھی (سینتیس سال کی عمر میں) اٹھارہ مرتبہ حمل ٹھہرنے کے بعد۔ لیکن یہ قابل غور ہے کہ ڈچز کو چپٹی بازی یا سیفو ویت کا الزام ضرور عاید کرنا چاہئے تھا خصوصاً ایسے خطے میں جہاں سیفو ویت والی محبت کا بہ مشکل ذکر ہوتا تھا اور خصوصاً ایٓن کے ابتدائی جنونی تعلقات جو اس کے خود رہے تھے۔

اس کے باوجود ایسی افواہیں جو شاہی حلقوں میں گشت کرتی رہتی تھیں، نسوانی جوڑے ممکن تھا اگر وہ چہرے پر شایستگی کا نقاب اوڑھے رکھتے جیسا کہ اس زمانے میں رواج تھا اور مثالی بن کر ''رومانی دوست'' کہلاتے۔ یہی معاملہ سارہ روبنس اسکاٹ کا تھا جس نے بطور ناول نگار اگرچہ تھوڑی سی شہرت کمائی تھی اور بطور مورخ۔ اپنے شوہر کو چھوڑ کر اپنی دوست باربرا مونٹیگو کے پاس باتھ کے پاس ایک گاؤں میں رہنے چلی گئی تھی، جہاں انھوں نے غریب لڑکیوں کے لئے ایک ادارہ قائم کیا۔ ایک دہائی بعد اسکاٹ نے ایک ناول (A description of millennium Hall) شایع کی جو وہاں کے تجربات پر منحصر تھا جو ''رومانی دوستی کا جیبی کتابچہ بن گیا۔'' دو عورتیں جس میں نکاح کے بندھن پر لعنت بھیج کر دیہی علاقے میں رہایش اختیار کرنے کے لئے چلی جاتی ہیں تاکہ مشغول ہوجائیں ''جمالیاتی مشاغل میں اور تہذیبی لطافتوں میں''۔ بالکل اسی طرح جیسے معزز خواتین ڈچز آف نیوکاسل کے یوٹو پیا ی خانقاہ میں کرتی تھیں۔

جیسے زندگی فن کو تخلیق کرتی ہے اسی طرح اس مقبول افسانوی کتاب نے لاتعداد مصنوعی چیزیں زندگی کو عطا کیں۔ جس طرح للّیان فیڈرمیٓن نے اپنے بھرپور اور پرکشش

ماجرے میں جوان جوڑوں کے متعلق ہے، حقیقی اور خیالی بڑی حد تک سب سے اچھا ''رومانٹک دوستوں'' کا تھا لالان گولن کی خواتین ۔ الینر بٹلر اور سارہ پونسون بائی دونوں آیرلینڈ کی اشرافیہ سے تعلق رکھتی تھیں اور جوانتالیس سال اور تیس برس کی تھیں خود کو مردوں کے بھیس میں چھپائے رکھتیں اور ایک کے بجائے دو مرتبہ فرار ہوئیں۔ انہیں شادی شدہ دیکھ کر مایوس ہونے والے اور ان کا ایک دوسرے پر فدا ہوتے دیکھ کر اور طاقت سے متاثر ہوکر ان کے خاندان والوں نے ان کا تھوڑا سا وظیفہ باندھ دیا اور انہیں ویلز میں بس جانے کی اجازت بھی دے دی۔

ان کا غیر نسوانی انداز میں آزادی کے لئے کوشاں ہونا اس سے ممکن تھا کہ سماجی معاندت پیدا ہوتی لیکن گھسی پٹی اور چالو مثالی زنانہ دوستی نے انہیں نامور شخصیات بنا دیا بجائے راندہ درگاہ افراد کے۔ ''جب میں نے پہلی مرتبہ ان کے متعلق سنا تو مجھ پر گویا سحر ہوگیا ہو کہ کوئی شئے اتنی رومانٹک بھی ہوسکتی ہے۔'' لیڈی لویزا سٹوارٹ نے ۱۷۸۲ء میں یہ لکھا، یہ قصہ ان کے فرار ہونے کے چار برس بعد کا ہے۔ یہاں تک کہ بائرن جب وہ کالج کا طالبعلم تھا ایک نوعمر لڑکے کی محبت میں گرفتار ہوگیا تھا اس نے بھی ''ان خواتین'' کو ایک ہی جنس والا مثالی جوڑا کہا جو اس نے اپنی ایک خاتون دوست کو ایک ہمدردانہ خط میں لکھا۔ آخر میں انہوں نے کوین شارلٹ سے خط و کتابت کی اور جیورج سوم سے پنشن منظور کرا لی جو نہ صرف برطانیہ کا بلکہ پورے یورپ کا چلن بن گیا۔ ان کی سادہ سی کاٹج جو پھولوں والی ویلش کی وادی میں واقع تھی جہاں وہ ہر آنے والے کو لبھاتیں اور دونوں ایک ہی بستر پر ترپن برس تک سوتی رہیں۔ ان سے ملنے بہت سے نامور لوگ آتے رہے جن کی موثر فہرست بن سکتی ہے۔ جن میں ڈیوک آف ویلنگٹن، ولیم ولبرفورس، سر والٹر سکاٹ، رابرٹ ساوتھی، میڈم ڈی جینلس، شہزادہ پال اسٹرہنری —— یہاں تک کہ نوجوان چارلس ڈارون۔ شعرا ان سے اتنا متاثر ہوئے کہ قصیدے لکھنے لگے۔ انا سیوارڈ جس کا اپنا عشق جو اپنی دوست ہنوراسنائیڈ کے لئے تھا کئی سونیٹ لکھنے پر مجبور ہوگئی جن میں شیکسپیئر کی پیروی کی گئی اور اس نے اپنا پورا ایک نسخہ ان کی تعریف میں وقف کردیا۔ ۱۸۲۷ء میں ولیم ورڈ سورتھ نے انہیں اس طرح خطاب کیا ''محبت میں مبتلا بہنیں، ایک محبت جس نے چڑھنے

میں مدد کی/ یہاں تک کہ دھرتی پر جسے وقت بھی گرفت میں نہیں لے سکتا۔‘‘

یہ گلہ بانوں کی جنت بغیر ایک آدھ کانٹوں کے نہ تھی۔ آج انہیں دیکھا جاسکتا ہے بطور چپٹی باز جوڑے کے بالکل گرٹروڈ سٹین اور الالیس۔ بی ٹو کلاس کی طرح لیکن اس نوعیت کے شکوک فرائڈ کے عہد سے پہلے بہت کم عام تھے اور ان کی روایتی قدامت پرستی سماجی اور سیاسی معاملات میں تنقید سے بچائے رکھتی تھی۔ لیکن ۱۷۹۰ء میں ’’جنرل ایوننگ پوسٹ‘‘ نے بدنیتی سے الیز بٹلر کے متعلق یہ بتایا’’ طویل قامت اور مردانہ‘‘ شخصیت ہے جو ہمیشہ ایک شہسوار والے لباس میں ہوتی ہے اور ہال میں آ کر اپنا ہیٹ اس طرح ٹانگتی ہے جیسا مرد کھلاڑیوں کا انداز ہوتا اور ہر طرح سے ایسی لگتی ہے جیسے کوئی جوان آدمی ہو ہاں اگر ہم پیٹی کوٹ کو استثنیٰ سمجھیں جو وہ ابھی تک پہنے رہتی ہے۔ برہم معزز خواتین نے اپنے دوست ایڈمنڈ برک کو ازالہ حیثیت عرفی کے لئے کارروائی کرنے کے لئے لکھا۔ لیکن برک نے اس کے خلاف مشورہ دیا (وہ خود اس پر بھی اخبارات میں جنسی رمزیہ جملوں پر کوئی ایک دہائی پہلے مقدمہ کر چکا تھا) اور انہیں اطمینان دلایا کہ ان کی ساکھ ایسی تھی کہ کوئی بھی ان اتہام طرازیوں پر توجہ نہ دے گا۔ وہ قریب قریب درست تھا۔

ان خواتین کی ممتاز مداحوں میں ہسٹر تھریل (بعد میں مسز پیوزی) جو ڈاکٹر جونسن کی دوست اور سوانح نگار تھی۔ اس نے ان کی اس طرح عزت افزائی کی ’’نفیس اور نیک گوشہ نشین۔‘‘ لیڈی کی زبردست متواتر مدح وثنا جو مردانہ ہم جنس پرستی کے متعلق تھی اسے دیکھتے ہوئے یہ جوش وخروش حیران کن لگتا ہے۔ بلاشبہ مسز تھریل ڈچز آف آلینز کی ہم مرتبہ لگتی ہے جس نے کوئی ایک صدی پہلے اپنے کام سے گہری توجہ میں اپنے ہم عصروں پر توجہ لگائے رکھی اور انہیں اپنی ’’تھریلیانا‘‘ میں بے کم وکاست بیان کر دیا لیکن ڈچز لوییس ۔ چہار دھم کے دربار کے متعلق لکھتے ہوئے ان چیزوں کو بہت حیرت زدہ دلچسپی سے دیکھتی ہے۔ تھریل کے روزنامچوں سے ظاہر ہوتا ہے اسے قوم میں پائے جانے والے تعصّبات دکھائی دیتے ہیں جنہیں اس کے ذاتی پروٹسٹنٹ تقوی نے عریاں کر دیا۔ اس نے اس بات پر گریہ زاری کی کہ یہ چیز پھیل رہی ہے۔ مردوں کے درمیان پائی جانے والی غیر فطری بدی (جواب مرغوب زمانہ ہے) اور اپریل ۱۷۸۹ء میں، یہ زمانہ باسٹل جیل کے انہدام سے

تین ماہ پہلے کا ہے یہ تبصرہ ''فطرت لازماً فیشن میں سے نکال لیتی ہے کچھ بھی ہو: جن چیزوں کے متعلق ہم ان دنوں سنتے ہیں، جو محض پیٹرونیس کے باڑے کے لئے مناسب ہیں یا پھر جیوینل قلمبند کر کے ان پر طنز کرے 'ملکہ فرانس' چنڈالنوں کے گروہ کی سردارنی ہے جو ایک دوسرے کو سیفو کہتی ہیں اور اس کی ذات پر افتخار کرتی ہیں اور وہ اس کی مستحق ہیں کہ انہیں دیووں کے حلقے میں ڈال دیا جائے تا کہ وہ ایک دوسرے کو کھدیڑتے ہوئے آتش فشاں کوہ ویسوویس تک پہنچا آئیں۔''

ہیسٹر تھریل پہلے ہی اپنے طبقے کی سماجی اخلاقیات کی خلاف ورزی ایک اطالوی موسیقار سے شادی کر کے کر چکی تھی جس کا نام گبریل پی اوزی تھا۔ اس وجہ سے اس کے کئی دوستوں کو (بہ شمول ڈاکٹر جونسن) اس سے لاتعلقی ظاہر کرنا پڑی۔ لیکن اٹلی میں ایک مرتبہ کے قیام نے محض اس کی اخلاقی پرہیزگاری ثابت کی۔ ''یہ اٹلی بلاشبہ گناہوں کا جوہڑ ہے'' یہ اس نے بڑے دکھ سے ۱۷۸۶ء میں کہا ''ہمارے بیک فورڈز ۔۔۔ کم از کم اپنے جرائم کے مقام سے فرار ہو جاتے ہیں اور اپنے لونڈوں کو فتح کی نشانی بنا کر نہیں ظاہر کرتے جیسے رومی راہب اور شہزادے کیا کرتے تھے۔'' وہ بالخصوص جس بات پر حیران تھی وہ تھی یارک کے عمر رسیدہ سربراہ راہب کی مقبولیت۔ ''جو سرعام اپنا ایک لونڈا روم میں رکھتا جن دنوں میں وہاں مقیم تھی حالانکہ وہ بہترین چال چلن کا شخص تھا جو زہد اور خیرات میں ممکن ہے۔ جس سے جیسا کہ کسی شخص نے مجھے بتایا بدی کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ان کے نزدیک یہ محض مذاق کا معاملہ ہے۔'' (دینی سربراہ ہنری اسٹوارٹ ''بونی شہزادے چارلی'' کا برادر خورد تھا۔ اور انگلستانی تخت کا درجے کے لحاظ سے آخری دعوی دار۔) انگلینڈ، اپنے ناصحانہ تحریر کے آخر میں نہایت حب الوطنی کے جذبے کے تحت یہ لکھا ''یورپ میں رہنے کے لئے سب سے اچھی جگہ ہے تقریباً ہر معاملے میں۔''

۱۷۹۵ء میں جب مسز تھریل نے کسی پادری کو تبلیغ کرتے ہوئے قبل از کرسمس مہینے میں یہ وعظ کرتے سنا کہ کیسے ''مسیحیت نے دنیا کو عمومی طور پر کیسے بدل دیا اور یہ کیسے ہوا کہ قدیم زمانے کی بدیاں جدید زمانے میں سننے میں نہیں آتیں۔'' تو اس نے اسے نہایت سادہ لوح جانا (''بے چارہ پیارا سا آدمی'' اس کا تبصرہ تھا) وہ بائیبل میں دی ہوئی پیش

گویوں کو عصری زندگی پر منطبق کرنے کے مراق میں مبتلا تھا۔ مسز تھریل نے اس کے ہم جنس پرستی پر مبنی خیالات کو اپنی تاریخی عالمی تصویر میں شامل کر کے دیکھا۔ ان کرتوتوں میں اضافہ ''جو خدا اور عقل کے خلاف ہیں اور مذہب اور فطرت سے متصادم ہیں۔'' اس کی دانست میں جو واقعات ہو کر رہیں گے اس کے عقاید کو مستحکم کرتے ہیں کہ دنیا ۲۰۰۰ء میں ختم ہو کر رہے گی مگر آتش فشاں لاوے کے بجائے بالائے فطرت آتش زنی سے۔ یہاں تک کہ اس کی گرم جوش دوستیاں بھی اس سرور کو اتار نہ سکیں جو نازل ہونے والے عذاب کے تصور سے اسے حاصل ہو رہا تھا اور جو اس کی دانست میں امر ربی ہے۔ جب اس نے ایک (جعلی) رپورٹ کے متعلق سنا کہ اس کا عزیز دوست جیورج جیمز کو برٹنی میں گلوٹین کے ذریعے قتل کر دیا گیا ہے تو اس نے بڑے فاتحانہ انداز میں کہا ''لو دیکھو انتقام کس طرح مجرم کا تعاقب کرتا ہے!!!'' مسز تھریل کی تحریر پڑھنے سے ہمیں یہ سمجھنے میں مدد ملتی ہے کہ انگلینڈ میں اغلام بازی کی سزا کے طور پر پھانسیوں میں کس طرح بلانظیر طور پر آئندہ چالیس برسوں میں بے تحاشہ اضافہ ہوا جب کہ قرب و جوار کے ممالک میں کمی آ رہی تھی۔

سیفو ویت بالخصوص اس کے لئے باعث کشش تھی اور اس نے ایک نئے لفظ کو اہمیت دی جو حد درجہ کی شرارت کا نعم البدل تھا۔ یہ ''ہولناک بدی'' وہ رقمطراز ہے کہ ''اس کا اب ایک یونانی نام ہے جیسے سیفزم (سیفو ویت) کہا جاتا ہے۔'' اور اس کا رواج پھیلتا جا رہا ہے۔ ''فرانس کی ملکہ کو ایک عرصے سے الزام دیا جا رہا تھا، اسی طرح معروف ادا کارہ راؤکورٹ کو جو پیرس کے اسٹیج پر کام کرتی ہے'' علاوہ ازیں وہ یہ بھی تسلیم کرتی ہے کہ اس کا وجود انگلینڈ میں بھی ہے۔ ''یہ اب بڑھ کر اتنا عام ہو گیا ہے کہ ناممکنات میں بھی شک کیا جا سکتا ہے۔ (جیسا کہ میں ان کے متعلق سمجھتی ہوں)۔ جب بھی دو معزز خواتین طویل عرصہ تک ساتھ رہتی ہیں۔'' باتھ کا مقام'' ان غلیظ طیور کا پنجرہ ہے۔'' ایسا ہی ''مس راتھبون کا گھر ہے۔'' جہاں متعدد عورتیں ''گناہ آلودہ نا کتخدا رہتی ہیں۔'' مسز سیڈون جو مشہور المیہ ادا کارہ تھی اس نے مسز تھریل کو بتایا تھا کہ ''اس کی اپنی بہن کی ذات کو خطرہ ہے وہ بھی اس کی سہیلی سے جو اسی قسم کی ہے۔'' اس پر وہ اور گھبرا کر اپنی دیرینہ شناساؤں پر بھی شک کرنے لگی۔ ''میں سوچتی ہوں کہ مس ویسٹن کیوں شادی سے برگشتہ ہو گئی ہے۔۔۔ اور

اس نے اس بات پر کیوں ہنگامہ کھڑا کر دیا یعنی پیاری سی سیلی سیڈون کے مذاق اور حسن پر اور سامان پر۔ یہ لڑکی تو بالکل دیگر لڑکیوں کی طرح ہے۔ لیکن مس ویسٹن اسی طرح دوسری لڑکیوں کو پسند کرتی تھی۔۔۔ کرنل بیری۔۔۔ مس ٹریفوس سے خوب بچ نکلا اگر میں نے صحیح سنا ہے۔ اور آخر میں لالان گولن کی لیڈیز تک ایسے ہی شک کے زد میں آ چکی ہیں۔ حال ہی میں شایع ہونے والی ڈایری میں مسز تھریل ان کی مذمت کرتے ہوئے ''ان چپٹی والیوں پر خدا کی مار'' اور یہ انکشاف کرتی ہے کہ چند لیڈیز نے اس مشہور کٹیا میں شب بسری سے انکار کر دیا جب تک وہاں ان کے مرد نہ ہوں گے۔

این سیمور ڈیمر (۱۷۴۹۔۱۸۲۸ء) اشرافیہ کی فرد تھی ایک عالمہ تھی اور شوقیہ ادکارہ۔ تا حیات اس کا شوق تاہم مجسمہ سازی رہا جو اس کے زمانے میں ایک غیر نسوانی مشغلہ سمجھا جاتا جس میں سخت محنت اور خاک دھول ہوتی ہے۔ اس کے کزن اور مربی ہوریس والپول نے اس کی ذہانت اور علمیت سے متاثر ہو کر اسے سر ہوریس مان سے یہ کہہ کر متعارف کرا دیا کہ جو ''پلنی کی طرح لاطینی لکھتی ہے اور یونانی سیکھ رہی ہے'' اور اس کی موڈلنگ کو (بڑھا چڑھا کر) بدنیتی کا ہم پلہ بتا دیا۔ جو ایک ڈیوک کی پوتی اور دوسرے کی سالی تھی۔ این نے جان ڈیمر سے شادی کی جب اٹھارہ برس کی تھی اور سات سال کے بعد علیحدگی ہوگئی۔ وہ نصف صدی مزید جیتی رہی، اوسط درجے کی شہرت پائی جب اس نے نیلسن کا دھڑ اور سر بنایا اور دو ناقابل فراموش نقاب بنائے جو آج بھی ہنلے کے مقام پر تھیمز برج پر جلوہ گری کر رہے ہیں اور جیورج۔ سوم کا بہت بڑا سا مجسمہ جو دیکھنے میں وسیع النظر لگتا ہے۔ اور چارلس جیمز فوکس کا دھڑ سنگتراشی سے نپولین کی فرمایش پر بنایا۔

این ڈیمر کی سماجی امتیازی حیثیت —— وہ رینولڈس، نیلسن اور مسز سیڈونس سے واقف تھی —— اس کے علاوہ اس کی نوعمر اداکاراؤں سے گہری دوستی نے اسے جنسی گپ شپ کا تختہ مشق بنا ڈالا تھا۔ ہر وقت چوکس رہنے والی مسز تھریل اس لئے اس کی مذمت کرتی تھی کیونکہ وہ ''ایسی لیڈی تھی جس پر یہ شک تھا کہ وہ اپنی ہی جنس والیوں کو پسند کرتی وہ بھی مجرمانہ انداز میں۔'' اور اس لئے قلمبند کی ایک ''مزاحیہ مگر تلخ مختصر نظم'' جس کا لکھنے والا مسز سیڈون کا شوہر تھا۔

اس کی نجی شہرت کا چھوٹا سا اثاثہ
جب یہ ملبہ گرے گا تو لوگ شوروغوغا کریں گے
جب فیرن ان کا ساتھ دے گا جن کا نام
پہلے آتا ہے۔اور بہت قریب ـــــ اس پر لعنت ملامت کرنے

مسز تھریل جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں چپٹی کھیلنے والیوں کو ''نسوانی احباب'' سمجھتی تھی۔ جوزف فیرنگٹن جو روزنامچہ لکھتی اور مصوری میں ساتھی تھی۔ این کے ''کنوارپن'' پر کھنکارا کرتی ''وہ مردانہ ہیٹ اور جوتے پہنتی۔'' اس نے شکایت کی ''اوورکوٹ بھی مردانہ''۔ یوں وہ کھیت کھلیانوں میں خمیدہ چھڑی لے کر چلتی ہے۔ جب این کی خاص دوست الزبتھ فارن جو اپنے عہد کی ممتاز ترین مزاحیہ اداکارہ تھی اسے ڈربی کے ارل نے ترغیب دی جو اس سے شادی کرنا چاہتا تھا جو خود بھی مصنف تھا اور اس نے 'دی ونگ کلب' (۱۷۹۴ء) کے عنوان سے جس میں بغض پر مبنی یہ تبصرہ کیا گیا ''اگر چہ مزاحیہ اداکارہ کی خودنمائی اس واقعے میں دلچسپی رکھتی ہوگی لیکن اس کے جنس آمیز عشق کا شوق ان خیالات کی وجہ سے بیدار نہ ہوگا۔۔۔ قیاس تو یہ ہے کہ اسے نہایت حسین مسرت تو مسز ڈی ـــــ آر کے رخسار کا لمس دے گا نہ کہ ایسی کوئی نئی چیز جو شادی کی رات میں پوشیدہ ہو۔''

ایک اور پمفلٹ جس میں تیئس صفحات پر مبنی طنزیہ اشعار شامل تھے اس سے ڈیمر ضرور بے چین ہوگئی ہوگی اگر چہ اس میں چپٹی بازی کا ذکر جارحانہ کے بجائے ظریفانہ تھا۔ ایک پمفلٹ جو کسی تخلص سے شایع ہوا اور نہایت حسین مسز ڈی xxxx (۱۷۷۷ء) کے نام تھا اس میں بتایا گیا کہ ''مس سیفو سب سے پہلی کلاسیک خادمہ تھی جس نے اپنی الفت کی ارزانی اپنی ہی جنس پر کی تھی۔۔۔ وہ دنیا بھر کی پہلی پیادہ فوجی سپاہی تھی جس کا ذکر درج ہے لیکن اس کے ساتھ انصاف کرنے کے لئے ہمارے ہاں اگر چہ بہت سی پیادہ سپاہی ہوچکی ہیں اس کے باوجود ہمیں کوئی بھی سیفو جیسی نہ ملی۔'' (اٹھارہویں صدی کی بازاری زبان میں ''ٹامی'، ''مولی'' کی نسوانی صورت کو کہا جاتا تھا) اس نظم کا لب و لہجہ شاداں و فرحاں مگر فحاشی مایل ہے اور یہ مسز تھریل کی مذہبی پرانی دشمنی یا فیلڈنگ کی مین میکھ نکالنے والی عادت کے بالکل برعکس۔

کون سی سیفو وہی خوبصورت سی چپٹی باز حسینہ
جس نے یہ مہارت حاصل کرلی کہ پڑھ لے اور ہجے کر لے
اس سے ، سب ہی سے وہ حسن سکول کرے گی
کوئی بھی لونڈیا مای ٹیلن قصبے کی
چاہے سیاہ ہو یا حسین یا پھر زیتون کی طرح بادامی
انکار کردے عشق کرنے کی دعوت کو !

آین ڈیمر اس طرح نظم میں نمودار ہوتی ہے کہ وہ عورتوں کو متنبہ کرتی ہے مردانہ عشاق کے معنی ہیں استقرار حمل، بچوں کی پیدایش اور ''دیگر ہزاروں غم'' اس کی اپنی ملکی ریاست دوسری جانب کی یوں مدح وثنا کی جاتی ہے جو''کوہ شادمانی ہے۔۔۔ذایقے دار، باوقار اور سیفو والا عشق۔۔۔'' شاعر کا سجھاو یہ ہے جو ایک عشق کے مارے مداح کا ہوتا ہے۔ جو ڈیمر کے یورپی سفر کے متعلق عمیق معلومات کا حامل ہوتا ہے اور اس کے ذاتی شوق کا جو''اٹلی کی گرم آب و ہوا کی خادماؤں کے لئے ہے۔'' ۱۷۸۰ء میں ولیم بکفورڈ کی برادری کا مقاطعہ اور ملک بدری اپنے مفروضہ جنسی انحراف کے باعث برداشت کرنا پڑی۔ اس کے باوجود کہ طنزیہ کٹیلے جملے کہے گئے اور مسز تھریل کی جارحیت کے باوصف برطانوی سماج میں آین ڈیمر کی حیثیت محفوظ رہی ۔ ہوریس والیول جو ہوریس مان کو لکھ چکا تھا کہ ''میں اسے اپنی بیٹی کی طرح چاہتا ہوں۔'' جس سے وہ وصیت میں نامزد شخص ہوگئی اور وارث بنی نیو گوتھک طرز کے اسٹرابیری ہل میں تعمیر شدہ دیہی گھر کی۔

ایک راہبہ اور اداکارہ:

کبھی کبھار کے طنز اور مسز تھریل کے شکوک کے باوجود چپٹی بازی کا موضوع زیادہ تر عوامی نظروں سے اوجھل رہا۔ فرانس میں صدی کے خاتمے کے زمانے میں یہ کہیں زیادہ نظر آتا خصوصاً اداکاراؤں میں جو عوامی زندگی بسر کرتی تھیں جو ایسے پیشے سے متعلق تھیں جو شرفا کی نظروں میں طوائفوں سے کچھ زیادہ جدا نہ تھا۔ اس موضوع کو تو ان رسوا کن پمفلٹوں میں

بھی ایک کردار ادا کرتا تھا جو اس غیر مقبول ملکہ کے مبینہ ہوسناک تجاوزات کی مذمت کرنے کے لئے شایع کئے جاتے۔

اٹھارہویں صدی کے ابتدائی برسوں میں مارک ڈا آرمینؔن جو پیرس کی پولس کا ۱۶۹۷ء سے ۱۷۱۸ء تک سربراہ رہا اسے اس بات کی زیادہ فکر تھی کہ وہ مردانہ ہم جنس پرستوں کے رویے پر قدغن لگائے جو پیرس کی سڑکوں اور میخوانوں میں دیکھنے میں آتا تھا بہ نسبت چپٹی بازی کرنے والیوں کے خلاف جن سے نمٹنے میں وہ احتیاط کرتا تھا۔ رسوائے زمانہ میڈم موراٹ پر رسماً کوئی فرد جرم نہیں عاید کی گئی حالانکہ کئی مرتبہ اسے سخت تنبیہہ جاری کی گئیں۔ لیفٹیننٹ جنرل اس کے خاندان پیدایش اور اس کے تعلقات کو ملحوظ خاطر رکھتا۔ اس لئے اس نے فیصلہ کرلیا کہ وہ یا اسی قسم کی دوسری خواتین کا بہترین علاج یہ ہے کہ ملک بدر کردیا جائے یا پھر انہیں زنانہ خانقاہوں میں ٹھہرا دیا جائے۔ جب کہ اغلام بازوں کو ٹکٹکی پر باندھ کر پھر بھی جلایا جائے۔ چپٹی بازی کی عادی عورتوں کو کوچہ گرد طوائفوں، بدنصیب اداکاراؤں یا پھر اڑیل چھنالوں کے زمرے میں سمجھا جاتا اور ان کو معمولی جرایم پر ماخوذ کیا جاتا۔ نچلے طبقات کو مختصر مدت کے واسطے قید میں رکھا جاتا۔ اشرافیہ طبقے کے متاثرہ باپ یا شوہر سے ایک ضمانتی خط لے لیا جاتا اور عورت کو اخلاقی روایات کو پامال کرنے پر معاف کردیا جاتا۔ اس طریقے سے مارکویس ڈی لسٹؔی نائے کو مختصر مدت کے لئے ۱۷۹۰ء میں اس کی دوگانا مام ڈی سینٹ لامبرؔٹ کے ساتھ ویسول کے مقام پر گرفتار کرلیا گیا ان کے ساتھ ایک چھوٹی سی لڑکی بھی تھی جو ایک کو ''پاپا'' اور دوسری کو ''ماما'' کہتی تھی۔

رومانٹک نسوانی دوستی نے جتنا فرانس میں جوش وخروش پیدا کیا اتنا ہی انگلینڈ میں۔ اور یہ ایک پہیلی بن گیا کہ اس میں جنسی رنگ کب داخل ہوگیا۔ مشہور دانش ور خاتون مام ڈی سٹاؔیل (جو بڑے دوستانہ انداز میں اپنے شوہر سے الگ ہوچکی تھی) اور جولیٹ مام ری کاؔمیر (جس کی شادی محض ایک خانہ پری تھی) ایک دوسری کو دونوں بڑی سرشاری کے لہجے میں مخاطب کرتیں جب کہ ان کے معاشقے بنجامن کا نستانٹ اور چیٹو برائینڈ سے چل رہے تھے۔ اپنی پہلی ملاقات ۱۷۹۸ء میں ہونے کے بعد مام ریکاؔمیر نے لکھا ''اس کے بعد سے میرے ذہن پر مام ڈی سٹاؔیل تم ہی سوار ہو۔'' اور مام ڈی سٹایل نے جواباً لکھا۔ ''میں

تمہیں اتنا چاہتی ہوں کہ وہ محبت دوستی کو پیچھے چھوڑ آتی ہے۔'' میں اپنے گھٹنوں پر کھڑی ہوکر تمہیں اپنے کلیجے سے لگاتی ہوں۔'' اور بعد میں'' تم میری حیات کو اکلوتا مقصد ہو۔۔۔ مجھے تو تمہیں پہلی مرتبہ دیکھ کر ایسا لگا کہ اگر تم مجھ سے محبت کرو گی تو میرا انجام بھلا ہوگا۔''

مرد مشاہدین نے ایسے جنون کا مختلف انداز سے جواب دیا۔ روسو کی لانوویل ہیلوریز میں ہیروین جولی اپنے معلم سینٹ پریکس پر عاشق ہوجاتی ہے لیکن اس کے اعتماد کا شخص کلیر کو اس سے شادی کرنے میں تذبذب ہے کیونکہ اس کی جولی کے لئے محبت سے بڑھ کر اس کے عاشق کے لئے ہوجاتی ہے۔''سب سے زیادہ اہم چیز میری زندگی میں'' وہ اپنی دو گانا کو بتاتی ہے'' وہ ہے اس کی محبت، شروع ہی سے میرا دل تمہارے خیالات میں غلطاں ہے۔'' سینٹ پریکس کو قدرے حسد بھی ہوتا ہے لیکن وہ ہمدردانہ انداز میں دونوں کے احساسات میں شریک ہوجاتا ہے، جو اس کے لئے شہوت انگیز ہوتے ہیں: کوئی چیز نہیں، نہیں، کوئی شئے نہیں جو اس زمین پر ایسی ہو جو ایسی سنسنی پیدا کر سکے جیسی کہ تم دونوں کی ہم آغوشی ہے اور دو عشاق کا منظر ایسا ہے جس سے زیادہ دلکش اور سنسنی خیز منظر میرے سامنے کبھی نہیں گزرا۔ روسو کا سرمستی آمیز جشن جو جنونی جذبات اور فطرت سے رومانی دعا نے ناول کو ایک ادبی سنسنی بنا ڈالا جب وہ ۱۷۶۱ء میں پیش کی گئی۔

اس کے برعکس جب ڈینس ڈیڈروٹ نے صوفی وولانڈ کی چھلیں اپنی بہن مام لی جینڈر سے سنیں تو وہ مارے حسد کے سخت آزار میں مبتلا ہوگیا۔

> میرے ذہن میں تو بس یہ خیال بیٹھا ہوا ہے (اس نے صوفی کے سامنے اعتراف کیا) اور میں نہیں جانتا میں کیا لکھ رہا ہوں۔۔۔ میں تو ان لفظوں کو پہچانتا ہوں جو تم نے کاغذ پر کھینچے ہیں کہ مادام لی جینڈر تمہارے پاس ہے یا آجائے گی اور ساتھ ہی رہے گی۔ میں اس قدر حساس اور ناانصافی پر مائل ہوں اور اتنا حاسد ہوگیا ہوں۔۔۔ کہ میں شرمندہ ہوں کہ مجھے کیا ہوگیا ہے لیکن مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ میں اسے کیسے روکوں۔ تمہاری ماں کا کہنا ہے کہ تمہاری بہن خوش مزاج عورتوں کو پسند کرتی ہے اور یہ بھی حتمی بات ہے کہ وہ تمہیں از حد چاہتی ہے اور وہ راہبہ جس کے لئے وہ ایسی میلان طبع رکھتی ہے اور پھر وہ شہوانی اور نرم اطوار جس سے وہ

بڑھتی ہے اور تمہاری جانب لپکتی ہے اور پھر اس کی انگلیاں تمہاری انگلیوں میں
پیوست ہو جاتی ہیں۔

ڈیڈروٹ کا خط خصوصی دلچسپی کا حامل ہے چونکہ یہ ۱۷۶۰ء میں لکھا گیا تھا جب وہ 'دی نن' پر کام کر رہا تھا۔ ایسا ناول جو ایک دبو چنے والی (پیچیدہ) چپٹی باز کی تصویر پیش کرتا ہے جو فرانسیسی خانقاہ کی ہے۔ اس کی تخلیق کا سبب ایک دل لگی تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ اپنے دوست کو پیرس کھینچ بلایا جائے۔ ڈیڈروٹ نے اسے یہ باور کرانے کے لئے خطوط لکھے جو اس کی مدد کی خواستگار تھی کہ وہ آ کر حلفیہ وعدوں کو فسق کرائے۔ مذکورہ دل لگی سے جلد ہی نجات پالی گئی۔ لیکن اس نے ڈیڈروٹ کے ذہن میں ہلچل مچادی کہ وہ ایک افسانوی یادداشت تحریر کرے اور ایک خیالی عورت تخلیق کرے جس کا نام اس نے سوزانے سائمونن رکھا۔

ڈیڈروٹ کا (رومن اے تھیز) مقصد یہ پوچھنا تھا کہ یہ بتایا جائے کہ جوان عورتوں مثلاً سوزانے کو کیوں خانقاہوں میں رکھا گیا جب ان کے پاس کوئی ہنر بھی نہ تھا اور وہ قید خانے میں جانے کو بھی تیار نہ تھیں۔ اگرچہ اس سے خانقاہوں کے خلاف ایک زوردار مقدمہ تیار ہو گیا جو اس کے غیر فطری ماحول اور خانقاہی زندگی میں پائے جانے والے استبداد کے خلاف تھا۔ لارِیلجیئس تاہم کوئی لچھے دار عبارت نہیں ہے جو کلیسا کے لوگوں کے خلاف ہو۔ سوزانے ایک متقی کیتھولک ہے اور اس کے مذہبی جوش و خروش کو حیران کن حساسیت سے پیش کیا گیا ہے۔ کتاب اس کے تجربات کا ماجرا بیان کرتی ہے جو تین مدر سپیریر کے تحت گزرا تھا۔ پہلی ایک نیک دل اور کٹر مذہبی عورت تھی اس کی جگہ جو لیتی ہے وہ ایذا رساں مستبد ہوتی ہے۔ خوش قسمتی سے ایک ہمدرد وکیل سوزانے کو کسی اور گھر میں منتقل کرا دیتا ہے جہاں کی مالکن میں اوچھا پن ہے اور کلیسائی عہدیدار والی خوبیوں کی بھی کمی ہے لیکن نیک طینت اور مقبول فرد ہے۔ وہ سوزانے کو اپنی چہیتی بنا لیتی ہے اس کے بوسے لیتی ہے اور گلے لگاتی ہے۔ اس کے خدوخال کی اس وقت تعریف کرتی ہے جب وہ کپڑے اتارتی۔ اور جب وہ کی بورڈ بجاتی تو وجد کے مارے بے ہوش ہو جاتی۔

تب میں نے کوپیرن، رامیو اور اسکارلاٹی کی دھنیں بجائیں۔ جس کے درمیان میں

اس نے میرا کالر ہٹایا اور اس نے میرے عریاں شانے پر اپنا ہاتھ رکھا اس نے اپنی انگلیوں کی نوک سے میرے پستانوں کو چھوا۔ وہ گائے جاتی اور اس کی آواز بھنچی ہوئی تھی اور گہری سانسیں لئے جاتی۔ اس کا جو ہاتھ میرے کندھے پر تھا ابتدا میں گرفت سخت کئے رہا اور پھر اسے آزاد کر دیا۔ جیسے ساری طاقت اور زندگی اس میں سے نکل گئی ہو۔ اور اس کا سر مجھ پر ڈھلک آیا۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ نفرت زدہ عورت ناقابل یقین حد تک حساس نکلی اور اس میں موسیقی کا گہرا مذاق دیکھنے میں آیا۔ کیونکہ میں نے کسی میں بھی یہ نہ پایا جس پر اس کا خلاف معمول اثر ہوا ہو۔

سوزآنے بے تکلفی سے ان تحایف کو قبول کرتی ہے اور اس الفت کو جو اس پر یہ عورت نچھاور کرتی اور اس کے ''رخسار شگفتہ ہو جاتے، ہونٹ سرخ اور سر خوبصورت نظر آنے لگتا۔'' اور جب وہ پوچھتی کہ ''بہن سنوارآنے کیا تم مجھے چاہتی ہو۔'' تو وہ معصومیت سے جواب دیتی ''یہ میرے لئے کیسے ممکن ہے کہ میں تمھیں نہ چاہوں۔ میری تو روح بھی احسان فراموش ہو جائے گی۔'' جب سپیریر کو دوسری مرتبہ پانی چھوڑنے کا تجربہ ہوتا ہے وہ بھی جب وہ ایک دوسرے سے بغل گیری اور بوس و کنار کرتی ہیں تو ناتجربہ کار راہبہ اس کیفیت کو اور اس واقعے کو شہوانیت پر محمول نہیں کرتی۔ وہ یہ سمجھتی ہے کہ دوسری عورت کسی عجیب و غریب روگ کی وجہ سے غش کر گئی تھی۔ علاوہ ازیں سپیریر نے سوزآنے کے لئے جو محبت دریافت کی تھی خانقاہ کی پوری زندگی بدل ڈالتی ہے۔ پوری برادری اس کے بیان کے مطابق ''اتنی خوشتر نہیں رہی جب سے میں نے قیام شروع کیا تھا۔''

لیکن جب سوزآنے اپنے اعتراف کرانے والے کے سامنے عمر رسیدہ عورت کے لہلوٹ ہونے کا ذکر کرتی ہے تو وہ اسے ''ایک عیاش اور بدراہبہ کہتا ہے اور اسے ضرر رساں عورت کہتا اور بدعنوان روح'' اور سوزآنے کو منع کرتا ہے کہ وہ اس کے ساتھ دوبارہ تنہا نہ ہو۔ چونکہ وہ اس کی وضاحت کرنے سے انکار کر دیتا ہے کہ اس میں کیا خطرات مضمر ہیں اس لئے سوزآنے اس مشورے کو یہ کہہ کر مسترد کر دیتی ہے کہ یہ بہت سنگدلانہ ہیں۔ اس سب کے باوجود وہ سپیریر کو دوبارہ تنہائی میں ملنے سے انکار کر دیتی ہے۔ جس پر دوسری احتجاج کرتی ہے اور کہتی ہے ''میں جتنی عزت اور محبت دوسروں سے زیادہ کرتی ہوں۔ یہی

میرا جرم ہے۔'' سوزانؔ کی رفاقت سے محروم ہوکر وہ نیم دیوانے پن والی عشقیہ بیماری میں مبتلا ہوجاتی ہے، اور جب سوزانؔ یہ سنتی ہے کہ راتوں میں وہ راہداریوں میں ''دلفگار آہ و بکا'' کررہی ہے اور ''اس کی حالت ترس کھانے والی ہے'' تو عمر رسیدہ عورت چڑچڑی اور خلوت نشین ہوجاتی ہے اور متقی بن جاتی ہے اس کے بعد مغلوب الغضب ہوجاتی ہے کیونکہ اس کا رنج ایک احساس جرم پیدا کردیتا ہے اور شرمندگی کا اچانک دورہ پڑنے پر وہ خود کو تازیانے لگاتی ہے اور دیگر راہبات سے التجا کرتی ہے کہ'' مجھے اپنی ایڑیوں کے نیچے کچل ڈالو۔''

ایک اور اعتراف کرنے والا ڈوم موریؔل اس بات کا سوزانؔ سے اعتراف کرتا ہے کہ اس کا کسی بھی مذہبی منسک میں جی نہیں لگتا۔ اپنے پیش رو کی طرح وہ بھی عمر رسیدہ عورت کے معاملے میں متنبہ کرتا ہے لیکن وہ بھی وضاحت کرنے سے انکار کردیتا ہے۔ یہ ایک ایسی چیز ہے جسے ''زہریلا علم'' کہا جاسکتا ہے۔ اس آنا کانی سے غیر مطمئن ہوکر سوزانؔ صاف صاف پوچھتی ہے ''یہ کیونکر ممکن ہے کہ کسی عورت کا دوسرے عورت کے لئے اظہار الفت اور بغل گیری ایک خطرناک شئے ہوسکتی ہے۔۔۔؟ ایک دوسرے سے محبت کرنے میں کیا برائی ہے، ایسا کہنے میں اور اس کے اظہار میں؟ یہ تو بہت پرلطف ہوتا ہے۔'' لیکن جب وہ سپیریرؔ کو موریؔل سے یہ کہتے ہوئے سن لیتی ہے اور وہ بھی بدشگونی کے لہجے میں ''فادر مجھ پر لعنت ہو'' وہ دہشت زدہ ہوجاتی ہے اور ایک برگشتگی محسوس کرتی ہے۔ سپیریر بیمار پڑ جاتی ہے، ہذیانی کیفیت ہوجاتی ہے اس کو یہ نظر آنے لگتا ہے جیسے'' قہر نازل کرنے کے لئے فرشتے اتر رہے ہوں۔'' تاکہ اسے کھینچتے ہوئے جہنم لے جائیں اور یہ بڑبڑاتے ہوئے مرجاتی ہے ''میرا سب کچھ ڈوب گیا۔۔۔! اسے بتادو کہ میں اس سے محبت کرتی ہوں'' سوزانؔ اس پر خانقاہ سے ڈوم موزیؔل کے ساتھ فرار ہوجاتی ہے اور وہی اس کا نجات دہندہ اس کی آبرو ریزی کرتا ہے۔ وہ پیرس میں مرجاتی ہے۔ اسی ستم رسیدہ اور غلیظ حالت میں بے یار و مددگار اور افسردہ۔

ڈیڈروٹؔ کی کہانی جس کی نفسیاتی نزاکت سیمول رچرڈسنؔ کی ممنون ہے جس کا ڈیڈروٹ بہت مداح تھا جو بہت مستغرق کرنے والی اور بے چین کرنے والی ہے۔ فیلڈنگؔ

کی واضح مذمت کے برعکس اس کی کہانی بدحواس کردینے والی غیر یقینیوں کی باعث ہیں اور جوحل نہیں ہو پاتیں۔ علاوہ ازیں اس کی طباعت اور اشاعت ۱۷۹۶ء تک ممکن نہ ہوسکی یعنی مصنف کی موت کے دس برس بعد تک۔ ڈیڈروٹ کی تحریروں کے مدیر نے یہ تجویز دی کہ ''سپیریر کے غصہ دلانے والے عشق کو حذف کردیا جائے جو اس کی دانست میں بدچلن لوگوں کو بھی ''سرد اور بے معنی'' لگے گا۔ اور ایمان دار عورتوں کو ''باغیانہ اور نا قابل فہم'' باربون بحالی کے زمانے میں اس ناول پر دو مرتبہ پابندی عاید کی گئی۔ وکٹوریہ کے عہد کا ایک فرد لارڈ مورلے ۱۸۷۸ء میں لکھتا ہے اور چپٹی بازی پر تبصرہ کرتا ہے ''یہ نہایت خوفناک ہے، یہ آپ کے دل میں ہیبت طاری کردیتا ہے، یہ آپ پر کئی راتوں اور دنوں تک آسیب کی طرح مسلط رہتا ہے یہ سمجھئے جیسے یہ آپ کے حافظے پر نہ مٹنے والا داغ ہو۔''

ان دنوں فرانسیسی اور امریکی ناقدین لار یلجیئس کے معاملے میں گہرے اختلافات رکھتے ہیں۔ ماریا جو بونٹ ایک جستجو یانہ تنقید میں اس ناول کو ''ایک حسین ترین تصویر کہتا ہے جو مردانہ ادب کے سمندر میں ایک عورت دوسری سے عشق کرتی ہے۔'' لالایان فاڈرمین اس کے برعکس ڈیڈروٹ کے چپٹی بازی کے بیان کو ''عیب دار اور امراضیات سے متعلق'' کہتا ہے۔ ناگزیر یہ ہے کہ ہم تسلیم کرلیں کہ ڈیڈروٹ کا یہ انتخاب کہ اس نے کسی سادہ لوح راوی کا انتخاب کرلیا جو کہانی کے خاتمے کے وقت بھی اچھی طرح نہ سمجھ سکا کہ چپٹی بازی کیا چیز ہے اس لئے وہ اپنا نکتہ نظر بھی بیان کرنے میں دشواری محسوس کرتا ہے۔ اس کے باوجود ہمیں تو یہ لگتا ہے جیسے دونوں حکم انتہا پسندی والے ہیں۔ مدر سپیریر لگتا ہے بڑی تکلیف میں تھی اور ایسی شخصیت تھی کہ اس کی محبت کی کہانی کو یہ کہا جائے ''خوبصورت'' جب کہ دوسری جانب وہ کوئی مفسد اور بدکردار تھی جو یہ سازش کرتی ہے کہ لوگوں کو دام میں لانے کے لئے اپنے شکار کو دھوکہ یا دھمکی دیتی ہے۔ محبت میں مایوس ہوکر اور دینی خوف کے دباؤ میں آ کر وہ تو یوں لگتا ہے جیسے ایک کم بری عورت ہے اس کے بجائے وہ ایک کمزور اور قابل رحم ہے جو جذباتی تلاطم میں پڑ کر خود کو تباہ کرلیتی ہے۔ بات عیاں ہے ڈیڈروٹ کا ناول یہ دکھاتا ہے کہ وہ کس آسانی سے یہ دکھا سکتا ہے اور تصور میں لاسکتا ہے کہ عورتیں کس طرح دوسری عورتوں کی محبت میں گرفتار ہوجاتی ہیں۔ آیا وہ جانتا تھا کہ ایسی محبت کا ہمیشہ انجام شکست

اور المیے کی صورت میں نکلتا ہے۔ ہمیں تو نہیں معلوم۔

۱۷۷۰ء میں ڈیڈروٹ کو جب 'دی نن' لکھے ہوئے ایک دہائی گزر چکی تھی ان دنوں میں چپٹی بازی (یاسیفو ویت) پیرس کی سماجی زندگی میں ایک تسلیم شدہ مظہر بن چکا تھا اور اپنا نام صیغہ راز میں رکھ کر صحافی اس صورتحال کا استحصال کر رہے تھے اس زمانے تک لاتعداد گمنام جریدے اس طرح گردش کرتے کہ حکومت کی گرفت میں نہ آنے پائیں۔ ان سب میں سب سے زیادہ بااثر باکامونٹ کا 'میموایرز سیکرٹ' تھا۔ ماوفل ڈاانگریول اور پڑساناٹ ماریوبرٹ سنسر سے بچا کر سیاسی، ادبی اور تھیٹروں میں ہونے والی گپ شپ شامل کر دیتے۔ جولائی ۱۷۷۴ء میں اس میں طبع ہوا کہ ''مساحقہ باز عورتوں کی بدی ان دنوں اوپیرا کی عورتوں میں بہت مقبول ہو رہی ہے: وہ اس میں کسی رمز سے بھی کام نہیں لیتیں اور اس فروگذاشت کو پرلطف مربیانہ انداز سے دیکھتی ہیں۔'' صوفیا آرناولڈ نام کی میمایرز جو اپنے عہد کی ممتاز گانے والی تھی اور جو گلوک کے اوپیرا میں افتتاحی تقاریب میں کامران سمجھی گئی اور کامیڈی فرانکیز کی فرانکوایز راوکورٹ ''جو اپنی ہم جنسوں کی دیوانی ہے اور مارکولیس ڈی بیویر سے التماس کر چکی ہے کہ وہ اسے مزید آزادی سے رہنے دے۔''

ایک اور نجی خبروں کا صفحہ جو 'کوریسپونڈینس لٹریری' کہلاتا جس کی ادارت ,گرم اور ڈیڈروٹ کرتے ہیں۔ ان کے مطابق سیفو ویت والے گروہ پیرس میں بہت منظّم ہیں اگر چہ ابھی تک وہ درپردہ سرگرم ہیں۔ جیسا کہ بیان کیا جاتا ہے کہ پیرس میں ایک سوسائٹی وجود رکھتی ہے جس کا نام لزبو (چپٹی کھیلنے والیوں) کا لاج ہے۔ لیکن ان کے اجتماعات فری میس والوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ پراسرار ہیں۔ وہاں پر وہ تمام رازوں پر سے پردہ اٹھ جاتا ہے جن کا جوونیل نے بڑی بے تکلفی اور سادگی سے اپنے ۱۶ ویں طنز میں بیان کیا ہے۔۔۔ یہ کہا جاتا ہے کہ ہماری معرکتہ الارا گلاتھی (راوکورٹ) اس معبد کی سب سے بڑی راہبہ ہے۔''

فرانکوایز راوکورٹ کا تخلص، اسٹیج کے لئے فرانکوریز۔ ماری۔ انٹوانیٹ ساوسیروٹ نے اختیار کیا تھا جس نے ۱۷۶۲ء میں سولہ سال کی عمر میں بطور ڈیڈو پہلی مرتبہ سنسنی خیز جلوہ گری کی تھی جو ایسا کھیل تھا جس نے لوگوں کو دیوانہ بنا دیا تھا۔ نقادوں نے اس کے حسن،

اس کی آواز اوراس کی اداکاری میں پائی جانے والی پختگی کے متعلق چلا چلا کر گلا بٹھالیا تھا۔ میلچو اریگرمؔ نے پیش گوئی کی کہ وہ فرانسیسی تھیٹر کی 'گواپرامورٹلؔ ، ثابت ہوگی۔ ایک ہم عصر ذریعے نے یہ بتایا کہ جب ''نوکروں کو بھیجا گیا کہ وہ نشستیں محفوظ کرآئیں تو انہیں اپنے فرایض ادا کرنے میں جان کی بازی لگانا پڑتی، متعدد تو بے ہوش ہوجانے پراٹھا کر لے جائے جاتے اور بیان کے مطابق ایک مر بھی گیا تھا۔ فرانکوایز کے مردعشاق کی جگہ عورتوں نے لے لی جن پر نوخیز اداکارہ اپنی دولت اڑاتی رہتی۔ دی کوریس پونڈنٹ کے بقول اس کا کہنا ہے کہ وہ اب یہ سمجھی ہے کہ عورتیں کس طرح بہت سے نوجوان مردوں کو تباہ کرچکی ہیں۔ دو یا تین گھروں کی مالکہ، کوئی درجن بھر گھوڑوں کا اصطبل، پندرہ ملازمین اور اپنی سالانہ تنخواہ سے سوگنا زیادہ مقروض، جب وہ بیس سال کی ہوئی تو دیوالیہ ہوگئی اور فرار ہوکر برسلز میں پناہ گیر ہونا پڑا۔ کسی ''دست شفقت'' نے اسے اس مصیبت سے نکالنے میں مدد کی مگراس کے اپنے تھیٹر کامیڈی کے ساتھیوں نے اس کا بائیکاٹ کردیا جنہوں نے اسے اپنے حلقے میں واپس لینے سے انکار کردیا۔ کیونکہ اداکارہ کے بداطوار اورخودسری کمپنی کی شایستگی سے متصادم تھے۔ لیکن میری آنٹوانٹؔ نے مداخلت کی بادشاہ کواس پرآمادہ کرلیا کہ وہ اس کی بحالی کی سفارش کردے۔ جب وہ دوبارہ بطور ڈیڈوؔ جلوہ گر ہوئی وہاں سرگوشیاں ہورہی تھیں تاہم (یادداشتوں کے مطابق) اس کے بے جاطرف داروں'' نے اس کا بڑے زورشور سے استقبال کیا اور ڈیموزل آرناولڈؔ نے دیگر چپٹی باز ساتھیوں سے مل کر ایک موسیقی کی تقریب اپنی نامور بہن کے لئے برپا کی۔''

۱۷۸۰ء میں ضرررساں ادب کا ایک ایسا طوفان آ گیا جو جابرانہ نظام اور روایتی اخلاقیات کا مضحکہ اڑاتا تھا۔ آزادروی کے ادباء فلسفے سے منہ موڑ کر پھکڑ پن پر اتر آئے، نظریات سے ہٹ کر منظوم بزلہ سنجی پر۔ خوبیوں کے متعلق گفتگو چھوڑ کر اس پر بات چیت شروع ہوگئی جسے بدی کہتے ہیں۔ ۱۷۷۷ء میں ایک فرمان 'لٹرڈی چاٹےؔ کے مطابق جیل میں ڈالے جانے کے بعد اٹھائیس سالہ میرابوؔ جو پہلے ہی کئی عریاں اورفحش ناول لکھ چکا تھا خود کو ایسی جگہ پانے لگا کہ اس نے ایک اریٹیکا ببلیان ترتیب دی جو—— بذریعہ افلاطون—— پہنچی مگرنہایت تعجب خیز نتائج کے ساتھ۔ 'لیکن ایسی عورتیں بھی ہوتی ہیں جو

دوسری عورتوں کو چاہتی ہیں۔' ایک مرتبہ پھر سے اس سے بڑھ کر کوئی شے بھی فطری نہیں ہوسکتی۔ یہ تو ان کی نصف ہیں جو پہلے عورتیں تھیں اور دگنی تھیں۔ اسی طرح مرد چند مرد جو دوسرے مردوں کے دگنے تھے ان میں اپنی ہی جنس والوں کے لئے مخصوص ذوق رہ جاتا ہے۔ اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔۔۔ دیکھیے کہ ہمارے علم کی وسعت کس حد تک ہماری رواداری کی حدود کو متاثر کرتی ہے۔ میری آرزو ہے کہ یہ خیالات اخلاقی مبلغین کے دلوں میں کوئی ولولہ پیدا کرسکیں۔

میرآبو کے مبنی بر خودسری والے مقالے ۱۷۸۳ء میں شایع ہوئے یہ وہ زمانہ آچکا تھا کہ چپٹی کھیلنے والیوں کو آگ میں جلائے جانے کا خوف نہیں رہا تھا نہ پھندے کا اور نہ ہی کوڑوں کا۔ قانونی گرفت کا زمانہ گزر چکا تھا۔ ایک سال کے بعد میمایرز نے یہ اعلان کردیا کہ ''مساحقہ بازی اسی طرح عورتوں میں ہمیشہ سے مقبول چلی آرہی ہے جیسے اغلام بازی مردوں میں، لیکن اول الذکر نے جس طرح ان دنوں اس بدی پر اترانا شروع کیا ہے اور رسوائی اور بدنامی حاصل کی ہے وہ کبھی نہیں ہوا۔ چونکہ اول الذکر کو قوانین کے ذریعے سزا نہیں دی گئی اس پر کم ہی حیرانی ہونا چاہیئے۔ جس کے نتیجے میں ہماری حسین ترین عورتیں خود کو اس کے سپرد کردیتی ہیں۔ اس میں اعلیٰ شہرت پاتی ہیں اور اسے وجہ افتخار بنالیتی ہیں۔'' ہمارے صحافی اب اس پر بہ عجلت تیار ہوجاتے ہیں کہ اس رسوائی کو چٹخارے دار بنائیں بجائے اس کے کہ ناراضی ظاہر کریں۔ چند لوگ ضرور ایسے ہیں جو سیفو ویت کی مذمت کرتے ہیں اور اسے دنیا کا ''اتنا ہی گھناؤنا'' مذاق اور متعدی قسم کی دیوانگی کہتے ہیں۔ لیکن ایسی زبان دقیانوسی لگنے لگی تھی۔

راوکورٹ کو یہ کہہ کر سلامی دی گئی کہ ''ہماری جدید چپٹی کھیلنے والیوں میں سب سے زیادہ مشہور'' اور کورسپونڈ ینس لٹریر نے تبصرہ کیا تھا۔ قدرے تاخیر سے مصلحت اور احتیاط سیکھ لینے کے بعد المیوں کو اس عظیم ملکہ نے بالآخر اپنے ساتھ کام کرنے والوں کی دلدہی کی اور اپنی مقبولیت پھر سے حاصل کرلی۔ اگلی معاندت جس کا اسے سامنا کرنا پڑا وہ سیاسی تھی نہ کہ اخلاقی۔ اسے ۱۷۹۳ء میں شاہ پسند کے طور پر جیل کی ہوا کھانا پڑی۔ وہ گلوٹین کے نیچے جانے سے تو اس طرح بچ گئی کہ اس کے کسی ہمدرد کلرک نے اس کی مسل ضایع کردی

جس پر موٹا موٹا حرف جی لکھا ہوا تھا۔ نپولین جو اس کا گرم جوش مداح تھا اس نے اس کی خطیر پنشن مقرر کردی اور اسے ایک فرانسیسی طایفے کا سربراہ بنا کر اٹلی بھیج دیا تا کہ وہاں کے لوگوں کی آنکھوں کو خیرہ کرے۔ بعد میں جب وہ پیرس میں اسٹیج پر جلوہ گر ہوئی تو اسے بڑی کامیابی ملی۔

جن دنوں وہ جیل میں تھی تو راوکورٹ کی ایک پرمزاح اور دلکش جوان عورت سے ملاقات ہوگئی جس کا نام میری۔ ہنریٹ سیمونوٹ۔ پونٹی تھا جس کے ساتھ اس کا تعلق دائمی ہوگیا اور گھر اور ملک میں یکجائی رہی۔ جب ان دونوں میں علیحدگی ہوئی تو راوکورٹ نے اپنی دوگانا کو بڑے جذبے میں خط لکھا اور اسے یقین دلایا ''میرے وجود کے لئے تمہاری ذات اتنی اہم ہے کہ تم سے دور ہوکر میں کچھ نہیں رہتی سوائے ایک سائے کے''—— ''میں تم سے آخری دن تک محبت کروں گی۔'' بلاشبہ پونٹی اس کے پاس تھی جب اس کا ۱۸۱۵ء میں انتقال ہوا۔ راوکورٹ کی موت بھی ایک ہنگامے کا سبب بن گئی۔ جب اس کے پادری نے تدفینی رسوم ادا کرنے سے انکار کردیا تو ایک ہجوم نے جس کا تخمینہ کوئی ۱۵۰۰۰ لگایا گیا اس نے دھمکی دی کہ ہم گرجا کا دروازہ توڑ کر پادری کو کھمبے پر پھانسی دے دیں گے۔ تو بلوہ فرد کرنے کی غرض سے لوئیس۔ ہژدہم نے اپنے محل سے ایک پادری بھیجا تا کہ کارروائی انجام پائے۔

بدنصیب ملکہ:

ایک اور عورت جس کا تعلق فرانسیسی عوام سے تھا اور جو سیفو ویت سے منسلک تھی اس کا انجام کہیں زیادہ اندوہناک ہوا۔ اٹھارہویں صدی کے وسط میں اور آخری دہایوں میں فرانسیسی بادشاہت پر زبردست حملہ ہوا اور فحش پمفلٹوں کا ایک طوفان آگیا جس کا مقصد اس کے وقار اور اختیار کو کھوکھلا بنانا تھا۔ یہ فحش اشاعتیں شروع میں تو لوئیس پانزدھم کے ہرجائی پن کو طشت ازبام کرتی رہیں جن میں اس کی لاتعداد داشتائیں تھیں یا پھر بدنام ڈیر پارک۔ جب ماریا انٹونیاٹ نے غیر مقبولیت میں اپنے ددیا سسر کی جگہ سنبھالی تو انہوں

نے اپنی توجہ کا مرکز نوعمر ملکہ کے جنسی آسنوں کو بنالیا۔ جس کے تانبے کی رکابیوں پر ایسی منقوش تصاویر بنائی گئیں جن میں ملکہ کے مبینہ مرغوب عورتوں کے ساتھ جنسی سبھاؤ دکھائے جاتے۔ ٹیری کاسل نے ان شہوت انگیز مناظر کے حملوں کا خلاصہ بیان کیا ہے۔

ایسے چند سال جو انقلاب سے پہلے گزرے۔ شاہ دشمن لوگوں نے اپنے پروپیگنڈا میں ان الزامات (چپٹی بازی) کی وضاحت کی جس کے لئے انہوں نے لاتعداد خفیہ طور پر چھپنے والے فحش پھبتی بازوں سے مدد لی جنہیں اس طرح مرتب کیا جاتا جس سے عوامی جذبات کو ملکہ کے خلاف بھڑکایا جاتا۔ اشتہار (۱۷۷۹ء) میں اور اشتہار (۱۷۸۱ء) میں مثال کے طور پر ملکہ پر یہ الزام لگایا گیا کہ وہ ''طبق زنی'' کی بدی اپنے ساتھ آسٹریا سے فرانس میں لائی اور اس نے کومٹس ڈی پولگناک سے اور مام بالبی سے معاملے کیئے۔ اور گالی گلوچ والے، اشتہار (۱۷۷۹ء) میں اسے مجرمانہ انداز میں شہزادی ڈی لامبا سے بغل گیر ہوتے دکھایا۔ اور ایک انتہائی فحش لاگوڈ میکیبل رایل (۱۷۸۹ء) میں اسے دکھایا گیا کہ وہ اپنی دوگانا کے اندر صبور اٹھونس رہی تھی (جو پولگناک یا لامبالی تھی) یہ سب کچھ اس نے اپنے شوہر کی نامردی کے متعلق بتانے کے بعد کیا—— اسی خیال کو اتنے ہی رسوا کن پمفلٹ میں دکھایا گیا (۱۷۹۱ء)۔

پہلے تین پمفلٹ تو انقلاب سے کوئی دس برس پہلے کے ہیں۔ ۱۷۷۵ء میں ماری اینٹونیٹ جب وہ محض بیس برس کی تھی اور ملکہ بنے ہوئے صرف ایک سال ہوا تھا۔ اپنی ماں کو لکھتی ہے جو ویانا میں شہنشاہ کی اہلیہ تھی اور اس کا نام ماریا تھیریسا تھا۔ ''یہاں سب اتنے روشن خیال واقع ہوئے ہیں کہ مجھ پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ میں اتنی خوش مذاق ہوں کہ عورتوں اور عشاق کا مزہ چکھتی ہوں۔'' ملکہ جو عوامی خیالات کو بہ نظر حقارت دیکھتی تھی اس نے اس کو کوئی اہمیت نہ دی مگر ملکہ عالیہ ان الزامات کو سن کر ہیبت زدہ رہ گئی ایک سال بعد ممایرز سیکرٹس نے اس معاندانہ مہم کو اہم جانا اور چند ''قابل نفرت مصرعوں'' کو ''مجرمانہ انداز میں ملکہ اور شہزادی میڈم لامبالا کے درمیان پائی جانے والی دوستی کے غلط معنی پہنادیے۔''
اس غلاظت کے گٹھر نے کہاں پہنچادیا۔ اس کا پہلا منبع جو غیر مطمئن درباریوں کا تھا

جو اس سخاوت سے حسد کرتے تھے جو ملکہ دونوں دوست عورتوں پر ارزانی کرتی رہتی تھی۔ شہزادی ڈی لامبالا ان چند فرانسیسی عورتوں میں سے ایک تھی جو ماری انٹونیٹ پر جان چھڑکتی تھیں جب کہ وہ جب ڈاوفن کی دلہن بن کر آئی تھی تو صرف چودہ برس کی تھی۔ دلکش شاہانہ سنہرے بال اور نیلگوں آنکھیں جب کہ جوان شہزادی اپنے عیاش طبع شوہر کی موت کے وقت اٹھارہ برس کی تھی یوں وہ ماری انٹونیٹ کی تاحیات بااعتماد دوست بن گئی اور شاہی امور خانہ کی افسر جو ایک نفع بخش عہدہ تھا۔ اس سے بھی زیادہ خطرناک پہاڑی کوئے جیسے بالوں والی کومٹس ڈی پولگناک تھی۔ ۱۷۷۵ء میں اس فرشتہ صورت حسینہ سے اتفاقی ملاقات پر حساس نوجوان ملکہ کو وہ تجربہ ہوا جو ''گرما گرم محبت میں گرفتاری'' کہلایا۔ لیکن کومٹس کے کرگسی رشتے دار جو قدیم شرافت کو فراموش کر چکے تھے وہ جارحیت پر اتر آئے اور واہی تباہی باتیں پھیلانے لگے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ فرانسیسی ریاست کو کومٹس کی ذات سے جو نقصان پہنچا وہ مام ڈی پومپاڈور سے بھی نہ پہنچا جو لوئیس۔ پانز دہم کی داشتہ تھی۔

اس جلتی پر تیل کا کام اس وقت ہوا جب ملکہ صوفیا آرنلڈ کی اوپیرا میں اور فرانکوایز راوکورٹ جو کومیڈی فرانکیز میں تھی ان کی سرپرست بنی۔ جلد ہی ماری انٹونیٹ کے عشقیہ معاملات بین الاقوامی مظہر بن چکے تھے۔ موسم بہار ۱۷۸۹ء میں اس کی چھپٹی بازی کا میلان اس حد تک لوگوں کے دل میں اتر گیا کہ جیسا کہ ہم دیکھ آئے ہیں مسز تھریل نے یہ بیان کیا کہ ''فرانس کی ملکہ ان عفریتوں کی سرغنہ ہوگئی ہے جو ایک دوسری کو سیفی نہاد کہتی ہیں۔'' تاہم یہ ایک بے سروپا الزام تھا تین یا چار عورتیں اس کی منہ چڑھی تھیں۔ لیکن ایسا کوئی باضابطہ حلقہ دربار میں نہ تھا جیسا کہ ان دنوں پیرس کے تھیٹروں کے حلقوں میں تھا۔

کیا ان افواہوں میں کوئی صداقت بھی تھی۔ ملکہ کے دربار کے دشمن اور بعد میں انقلابیوں کے درمیان لوگ ملکہ کی بدچلنی کے قایل تھے۔ بوربون کی ۱۸۱۵ء میں بحالی کے بعد ملکہ کے حامی جو اسے ایک صوفیہ اور شہید مانتے تھے انہوں نے بڑی برہمی میں ''رسوائے زمانہ الزامات'' کو مسترد کر ڈالا اور اس کے جدید سوانح نگاروں نے بھی اسی طرح ان سب کو خود ساختہ سمجھا ہے۔ سٹیفن زویگ ۱۹۳۲ء میں لکھتے ہوئے اپنے قاریوں کو یاد دہانی کراتا ہے کہ لوئیس کوئی سات برس تک شاہی شادی کی ازدواج کی مجامعت کے ذریعے تکمیل میں

کوشاں رہا۔مگر نا کام رہا۔اس کے خیال میں ملکہ ''اس دوراہے پر بلاارادہ ایک عورت کی دوستی کی طرف ملتفت ہوگئی۔'' لیکن آخر میں زویگ اس پر مایل نظر آتا ہے کہ ان وابستگیوں کو اسکول جانے والی لڑکی کا سرسری لگاؤ کہے۔ ابھی حال میں جون ہاسلپ (۱۹۸۷ء) نے زویگ سے ہم خیالی ظاہر کی ہے۔اس سب کے باوجود ماری انٹو انیٹ تمام چپٹی بازوں میں ایک موثر علامت رہی جو ایک ہی جنس والیوں کے دل میں محبت پیدا کرتی ہے۔۱۸۲۵ء میں زنانہ ہم جنس پرستی کی وقایع نگار اینے لسٹر جب ملکہ کے قید خانے کو دیکھنے اپنی دوگانا کے ہمراہ کنسیجری گئی جس نے ملکہ کا نام وہاں سے اس لئے مٹا دیا تھا تا کہ اس سے کہیں ملکہ کی جنسی دلچسپیاں نہ فاش ہوجائیں جب ان کی پہلی ملاقات ہوئی تھی۔

اس کے بدگولوگوں کو چاہیے جو بھی خیالات ہوں لیکن ملکہ کی غیر مقبولیت میں کوئی کلام نہیں۔ جو حسین ، اوچھی اور روپیہ پانی کی طرح بہانے والی، جس میں سیاسی معلومات نہ ہونے کے برابر، معاملہ فہمی اور دانش ناپید، میری انٹونیٹ ایک دھوکے باز غیر ملکی سمجھی جاتی جو اپنے آسٹروی اعزا کی دلچسپیوں کی محافظت کرتی اور کسی بھی قسم کی اقتصادی یا سیاسی اصلاح کی مخالفت کرتی ۱۷۸۹ء کے بعد اس نفرت میں مزید اضافہ ہوا اور اساس پسند اخبارات نے اس کی ایسی تصویر کشی کی جیسے وہ جدید مسیلینا یا فریڈی گنڈ ہو۔نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ اس کے دوست اور وابستگان، انقلاب کے دوران میں عوامی نفرت کا خصوصی نشانہ بنے۔

یہ خصومت ایک ڈرآونے واقعے کوجنم دینے کا سبب بنی جب ۱۷۹۲ء کے ستمبر قتل عام کے ابتدائی گھنٹے تھے۔شہزادی ڈی لامبالا نہایت وفاداری سے پیرس لوٹ چکی تھی تا کہ اپنی مالکن کے نزدیک رہے اگر چہ ملکہ کی فرمایش یہی تھی کہ وہ اپنی سلامتی کی فکر کرے۔ وہ اشرافیہ کی پہلی فرد تھی جو دہشت کا شکار ہوئی۔ستمبر کی ۳ کو ایک مخمور ہجوم پروٹسٹنٹ معبد میں پھاٹک توڑتا ہوا کھلے صحن میں گھس آیا جہاں پر معزول بادشاہ اور ملکہ اسیر تھے وہ ایک ننگے دھڑ کو ٹانگوں سے پکڑ کر کھینچ رہے تھے جس کے تناسلی اعضا چند مشاہدین کے مطابق بری طرح مسخ ہو چکے تھے۔ایک شخص نے ماری ڈالامبلا کا قلم کیا ہوا سر ایک بلّم پر لہرایا۔ان کی

خواہش یہ تھی جیسا کہ وہ بیان کررہے تھے کہ وہ ملکہ کو مجبور کریں کہ وہ اپنی آشنا کے ہونٹ چوم لے۔ خوش قسمتی سے محافظوں کا کماندار اس وحشی ہجوم کا رخ موڑ کر پالیس رایل کی جانب لے گیا۔ جب ملکہ کو معلوم ہوا کہ وہاں کیا ہورہا تھا تو وہ بے ہوش ہوگئی زندگی میں پہلی مرتبہ جیسا کہ اس کی بیٹی نے بعد میں دعوی کیا کہ اس نے اپنی ماں کو کسی سخت مصیبت میں حواس کھوتے ہوئے دیکھا۔

جیکس رینے ہیبرٹ جو جیکوبین میں سب سے زیادہ خونخوار تھا اس نے شہزادی کی علانیہ ملامت کی اور وہ بھی اپنے گٹر پرچے 'پیرے ڈوچیز نے' میں 'کہ یہ ملکہ کی دوگانا تھی'' بیلے کی نمایاں رقاصہ جوٹریانون کی بدمست تھی۔'' جولیس مچلٹ اپنی تاریخی ہسٹری ڈی لاریولیوشن فرانسیز (۱۸۵۰ء) میں یہ کہتا ہے کہ ان دلگرفتہ الجھنوں کی جوان افواہوں سے متعلق ہیں ''اس کی موت کی شاید یہی اہم وجوہ ہوں گی۔'' اور یہ بھی کہ قاتلوں نے اس کو برہنہ کردیا ''اس امید میں کہ انہیں اس کے جسم پر کوئی ایسا نشان مل جائے گا جس سے ان کے خیالات کی تصدیق ہوجائے گی۔'' ان میں سے چند ایک تفصیلات کو اب اہمیت نہیں دی جاتی کہ تاریخی طور پر یہ روایتی قصے کے تانے بانے ہیں۔ لیکن یہ تصور کرنا کتنا دشوار ہے کہ دھونی زدہ، ہجوم جو تشدد کرکے خوش ہورہا تھا اس کا کوئی ایک مقصد نہ تھا یعنی ''چپٹی کھیلنے والیوں کا دھڑن تختہ۔''

ایک سال کے بعد ماری انٹونیٹ عدالت کے کٹھرے میں کھڑی تھی الزام تھا کہ وہ انقلاب کی دشمن تھی۔ اس مقدمے کا فیصلہ پہلے سے طے تھا۔ دہشت کا دوسرا دور پورے زوروں پر تھا۔ ایک تفصیلی فرد جرم کو وکیل استغاثہ نے تیار کیا جس کا نام فاوقیر۔تن ول تھا۔ یہ الزام لگاتے ہوئے کہ اس نے فرانس کے دشمنوں سے ساز باز کی تاکہ انقلابی افواج کو شکست ہو، اس کے علاوہ ملکہ نے ایک سنسنی خیز جنسی الزام کا بھی سامنا کیا۔ مقدمے کے دوران میں ہیبرٹ نے ایک خط عدالت میں پیش کیا جو ملکہ کے صیادوں نے اس کے آٹھ سالہ بیٹے سے حاصل کیا تھا اور جس میں الزام لگایا گیا تھا کہ اس کی ماں اس سے ناشایستہ حرکتیں کرتی تھی۔ لیکن اس الزام کا ایک خلاف توقع نتیجہ نکلا اور ایک ایسا ردعمل ظاہر ہوا جو ملکہ کے حق میں جارہا تھا۔ یعنی جب اس نے عدالت میں موجود عورتوں سے درخواست کی

اور الزام کی بڑی برہمی میں تردید کی۔ اس کے بعد وہ توقع کرسکتی تھی کہ اس کے خلاف چیپٹی بازی کا الزام لگ سکتا ہے۔ لیکن اس موڑ پر مقدمے نے ایک بے ڈھنگا سا موڑ لیا، کیونکہ فاوقیر۔تن ولؔ نے بجائے اس کے کہ الزام تراشی والے پمفلٹوں کے ظاہری معنی لیتا ایک عجیب وغریب نظریہ پیش کردیا کہ ملکہ نے خود ہی ''دروغ گوئی کو راہ دی ہے اور مکاری سے کام لے کر اور فریب دہی سے ایسے اشتہار چھپوائے اور تقسیم کرائے۔۔۔ جن میں اس کی ذات کو ناقابل قبول روشنی میں دکھایا گیا۔۔۔ تاکہ اس کے اطراف میں ایسی بو پھیل جائے جس سے غیر ملکی طاقتیں یہ سمجھ لیں کہ فرانسیسی لوگ اسے بری طرح ملوث کررہے ہیں۔''
شاید فاوقیرتن ولؔ کو یہ اندیشہ گھیرے تھا کہ اس بڑے پیمانے پر الزام تراشی کا انبار کہیں حکومتی مقدمے کو کھوکھلا نہ کردے۔ اگلے دن اکتوبر کی ۱۶، ۱۷۹۳ء کو جلاد نے ملکہ کا قلم کیا ہوا سر پلیس ڈی لا ریوولوشن میں ہجوم کے سامنے لہرایا۔ مادام ڈی پولگناکؔ جو دہشت کے ہاتھوں سے بچ کر فرار ہوگئی تھی سال بھر بعد ویانا میں انتقال کرگئی۔

باب:١٦

روشن خیالی

١٧٣٠ء۔۔۔١٨١٠ء

مانٹسکیو اور بکیریا:

اٹھارہویں صدی کی دوسری تہائی میں فرانس ۔ ایک دانشورانہ ہلچل سے دوچار ہوا جس نے بعد میں سیاسی، قانونی اور اخلاقی میدان میں اساسی تبدیلیاں پیدا کیں۔ مانٹسکیو اور والٹیر جب برطانیہ کے دورے سے لوٹے تو برطانیہ میں پائی جانے والی سیاسی اور مذہبی آزادی کی قصیدہ خوانی کرنے لگے۔ یکے بعد دیگر قدیم نظریات پر سوالات کبھی ایک مصنف اٹھاتا کبھی کوئی دوسرا اگر چہ ریاستی سنسر شپ تھا اور باسٹیل جیل کا خطرہ بھی موجود رہتا۔ ایک مستبدہ کلیسا جس نے مذہب کی اہانت کرنے والوں کی زبان تالو سے کھینچ رکھی تھی، وہ اداکار اور اداکاراؤں کی لاشوں کو چونے کے ڈھیروں اور نجس علاقوں میں پھینک دیتے اور شکستہ حال پروٹسٹنٹ ''بدعتیوں'' کو گاڑیوں پر اور قیاس کرنے والی کتابوں کو جو سائنس اور فلسفے کی کتابیں تھیں اب نشانہ بن رہی تھیں جو اہل تشکیک ان دنوں نامعلوم مصنف کے نام سے آزاد خیال مراکز مثلاً ایمسٹرڈم اور جینیوا سے شایع کرارہے تھے۔ یہ لوگ ''فلاسفہ'' کہلاتے لیکن وہ لوگ کلاسیکل علمی پیمانوں میں فلسفی نہ تھے، بلکہ وہ عقلیت پسند تھے جو جسارت کرتے اور روایتی مذہب، سیاسی اور اخلاقی معاملات کو ناقدانہ چھان بین کا نشانہ بناتے وہ بھی سائنس، تاریخ اور دلیل کے تناظر میں۔

ان میں بہت سے موحد تھے اور یہ بھی کہ جیسے جیسے صدی بڑھنے لگی خدا کے وجود کے

مفکر بھی شامل ہونے لگے جو تمام اثاثی مسیحی شرعی اور اخلاقی قواعد کو للکارنے لگے۔ ان میں سے ایک شمشیر برہنہ جین باپٹسٹ ڈی بویر دوسرا مارکویس ڈی آرگنس تھا جو ایک ریٹائرڈ فوجی افسر تھا اور بعد میں فریڈرک دی گریٹ کے دربار میں چھوٹا موٹا ممتاز شخصیت بن گیا۔ ڈی آرگنس نے ۱۷۳۶ء میں بین الاقوامی شہرت پائی جو اس کے 'لیٹرز جووایز' کی دین تھی ایک دکھاوے والی رپورٹ جو دو یہودی تاجروں نے قاہرہ میں ایک ربی کو دی تھیں۔ کتاب میں کلیسا مخالف خیالات کو شامل کیا گیا تھا لیکن اس کا بڑا حملہ یہ تھا ''یہ بھٹکی ہوئی نیکی ہے جس سے ہماری قوم کو نیست و نابود کرنے کی کوشش کی جارہی ہے اور چند اہل کلیسائے نصرانی جنہیں بدعتی سمجھا جاتا ہے''، یہ کسی یہودی نے لکھا ہے ''جس کا پہلا مقصد حیلہ سازی تھا تاکہ کلیسائی عدالتیں بنائی جائیں۔''

> لیکن غبی ذہن کے لوگ یہ نہ سمجھ پائے کہ یہ اکلوتا معاملہ پھیل کر دوسروں کو بھی لپیٹ لے گا۔ کیونکہ جو بھی عمل ہو چاہے اچھا یا برا کسی طرح مذہب کو فایدہ نہیں پہنچاتا۔ یہودیت ہو یا بدعتی، کلیسائے نصرانی کے قوانین کی پیروی، حلوف، الوہیت کی عبادت کے خلاف جرایم، کثرت ازواج، اغلام بازی، گرجاؤں میں چوری، پادریوں اور راہبوں کی بے عزتی کرنا، جادوٹونا اور آخر میں کئی دیگر چیزیں جن کا تعلق کلیسائے نصرانی عقاید سے تھا۔ متعجب لوگوں نے بہت دیر سے محسوس کیا کہ انہوں نے راہبوں کو کتنی زیادہ قوت دے دی تھی۔ لیکن نہ ان میں طاقت تھی اور نہ ہی ہمت کہ اپنی مذکورہ مراعات کو منسوخ کردیں۔

عقل کے عہد میں کئی فلاسفہ کے لئے بائبل میں دیئے گئے کئی اخلاقی ضوابط بربریت کے مترادف تھے۔ اور عہد نامہ قدیم کا خدا کسی قبیلے کا دقیانوسی خدا جو یہودیوں کے دشمنوں کا بے رحم دشمن اور خود یہودیوں کا اس وقت دشمن ہوتا جب وہ اس کے وحشیانہ احکام کی نافرمانی کرتے۔ بات ناگزیر تھی، ہم جنس پرستوں سے سلوک —— جیسے ڈا آرگنس نے سرسری طریقے سے کلیسائی استبداد کی فہرست بنائی تھی —— وہ سب بھی سوال جواب کی زد میں آ گئے۔ صدی کے اختتام تک ایک بڑی اہمیت کا حامل ایک واقعہ ۱۷۹۱ء میں فرانسیسی قانون میں پیش آیا۔ جس میں صدیوں سے لونڈے بازوں کو ٹکٹکی پر

باندھنے کی سزا دی جاتی تھی اس میں یہ اصلاح کی گئی کہ اغلام بازی کے تعلقات جرم کے زمرے سے قطعاً خارج کردیے گئے۔

اس سب کے باوجود قانونی اصلاحات کی جانب پیش رفت بہ آہستگی ہورہی تھی اور کبھی تھم جاتی اور کبھی اگر قانونی عفریت سے بچاؤ کے لئے امداد آ بھی جاتی تو قدیم تعصّبات اسے جکڑ لیتے۔ اٹھارہویں صدی کے فرانسیسی سماج میں ہم جنس پرستوں کی حیثیت کو ہمیشہ سے ذیلی اہمیت کا حامل سمجھا جاتا تھا۔ اور کبھی بھی عوامی مباحثے کا مرکزی نقطہ نہ بنا جس کی ایک سادہ سی وجہ تھی یعنی ایک انقلابی عہد میں بہت سے دیگر مسایل نے مصلحین کی توجہ بٹائے رکھی اور ان کے منتشر حوالہ جات میں تبدیلی کی ضرورت ضمناً آتی رہتی مگر اس معاملے کی کھلم کھلا وکالت نہ ہوسکتی اس احتیاط کو اس صدی کے سب سے زیادہ موثر سیاسی مضمون میں دیکھا جاسکتا ہے۔ مانٹسکیو کی کتاب 'دی اسپرٹ آف لاز' (۱۷۴۸ء)۔ مانٹسکیو کی ضخیم لاجواب کتاب 'قوانین' روایات اور یورپ اور ایشیا کے سیاسی نظام، قدیم اور جدید جنہیں موازنے کی بنیاد پر ترتیب دیا گیا جس میں ہر قوم کے تمدن کو بے لاگ انداز میں جانچا گیا۔ کٹر پن اور اوہام پرستی کا سخت مخالف ہونے کے باوجود مانٹسکیو پھونک پھونک کر قدم بڑھاتا ہے اور وہ نتایج اخذ کرنے میں اوسط درجے کا آزاد خیال ثابت ہوا۔

اسی تصنیف کی بارہویں کتاب میں اس نے مختصر باب مسلمہ کلیسائی عقاید، جادو ٹونا کرنا اور بغاوت کرنا قایم کئے۔ مانٹسکیو نے صرف ایک صفحہ ''فطرت کے خلاف جرائم'' کے لئے مختص کیا۔ چونکہ مانٹسکیو جانتا تھا کہ اسے طاقتور مخالفانہ جذبات کو زیادہ جگہ دینا ہوگی اس سے پہلے کہ وہ نئے ایوانوں کو کھولے، وہ اس خواہش کا دعویٰ نہیں کرتا کہ اس طاری 'ہول' کو کم کردے جسے اغلام بازی پیدا کرتی ہے۔ اس کے باوجود وہ متنبہ کرتا ہے کہ اس ہول کو مستبد حکمراں بے جا طور پر استعمال کرکے خفیہ جرایم میں سزا یابی کے لئے مشکوک ذرایع بروئے کار لاسکتے ہیں۔ تب یہ لکھنے کے بعد یعنی جادوگری، مسلمہ کلیسائی احکام سے اختلاف اور اغلام بازی اب صرف یہی تین جرایم ہیں جن کی فرانس میں سزا جلا کردی جاتی ہے۔ مانٹسکیو اشارۃً اغلام بازی کو ان جرایم میں شامل کرتا ہے جو آج کل عام طور پر کلیسا سے منسوب اور قدیم سمجھے جاتے ہیں۔

آخر میں وہ اس کی تلاش شروع کر دیتا ہے کہ ہم جنس پرستی کے رویے کے سماجی اسباب کیا ہیں—— یہ اسباب نکلتے ہیں جو خانگی کے بجائے عام زندگی سے تعلق رکھتے ہیں—— اور اسے مختلف اثر و رسوخ ملتے ہیں وہ بھی مختلف حکومتوں میں اور مختلف اوقات میں، برہنہ اتھلیٹس قدیم یونان میں، عورتوں والا سماج جیسے ایشیا میں متعدد بیویوں والا یا پھر فرانس کی طرح جہاں نوجوان لڑکے ایسے اسکولوں میں جہاں ایک جنس کے بچے رکھے جاتے ہیں سب سے جدا کر کے رکھا جاتا ہے۔ وہ یہ موقف اختیار کرتا ہے کہ زیادہ اہم یہ ہے کہ سماجی ماحول کو بدلا جائے جس سے ممکن ہے ہم جنس پرستی کو فروغ ملنے کے بجائے اس کے کہ سزا دی جائے۔ مانٹسکیو اپنی بحث کو یہ کہہ کر ختم کرتا ہے کہ اسی کا موازنہ جسم فروشی کی عموی بدی سے کیا جاسکتا ہے۔ جس کا سدباب جلانے کے بجائے پولس کی نگہداشت بڑھا کر کیا جاسکتا ہے۔ اس کے ابتدائی انکار سے کہ وہ عوامی خدمات کو بدلنے کی کوشش نہیں کر رہا اس نے درحقیقت اغلام بازی کو مذہبی ہولناکی کے مرتبے سے گھٹا کر ایسا جرم بنا دیا جیسے یہ کوئی معمولی سماجی مسئلہ ہو۔

لیکن وہ بات زیادہ اہم ہے جو مانٹسکیو نہیں کہتا بجائے اس کے جو اس نے کہہ دی۔ اس کا مقالہ کہیں زیادہ اساسی ہے جب کہ اس نے بہت کچھ حذف بھی کر دیا ہے۔ وہ نہ تو سدومیت کا ذکر کرتا ہے اور نہ ہی احبار کا۔ یہ ایسے حوالے تھے جن کا فرانسیسی مقالوں میں ان دنوں عام طور سے ذکر کیا جاتا تھا۔ اس معاملے میں وہ بڑی حد تک مشہور انسایکلو پیڈیا سے بھی چند قدم آگے چلا گیا۔ یہ تاریخ ساز کام جس میں فلاسفہ نے یہ چاہا کہ عقل پسند تنقید کو نئی علمی تقسیم کے مطابق منضبط کر ڈالا جائے لیکن یہ اندارج کے وقت نہایت وحشیانہ طور پر روایت پسندانہ رہا جب ''سدوم'' کی باری آئی۔ اس جرم کا نام اس شہر سے مستعار لیا گیا جو آگ میں جل کر بھسم ہو گیا جو آسمان سے برسی تھی کیونکہ یہ پرملامت بے ضابطگی وہاں پر عام طور سے پائی جاتی تھی۔ الوہی عدالت نے اس جرم کی سزا موت مقرر کی تھی ان لوگوں کے خلاف جو خود کو ان جرایم میں لتھیڑ لیتے ہیں (احبار۔۲۰)۔ مانٹسکیو اس کے برعکس صرف ایک وجہ بیان کرتا ہے تاکہ مردانہ ہم جنس پرستی کی ہمت شکنی کی جاسکے۔ وہ بھی قطعاً دیوانی۔ یعنی مفعولی ہم جنس پرستی سے ممکن ہے مردوں میں زنانہ پن پیدا ہو جائے۔۔۔

مانٹسکیو میں پایا جانے والا تنقیدی تشکک دونوں صنفوں کے کردار پر محیط نہ ہو سکا۔

کیا مانٹسکیو واقعی ہم جنس پرستی کو ہولناک سمجھا تھا۔ اغلب امکان یہ ہے کہ ابتدا میں اس کا انکار کر دینا ایک تعزیراتی حیلہ لگتا ہے جیسے کوئی مصلح اپنے قاریوں کا ذہن بدلنے کی خاطر جو ایک نہایت دیرینہ معاملہ ہو۔ لیکن ایک اہم دشواری جو اسے اور اس کے عہد کے فلاسفہ کو پورے زور شور سے معاملے سے نمٹنے میں مانع تھی۔ وہ تھی ان میں جنسی معاملات میں واضح خیالات کی کمی اور رویہ۔ ایک تصور جو ہماری صدی میں نہایت اہم ثابت ہوا جس سے سماجی رویوں میں تبدیلی آ گئی ۔ مانٹسکیو کی نظر میں جنسی احتیاجات مالیع حیثیت رکھتی ہیں اس لئے اس نے نہایت دھڑلے سے ایسی پیش گوئی کر دی کہ ہمت شکنی کی غرض سے اگر اوسط درجے کی مساعی کی جائیں تو ایک ہی جنس کے درمیان ہونے والی محبت جلد ہی اعلی درجے کی پر جنسیہ محبت کی کشش کے سامنے کافور ہو جائے گی۔

تصنیف 'دی اسپرٹ آف لاز' کا یورپ اور امریکہ میں بہت گہرا اثر ہوا۔ اس میں دیے ہوئے خیالات ریاست ہائے متحدہ کے آئین تک میں بنیاد بنے۔ تاہم اس کی اصولی توجہ سیاست پر مرکوز تھی نہ کہ فوجداری قانون پر۔ کیونکہ قانونی اصلاحات کے لئے خلیاتی کتاب ایک اطالوی صاحب علم سسارا بیکاریا کی ہے۔ جو جرایم اور سزاؤں پر ہے اور ۱۷۶۱ء میں چھپی جب کہ اشرافیہ سے تعلق رکھنے والا نوجوان ابھی تیئس سال کا تھا اور یورپ میں بھونچال آ گیا۔ اس کی عظیم ترین کامیابی کا راز اس میں پنہاں تھا کہ وہی تنقیدی طریقہ جو فلاسفہ سائنس اور مذہب پر استعمال کرتے رہے ہیں اسے سلیقے سے مجرمانہ قانون پر بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔ ابتدائی جملے بیکاریا کے چند باقی ماندہ قوانین جو کسی شہنشاہ نے بارہ صدی پہلے قسطنطنیہ میں مرتب کرائے تھے جو بعد ازاں لومبارڈی (جرمنی) قبیلے کی روایات سے ترکیب پانے کے بعد ایسے کتابی نسخوں میں یکجا کر دیے گئے جن کی گول مول اور غیر مجاز تشریحیں —— یہی خیالات کی روایت سازی کرتی رہیں جنہیں یورپ کے ایک بڑے حصے میں آج بھی قانون کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ ایک جنگی صورت تھا تاکہ "اس تلچھٹ اور گاد کو جو انتہائی بربریت والی صدیوں میں جمع ہو گئی تھی" مسترد کر دیا جائے۔

بیکاریا کا نو بہ نو خیال جلد ہی قانونی خیالات کا سکہ مان لیا گیا: ملزم کو اس وقت تک

بے قصور سمجھا جائے جب تک جرم ثابت نہ ہو جائے۔ ججوں پر لازم ہے کہ وہ قانون کی من مانی تشریح نہ کریں، سزاؤں کو جرم کے تناسب سے دیا جائے اور اس سے زیادہ گراں نہ ہوں جتنا کہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ضروری ہو، اسے مانع جرم سمجھا جائے نہ کہ بدلہ اور انتقام۔ بیکاریا نے موت کی سزا کی مخالفت کی اور اپنے سب سے زیادہ پر جوش باب میں عدالتی تشدد کی مذمت کی جو ان دنوں پورے براعظم میں رائج تھا۔ یہ زیادہ تر اس ہی کے اثر سے ہوا کہ ۱۷۸۹ء کے آتے آتے یورپ کی عدالتوں میں تشدد کا عنصر ناپید ہو گیا۔

ہم جنس پرستی پر بیکاریا کے پاس کہنے کو کچھ نہ تھا—— صرف ایک پیراگراف کے جو اس نے باب برائے ''جرایم جن کا ثابت کرنا دشوار ہو'' میں قلمبند کیا۔ جس کا بنیادی مقصد منکوحہ افراد کا کسی تیسرے مرد یا عورت سے جنسی تعلقات پیدا کرنا اور یا پھر طفل کشی تھا۔ اور اس کے علاوہ وہ جو کچھ کہتا ہے اس کی بازگشت مانٹسکیو کے ہاں ملتی ہے۔ وہ مشورہ دیتا ہے ''A.V'' کا فوارہ زیادہ تر ''مسرت سے چھک جانے'' سے نہیں پیدا ہوتا جتنا کہ ''پرشوق جوانی'' کو ایک ہی جنس والے کالج میں یکجا کر دینے سے اور مذہبی خانقاہوں میں۔ اس کے علاوہ وہ ایک اور نکتے پر زور دیتا ہے تاہم: مردوں پر جب اس نوعیت کی فرد جرم عاید کی جاتی ہے تو انہیں اکثر ''ایسی پریشانی میں رکھا گیا جو معصومیت پر غالب آ جائے'' یعنی وہ جرایم کا اعتراف کر لیں جن کا انہوں نے کبھی ارتکاب نہیں کیا تا کہ اس تکلیف سے بچ جائیں جو ان کے لیے نا قابل برداشت ہے۔

فریڈرک اعظم:

فلاسفہ کا اثر و رسوخ درمیانے طبقے اور نچلے طبقے تک ہی محدود نہ تھا جو بلاشبہ اکثر مذہبی کٹر پن کی وجہ سے اس اساسی پن سے بیزار تھے۔ یہی طبقہ اس قابل ذکر ستاروں کے جھرمٹ سے متصادم ہو جاتا جنہیں ''روشن خیال آمر'' کہا جاتا جو اٹھارہویں صدی کے آخر میں ایسے ملکوں میں تخت نشین ہوئے جہاں کی حکومتیں مطلق العنان تھیں۔ ان ہی میں سے ایک پروسیا کا فریڈرک۔ دوم بھی تھا۔ اس کا باپ دبنگ فریڈرک ولیم تھا وہ سب کچھ ہوسکتا

تھا سوائے روشن خیال ہونے کے۔ ہمیں اس کے ۱۷۲۵ء کا فرمان نہ فراموش کرنا چاہئے کہ ''وہ تمام بنجارے جو اس بادشاہت کی حدود میں ملیں گے انہیں گلا گھونٹ کر ہلاک کر دیا جائے گا جب کہ اغلام بازوں کو زندہ جلایا جائے گا۔'' ایسے مقدمات جن میں نرمی دکھائی جانا مقصود تھی ان میں سپاہی بادشاہ عدالتی احکامات کو مسترد کر دیتا جیسے کیتھراین مارگریٹ لنک کے ساتھ ہوا۔ سال ۱۷۰۰ء سے ۱۷۳۰ء کے درمیان میں نو مردوں کو جانور چودنے کے الزام میں موت کی سزا دی گئی اور تین کو دوسرے مردوں سے تعلقات رکھنے پر۔ تاریخی تناظر میں دیکھتے ہوئے بے شک، بادشاہ کی ہم جنس پرستی سے نفرت بغیر کسی ستم ظریفی کے نہیں ہے۔ فریڈرک ولیم اتنا آگے نہ دیکھ سکا کہ اس کا ''زنخا'' وارث تخت جو اس وقت تیرہ برس کا تھا جب اس نے اغلام بازی کے خلاف نہایت ترش فرمان جاری کیا جو اس کے بعد قوم کا چہیتا سورما بنے گا اور پورے یورپ سے داد وصول کرے گا۔ جہاں پر اس کی عسکری نابغے اور ''روشنی خیالی'' والی ذہانت ایسے جھٹکوں سے ملے گی اور اس میں تکلف کی کمی —— اس کے لئے ایسا لقب جیسے ''عظیم'' لے آئے گی۔

جیسا کہ ولیم۔سوم کے ساتھ ہوا فریڈرک کے سوانح نگاروں نے اکثر اس حیقت سے پہلو تہی کی یعنی اس کی جنسی فطرت کا ذکر نہ کیا۔ پروسیا کے حب الوطن مثلاً لیوپولڈ وان رانکے اور ہیزک وان ٹریٹشکے (جو فریڈرک کا اس لئے مداح تھا کہ اس نے قوم بنائی تھی) وہ بھی اس موضوع سے بے اعتنائی کرتا۔ انگلینڈ میں جارج میکاولے نے اسی جانب اشارہ کیا ''ایسی بدیاں جن سے تاریخ نگاہ چراتی ہے اور جن کا ہجو تک نام لینے سے شرماتی ہے۔'' لیکن ایک ہی دہائی بعد فریڈرک کے داعی تھومس کارلائل نے اپنی یادگار سوانح عمری (۱۸۵۲ء۔ ۱۸۶۵ء) میں ان افواہوں کی یہ کہہ کر مذمت کی ''تین گنا قابل نفرت'' محض جھوٹ کا پلندہ اور ول ڈورانٹ جس کا لاجواب ماجرہ جو اس نے فریڈرک کا لکھا ہے اور جو چاردانگ عالم میں پڑھا جاتا ہے ہمارے عہد (کسی اور زمانے میں بھی) میں۔ اس نے ایک اٹل فیصلہ دیا شاید کارلائل کے جوش و جذبہ سے ڈر کے ''اس پر ہم جنس پرستی میں مبتلا ہونے کا شک تھا جس پر ہم صرف قیاس آرائی ہی کر سکتے ہیں۔''

اس کے باوجود ہم عصر شہادتیں ناقابل تردید ہیں جن میں دوستوں کے حوالے سے

بہت سے بیانات ۔ مثلاً پرنس ڈی لِیْنے جو جنگ میں فریڈرک کے خلاف لڑا لیکن اس کی صحبت سے مسرور ہوجاتا، اس نے ایسی گفتگو قلمبند کی ہے جو خوبصورت مردوں کی ہے۔ ''میں نے اس طرح گفتگو چھیڑی (جمالیاتی نقطہ نظر سے) جب کہ وہ غیر پیشہ ور شایق تھا'' اور والٹیر جو فریڈرک سے دوستی کے آغاز میں چاپلوسی کرنے کا کوئی موقع نہ گنواتا، اس نے بادشاہ کو ایک عمدہ سی نظم ارسال کی جس میں اس کا موازنہ جولیس سیزر سے کیا۔ (فرانسیسی میں)۔

(میں قیصر سے محبت کرتا ہوں وہی پرشکوہ شخص جس کا دست مبارک تمام ہی کامرانیاں چھوے گا، جو روم کو عظیم بناتا ہے اور جو اس کے لئے نئے آسمان بنانے کا حکم جاری کرتا ہے اور ایک نیا سال ۔ میں اس قیصر سے محبت کرتا ہوں، جو محبوبہ کے آگے ریشہ خطمی ہوجاتا ہے۔ میں تو اس پر ہنستا ہوں اور میں اس پر ہراساں نہیں ہوتا جب اسے دلکش اور جوان پاتا ہوں چاہے نیکومیڈ کے نیچے ہو یا اوپر) والٹیر کی مراد یہ ہے کہ وہ قیصر کو اس لئے ترجیح دیتا ہے جس نے کلینڈر میں اصلاحات کیں۔ وہ دو جنسیا عاشق ۔ اور جو فوجی مہموں میں حصہ لیتا ہے۔ ترجمہ کرنے سے اس کے معنی ہوئے کہ وہ فریڈرک کی مدح وثنا اس لئے کررہا ہے کہ وہ برلن کی سائنسی اکیڈمی کی کفالت کررہا ہے اور جنسکاری کے متعلق رواداری کا رویہ دکھاتا ہے اور سایلیسا کے ساتھ ہونے والے جماع بالجبر کی مذمت کرتا ہے۔

فریڈرک کے عہد میں یہ ایک معاملے میں ایک انوکھا واقعہ ہے۔ اس کے جنسی رویے کو ایک سوانح نگار نے نہایت وضاحت سے فاش کردیا تھا اور یہ سب اس کی موت کے فوراً بعد ہوا۔ ۱۷۸۸ء میں جوہان جیورج زیمرمین جس نے بادشاہ کی آخری بیماری میں اس کا علاج کیا تھا، اس نے اپنی ہونے والی ''گفتگو'' کو شایع کردیا جس میں اس نے ان افواہوں کو تقویت دی کہ فریڈرک ''عشق میں یونانی مذاق'' رکھتا تھا زمرمین نے تسلیم کیا کہ ''والٹیر'' اور بیومل، ڈیوک ڈی چوریزل لاتعداد فرانسیسی لوگ اور اہل جرمن قریب قریب تمام ہی فریڈرک کے دوست اور دشمن، تقریباً سارے ہی یورپ کے بڑے لوگ اور شہزادے یہاں تک کہ اس کے خدام —— یہاں تک کہ اس کے بااعتماد لوگ اور بعد کے

زمانے کے دوست اس خیال کے حامی تھے کہ وہ، جیسا کہ ظاہر داری کی جاتی تھی کہ سقراط السیباڈز سے عشق کرتا تھا'' (لوغاں لا بابیومیل معمولی درجہ کا شاعر تھا جس نے 'لاپوسیل' میں چند سطروں کا اضافہ کردیا، والٹیر کی فحش مزاحیہ —— داستان جوجون آف آرک پر تھی اور پر مزاح ڈیوک ڈی چوایزل جو فرانس کا وزیر خارجہ تھا اس نے فریڈرک پر بذلہ سنج نظموں اور ساتھ ساتھ گولہ باری بھی جاری رکھی) زیمرمین کی عجیب وغریب صورتحال یہ تھی کہ فریڈرک بظاہر محض ''اس موذی علت'' کو نظرانداز کرتا تاکہ دوسری افواہوں کی تردید کی جاسکے۔ کہ وہ خصی بنایا جاچکا ہے جب کہ اس کی شہرت ایک فاعل اغلام باز والی تھی، وہ یہ بھی سمجھتا تھا کہ یہ بات بادشاہ کی نظر میں کم قابل ملامت ہے۔ اس لئے زیمرمین یہ استدلال کرتا ہے۔

> ہم یہ پاتے ہیں کہ اس نے اس (شک) کو ملک کے باہر پھیلنے کی بہت ہمت افزائی کی یہاں تک کہ شاہیت کی قوت بھی اس میں صرف ہوتی رہی۔ نہ صرف اس طرح کہ نوجوان مردوں کی بڑی مراعات دی گئیں جو ان کی خوبصورتی اور بادشاہ سے روزانہ کا ربط ضبط اس شک میں اضافہ کرتا بلکہ سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ انہیں اس کی اجازت مل گئی کہ وہ برلن میں لوردو کتب فروش تک رسائی پاگئے جو تقریباً محل کی ایک کھڑکی کے نیچے واقع تھا جہاں وہ 'پوسیل ڈا اور لینز' شایع کرلیں۔ جس میں لا بیومیل نے اضافہ کیا تھا۔ اس اشاعت میں جو برلن میں ہوئی، وہ بھی بادشاہ کی حمایت سے، اس میں ہمیں انتہائی بے شرمی والی عبارت کا صفحہ ملتا ہے جس میں مریضانہ شک والا سادہ سا بیان اور بالصراحت یہ الزام لگاتا ہے وہ بھی بادشاہ پر کہ وہ ''عشق میں یونانی مذاق'' رکھتا ہے۔

زیمرمین کے الجھے ہوئے نظریے کے مطابق فریڈرک کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ جب اس کے سوزاک کا علاج ہورہا تھا طبیبوں نے اناڑی پن میں اسے خصی بنا ڈالا۔ لیکن زیمرمین کے خیال میں ایسی جارح رجولیت والے شخص سے ''اس عظیم اور نہایت دلاور ہیرو جو اپنے عہد کا تھا'' یہ ناممکن لگتا ہے کہ اس کے ساتھ یہ ہوا ہو۔ اس کے خیال میں جراحی نے اسے آختہ نہیں کیا ہوگا حالانکہ فریڈرک نے خود (!) یہ نہ محسوس کیا

ہوگا۔ یہ بات تو رہی ایک طرف کہ پہلی نظر میں اس نظریے کو تقویت نہیں ملتی لیکن یہ سب کچھ ضابطہ تحریر میں موجود ہے کہ درباری اطباء نے فریڈرک کی لاش کا معاینہ کیا تھا اور اس کے جنسی اعضا کی مکملیت پر پوری توجہ دی تھی۔

لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ ہم فریڈرک کے نوجوان مردوں سے رشتوں کے متعلق کیا جانتے ہیں۔ اور ان رشتوں نے اس کی زندگی اور اس کی شہرت کو کتنا متاثر کیا۔ جو ریکارڈ ہے وہ تو مزید الجھن پیدا کرتا ہے، پرجوش دوستی، سرسری تعلقات (اگر ہم والٹیر پر اعتماد کریں) اور المیہ۔ ان کی تفصیلات کو اٹھارہویں صدی کے مصنفین نے اچھی طرح قلمبند کیا ہے جن میں چند ایک نے معاندانہ لیکن سب ہی نہیں۔ کبھی کبھار فریڈرک کی اپنی تحریر بھی ملتی ہے۔ آغاز سے کہانی نوجوان شہزادے کی اپنے باپ سے پرتشدد رشتوں سے بھری ہوئی ہے۔

اس میں کوئی مبالغہ نہیں ہے جب ہم فریڈرک کے بچپن اور نوجوانی کو جہنمی کہیں۔ اس کا باپ فریڈرک ولیم۔ اول سنکی اور ایک حد تک خبط الحواس تھا۔ اس کی زندگی کا سب سے بڑا شوق یہ تھا کہ وہ 'دیوزاد' طویل قامت سپاہیوں کو جمع کرے جو اس نے پورے یورپ سے جمع کر لئے تھے جنہیں مختلف خطوں سے اغوا بھی کرایا گیا تھا۔ کسی چھوٹی سی بات پر مشتعل ہوکر وہ لوگوں کے چہرے پر اپنی بید کی چھڑی مار دیتا اور جب غصے میں آجاتا تو راہ گیر عورتوں کو ٹھوکریں مارنے لگتا جو اکثر دیکھنے میں آتا۔ اس بات پر کمر بستہ ہوکر کہ خالی خزانے کو بھر دوں جو اس کے باپ کی شاہ خرچی کا نتیجہ تھا اس نے خود کو کنجوسی کی بنیاد پر ممتاز بنایا اور اس کے بچے یا تو فاقے کرتے یا پھر انہیں گلاسڑا کھانے کو دیا جاتا۔ میکالے لکھتا ہے کہ ''اولیور ٹویسٹ اپنے چھوٹے سے دیہی گرجا کے کام کے کمرے میں۔'' وہ ایک دلارا بچہ تھا'' جب اس کا موازنہ اس بدنصیب سے کیا جائے جو وراث تخت تھا۔''

فریڈرک ولیم خاص طور سے اپنے بیٹے سے اس وجہ سے خفا تھا کیونکہ وہ فوجی چیزوں کو بہ نظر حقارت دیکھتا تھا۔ (نوجوان فریڈرک نے ایک مرتبہ اپنی فوجی وردی کو چیتھڑا کہہ دیا)۔ بادشاہ پڑھنے لکھنے کو بہ نظر حقارت دیکھتا اور بالخصوص فرانسیسی تمدن سے نفرت کرتا۔ لیکن فریڈرک بانسری بجاتا رہا، فرانسیسی ادب سے محبت کرتا فرانسیسی شاعری لکھتا اور

فرانسیسی انداز میں لمبی لمبی اڑتی لٹیں رکھتا اور نفیس فرانسیسی پوشاکوں کا قایل تھا۔ ناراض بادشاہ نے اپنے لڑکے کی مذمت کی اور کہا ''یہ دادودہش اور زنانہ عادتیں ہیں۔'' اسے ''ایک زنخا لڑکا'' کہہ کر پکارتا جس میں کوئی بھی مردانہ اطوار نہیں ہیں، ''نہ وہ گھڑ سواری کر سکتا ہے نہ ہی بندوق چلانا جانتا ہے۔'' کبھی کبھار اس کے ملازمین، جرأت کر کے اس کے قہر سے بچانے کے لئے فریڈرک کو باپ کے مکوں اور تلوار سے بچاتے۔ ایک مرتبہ تو اس نے بیٹے کا گلا دبا کر مار ڈالنے کی بھی کوشش کی۔ دھتی اور ریاکار فریڈرک ولیم نے اس قہر و عذاب سے پناہ مذہب میں حاصل کی، یہ ایسی عادت تھی جس نے ہو نہ ہو لڑکے میں لاادریت کے پختہ کرنے میں ہاتھ بٹایا ہوگا۔

پہلی دوستی جس نے شک پیدا کیا وہ شاہ کے پیغام رساں لڑکے سے ہوئی تھی جس کا نام پیٹر کرسٹوف کیتھ تھا۔ شہزادہ سولہ سال کا تھا اور کیتھ سال بھر بڑا۔ فریڈرک کی بہن ولہل ماین اس کی جاں نثار ساتھی اور قریبی حلیف تھی جس نے لکھا کہ دونوں ''جلد ہی ان کے لئے جدائی ناممکن ہوگئی، کیتھ ذہین تھا مگر تعلیم یافتہ نہ تھا۔ اس نے میرے بھائی کی خدمت گہری جاں نثاری سے کی اور اسے بادشاہ کی تمام حرکات وسکنات سے باخبر رکھتا۔'' اس کے بعد وہ اضافہ کرتی ہے کہ بڑے پراسرار طریقے سے ''اگرچہ میں نے محسوس کر لیا تھا کہ وہ اس سے کہیں زیادہ مانوس انداز میں اس پیغام رساں سے پیش آتا جتنا کہ اس کی حیثیت تھی۔ مجھے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ ان کی دوستی میں کتنی بے تکلفی تھی۔'' بادشاہ جس پر بھڑک اٹھا اور اس نے کیتھ کو ملک بدر کر دیا۔ لیکن فریڈرک ولیم اس معاملے میں اتنا خوش نصیب نہ ثابت ہوا جب اس نے ایک جوان افسر اس لئے تعینات کیا تا کہ وہ اس کے بیٹے کے اخلاق کا ذمہ دار بنے۔ فریڈرک جلد ہی لیفٹنٹ بورک کو نہایت محبت آمیز خطوط ارسال کرنے لگا ''کوئی بھی نہ تم سے ایسے عشق کرتا ہے اور نہ تمہارا احترام کرتا ہے جیسا میں کرتا ہوں۔'' اس نے لکھا ''اس کے عوض میں مجھے آدھی ہی دوستی دو جو تم پر واجب ہے''۔'' میری اجیرن کر دینے والی محبت اس وقت ہمت ہار بیٹھی ہے اور میں یہ کہنے پر مجبور ہو رہا ہوں کہ میرا دل وہ ہے جو تمہارے احساسات سے بھرا ہوا ہے اور اسے اس وقت تک چین نہ آسکے گا جب تک اسے یہ نہ معلوم ہو جائے کہ تم بھی پوری طرح سے قایل ہو اس نازک

سی دوستی کے جس سے یہ تمہاری پرستش کرتا ہے۔''

اس سے بھی زیادہ اہم اور مال کار المناک بندھن جو فریڈرک نے اسی سال (۱۷۶۱ء) میں قایم کیا۔ ہانس ہرمان وون کاٹ جو اس سے عمر میں چھ سال بڑا تھا اور جو کسی پروسیائی جنرل کا بیٹا تھا جو موسیقی اور فرانسیسی ادب کا عاشق تھا اور وہ اتنا ہی تمسخرانہ حد تک تشکیک مزاج تھا جتنا کہ شہزادہ۔ کاٹ کے فرایض میں انیس سال سے کم نوجوان کی رازداری اور محافظت شامل تھی۔ وہ اس وقت محافظ بن کر کھڑا ہوتا جب شہزادہ بانسری کے سبق لیا کرتا اور لگتا ہے جیسے ان کی دوستی پھلتی پھولتی ہوئی عشق میں ڈھل گئی۔ لیکن ان دنوں فریڈرک کے تعلقات اپنے باپ سے ناقابل برداشت ہو چکے تھے۔ ''ہمارے درمیان روزآنہ کم بختی چھائی رہتی ہے۔'' اس نے بورک سے شکایت کی'' میں ان حالات سے اتنا تھک چکا ہوں کہ اس کے بجائے میں بھیک مانگ کر اپنی روٹی کمالوں گا لیکن ان بنیادوں پر جینا دشوار ہے۔'' فریڈرک ولیم اپنے بیٹے پر سرعام طعن وطنز کرتا بلکہ اس کی سبکی بھی کرتا رہتا۔ ''اگر میرا باپ مجھ سے ایسا سلوک کرتا رہتا'' بادشاہ نے برملا کہا'' تو میں اپنے بھیجا اڑا چکا ہوتا، لیکن اس شخص میں کوئی غیرت نہیں ہے اور یہ سب کچھ جھیل جاتا ہے۔''

اس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں ہے کہ بے چارے فریڈرک نے پروسیا سے فرار ہونے کے لئے منصوبہ بندی کی۔ مگر منصوبہ ناکام ہو گیا۔ فریڈرک اس وقت دھر لیا گیا جب وہ سرحد پار ہی کرنے والا تھا اور کاٹ کو شریک جرم ہونے کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔ بادشاہ نے دونوں کا کورٹ مارشل کر دیا، کاٹ کو تو تاحیات قید کی سزا دی گئی لیکن عدالت نے شہزادے کا فیصلہ سنانے سے معذوری ظاہر کر دی۔ بادشاہ اس نرمی پر برافروختہ ہو گیا اور حکم جاری کیا کہ کاٹ کو پھانسی پر لٹکایا جائے اور شہزادے کو تاحیات قید۔ کاٹ کی سزا پر طول وعرض میں احتجاج ہونے لگا اور یہاں تک کہ استبدادی پروسیا میں بھی لیکن بادشاہ اڑا ہوا تھا۔ متعجب فریڈرک کو نومبر کی ایک صبح میں پانچ بجے جگایا گیا اور حکم دیا گیا کہ وہ اپنی کوٹھری کی کھڑکی کھول کر باہر دیکھے۔ جب وہاں احاطے میں اسے اپنا دوست نمودار ہوتا دکھائی دیا تو شہزادے نے اسے پکارا ''میرے عزیز دوست کاٹ، ہزاروں معافیاں، جس پر کاٹ نے جواب دیا۔ ''شہزادے معافی کی کوئی بات نہیں ہے۔'' تب وہ گھٹنوں پر جھک

گیا اوراس کا سر قلم کر دیا گیا، اس سے پہلے کے تلوار گرتی فریڈرکؔ بے ہوش ہو چکا تھا۔

ژولیدہ شہزادہ جو آزادی اور عزت نفس سے محروم تھا اس کے پاس کوئی چارہ نہ تھا سوائے بادشاہ کی مرضی کے آگے سر تسلیم خم کرنے کے۔ اس کے باوجود باپ کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے مقابلے میں قید و بند آسان تر تھی۔ اس کے صیاد روادار اور ہمدرد تھے اور کسٹرن کے مقام پر فریڈرکؔ کو دو تا حیات ساتھ رہنے والے دوست مل گئے۔ ڈیٹرش لیفٹننٹ کا ونٹ وان کی سرلنگؔ ایک مہذب اور شایستہ جوان تھا جو فریڈرکؔ کے جوش و جذبے میں شریک رہتا۔ فریڈرکؔ نے اسے رومانٹک نام سی سارینؔ دیا۔ اس نے اس کی زندگی میں ایک جگہ بنالی۔ یہ کی سرلنگؔ تھا جسے بعد ازاں پوٹسڈام بھیجا گیا تا کہ وہ والٹیرؔ کو پھسلا لائے۔ کم از کم چند مشاہدین شک کرتے تھے کہ فریڈرکؔ اور کی سرلنگؔ ایک دوسرے کے عاشق تھے۔ مارکویس ڈی والوریؔ جو فریڈرک کے دربار میں فرانس کا سفیر تھا اس کا بیان ہے کہ دونوں گھنٹوں ایک ساتھ رہتے اور فریڈرکؔ نے اپنے دوست کو منع کر دیا تھا کہ وہ کھڑکی کے پاس نہ جائے" چونکہ وہ نہیں چاہتا کہ کوئی اسے وہاں دیکھ لے اور ان کے متعلق چہ مہ گویاں ہوں۔" جب وہ نئے محل میں اٹھ آیا جو سان سوسی پر تھا اس وقت فریڈرکؔ نے اس کے لئے تقریب برپا کی اور فرانسیسی میں نظم کہی جو بیک وقت عامیانہ اور ولولہ انگیز تھی۔ اس سے محل میں جو نفیس طرز تعمیر والا ہے/ ہم دونوں کو مکمل تخلیہ حاصل ہوگا اور ہم مکمل آزادی سے موجیں اڑایں گے/ اور دوستی کی سرمستی میں/ ذاتی آرزویں اور عداوتیں/ صرف انہیں فطرت کے خلاف گناہ سمجھا جائے گا۔

۱۷۳۱ء میں جیل سے اپنی رہائی سے ذرا پہلے فریڈرکؔ نے ایک اور دوست بنایا جسے آیندہ برس ہا برس تک اس کی خدمت کرنا تھی۔ یہ تھا مایکل گبریل فریڈرس ڈوفؔ جو پروشیا کی فوج میں غیر سرکاری فوجی تھا اور ایک مانا ہوا نفیری بجانے والا۔ جو فریڈرک کا خزانچی اور مختار کل ہوگیا۔ جو شاہی تھیٹر اور اوپرا کا بھی ذمہ دار تھا۔ وہ شہزادے سے عمر میں چار سال بڑا تھا، ہوشیار، خوش اطوار اور انتہائی خوش شکل۔ والٹیرؔ جس نے بعد میں اسی رشتے کو بطور گواہ شرماتے ہوئے اپنی مموایرز میں یوں قلمبند کیا۔" یہ سپاہی، جوان وجیہہ اچھے تن و توش والا اور جو بانسری نواز تھا وہ اسیروں کا مختلف طریقوں سے دل بہلایا کرتا۔" یہی

آگے بڑھ کر فریڈرک کی زندگی میں طویل ترین بندھن ثابت ہوا۔ بالآخر فریڈرک نے اسے چانسلر بنادیا جس سے پروسیا کی طبقات کی ماری اشرافیہ سکتے میں آ گئی جب اس نے ایک کسان کے بیٹے کو ایک جاگیر سونپ دی۔ بعد میں جب فریڈرس ڈوف نے شادی کا ارادہ ظاہر کیا تو بادشاہ نے بڑے مریضانہ شک والے انداز اور صاف عبارت میں ''کیا تمہاری شادی کی تقریب آج یا اس کے بجائے کل تو کیا اس سے تمہاری دیکھ بھال یا راحت میں کوئی فرق پڑے گا۔ اور اگر تم یہ چاہتے ہو کہ کوئی پیاری سی ہرکارہ یا پیارا سا دوڑ بھاگ کرنے والا لڑکا رکھو، تو بھئی ضرور کرو۔''

چونکہ فریڈرک پروسیا کا وارث تخت تھا اس لئے فریڈرک کے پاس اس وقت کوئی راہ فرار نہ رہی جب اس کے باپ نے اسے شادی کرنے کا حکم دیا۔ بدقسمتی سے برنسک بیورن کی الیز بتھ کرسٹاین جس کے نصیب میں دلہن بننا لکھا تھا اس میں ذکاوت اور ذہانت دونوں کی کمی تھی۔ فریڈرک نے خودکشی کے متعلق گفتگو کی اور ولہل ماین کو لکھا ''ہمارے مابین نہ محبت ہوگی اور نہ ہی دوستی'' اس نے ایک اور واقف سے کہا کہ شادی تو صرف ''صبح بخیر مادام اور خدا حافظ'' ہوگی۔ جب وہ بادشاہ بنا تو اس نے اپنی بیوی کو برلن میں ایک علیحدہ جگہ دی اور جہاں تک ممکن ہوتا اس سے ملنے سے احتراز کرتا۔ پروسیا کی ملکہ نے کبھی اس پرشکوہ روکوکو اسلوب کے محل کو اندر سے نہ دیکھا جو فریڈرک نے پوٹسڈم میں تعمیر کرایا تھا۔ جہاں وہ اپنے مرد دوستوں کے ساتھ رہتا جہاں عورتوں کا گزر نہ تھا۔ لیکن نظر انداز کی جانے والی ملکہ ہمیشہ غمگین حد تک اس شخص کی وفادار رہی اور اسے یہ کہہ کر مخاطب ہوتی ''عزیز شہزادے جسے میں چاہتی ہوں اور پرستش کرتی ہوں۔''

اب فریڈرک کے لقب پر توجہ دینے میں کیا وہ واقعی ''عظیم'' تھا۔ وہ ان معنوں میں انوکھا تھا کیونکہ وہ واحد جدید (یعنی۔ بعد کلاسیک) ہم جنس پرست تھا جس نے یہ لقب حاصل کیا۔ لیکن اس صورت میں اس کی ذات میں دلفریب تضادات یکجا ہو گئے تھے۔ بطور نوجوان وہ ایک خاص قسم کے گھسے پٹے سانچے میں سما جاتا تھا —— لمبے بال، جمالیاتی طور پر چھبیلا، فکری طور پر تشکیک پر مایل، موسیقی اور ادب کا رسیا۔ روایتاً یہ سب کچھ ایک دوسرے کی ضد تھیں۔ جارحیت کی حد تک مردانہ صفات مرد جو ایک کامیاب فوجی سالار بھی

ہو اور دیگر معاملات میں اڑیل ذہن۔ لیکن فریڈرک میں دونوں صفات برعکس پائی جاتی تھیں۔ اور وہ بھی بڑی حد تک۔ بادشاہ بن جانے پر وہی صلح پسند جس نے انٹی مکاویلی تحریر کی تھی بڑھ کر یورپ کا سب سے ناقابل تسخیر جنگجو بن گیا اور مدبر بھی جس پر اکثر میکاولی کی سفارتی چالیں چلنے کا الزام بھی لگا۔ لیکن جتنی وابستگی اسے جنگ سے تھی اتنی ہی عملی سیاست سے نہ کہ اخلاقی اصول سے تھی۔ فریڈرک عموماً فرانسیسی زبان میں شاعری کرتا رہا (کوئی چھ جلدوں میں اس کی کلیات آ ئیں) اور بڑی باقاعدگی سے اپنی بانسری نوازی سے محفلیں گرم کرتا جن کی مدح وثنا اس کے عہد کے موسیقی کی تمیز رکھنے والے نقادوں نے بھی کی۔ جنگوں کے دوران میں اس نے کوئی سو سے اوپر بانسری کی محفلیں مرتب کیں جن میں سوناٹاز اور سمفونیز (چند ایک تو ساکت حالت میں کی گئیں) برپا ہوئیں جن سے باخ کو چشم نمائی کرنے والے نظریات ملے اور اس نے ''میوزیکل آفرنگ'' مرتب کی۔

جہاں تک اس کا دعوی برائے ''عظمت'' تھا زیادہ تر جدید سوانح نگار جن میں کارلائل کی مانند پروسیا کے فریڈرک کے لئے جذبات کی فراوانی نہیں ہے انہوں نے ایک ملا جلا سا فیصلہ سنادیا ہے۔ وہ پوری زندگی ایک انسانیت نواز رہا جو آزادی اور رواداری کی حمایت کرتا رہا۔ ۱۷۴۰ء میں اپنی تخت نشینی سے پہلے والٹیر جیسا مصلح اسے یورپ کے لئے بہترین امید قرار دیتا رہا۔ ''فلسفی صاحبان اور اہل علم و ادب۔'' ڈاآلمبرٹ نے اس سے کہا ''تمام ہی خطے ایک عرصے سے اے عالم پناہ آپ ہی کی جانب دیکھتے رہے بطور رہنما اور بطور ذات مکمل کے۔'' چند امور میں اس نے ان توقعات کو پورا بھی کیا۔ بطور بادشاہ کے اس نے مذہبی رواداری کو متعارف کرایا ایسے اقدام کئے جس سے صحافت مزید آزاد ہوگئی، عدالتوں کے ہاتھوں ہونے والے تشدد کو بند کرایا، درشت تعزیزاتی قوانین کو نرم بنوایا۔ اور بڑی فیاضی سے ان پناہ گیروں کو سیاسی پناہ دی جن سے وہ متفق بھی نہ ہوتا۔ مثلاً روسو اور جیوٹس۔ اس کے باوجود جب اسے یہ احساس ہوتا کہ اب مملکت کا تحفظ خطرے میں ہے تو وہ بے رحم بن جاتا اور وہی شخص جس نے تشدد کو بے حس بن کر ختم کرایا تھا اس کی ناک کے نیچے فوجی نظم ونسق کی خلاف ورزی پر وحشیانہ سزائیں دی جاتیں۔

فریڈرک نے یہ بھی چاہا کہ ممتاز سائینسدانوں، فلسفیوں اور ادبی شخصیات کو پوٹسڈم

بلوالے اوراس نے واقعی وہاں پر ایک زبردست حلقہ بھی تیار کرلیا۔ جس میں ایسے دانشور اورسائنسدان بھی شامل تھے جیسے ماوپرٹیس، ڈاآرگنس، الگاروٹی اورلامیٹری۔ آخر میں اس نے یورپ کے نہایت معروف شہریوں کو آمادہ کیا مثلاً والٹیر۔ فریڈرک کی سرپرستی میں سائنس کی متعدد شاخیں پروسیا میں پھلیں پھولیں، اوراس کا تعلیمی نظام یورپ بھر میں سب سے اچھا ہوگیا۔ جرمنی کو چھوڑ کر کہیں بھی ایمونیل کانٹ اپنی کتاب (کریٹک آف ریلجن) بلاکسی سنسر شپ کے خوف کے شایع کراسکتا تھا۔ فریڈرک کی شاعری پر آپ سرسری نظر ڈال سکتے ہیں لیکن اس کی تاریخیں جو سات جلدوں میں ہے اور پرمعنی فرانسیسی نثر میں لکھی ہے اورنہایت وقیع مانی گئی۔ خاص طور سے اس کی (ہسٹری ڈی مون ٹیمپس)۔ اس نے اپنے عہد کے شہزادوں کے لئے رتی بھر احترام نہ دکھایا جن کی اس نے اس طرح تصویر کشی کی کہ ''نامور گاودی'' وہ والٹیر کے طرز کی ''فلسفیانہ'' تاریخ کا حامی تھا۔ ''ہمیں نئی سچائیوں کو دریافت کی پیروی کرنا چاہئے، اخلاقی اوراطوار میں تبدیلیوں کے اسباب کو سمجھنا چاہئے، اور اس رویے اورطرز عمل کا مطالعہ کرنا چاہے، جس نے تاریکی اور بربریت کو انسانی ذہن پر سے ہٹادیا—— انہوں نے ہی واقعی۔ اس نے لکھا'' یہی وہ مضامین ہیں جنہیں غوروفکر کرنے والے افراد کے ذہنوں میں بسا ہونا چاہئے۔''

قانون کی اصلاح کے معاملے میں ایسے روشن خیال مفکرین کے زیراثر تھا جیسے مانٹسکیو اور بیکاریا۔ ''شہزادے'' اس نے لکھا'' وہ پیدا ہی اس لئے ہوئے ہیں کہ وہ لوگوں میں انصاف کریں'' ۔ ''انہیں ہروہ چیز عظیم بناتی ہے جس کے اکھوے نظام انصاف سے پھوٹیں۔'' وہ اس پر مصر تھا کہ اس کی اپنی ذات بھی قانون سے بالاتر نہ تھی۔ اور اکثر وہ اپنے ججوں کے مقابلے میں اپنے غریب عوام کی طرفداری پر اتر آتا۔ اپنی تخت نشینی سے کوئی دس سال پہلے ۱۷۳۰ء میں ایک پروشیائی باشندہ جس کا نام آندریس لپشن تھا اغلام بازی کے الزام میں ٹکٹکی پر باندھ کر جلا کر مار ڈالا گیا۔ بطور ایسے بادشاہ کے جو قوانین میں اصلاح کی وکالت کرتا ہو، فریڈرک نے ایسے ہولناک واقعات کی مخالفت کی اور دہرائی (قدرے مطلب پرستی والی) ایک ایسی دلیل جو اس کے عہد میں بڑی مقبول تھی۔ ''یہ ناقابل تردید ہے کہ اگرچہ خوفناک جان لیوا عوامی سزائیں (برائے اغلام بازی) کئی جوان

اور معصوم ارواح جو فطرتاً یہ جاننا چاہتی ہیں کہ وہ کیا وجوہ ہیں جن کے لئے اتنی سخت سزائیں دی جاتی ہیں۔۔۔ اس سے افترا پردازی ہوگی بجائے کسی بہتری کے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان میں بدی کے رجحانات بیدار ہو جائیں اور یہ وہ رجحانات ہوں جن کی موجودگی کا احساس ان میں سرے سے موجود ہی نہ ہو۔'' اپنے عہد حکومت کے آغاز میں اور پھر بعد کے آخری دنوں میں، فریڈرکؔ نے ایسی کمیٹیاں تشکیل دیں جن میں ممتاز ججوں کو جگہ دی تاکہ قوانین میں اصلاح کی جائے۔ دوسری کمیٹی ۱۷۹۴ء تک اپنا کام مکمل نہ کر سکی یعنی اس کی موت کے آٹھ سال بعد تک۔ نئے ضابطہ قانون میں اغلام بازی کی سزا کم کر دی گئی اور جلانے کے بجائے قیدی کی سزا برائے ایک سال یا اوپر اسی طرح کوڑے اور شہر بدری۔

سیاست میں فریڈرکؔ کا اثر ترقی معکوس جیسا ہوا۔ اگرچہ وہ انگلستانی آئین کا مداح تھا لیکن اس نے پروسیا کے سخت برادری والے نظام کو مستحکم کیا جس میں متوسط طبقے کے لئے اقتدار میں کوئی گنجایش نہ تھی۔ اس نے (پروشیا) کی جنکر فوجی اشرافیہ کو بالادست بنا دیا اور اس نے جمہوریت کی جانب ہر پیش قدمی کو روک دیا۔ یہ ایسی مضحکہ خیزی والی کیفیت تھی جس نے نہ صرف جرمنی پر تباہ کن اثرات ڈالے بلکہ پورے یورپ پر۔ لیکن فریڈرکؔ کی جنگی کارگزاری چاہے اخلاقی طور پر مشکوک ہو مگر ذاتی طور پر سورمائی تھی۔ وہ لڑائیوں کے دوران میں بارہا اپنی جان پر کھیل جاتا اور اس دوران میں اس نے یہی کوئی چھ مرتبہ گھوڑے بدلے۔ ہفت سالہ جنگ (۱۷۵۶ء۔۱۷۶۳ء) میں پروسیا کو ایک انوکھے اتحادی کا سامنا تھا جس میں فرانس، آسٹریا، روس، سویڈن اور سکسونی ایک طرف تھے۔ فریڈرکؔ کی ان افواج سے یکے بعد دیگرے مڈبھیر اور فتح مندی کے ساتھ بچ جانا اور متعدد گردش افلاک کے باوجود یہ سب کچھ عسکری تاریخ کا ایک رزمیہ داستان لگتی ہے۔ ۱۷۵۷ء میں فرانس اور روس کے خلاف فتوحات نے اپنے عہد کے عظیم ترین جنرل کے طور پر اس کی شہرت کو مستحکم کر دیا۔ آخر میں اس نے ایک چھوٹی سی حقیر سلطنت کو بدل کر ایک عظیم طاقت میں ڈھال دیا، آبادی دگنی ہوگئی اور اس کی افواج کی تعداد تگنی کر دی۔

''لیکن اس کے علاوہ متعدد ''اگر'' بھی موجود تھے۔ سیلیسیا پر قبضہ ایک ایسا غیر معقول اقدام تھا جس نے بالآخر پورے یورپ کو خون میں ڈبو دیا۔ اور وہ طاقتور فوج جسے فریڈرکؔ

نے قایم کیا تھا اسے آنے والی صدیوں میں ایک بااثر قوت بن کر بسمارکؔ اور ہٹلر کے لئے زور بازو بننا تھا۔کوئی بھی اس پر حیران ہوسکتا ہے کہ آیا اس کی عسکری قوت یا اقتدار پر فایز رہنے کے عزم کو اس کے ہم جنس پرستی کے حامل خلاف قاعدہ کردار نے جسے یورپ کی اٹھارہویں صدی نے مہمیز کیا ہو مزید براں اس کے باپ نے بڑی حقارت سے اپنے حساس بیٹے کو انتہائی نفرت سے زنخا مریل کہا تھا۔ جب کہ ''عظمت'' کا حصول وہ بھی عسکری بادشاہت کے سماجی پیمانے میں وہ اس لقب کا آخر وقت تک حقدار رہا اور وہ بھی ایسے ماحول اور موسم میں جو اکراہ کی حد تک معاندت رکھتا تھا۔ یہ ایک غیر معمولی خلیق اور انسانیت نواز خوبی تھی۔

والٹیرؔ کی تلون مزاجی:

والٹیرؔ کا ظاہری عشق جو ''غیر مقلد'' فریڈرک سے تھا یہ ایک انتہائی دلکش واقعہ تھا جو اس کی طویل ڈرامائی حیات میں پیش آیا، اس کے خیالات ایک ہی جنس والوں کے مابین عشق کے متعلق تاہم نہ تو سادہ تھے اور نہ ہی ہموار۔ یہ ایک نظریہ تھا جسے والٹیر اپنے ساٹھ سالہ علمی حیات میں اکثر و بیشتر چھیڑا کرتا۔ پہلی مرتبہ ایک دلیل و حجت پر قائم نظم میں اس کے بعد دو اہم ''فلسفیانہ'' مضامین میں اور اپنی خط و کتابت میں تواتر سے، مناظروں میں اور اخلاقی کہانیوں میں۔اس کے کئی اہم لوگ دوست تھے جو ہم جنس پرستی پر عمل پیرا تھے اور دشمن بھی جن کے مذاق پر اس نے اچھی خاصی خامہ فرسائی کی تھی۔اس کے باوجود کیا چند مصنفین اتنے بہت سے تضادات بیان کرسکتے تھے۔ اس کا پہلا موثر اور سب سے کم متعصب تبصرہ ۱۷۱۴ء میں اشعار کی صورت میں نمودار ہوا جب والٹیرؔ ابھی بیس برس کا تھا۔ اینٹی۔جیٹنؔ اپنا عنوان اس لڑکے کے نام سے لیتا ہے جو پیٹرونیس کے ساٹری کون میں ہے اور جس کا نام اٹھارہویں صدی کے فرانس میں ایک ہم جنس پرست وجیہہ نوجوان کا ہم نام بن چکا تھا۔ اس کا نشانہ ایک فیشن دار جوان مارکوئیسؔ تھا جو فرانسیسی تھیٹر میں ایک ٹولے کا سردار تھا۔

نظم میں غیر فطری عشق کا برتنا کھلنڈرے انداز میں طنزیہ ہے۔ زیادہ تر سطریں ایسی اداکارہ سے مخاطب ہوکر کہی گئی ہیں جس کا تھیٹر خدا کے عشق کے لئے وقف تھا جس پر دھاوا بولنے والے 'بدعتی گروہ'' ہیں۔ والٹیر سدوم کے اسطور سے کھیلتا ہے لیکن وہ اس خیال کا سامنا کرنا نہیں چاہتا جو ماورائے فطرت تباہی کے متعلق ہے۔ اخلاقی کے مقابلے میں پر مزاح زیادہ ہے والٹیر انٹی جیٹن میں مردوں کے عشق کو اس طرح بیان کرتا ہے جو اتنا دلفریب نہیں ہے۔ بے شک وہ اسے سورمائی سے جوڑ دیتا ہے اور بلند تمدن سے جیسا کہ مندرجہ ذیل سطروں میں ہے۔

(پناہ گاہ سے کھدیڑے ہوئے ریوڑ کی مانند/ غریب خدا (جو خلاف وضع فطرت عشق کا ہے) شہر شہر مارا مارا پھر رہا ہے/ وہ یونان آتا ہے اور وہاں سبق دیتا ہے/ متعدد بار سقراط اور افلاطون کو/ اس نے اپنا گھران سورماؤں کے ساتھ بنالیا/ کبھی روم میں اور پھر فلورینس میں/ ہمیشہ یہی چاہتا ہے کہ تم اچھی طرح ذہن نشین کرلو/ لوگ جو مہذب تھے اور فنون میں پروان چڑھے تھے) اس طرح یہ کوئی حیرانی کی بات نہیں ہے جب والٹیر ختم کرنے لگتا ہے کہ یہ عشق اب پیرس میں پھل پھول رہا ہے جو یونان اور اطالیہ کا جدید حریف ہے۔

جب یہی نظم طباعت کا جامہ پہن کر آئی تو اس میں والٹیر اس جوان کا نام نہیں بیان کرتا جسے نشانہ بنانا مقصود تھا۔ لیکن ایک مخطوطے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فلپ ایگون تھا مارکویس ڈی کورسیلون (۱۶۸۷۔ ۱۷۱۹ء) والٹیر نے اسے کافی دلکش اور جوان پایا تھا۔'' وہ (غیر فطری عشق) ایک وجیہہ مارکویس کی شکل اختیار کر لیتا ہے/ جس کا رکھ رکھاؤ پسندیدہ ہے اور عمدہ تاثر والا ہے اور پر مغز گفتگو کرنے والا/ تیس چھوٹے اور خوبصورت لڑکے ہنستے ہوئے اس کا تعاقب کرتے ہیں/ فالیس اس پر نظر بازی کرتا ہے اور آہیں بھرتا ہے جب وہ پلٹتی ہے۔'' اسی نظم کی دیگر عبارتیں مارکویس کی زیادہ مدح وثنا کرتی ہیں۔ ''وہ تو چوڑی چھاتی والا ہے گرانڈیل اور وجیہہ ہے''۔'' آرزو اور شوخی اس کی آنکھوں میں چمکتی ہے۔'' وہ بے فکرا ہے اور باتیں دلچسپ کرتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ والٹیر جس کا طنز بسا اوقات پر عناد ہوتا لگتا ہے جیسے وہ اپنے شکار سے دلچسپی رکھتا ہو اس لئے نظم میں ہمدردانہ تاثر شامل

کر دیتا ہے—— کورسیلون لڑائی میں اپنی لات گنوا بیٹھا تھا۔ تو پھر اس کی کیا غلطی تھی۔ والٹیر کا پیمانہ صرف ادبی ہے۔ ''عاشق کی معذوری'' کی اس لئے ملامت کی جاتی ہے کیونکہ وہ بہادری کے قوانین سے مطابقت نہیں پیدا کر پاتا جو ریساین نے تیار کئے تھے۔ ''یہی جھوٹا عشق ہمہ وقت کسا ہوا لگتا ہے/ تھیٹر میں نو یونانی دیویوں پر صدقے / جہاں پر ریساین فاتحانہ انداز میں رہنمائی کرتا ہے/ تہورانہ عشق نے اس کی رہائش کا انتخاب کیا'' / یہاں پر کوئی مخاصمانہ تقریر نہیں ہے/ والٹیر کا طنز کہیں زیادہ نرم ہے بہ مقابلہ جووینل یا ایلین ڈی للی کے۔ وہ اپنا خاتمہ شجاعانہ انداز سے کرتا ہے، اور ایک نامور اداکارہ سے استدعا کرتا ہے جو آڈرین لی کاورئیر ہے کہ وہ اپنی دلکشی کو استعمال کر کے تھیٹر کے شوقینوں کو راسخ العقیدہ بنا دے۔ والٹیر کے نظریات کبھی بھی اتنے شایستہ نہیں ہوں گے۔

والٹیر کے سب سے زیادہ نامور ہم جنس پرست دوستوں میں سے ایک کاونٹ فرانسکو الگاروٹی تھا یعنی مارکویس ڈی ولیٹے اور فریڈرک اعظم، اپنے دشمنوں میں جنہیں وہ اس بدی کا مرتکب ٹھہراتا اور متنفر تھا وہ ایبے ڈیس فونٹینز اور نقاد ایلی فریرون سے جن پر والٹیر نے ایسے لقب چسپاں کردیے جیسے ''افعی'' ''چور'' ''چاپلوس'' ''مدہوش'' ''بدصورت'' اور ایسا کیڑا جو ڈیس فونٹینز کی مقعد میں پیدا ہوتا ہے۔'' ۱۷۳۵ء میں الگاروٹی والٹیر اور اس کی داشتہ کا مہمان تھا جس کا نام مام ڈو چاٹلٹ تھا اس کا قیام آخر الذکر کے دیہی مکان پر چھ ہفتے رہا۔ جہاندیدہ کاونٹ ایک تئیس سالہ وینس کا باشندہ تھا جس نے اپنے دونوں میزبانوں کی جی بھر کر سیوا کی اور ان لوگوں کی وسیع النظر دلچسپیوں میں جو سائنس اور ادب سے تھیں ان میں جوش وخروش سے حصہ لیا۔ والٹیر اس کا ذکر کرتے ہوئے اسے ''ایک جوان آدمی کہتا جو زبان سے واقف ہو اور ہر ملک کی روایات سے آگاہ، وہ اس طرح اشعار کہتا ہے جیسے آریوسٹو اور جو اپنے لوک اور نیوٹن سے بھی واقف ہو۔'' انگلینڈ میں الگاروٹی نے لیڈی میری وورٹلی مونٹیگو اور لارڈ ہروی دونوں پر گویا سحر کر دیا۔ بعد میں اسے فریڈرک کے آزاد خیال حلقے کے لئے منتخب کر لیا گیا جو عالموں پر مبنی تھا اور برلن میں قایم کیا گیا تھا اور بقول والٹیر جہاں پر ''نہ عورتیں تھیں اور نہ ہی پادری صاحبان۔''

آلگاروٹی کے پھیرے کے بعد آنے والے موسم بہار میں والٹیر خود اس وقت ریشہ

خطمی ہو گیا جب اسے فریڈرک کا پہلا خط موصول ہوا جوان دنوں پر وسیا کا وارث تخت شہزادہ تھا جس نے اس کی تحریروں کو یہ کہہ کر سلامی دی تھی کہ ''ذہن کے زیورات'' تھیں اور التجا کی کہ اپنی غیر مطبوعہ تحریریں بھیجے۔ والٹیر جو خود بھی کسی سے کم چاپلوس نہ تھا اس نے جواب دیا اور فریڈرک کو یوں مخاطب کیا۔ ''فلسفی شہزادہ جو نوع انسان کو خوشتر بنا دے گا۔'' دونوں میں اتفاق ہو گیا کہ دونوں اوہام اور داروگیری کی مزاحمت کرتے رہیں گے۔ جلد ہی فریڈرک نے والٹیر سے گھگھیانا شروع کر دیا'' کہ آپ اپنا احسان فراموش ملک ترک کر دیں اور اس سرزمین پر چلے آئیں جہاں آپ کی پرستش ہوگی۔'' والٹیر نے جواب میں شہزادے کو یقین دلایا'' تم تو ٹراجن کی طرح سوچتے ہو اور پلنی کے مانند لکھتے ہو اور تم فرانسیسی اس طرح بولتے ہو جیسے ہمارے مصنفین ۔۔۔ تمہارے مبارک برلن کے سائے تلے جرمنی کا ایتھنز نمودار ہو گا جو پورے یورپ کا بھی ہو سکتا ہے۔'' والٹیر کی تحریر سے ولولہ پا کر فریڈرک نے اپنا میکاولی مخالف رخ دکھایا اور ان بادشاہوں کی ملامت کی جو'' ان فاتحین کی مہلک ناموری سے متاثر ہو کر یہ نہیں کرتے کہ عوام کے دل جیتیں نرمی سے، عدل اور عام معافی کے ذریعے۔'' (فریڈرک کی حکمرانی کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمیں یہاں کنایہ لگتا ہے)۔ والٹیر نے ایک پمفلٹ کا دیباچہ لکھا اور اسے دی ہیگ سے گمنام شخص کے نام سے شایع کرایا۔ جب ۱۷۴۰ء میں فریڈرک پروسیا کا بادشاہ بنا تو اس نے بڑی بے تابی سے والٹیر سے کلیوز کے مقام پر ایک ملاقات طے کر لی۔ جس میں دونوں نے ایک دوسرے کو وارفتہ کرنے کی کوشش کی۔ دوسری ملاقات کے بعد والٹیر نے نئے تاجور کو مزاحیہ نظم کے ذریعے یہ بتایا کہ اس کا برلن کا ایتھنز سے موازنہ کس قدر بجا ثابت ہوا۔ وہ الگاروٹی کو فریڈرک کے دربار میں ایک فرانسیسی کو گلے لگاتے ہوئے دیکھ چکا تھا —— اس کے تصورات میں سقراط ممکن ہے اپنے عشق میں السں بیاڈز سے ایسے ہی بغل گیر ہو رہا ہو۔

والٹیر کی بادشاہ سے دوستی بہت گہری اور جاری و ساری شوق والی تھی۔ جس میں کبھی کبھی موسم ابر آلود ہو جاتا اور طوفان آ جاتے۔ ایک تعجب خیز عشقیہ شہزادے نے رشتے کو ابتدائی دور سے ہی پھیلا دیا۔ ''کوئی چار برس سے تم میرے داشتہ ہو'' والٹیر نے بادشاہ کو ۱۷۴۰ء میں لکھا۔ لیکن فی الحال اس نے وضاحت کی مجھے مام ڈوچاٹلٹ کے پاس ہونا

چاہیئے۔''ہاں ، میں تو ایک قابل پرستش ذات کے قدموں میں بیٹھنے جارہا ہوں/ لیکن میں اپنا عشق تو نہیں چھوڑ کر جارہا ہوں۔'' اس نے فریڈرکؔ کو خطاب کرنے کے واسطے ''Grand Rol'' استعمال کیا (عظیم بادشاہ اور ستانے والے دلربا) اور یہ بھی اعلان کیا کہ یہ اس کی تمنا ہے کہ وہ اپنی پوری زندگی اس کے قدموں میں بسر کرے۔ آتش شوق میں جذبے کی فراوانی نمایاں ہے لیکن اس میں شہوانیت کا دخل نہیں لگتا۔ اگر چہ اس نے بڑی بے تکلفی سے اور وضاحت سے فریڈرکؔ کے دربار میں پائی جانے والی ہم جنس پرستی کی ثنویت کو تسلیم کیا تھا۔ والٹیئرؔ یہ احتیاط برتتا ہے اور اس بات سے فاصلے پر رہنا چاہتا ہے'' جہاں تک میرا معاملہ ہے میں تو بے نیاز ہوں/ اس یونانی مذاق کے معاملے میں/ جس میں فریڈرکؔ نے خود ہی جبراً بھرتی کر لیا تھا/ میں تو اپنی تعلیم اور محبوبہ کو چھوڑ کر آیا تھا۔''

والٹیئرؔ نے مزید چھ ہفتے پروشیا کے بادشاہ کی مقاربت میں ۱۷۴۳ء میں بسر کیئے۔ جادو سر چڑھ کر بول رہا تھا۔ فریڈرکؔ مسلسل والٹیر پر زور ڈالتا رہا کہ وہ اس کے ساتھ مستقلاً قیام کرے اور اسے یہ اطمینان دلایا جب والٹیئرؔ نے ایک فرانسیسی اسقف کی شکایت کی ''ہمارے ہاں کے تمام اسقف اچھے لوگ ہیں — چند آگے سے چودتے ہیں اور کچھ پیچھے سے لیکن کوئی بھی دوسرے کو آزار نہیں پہنچائے گا۔'' برلن کی دلچسپیاں اظہر من الشمس تھیں، یہاں چھپوانے کی آزادی ، ایک طاقتور تاجور سے بے تکلفانہ روابط ، حسب مذاق دلچسپیاں جس میں ظرافت کے ساتھ تعلق خاطر بھی تھا، موسیقی اور تھیٹر اور شاہی دستر خوان پر جان دار آزادنہ گفتگو اور دانشورانہ لین دن۔ یہ بھرا میلہ تو یوں لگتا تھا جیسے ورسیلز ہو لیکن کلیسائی راہبوں کی عاید کردہ پابندیوں کے بغیر۔ سات برس بعد فرانسیسی اہل اختیار کی جانب سے بڑھتی ہوئی چیرہ دستیوں اور یہ محسوس کرتے ہوئے کہ اب مام ڈوچاٹلٹؔ سے تعلقات ختم ہو چکے ہیں والٹیئرؔ نے ایک وقیع فیصلہ کیا۔ اس نے اعلان کر دیا کہ وہ اپنی باقی ماندہ زندگی فریڈرکؔ کے لئے وقف کر رہا ہے اور برلن ہی میں رہے گا۔ اپنی بھانجی کو اپنے خط میں وہ اس قدم کو ایک ''شادی کہتا ہے جس میں کئی برس تک راز و نیاز ہو چکے ہوں'' اور خود کو بیان کے مطابق اس حالت میں منبر کی جانب بڑھتے ہوئے دل دھڑ دھڑ کر رہا ہے۔

زندگی تین سال اور چلی اور جس میں المیہ/ طربیہ کا گڈمڈ جاری رہا۔ والٹیئرؔ نے غیر

قانونی طور پر غیر ملکی بانڈ خرید لئے جن کی وجہ سے اسے پریشان کن رسوائی کا سامنا کرنا پڑا۔ اور اس نے سر عام ایک اور در آمد شدہ دانشور سے اعلان جنگ کر دیا۔ بنام ماوپرٹوس جو فریڈرک کی بنائی ہوئی نئی برلن اکیڈمی کا سربراہ تھا۔ جب والٹیر کو بالآخر برلن چھوڑنا پڑا تو فرینکفرٹ میں فریڈرک کے ایجنٹوں کے ہاتھ اس وقت تک بدسلوکی ہوئی جب تک انہوں نے ان نظموں پر قبضہ نہ کر لیا جن میں اختلاط کا ذکر تھا اور جو فریڈرک نے اسے دی تھیں۔ اس کے باوجود دونوں نے اپنی پرجوش خط و کتابت از سرنو جاری کر دی۔ اور یہ اس وقت تک جاری رہی یہاں تک کہ پچیس سال بعد والٹیر کو موت نے آ لیا۔ مرتے دم والٹیر نے اس کا یوں خلاصہ کیا۔ یہ تھا، اس نے نہایت فیاضانہ انداز میں لکھا ''ایک عاشق'' کا جھگڑا، درباری سراسیمگی گزر گئیں لیکن خوبصورت حکمرانی کا شوق اپنی فطرت میں دائمی ہے۔''

تاہم مصالحت کے باوجود والٹیر بڑی بے تکلفی سے لکھتا رہا اور وہ بھی گریہ صفت انداز میں، اپنی یادداشتوں (۱۷۵۹ء میں وہ فریڈرک کی ہم جنس پرستی کے متعلق۔ بادشاہ وہ قلمبند کرتا ہے کہ ایک اسپارٹا طرز کی سادہ سی فوجی چارپائی پر سوتا ہے، لیکن ''جب عالم پناہ پوشاک پہن لیں اور جوتے چڑھالیں۔ تب رواقی چند لمحات اہل اپی کیورس کو دیتے، وہ دو یا تین پسندیدہ کو آنے دیتا جو اس کی رجمنٹ کے رنگروٹ ہوتے یا پیغام رساں لڑکے یا پھر پیدل فوج کے ہنگری کے جوان یا پھر نوجوان رنگروٹ۔ وہ کافی پیتے۔ وہ جس پر رومال ڈال دیا جاتا وہ پندرہ منٹ مزید تخلیے میں قیام کرتا۔'' (جب کہ ترک حرم میں وہ عورت جسے سلطان کے ساتھ سونے کے لئے منتخب کیا جاتا تو اسے ایک رومال پیش کیا جاتا)۔

والٹیر کے پوٹسڈام چھوڑنے سے پہلے فریڈرک نے اسے اکسایا کہ وہ اپنے افکار کو مذہب پر مرکوز کرے، اخلاقیات اور سماج پر فلاسفیکل ڈکشنری میں منظّم کرے تاہم جسے اس نے ۱۷۶۴ء تک نہ شایع کیا۔ اس میں ایک اندراج یہ ہے ''جنسی معاشقہ' (نام نہاد سقراطی معاشقہ) (جسے بہادری کے لئے وقف نہیں کیا گیا بلکہ حیوانی رویے پر!) ڈکشنری والٹیر کا سب سے زیادہ کامیاب متازعہ فیہہ آتشیں علمی کام ہے، تصیح شدہ، معہ تفصیلات کے اور جو بار ہا شایع ہوا اس کی زندگی میں اور بعد میں بھی۔ اس کا اس میں ہم جنس پرستی پر مضمون غالباً اٹھارہویں صدی میں سب سے زیادہ پڑھا جانے والا اعلان تھا جو اس موضوع پر شائع

ہوا تھا۔ آج کا قاری تاہم شاید اس میں شامل اصرار پر الجھن محسوس کرے اور اس کا لہجہ ہم جنس پرستی سے خوف کی وجہ سے درہم برہم کرنے والا لگے۔

والٹیر کو سمجھنے کے لئے ہمیں اس کے کئی تنازعات سمجھنے ہوں گے، ذاتی اور فلسفیانہ جن میں شاعر الجھا رہتا تھا۔ سب سے پہلے والا نسخہ جو اس مضمون کا ہے وہ اس سوال کے پوچھنے سے شروع ہوتا ہے ''یہ کیسے شروع ہوا کہ ایک بدی جو نوع انسان کو برباد کر سکتی ہے اگر یہ پھیل جائے، جو فطرت کے خلاف ایک ذلیل اشتعال انگیزی ہے۔ پھر بھی کیا یہ فطری ہے۔ لگتا یوں ہے کہ جیسے یہ انتہا درجے کی ادبدا کر بدعنوانی ہو۔ اور اس کے باوجود یہ ان کی عمومی حالت ہے جنہیں ابھی اس کا موقعہ نہیں ملا کہ بدراہ ہو جائیں۔'' کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ایسا کیوں ہے کہ اسکول کے لڑکے بھی ایک دوسرے کو پسند کرنے لگتے ہیں۔ والٹیر ہمیں یاد رکھنا چاہئے ایک موحد تھا، اخلاقیات اس کی نظر میں الوہی وحی سے نہیں اخذ کی گئی تھیں بلکہ ان عالمی قوانین سے کشید کی گئی ہیں جو تمام لوگوں کے دل میں خیر اندیش خالق نے رکھے ہیں۔ ساری تہذیبیں، والٹیر کی دلیل کے مطابق حقوق ملکیت کو تسلیم کرتی ہیں اور متین حلفوں کو اور ضرررساں جھوٹ کی مذمت کرتی ہیں، افترا پردازی، قتل یا زہر خورانی۔ والٹیر چند جنسی افعال تک کو ''قدرتی قانون'' کی خلاف ورزی سمجھتا تھا۔ جن میں چند اقسام کی تزویج محرمات اور ہم جنس پرستی بھی شامل تھیں —— چونکہ اسکول کے لڑکوں کے درمیان جنسی عشق لگتا ہے جیسے تردید کر رہا ہو اس نظریے کی جس میں خلقی تضاد ہو۔ والٹیر نے اس لئے خود کو مجبور پایا کہ وہ ''فطری'' اساس کی وضاحت کر دے۔ اس کا جواب ''اکثر دو یا تین سال سے ایک نوجوان آدمی ایک خوبصورت لڑکی سے ملتا جلتا نظر آتا ہے جس میں اس کا رنگ بھی شگفتہ ہے اور اس کے لباس میں بھی رنگا رنگی ہوتی ہے اور اس کی آنکھوں کی چمک اگر وہ محبت کرنے لگے یہ سب کچھ فطرت کی ایک غلطی ہے۔ داد تحسین کی جاتی ہے تو صنف نازک کی اور اس کے اوصاف بیان کئے جاتے ہیں جن کی وہ مالکہ ہے اور جب عمر ڈھلنے سے یہ تمام مشابہتیں کافور ہو جاتی ہیں تو یہی غلطی ناپید ہو جاتی ہے۔''

والٹیر اس امر پر ناخوش رہتا کہ اس کے یونانی ہیرو ایسے تھے جو مردوں کے درمیان ہونے والے معاملات کے حامی تھے۔ ''یہ میرے لئے ناقابل برداشت ہے۔'' اس نے

لکھا۔ ''کسی کو یہ کہتے سننا کہ یونانیوں نے اس کی اجازت دے دی تھی۔'' لیکن والٹیر کا نظریہ تاریخ اور اخلاقیات نہایت ہٹ دھری تھی۔ اپنی کتاب 'فلاسفی ڈی لا۔ ہسٹری' میں اس نے استدلال کیا کہ ہیروڈوٹس نے مذہبی جسم فروشی کا ماجرہ جو اہل بابل میں بیان کیا ہے اسے تسلیم نہیں کیا جانا چاہیئے کیونکہ اس قسم کا نظام ''قانون فطرت'' کومسخ کر ڈالے گا، وہ اس لئے یہ ماننے کو تیار نہیں ہے ''کہ کبھی کوئی ایسی مہذب قوم گزری ہے جس نے ایسے قوانین نافذ کئے جو اخلاق کے خلاف تھے۔'' جیسا کہ والٹیر کے ہم عصر میچلو ایرگرم نے شکوہ کیا ''والٹیر یہ سمجھتا ہے کہ بیان کئے ہوئے حقایق کے استناد پر کوئی بھی شخص اظہار شک کرسکتا ہے جو حقیقی استدلال سے مطابقت نہیں رکھتے۔'' سولون، والٹیر نے اعلان کیا کبھی بھی ایک ہی جنس کے مابین رشتوں کو اپنی سنجیدہ عمر میں حمایت نہیں کرسکتا تھا اس کے باوجود کہ اس نے اپنی نوجوانی میں ہم جنس پرست اشعار کہے تھے۔ مگر یہ فرض کرلینا کہ سولون، تھیوڈورڈی بیز کی مانند جس سے وہ اس کا موازنہ کرتا ہے وہ اپنی ابتدائی ہم جنس پرستی والی شاعری سے مکر جاتا، مگر وہ بہ مشکل اس فرق کو اپنے ذہن میں رکھتا ہے جو یونان کے سولون اور جینوا کے کالون میں تھا۔ آخر کار والٹیر کی قانون کی اصلاح کے لئے مصروفیات نے اسے اپنے تعصّبات پر قابو پانے میں مدد پہنچائی۔ اپنے زیریں حاشیے میں وہ جلانے والی سزا کی یہ کہہ کر مذمت کرتا ہے کہ یہ زیادہ سخت سزا ہے۔ ''بھئی حد ہوگئی ۔۔۔ ہمیں جرم کی مناسبت سے سزا دینا چاہیئے۔ اس موقع پر سیزر، السبیاڈز، نکومیڈس جو بیتھنیا کا بادشاہ تھا، ہنری سوم فرانس کا بادشاہ اور دوسرے بہت سے بادشاہ کہتے۔''

یہ تبصرہ ایک اور دیرینہ دشمن کی بھی خبر لیتا ہے جس کا نام ایبے ڈیس فونٹینز تھا جو اس کے بیان کے مطابق ''اس منزل پر پہنچ گیا تھا کہ وہ پلیس ڈی گریو پر جلا ہی ڈالا گیا ہوتا'' والٹیر گای اوٹ ڈیس فونٹینز کا عرصے سے دوست تھا جسے اس نے قید و بند سے بچایا تھا جب کہ اس پر اغلام بازی کے علاوہ پیرس کی پولس کے کام میں مداخلت بیجا کا بھی الزام تھا۔ لیکن جب بعد میں ڈیس فونٹینز نے والٹیر کے المیے پر تنقید کی تو شاعر کو اس کی احسان فراموشی پر غصہ آ گیا۔ ایک طویل جنگ چھڑ گئی جس میں دونوں نے فحش اور اہانت آمیز زبان کا تبادلہ کیا (والٹیر نے یہاں تک کیا کہ انٹی گایٹن میں چند سطروں کا اضافہ کردیا اور

اس ''غلیظ اصول پرست'' شخص کو بدنام کیا) یہ ایک ایسا بکھیڑا تھا جس سے دونوں میں سے کسی کو بھی کوئی فایدہ پہنچا ہو مگر دونوں کو ہی دوستوں نے برا بھلا کہا۔ اس کے باوجود اس زمانے میں زہریلی لعنت ملامت کلیسائی حلقے اور غیر کلیسائی حلقوں میں بڑی پسندیدہ بات تھی۔ اپنے ایک خط میں جو ایپے تھیرو نے پولس کو لکھا تھا جس سے ہم پہلے بطور مستقل مزاج مخبر کے ملے تھے، والٹیر کو ماخوذ کرتا ہے۔

> یہ کہا جاتا ہے کہ سیور آراوٹ ڈی والٹیر اس پر کمر بستہ ہے اس کی ترغیب دے کر اس کے عزیز اور بے تکلف دوست ایپے گای اوٹ ڈیس فونٹینز کو آزادی ملے۔ اور یہ بھی کہ اگر وہ اس کی کھلم کھلا مدد نہ کر سکا تو وہ کئی افراد کی حمایت حاصل کرے گا جو باحیثیت ہیں اور بااختیار ہیں۔ اور اگر کوئی یہ جاننا چاہے کہ اس شاعر کی زندگی جیسوٹس کالج کو چھوڑنے کے بعد کیسی گزری اور اگر آپ ان لوگوں سے چھان بین کریں جن سے وہ رابطے میں رہا تو تمہارے دل میں اس کی کوئی وقعت نہ رہے گی جب اس کی التجائیں نہ صرف اس کے دوستوں کے لئے، اور تمہارے دل میں اس کا وقار اور اس کے دوستوں کے متعلق بہت حد تک مشکوک ہو جائے گا۔

تھیرو کا یہ کہنا کہ والٹیر ایک لونڈے باز ہے کیونکہ اس کے سماجی تعلقات نہایت قربت والے ہیں اس گروہ سے جن کی وہ جاسوسی کرتا تھا۔ چند سوانح نگاروں کا خیال ہے کہ والٹیر نوجوانی میں ایک ہی جنس کے تعلقات میں ملوث رہ چکا ہو۔

بعد میں والٹیر نے بیکاریا کی کتاب پڑھی اور قانون کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا اور بڑے جوش و خروش سے ۔کسی فرانسیسی ترجمے پر پیش لفظ لکھتے ہوئے اور تبصرہ بھی کیا۔ ایسا ۱۷۷۷ء میں ہوا جب ''سوسایٹی اکنامق آف برن' ' نے ایک انعام کی پیشکش کی کوئی مثالی فوجداری ضابطہ لکھ دے۔ والٹیر نے اس منصوبے کے لئے رقم مہیا کر دی اور ایک مضمون لکھا اور اس کا عنوان اپنا رکھا۔

اس میں والٹیر نے اغلام بازی پر ہونے والی قانون سازی کی تاریخ کھنگال ڈالی اور اس امر کی مذمت کی کہ سینٹ لویس کے کرتا دھرتاوں کو استعمال کیا گیا'' تا کہ چند بدنصیب مجرموں کو زندہ جلا ڈالا جائے جو اس غلاظت میں سزایاب ہوئے تھے۔'' اور اس کا بھی

استدلال کیا کہ ایسے کرتوت ممکن ہے کہیں زیادہ ''چھپے رہیں گمنامی کے پردوں میں بجائے اس کے کہ شعلوں میں اغلام باز چمکیں وہ بھی لاتعداد لوگوں کی نظروں میں۔''

یہ آخری مقالہ ایک مرتبہ اور والٹیر میں پائی جانے والی ثنویت ظاہر کرتا ہے جیسا کہ یہ اغلام بازی کی مخالف خطابت سے مملو ہے۔ والٹیر مردوں کے مابین جنسی رشتوں کو ''ایسی کمینگی کہتا ہے جو انسانی فطرت کو ذلیل کرتی ہے۔'' اور کہتا ہے کہ ''یہ بدی نوع انسان کے شایان شان نہیں ہے اور ہماری درشت آب و ہوا میں گمنام (!) ہے۔ اس کے باوجود اس وقت تک والٹیر کے تعلقات فریڈرک سے گرم جوشی والے ہو چکے تھے اور اس کے چند ایک نزدیکی دوستوں میں سے ایک اشرافیہ کا جوان فرد تھا جس کی ہم جنس پرستی سے وہ بہ خوبی واقف تھا۔ والٹیر نے مارکویسی ڈی ولیٹے کی شاعری کی غیر ضروری مدح و ثنا کی اور اسے ''فرانسیسی ٹیبولس'' قرار دے دیا اور شکریہ ادا کیا کہ وہ چل کر ''اس کی ہمت افزائی'' کو آیا اور ۱۷۶۵ء میں اس کی جائے عافیت واقع فرنی میں آیا اور اسے بطور فلسوفی ملازم رکھ لیا۔ اس کے باوجود انگنت فحش جملے جو مارکویس کے خلاف ہوئے انہوں نے اسے بلا خوف تردید سب سے زیادہ بدنام ہم جنس پرست ٹھہرایا اور والٹیر اپنے خطوط میں بڑے دھڑلے سے ویلیٹ کی ترجیحات کا مذاق اڑاتا اسے جب بھی خط لکھتا۔ اس نے قدرے رجایت کے ساتھ یہ چاہا کہ اس کی دلچسپیوں کا رخ اس طرح پھیر دے کہ اپنی فرنی کی رہایش گاہ کے قریب رہنے والی جوان دلکش متوسل لڑکی کو اس سے بیاہ دے۔ جوڑے نے والٹیر کی ضعیفی میں بڑی محبت سے خدمت کی اور ۱۷۷۸ء میں وہ اپنے پیرس کے گھر میں انتقال کر گیا۔ ولیٹے نے اس کا دل ایک گلدان نما ظرف میں محفوظ کر لیا جس پر یہ نقش تھا (اس کی روح ہر جگہ پائی جاتی ہے لیکن دل یہاں پر ہے)۔ ہم ولیٹے کو امنڈتے ہوئے انقلاب میں ایک اہم کردار ادا کرتے ہوئے دیکھیں گے۔

آپ ہی بتائیے کہ ہم والٹیر کی غیر مربوط حرکات کا کیا جواز پیش کریں۔ یوں لگتا ہے کہ وہ دلکش اور وجیہہ لوگوں سے متاثر ہو کر ان کی رفاقتوں سے لطف اندوز ہوتا جو ہوشیار اور ہم جنس پرست ہوتے اور وہ ان پر مدد اور کفالت کے لئے انحصار کرتا۔ جدید عامیانہ بولی ایسی عورتوں کو جو 'گے' مردوں کی رفاقت سے لطف اندوز ہوتی ہیں ناحق ''چھوٹی چڑیل

(Fag Hags)'' کہتے ہیں ۔ہمیں تو ذہن میں والٹیر کو لانا چاہئے جو ان عورتوں کا مردانہ روپ تھا۔ انٹی گیٹن تو بظاہر ناپسندیدہ ہے اور اس کے خطوط جو فریڈرک اور الگاروٹی کے نام ہیں ان میں تو بڑا سرسری انداز اختیار کیا گیا ہے، ظریفانہ پیچاک اس کے باوجود اس کے دو مطبوعہ مضامین اپنے اس اصرار کے باوجود کہ قانون میں اصلاح ہونا چاہئے صاف صاف ملامتی ہیں یعنی ہم جنس پرستی کی یہ کہہ کر مذمت ''کراہت کی حد تک ناگوار'' جو نسل انسانی کو ختم کرسکتی ہے۔کیا یہ سادہ سی منافقت ہے جس میں ایک آزادی کا متوالا منہ چڑھا جب نجی طور پر (مردوں) کے حلقے میں ہو اور عوام میں ریاکارانہ تمکنت اختیار کرے۔ یا اس کے علاوہ کچھ اور بھی ہورہا تھا۔

اس کا جزواً جواب اس ایڈیشن میں شاید موجود ہو جب والٹیر نے سقراطی عشق پر اپنے مضمون کا جایزہ لیا۔اس نے مین میکھ نکالنے والا لہجہ اور مستحکم کردیا اور ایسے شخص کے درپے جس کا ریشہ ریشہ ابن الوقتی سے معمور اور خطوط میں لاابالی پن، ان میں اس نے ایک تمہیدی تبصرہ بڑھایا ''اگر عشق سقراطی کہا جائے اور افلاطونی عشق کو ایک شایستہ جذبہ تو ہمیں اس کی واہ واہ کرنا چاہئے اور اگر یہ اوباشی عشق ہے تو سب کو یونانی مذاق پر شرمانا چاہئے۔''اس سے زیادہ اہم، اس نے بڑے زور وشور سے مضمون میں پائے جانے والے کلیسایت دشمن خیالات کو پھیلایا اور اضافہ (۱۷۷۱ء) کیا اور کامیلیٹ مسیحی فرقے کے ایک پادری کی جانب واضح اشارہ کرتے ہوئے جو اس کے پڑوس میں رہتا تھا اور جس پر الزام تھا کہ وہ اپنے شاگردوں کو پھانسا کرتا تھا۔اس واقعے کو نظیر بنا کر وہ عمومیت کی گنجایش نکالتا ہے۔ ''یہ تفریحات اساتذہ اور اسکول کے لڑکوں میں اتنی زیادہ عام تھیں۔ وہ راہب جن کی ذمہ داری نوعمروں کو تعلیم دینا تھا وہ ہمیشہ کسی نہ کسی حد تک لونڈے بازی میں مبتلا رہتے۔ اور یہ اساتذہ میں پائے جانے والے تجرد کا لازمی نتیجہ ہوتا ہے جس کے لئے یہ بیچارے مرد اساتذہ ملامت کا نشانہ بنائے جاتے ہیں۔۔۔ یہ کسی بھی استاد کے لئے عجیب سا انتخاب ہوتا ہے یا تو باعصمت رہے یا پھر اغلام باز۔''

والٹیر کی فلسفیانہ داستانیں جو اس کے زمانے میں بہت مقبول تھیں ان ہی خطوط کو پیٹتی رہتیں۔ان میں جو سب سے زیادہ مقبول تھی یعنی کانڈ ایڈ اس میں وہ تواتر کے ساتھ کیتھولک

پادریوں کو اغلام بازی سے منسوب کیئے جاتا۔ پان گلوسؔ کی آ تشک کی بیماری کا سراغ لگاتے ہوئے وہ ایک شاہی پیغام رساں جوان تک پہنچ جاتا ہے ''جسے یہ بیماری ایک جیسوٹ سے ملی تھی۔'' اورکون گونڈؔ کے متکبر بھائی کو جو عہدہ ملا تھا وہ کلیسائی عہدیدار کے طفیل تھا جو ایک عمر رسیدہ جیسوٹ تھا جسے وہ ''بہت خوبصورت'' لگا تھا۔ کہانی 'وا ںیجز ڈی سکارمینٹا ڈو' کا نوخیز ہیرو روم میں ایک استاد سے ملتا ہے جو اسے اپنے حلقے میں شامل کرنے کے لئے بے تاب ہے'' کہ وہ لونڈوں کی فہرست میں آ جائے۔''اور جب خوبرو ہیرو کہانی 'لا پرنسس ڈی بیبی لون' اسی شہر کا پھیرا لگا تا ہے تو سرخ اور ارغوانی رنگ کے کپڑوں میں ملبوس مرد ''اس پر نظر التفات ڈالتے ہیں'' اور اس کے حسن کی تعریف دبی زبان سے کرتے ہیں۔

سولہویں صدی کے سر پھرے جون بیلؔ پروٹسٹنٹ کی طرح والٹیرؔ نے یہ قرین مصلحت جانا کہ وہ اغلام بازی کا الزام کیتھولک اہل کلیسا پر لگائے۔ اور یہ بھی کہ اس کی مہم جوئی نے شدید تعصّبات کی اس طرح بہم رسانی کی جس سے ان بہت سے لوگوں کی زندگی دشوار ہوگئی جن کی حیثیت فریڈرکؔ ، الگاروٹیؔ یا پھر ولیٹےؔ کے سامنے کم تھی مگر یہ بات اس کے ذہن میں کبھی نہ آئی۔ یوں لگتا ہے جیسے اس کی نظر میں ہم جنس پرست کسی شمار قطار میں نہ تھے اور انہیں اس نے پیرس اور فرانس میں بڑی قلیل تعداد میں سمجھا۔ لیکن بالکل اسی طرح جس بے شرمی سے اس نے مقبول صہونیت دشمنی کے لئے عہد نامہ قدیم کو کھوکھلا کیا (اور مسیحی عقیدے سے قربت دکھائی) اس لئے والٹیرؔ کے دل میں کوئی لحاظ نہ تھا جب وہ مقبول ہم جنس پرستی سے خوف کو ان ''رسوائے زمانہ'' لوگوں کے خلاف چلا رہا تھا۔

ڈائڈروٹؔ اور سیڈؔ:

والٹیرؔ ایسا مصنف تھا جو اخلاقیات اور قانون کی اصلاح کے لئے لکھتا تھا۔ ڈینس ڈائڈروٹؔ انسائیکلوپیڈیا کا سب سے بڑا محرک تھا اور بطور فلسفی جس کا شمار والٹیرؔ کے بعد عصری شہرت میں ہوتا، اس نے جنس تک رسائی بطور ماہر نفسیات حاصل کی ۔ وہ خدا کے

وجود کا منکر اور مادہ پرست تھا جو یہ چاہتا کہ ''وضاحت'' کی جائے کہ ہم جنس پرستی ایک انسانی مظہر ہے۔ ڈائیڈروٹ نے محسوس کیا کہ نئی طبع ہونے والی تحریریں جو فرانسیسی تلاش کرنے والوں نے شمالی امریکہ میں لکھی تھیں وہ اسے پنجہ آزمائی پر اکسا رہی تھیں۔ سولہویں صدی میں ہونے والے مشاہدات نے جو مقامی امریکی آبادی سے حاصل ہوئے تھے انہوں نے ایسے مذہبی مباحث کو چھیڑا جو اسپین کی نئی دنیا کی فتوحات کے متعلق تھیں کہ آیا یہ قانون کی نظر میں جائز تھیں۔ اس کے بجائے ڈائیڈروٹ نے یہ پسند کیا اور قیاس کیا ان ''اسباب'' پر جنہیں وہ ''غیر فطری امریکی مذاق'' کہتا جس کے لئے اس نے ایک جامع فہرست تیار کی۔

> میں یہ ضروری سمجھتا ہوں کہ ان اسباب کا پتہ چلایا جائے اور وہ بھی موسم کی گرمی میں اور کمزور جنس کو حقیر جان کر، مزے کے پھیکے پن میں اور ایک عورت کی آغوش میں جو تکان سے الست ہو اور مذاقوں میں بے ربطی ہو اور بے ہیت ترنگ ہو جو مردوں کو عموماً اکساتی ہے کہ کم عمومی جنسی لطافتوں میں پڑیں۔ جنسی مسرت کی تلاش میں جس کے متعلق بہ آسانی تصور کیا جاسکتا ہے بہ نسبت اس کے کہ آیا یہ شایستہ ہے کہ ان کی وضاحت کی جائے۔ شاید اعضا کے ترمیم و تبدل میں جو بہتر تناسب پایا جاتا ہے امریکی مردوں کے بجائے امریکی مرد اور امریکی عورت میں۔ یہ ایسا عدم تناسب ہے جو ایسا سبب پیدا کردے گا جس سے امریکیوں میں اپنی عورتوں سے بیزاری اور عورتوں میں یورپی مردوں کی آرزو پیدا ہوگی۔

اس سے پہلے کہ ہم ان گھبرائے ہوئے رہنما ''اسباب'' پر مسکرائیں ہمیں چاہیے کہ ذرا سا توقف کرکے ذہن پر زور ڈالیں اور ان لاتعداد نظریات کے متعلق سوچیں جو پیدا ہوئے فرائیڈ کی صورت میں اور بیسویں صدی کی نفسیات کی شکل میں۔

بسا اوقات ڈائیڈروٹ جنسکاری کو ایک ازلی اور قدیم طاقت سمجھتا ہے جس کا منتہا اور مقصد مسرت کی جو یای ہے اور محض اتفاقاً تخلیق میں ہاتھ بٹاتا ہوا۔ اس کی جستجو سے پر تنقید جو جنسیت پر ہے اسے آپ اس مکالمے میں دیکھ سکتے ہیں جو اس نے ۱۷۶۹ء میں لکھا تھا اور اس کے ساتھ اس نے 'ڈالمبرٹ کا خواب' بطور ''حاصل کلام'' نتھی کردیا۔ رات میں

عشائیے کے بعد ہونے والی بات چیت میں ڈالمبرٹ کی میزبان جولی ڈی لا اسپینا سے اور ڈاکٹر بورڈیو (حقیقی زندگی میں ڈایڈروٹ کا ذاتی طبیب) جنسی اشجار ممنوعہ پر گفتگو کرتے ہیں ان سب کو یہ گہرا احساس ہے کہ وہ لوگ فکری طور پر جراتمند ہیں۔ ڈاکٹر جو کسی فرد کی صحت اور مسرت کو تمام اشیا پر فوقیت دیتا ہے ملی ڈی لا اسپینا سے جب یہ انداز اختیار کرتی ہے تو وہ گرفت کرتا ہے ''فطرت کے خلاف''۔ ایسی زبان اس کی دانست میں ناجایز ہے اور پھر وہ اس پر اڑ جاتا ہے اور والٹیر کے نظریے کی مخالفت پر اتر آتا ہے کہ کس کایناتی قانون کا وجود ہے جو جنسی رشتوں کو چلاتا ہے۔ ''کوئی بھی شے جو وجود رکھتی ہے نہ تو وہ فطرت کے خلاف ہوسکتی ہے اور نہ ہی فطرت کی حدود سے باہر'' اور میں تو اس حد تک کہہ سکتا ہوں کہ اس میں باعصمت ہونا یا شہوانی خواہشوں کو روکنے کی رضا کارانہ قوت کو بھی مستثنی نہیں کرسکتا، جو فطرت کے خلاف سب سے زیادہ سنگین جرم ہوسکتا ہے اگر کہیں یہ ممکن ہوتا کہ کوئی فطرت کے خلاف گناہ کرسکتا یا پھر اس کے خلاف ارتکاب جرم کرسکتا۔'' مشت زنی کی مثال کے طور پر عام طور سے یہ کہہ کر مذمت کی جاتی ہے کہ ''غیر فطری'' ہے اور یہ اہل اخلاقیات کا کہنا ہے جب کہ وہ بہت پرلطف ہے اور سکون بخش ہوتے ہوئے ''خون میں رطوبت کی زیادتی'' کم کرتی ہے اور غیر قانونی جنس کاری کے خطرات میں تخفیف کرتی ہے اور اسی طرح عفونت کو پیدا نہیں ہونے دیتی۔

لیکن ایسے افعال جن سے نسل بڑھانا مقصود نہ ہو اور اس میں دو افراد شریک ہوں بجائے کسی ایک فرد کے۔ ''میں اس لئے تم سے پوچھتا ہوں کہ عام سوجھ بوجھ کا اس میں کیا فیصلہ ہوگا جب دو افراد مصروف عمل ہوں اور دونوں کا مقصد مساوی طور پر تسکین ہوس ہو اور دونوں ہی اسے سمجھتے ہوں کہ ایک بے سود مسرت دے رہے ہوں۔ لیکن ان میں سے ایک تو مسرت دوسرے کو دے رہا ہے جو فاعل ہے اور دوسرا مسرت مہیا کررہا ہے دونوں ہی کو جس میں وہ خود بھی شامل ہے یا پھر کسی ایسے کو جو اس ہی کا ہم ذات ہے یا پھر جنس مخالف کا۔'' ڈایڈروٹ کا ڈاکٹر یہ سمجھتا ہے کہ ہم جنسی والے تعلقات کا عشق سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ خانہ بدوش مصلحتیں ہیں یا پھر محض ہوس رانی جو پرشباب مردانہ حسن کی دین ہوتی ہے۔ گفتگو کے خاتمے پر جب ملی لا اسپینا سے پوچھتی ہے ''یہ بتایئے کہ ان جنسی بے راہ

رویوں کی تہہ میں کیا چیز بیٹھی ہوئی ہے۔'' تو بورڈو معاً ہم جنس پرستی کے افعال کو بہتر کہنے لگتا ہے اور ایک طبی مسئلہ بتانے لگتا ہے۔ ہمیشہ کی طرح (!) ان کا سراغ ایک کمزوری سے ہے جو جوان افراد کے اعصابی تانے بانے میں ہوتا ہے یا پھر بوڑھے لوگوں کے سڑے ہوئے دماغوں میں ہوتا ہے۔ ایتھنز میں انہیں حسن کی دلربائی والی قوت کھینچ لاتی تھی، مگر (پاپائے) روم میں اس کی وجہ عورتوں کی کمی تھی اور پیرس میں اس کا سبب آتشک کا خوف ہے۔'' خدا حافظ، خدا حافظ'' ڈایڈروٹ اس بات سے بہ خوبی آگاہ تھا کہ اس کے جنس کی نسبت اساسی خیالات ممکن ہے مشتعل کردیں اور حملوں کا سبب بنیں۔ اس کا لکھا ہوا مسودہ ۱۸۳۰ء تک نہ شایع ہوا جب اسے وفات پائے چھیالیس برس گزر چکے تھے۔

والٹیر کی طرح ڈایڈروٹ ایسا شخص نہ تھا جو لوگوں کو نہ الزام دے اور اپنے طنزیہ مضامین میں ہم جنس پرستی کے چار چوبے میں نہ کسے جیسا کہ اس نے فریڈرک اعظم کی نظم میں کیا تھا۔ تاہم ڈایڈروٹ کو خود اس بات میں شک تھا جس کا بورڈو نے ذکر ''ورغلانے والی طاقت'' کے کیا ہے جو وجیہہ جوانوں کو جیسا کہ اس نے اپنی فنوں پر تنقید والی عبارت میں کہا ہے۔ اگر چہ ڈایڈروٹ کا خیال یہ تھا کہ مسیحی فن المناک خیالات کے لئے بہترین مواقع مہیا کرتا ہے، اس کا یہ استدلال تھا کہ کلاسیکل فن عظیم مسرتوں کا سرچشمہ ہوتا ہے۔ ''اس لئے یہ کوئی موازنہ نہ ہوگا کہ ہم اپنے صوفیوں اپنے حواریوں کا اور افسردہ حالت وجد میں اپنی کنواری کو اور وہ بڑی ضیافتیں جس میں دیوتاؤں کی شرکت ہوتی اور کسرتی اور جسیم ہرکولیس اپنے ڈنڈے پر جھکا تعشق آمیز نظروں سے نازک اندام ہیبے کو دیکھ رہا ہے۔۔۔ جہاں پر خداؤں کا مالک خود کو اس امرت دھارا سے مخمور کر رہا ہے جو لبالب بھرا ہوا ہے اور اس پر گر رہا ہے اور اس کا گرانے والا ایک جوان لڑکا ہے جس کے شانے دودھیا رنگ کے اور رانیں سنگ جراحت کے سفید رنگ جیسی ہیں۔ وہ اپنی حاسد بیوی کے دل کو سخت بیزاری سے بھر دیتا ہے۔'' لیکن ڈایڈروٹ مزید پیش قدمی کرتا ہے اپنے مضمون (پینٹنگ پر مضمون) میں وہ اپنے ذہن میں ایک فرضی مگر بایبلی منظر لاتا ہے۔ کانا میں شادی۔ اس کلاسیکل دو جنسیا وضع میں ''مسیح نیم مخمور، قدرے غیر تقلیدی دلہن کی کسی خادمہ کی چھاتی میں اگر جھانکتا اور سینٹ جون کے چوتڑوں پر نظر ڈالتا، یہ بات یقینی نہیں ہے کہ وہ پھر بھی

حواریوں سے مخلص رہتا جب کہ اس کی تھوڑی روشنی میں گم ہوجاتی۔ انگلینڈ میں ایک ''غیر مقلدی'' سے مراد ہوتی ہے کہ ایک غیر انگلیکن جو عموماً کسی پارسائی پر کاربند فرقہ کا رکن ہو۔ اٹھارہویں صدی کے فرانس میں اس میں ایک طنزیہ تضاد ہے ''غیر مقلد'' سے مراد اغلام باز لیا جاتا اور اسے ڈکشنیر یونیورسل میں جنہیں جیسوٹ والے شایع کرتے ایسی ہی وضاحت کی جاتی۔ ہم یہ لحاظ کر سکتے ہیں کہ ڈاڈیروٹ یہاں پر اسے ان معنوں میں استعمال کر رہا ہے جیسے نفسیاتی رجحان کا ذکر ہو۔

اپنی داشتہ صوفی دلانڈ کو ایک خط میں ڈاڈیروٹ نے تفصیل سے ان طریقوں کو لکھا کہ کس طرح صاف گوئی سے سوانح عمریوں میں انسانی فطرت کو منور کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ایسا کوئی ہے جو یہ پوچھے اور اس کے لئے ہمت لائے تاکہ ''اپنے ذہن میں آنے والے تمام خیالات کو قلمبند کرے، اپنے دل کی تمام دلچسپیوں کو اپنے ہر درد کو اور ہر مسرت کو۔'' یہ کہیں آسان ہوگا، اس کے خیال میں کہ برے جرایم کو لکھ لیا جائے بہ مقابلہ جذبات کے جو سب مخفی، نقاب پوش اور ادنی'' ہوتے ہیں اور اپنے قاتل خیالات کا اعتراف کر لے بجائے اس کے کہ تسلیم کرے'' کہ ایک دن جب میں حمام میں تھا اور وہاں بہت سے نوجوان مرد تھے ان میں میں نے ایک نہایت حیران کن حسین مرد کو دیکھا اور میں اس سے ملے بغیر نہ رہ سکا۔'' اس سے لگتا ہے جیسے یہ ایک ملفوف اعتراف ہے جسے شرم اور خوف نے مسخ کر دیا ہو۔ کوئی بھی سوچتا ہے کہ کیا ڈاڈیروٹ خود بھی ''غیر مقلد'' تھا اور پوری طرح دو جنسیا۔

اپنے حریفوں جیسوٹ کی طرح فلاسفہ خود بھی اکثر الزام دہی کی زد پر آ جاتے کہ وہ جنسی معالے میں غیر مقلد ہیں، ہم جنس پرستی کے بیان کرنے کے لئے فرانس میں ایک نرم پیرایہ مقبول تھا جسے ''فلاسفہ کا گناہ'' کہا جاتا۔ آغاز میں تو یہ اصطلاح یونانی فلسفیوں کا حوالہ دینے کے لئے استعمال ہوتی مثلاً سقراط، لیکن اس کا ایک اور مصرف نکل آیا جس کے معنی یہ تھے کہ آزاد خیالی اور ہم جنس پرستی کا فلسفیوں کی زندگیوں میں ایک قسم کا رابطہ تھا۔ آج کل بہ مشکل کوئی فحش تصاویر کو انسانی ذہن کے افعال سے تعلق جوڑتا ہو لیکن اٹھارہویں صدی کے فرانس میں اساسی مفکرین فحش تحریریں لکھتے نہ صرف تشویش کی نظر سے بلکہ روایتی

اخلاقیات کو للکارنے کی غرض سے بھی۔ ڈا آ رجینس ، ڈاایڈروٹ اور میرابو سب ہی نے شہوانی افسانے لکھے جن میں کبھی چپٹی بازعورتیں ہوتیں اور یا پھر ہم جنس پرست مرد اور جو اپنے ذوق کی ڈٹ کر وکالت کرتے ۔ کلیسائی راوی ایک نامعلوم مصنف کی تحریر لاہسٹا یرڈی۔ ڈوم باوگرے (۱۷۴۱ء) میں قاری سے استفسار کرتا ہے کہ وہ بغیر کسی ''تعصب'' کے غیر جسمانی مسرتوں پر توجہ کریں: ''ان اسکولوں کو جائیں جہاں یونان کے نہایت معروف صوفی اور ایسی جگہ جائیں جہاں ہمارے عہد کے سب سے زیادہ چاق و چوبند لوگ ہوتے ہیں، تمہیں معلوم ہوجائے گا کہ کیسے جیا جاتا ہے۔'' بطور خاص اس کہانی کو دونوں طرح پڑھا جاسکتا ہے۔ بطور ہم جنس پرستی کی مدافعت کے یا پھر اہل کلیسا کی بدعنوانیوں کا بھانڈا پھوڑنے کے لئے۔

لیکن انتہائی قابل ذکر بندھن جہاں شوخ فحاشی کا فیاضانہ فہم و ادراک سے ہوا وہ مارکویس ڈی سیڈ کی تصنیف ''فلاسفی ان دی بیڈروم'' میں ہوا۔ یہ ایسا ناول ہے جس میں بدمستیوں کی محفل کے رنگ میں بھنگ ڈال کر ایک انقلابی منشور پہنچایا جاتا ہے—— ''ہاں ایک اور دھکا، فرانسیسیو، اگر تم ریپبلکن بن گئے'' تو اس میں قوانین کی اصلاح کے لئے بھی ایک جراتمند پروگرام شامل ہوگا۔

> لیکن اغلام بازی وہ مبینہ جرم جس کے سبب ان شہروں پر جو اس علت میں مبتلا ہیں ان پر دوزخ کی آگ برسے گی۔ کیا لونڈے بازی ایسا عفریتی انحراف نہیں ہے جس کے لئے کوئی بھی سزا ناکافی ہے۔ آہ کس قدر افسوسناک ہے کہ ہم اپنے پرکھوں پر لعنت ملامت کریں کیونکہ ان کا عدالتی قتل کیا گیا تھا جس میں اسی الزام پر انہوں نے جرات سے کام لے کر موجیں اڑائی تھیں۔ ہم تو یہ سوچتے ہیں یہی ہوش پن اس مقام کو چھوسکتا تھا جس میں آپ کسی زندگی سے بیزار شخص کو موت کے گھاٹ اتارنے کے درپے ہوں جس کا واحد جرم یہ ہو کہ وہ آپ کا ہم مذاق نہیں ہے۔ یہ سوچ کر ہر آدمی لرز جاتا ہے کہ محض چالیس سال پہلے قانون سازوں کی واہیات فکری کجی اپنا پورا زور اس پر لگاتی رہی ۔ شہریو خود کو تسلیاں دو ان واہیات چیزوں کو ختم ہو کر رہنا ہے اور تمہارے قانون سازوں کو ایک دن اپنی دانشمندی کا

جواب دینا ہوگا۔

وہ چار صفحات جو سیڈؔ اس موضوع کے لئے وقف کردیتا ہے وہ واضح اور وفور جذبات سے لبریز ہیں۔ ایک شخص کا متنازعہ فیہہ مباحثہ کم ازکم یہاں پر استدلال سے مملو اور باخبر لگتا ہے۔ وہ مختصراً روایتی ''فلاسوفیکل'' دلایل کو زور وشور سے دھرائے جارہے ہیں جس سے سیڈؔ کی خونخوار انانیت اور اس کی جرات مندآمادگی کہ وہ سب کچھ بہ آواز بلند کہہ دیا جائے، متکلم کا جو چاہے نقصان ہو۔ ''پمفلٹ'' میں انقلابی جرات اظہار ملتی ہے جو عصری تقاضوں کے مطابق ہے۔۔۔۔۔ لگتا ہے سیڈؔ نے یہ سب کچھ بہت پہلے ۱۷۹۳ء میں لکھ لیا تھا لوئیس۔ شانژدھم کے سرقلم کئے جانے سے پہلے۔

سیڈؔ قدیم روایات دکھاتا ہے جو کریٹ، یونان، روم، گال اور ایران کی ہیں اور اضافہ کرتا ہے جدید علم البشر سے ایسی رودادیں جو لوزیانا کے انڈین اور الینائز، انگولا کے سیاہ فاموں اور الجیریا کے مسلمانوں کی ہیں۔ یہ تو ہر جگہ عام سی بات ہے۔ اس میں نئی بات تو یہ ہے کہ جب اغلام بازی کے خیال کو کسی قوت سے یہ کہہ کر مسترد کیا جاتا ہے کہ یہ خلاف فطرت ہے۔ ڈائیڈروٹؔ کی طرح سیڈؔ یہ دلیل دیتا ہے کہ ''کوئی بھی رحجان یا ذوق ہمارے اندر وجود نہیں رکھ سکتا جسے قدرت نے ہم میں ودیعت نہ کیا ہو۔'' یہ تمام احتیاجات ہمارے جسمانی نظام کا حصہ ہیں۔ جن میں نہ ہم کوئی اضافہ کرسکتے ہیں اور نہ ہی تبدل وتغیر۔ زیادہ سے زیادہ کمسنی میں چند بچے یہ میلان طبع ظاہر کرتے مگر کوئی ان کی اصلاح کی فکر نہیں کرتا۔'' یہاں پر قوانین کی اصلاح کی غرض سے پہلی مرتبہ کوئی تحریر شایع ہوئی، یہ خیال کہ جس شے کو آج ہم جنسی فہم وفراست سمجھتے ہیں یوں ابھری تھی۔ ہمیں چاہیے کہ ہم مقدور بھر عقل ودانش استعمال کریں جس سے ہمارے قانون سازوں میں دوراندیشی آجائے۔ سیڈؔ اس طرح اختتام کرتا ہے ''پوری طرح یقینی بنانے کے لئے کہ کوئی بھی قانون ان کے ہاتھوں سے نہیں نکلے گا جو ان چھوٹی موٹی حرکتوں کو جن کی تشکیل میں آئین کا ہاتھ ہے۔ ایسے فرد کو پابند نہ کریں گے جن میں پہلے ہی سے یہ احساس جرم موجود ہو بہ نسبت ان لوگوں کے جنہیں قدرت نے چند نقایص کے ساتھ پیدا کیا ہے۔''

سیڈؔ کی فصاحت اور عالمانہ انداز بیان کے باوجود اس کے دلایل کے وزن کو وہ

اہمیت نہ ملی۔ پہلے تو اس کا اصلاحی ''پمفلٹ'' ایک فحش کہانی کے زمرے میں ڈال دیا گیا۔ دوم ، اسے مارکوئیس کی مخصوص شاہانہ شاہ خرچی کی ضرب پڑی۔ کیونکہ ریپبلکن کی سماجی خوبیاں ''نئے قوانین کا تقاضہ'' کرتیں۔ سیڈ چوری کی سزا کی مخالفت کرتا تھا (اس سے تو آمدنی کی تقسیم نو ہوتی ہے) جماع بالجبر (یہ تو قدرت کی رحمت اور فیاضی ہے کہ اس نے مردوں کو عورتوں سے زبردست پیدا کیا ہے) اور یہاں تک کہ قتل (جو جانوروں کی زندگی میں فطری ہوتا ہے اور انسانی سماجوں میں کہیں کہیں اسے جائز سمجھا جاتا ہے)۔ وہ استدلال کرتا ہے کہ جسم فروشی کو عورتوں پر قانوناً نافذ کردیا جائے ''وہ بھی ہر سن و سال'' والیوں کے لئے اس بنا پر کہ سرکاری چھلے مردوں کو ان جسمانی مزوں میں غوطہ زن رکھیں گے تاکہ وہ کہیں ریپبلکن (عوامی) حکومت کے خلاف بغاوت نہ کردیں۔ بے شک ''ایک اور اقدام'' کا زیادہ کام یہ ہوگا کہ وہ عام سوجھ بوجھ اور انسانیت کے خلاف چلتا ہے۔ چند ہی قارین کو اندازہ ہوا ہوگا کہ وہ صفحات جو اغلام بازی پر ہیں درحقیقت لایق غور اور دلایل سے لبریز ہیں۔

سیڈ کی ذاتی تاریخ یہ نہیں بتاتی کہ وہ کوئی وکیل تھا۔ اسے دو مرتبہ اس لئے جیل کی ہوا کھانا پڑی کیونکہ اس نے دو غیر آمادہ جسم فروش عورتوں پر تازیانے برسائے تھے۔ اور مارسیلز میں ۱۷۷۲ء میں اسے یہ سزا دی گئی تھی کہ اسے ٹکٹکی سے باندھ کر جلا ڈالا جائے اس پر ایک مرد ملازم کی لینے کا الزام تھا۔ مجرم ہاتھ نہ آنے پر عدالت نے اس کے پتلے کو جلانے کا حکم دے ڈالا۔ اس کے سیڈسٹک (ایذا پسندی پر محمول) ناول جسٹاین، جولیٹ اور سوڈوم کے ۱۲۰ دن —— رسوائے زمانہ ثابت ہوئے۔ اگرچہ ناز برداری کی ماری اشرافیہ کے لوگ زبردست مصلح بن گئے اور انہوں نے فی الواقع سرکاری عہدے بھی انقلاب کے زمانے میں حاصل کر لئے لیکن اس نے اپنی زندگی کے آخری تیرہ سال ایسے شفا خانے میں بسر کئے جو ان دنوں قید خانے کا ایک نعم البدل ہوتا تھا جب کہ اس کا جرم جسٹین، فلاسفی ان دی بیڈروم، جو پہلی مرتبہ ۱۷۹۵ء میں طبع ہو کر آئی جیسے ''بعد از مرگ'' کام ہو اور عنوان یہ تھا کہ ''جسٹین کے مصنف'' کی تحریر۔ جب کہ سیڈ ۱۸۱۴ء تک جیتا رہا۔

اصلاح کی جانب:

یہاں کچھ حالات کی ستم ظریفی بھی تھی۔ لگتا ہے جیسے سیڈ کو یہ معلوم نہ تھا کہ وہ قوانین جو اغلام بازی کے خلاف تھے کوئی دو برس قبل منسوخ کئے جا چکے تھے جب اس نے جذبات سے پر اپنی اپیل شایع کی تھی۔ تبدیلی سے پہلے کوئی بحث مباحثہ نہیں ہوا تھا اس لئے اس کا اخبارات میں کوئی چرچا بھی نہ ہوا۔ یہاں تک کہ ۱۸۰۷ء میں پولس جن لوگوں کو ہم جنس پرستی کے الزام میں حراست میں لیتی وہ بھی اس امر سے بے خبر تھے کہ قانون میں اس الزام کے خلاف اب کوئی دفعہ موجود نہیں ہے۔ نیا ضابطہ قانون جو پینل ڈی لا ریولوشن کہلایا ۱۷۹۱ء میں نافذ کیا گیا تھا اس کے ذریعے درحقیقت اس جرم ہی کو قانون کے ضوابط میں سے خارج کیا جا چکا تھا۔

کئی یورپی ممالک میں تعزیری قوانین کی ۱۷۸۰ء میں ہونے والی اصلاحات نے بڑی کامیابی حاصل کرلی۔ سب سے پہلے ان مملکتوں میں جن پر روشن خیال آمر حکمرانی کررہے تھے جیسے فریڈرک اعظم پروسیا میں، لیوپولڈ دوم آسٹریا میں، اور کیتھراین عظیمہ روس میں اور اس سلسلے میں برطانیہ اور فرانس میں بہت بحث مباحثہ ہوا۔ اس دہائی کے اختتام تک اصلاح کی تحریک نے فرانس میں اتنا زور پکڑا کہ اس کی مزاحمت ممکن نہ رہی۔ اپنے بکھرے ہوئے صوبوں میں سے تین صوبوں کی اسمبلی کے ارکان نے اپنی (کتابیں) تجاویز قومی اسمبلی کو ارسال کیں جن میں نئے قوانین مرتب کرنے کی تجاویز تھیں۔ اگر چہ اغلام بازی سے متعلق قوانین کا قانون کی کتب سے اخراج عوامی توجہ نہ پا سکا لیکن اس کا منطقی سبب تھا۔ اول، ٹکٹکی پر باندھ کر ملزم کو جلانا اب بربریت اور وقیانوسی سمجھا جانے لگا۔ (لونڈے بازی کے الزام میں جلانے کا آخری واقعہ ۱۷۸۳ء میں ہوا تھا جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں لیکن مقدمے میں ایک قاتلانہ چھرا گھونپنے کا قصہ بھی شامل تھا جب ایک انیس برس سے کم عمر لڑکے کو سابقہ سینٹ فرانسس فرقے کے راہب نے ہلاک کردیا تھا)۔ دوم۔ اب اس پر ایک بڑا اتفاق رائے پیدا ہو چکا تھا کہ ''مذہبی'' جرایم از قسم مسلمہ مسیحی عقاید سے انحراف 'جادوگری' توہین مذہب اور اغلام بازی کے خلاف قوانین منسوخ کردیے جائیں۔

جس کے نتیجے میں ایک رجحان سا پیدا ہوگیا جو ذاتی آزادیوں اور ایسے جرایم جن میں کسی کو ضرر نہ پہنچی ہو ان میں سزا نہ دی جائے۔ اس اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے اسے چوتھی دفعہ میں بڑے زور سے انسانی حقوق کے اعلانیہ میں شامل کیا گیا جسے نیشنل اسمبلی نے ۲۶، اگست ۱۷۸۹ء کو منظور کرلیا۔ جس میں لبرٹی کو اس طرح وضاحت کی گئی کہ ''ہر وہ کام کرنے کا ایسا حق جس سے کسی کو ضرر نہ پہنچے۔''

ایک نہایت ممتاز انقلابی رہنما نے قومی اتفاق رائے کا ان الفاظ میں خلاصہ پیش کیا۔ پلان ڈی لیجسلیشن کرمنل (۱۷۹۰ء) یہ تھا، جین پال ماراٹ جو اساسی جیکو بین دھڑے کا رہنما تھا جس کی آتش بیانی والی تقاریر نے ۱۷۹۲ء کے ستمبر والی خونریزی کو ہوا دی اور وہ خود بھی اسی میں ایک سال بعد چارلوٹ کورڈے کے ہاتھوں قتل ہوا۔ اپنے ایک نوٹ میں جو اس نے اغلام بازی اور جانور چودنے پر چھوڑا اس میں مانٹسکیو اور والٹیر کے خیالات کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ گو مردوں میں ہونے والا جو عشق ہے ''ایک غیر شایستہ عشق ہے جسے فطرت مسترد کرتی ہے'' اور ''ایک باغیانہ جرم جو ہر حالت میں ہول پیدا کرتا ہے۔'' اسے ہم ''سائے میں چھوڑ دیں'' تاکہ کہیں معصوم لوگ روشن خیال نہ بن جائیں۔ تاہم ماراٹ نے ایک انوکھی تجویز دے کر چھوڑی ''اگر پھر بھی یہ ضروری ہو کہ ان جرایم کی سزا دی جائے جب ان کا چرچا ہو جائے'' تو ان کے عاملین ''کو نیم دیوانہ سمجھا جائے اور یوں اس سلسلے میں وہ شفاخانوں کے طرز کے جیل خانے ان کا حق ہوں گے۔'' (یہ اسی جانب اشارہ تھا جسے کوئی ایک صدی بعد نفسیات نے اختیار کرلیا)۔

جب ۱۷۸۹ء میں فرانس نے صحافتی آزادی حاصل کرلی تو پمفلٹوں کا ایک بے نظیر سیلاب امنڈ آیا۔ چند ایک نے تو مردانہ تعلقات کا ذکر قدرے تمسخرانہ انداز میں کیا۔ جن میں سے 'جیکس ڈایسرٹ' جو نہایت وضاحت کا حامل تھا۔ ۱۷۹۰ء میں نمودار ہوا اور اس کا عنوان تھا ''لا انفانٹس'' (اسے بڑی شرارت سے یہ کہہ کر شناخت کرایا گیا کہ اس کے لکھنے والے ''والٹیر کے دوست کے گھر کے ہیں۔'') گمنام مصنف نے اس میں یہ تجویز کیا کہ انقلابی جذبے کے ان لمحات میں معروضی صورتحال کے ارکان پر لازم ہے کہ وہ منظّم ہوں اور اپنے حقوق کا مطالبہ کریں۔ مگر مزاح نگار کا لہجہ طنزیہ تھا'' فلسفے کی روشنی کے طفیل'' اس

صورتحال کا ایک ترجمان یہ اعلان کرتا ہے ''وقت بہت بدل چکا ہے۔ اب ہم سے یہ نہ دیکھا جائے گا کہ اٹلی ہم پر طمطراق سے اکیلا چڑھ دوڑے اور اس سائنس کی تکمیل ہوجائے۔ اس صورتحال پر لازم ہے کہ وہ تعصّبات اور بربری قوانین کی مخالفت کرے اور یہ واضح کرے کہ ''عظیم لوگ ازل سے غیر فطری ہوتے ہیں اور یہ بھی کہ یہ مشہور اور تابناک صورتحال اپنی تعداد اور معیار میں مالٹا اور روح القدس کے ہم پلہ ہے۔'' اس کے بعد ایک جھوٹ موٹ کا 'حقوق کا بل' لے کر کوئی وفد نیشنل اسمبلی میں پیش کرنے جاتا ہے جس کا سردار ولیٹؔ ہے (ایک مفلمِ اگر ان میں کوئی وجود رکھتا ہو) جن کے آگے آگے ممتاز اہل کلیسا، اشرافیہ کے ارکان، اداکار، اطباء، وکلاء، تجار، تالاساز اور لیموں کا شربت بیچنے والا ہے جن کی شناخت نام سے ہوتی ہے۔۔۔ مصنف کو پیرس کی ہم جنس پرستی کی فضا کا تفصیلی علم ہے اور بلاشبہ عدل کے متعلق کئی اہم سوالات اٹھاتا ہے۔ لیکن جاری و ساری جعل سازی جس میں فحش کلامی شامل تھی یہ ظاہر کرتی ہے کہ اس میں فرانسیسی تذبذب پایا جاتا ہے کہ معاملے کو قدرے سنجیدگی سے لیا جائے۔

وہ شخص جسے اکثر و بیشتر اپنی جنسی ترجیحات پر پمفلٹوں کی جنگ میں حملے برداشت کرنا پڑتے وہ ولیٹؔ تھا۔ مارکوئیؔس کلب ۱۷۸۹ء کا ایک ممتاز رکن تھا۔ ایک صحافی جو 'کرونک ڈی پیرس' کا نامہ نگار تھا اور نیشنل کنونشن کا ۱۷۹۲ء میں ایک ڈپٹی تھا جس میں اس نے خارجہ امور کی کمیٹی میں کام کیا تھا۔ جون ۱۷۹۰ء میں وہ عوامی توجہ کا مرکز بن گیا جب اس نے یہ تجویز عام کی کہ لوئیؔس۔ شانزدہم کے اختیارات کم کر کے اسے محض علامتی سربراہ مملکت بنا دیا جائے جن کے پاس کوئی اختیار نہ ہو۔ اس سے ابھرنے والی بحث میں اس کی یہ کہہ کر مذمت کی گئی کہ وہ ایک ''غیر فطری'' آدمی ہے اور ہر معاملے میں۔ مذاقوں، رجحانات اور عمل ہر معاملے میں۔ جانبدار آنکھیں چاہے وہ دائیں بازو والی ہوں یا بائیں کی وہ ایک نیا ہنری۔ سوم ٹھہرایا گیا۔ چلڈرن آف سوڈوم (اہل سدوم کے بچے) نے سابق مارکوئیس کو والٹیرؔ کا مرید قرار دیا اور یہ دعویٰ کیا کہ مذکورہ فلسفی خود بھی ''ایسے کھیلوں'' میں اپنی جوانی میں حصہ لیتا تھا اور اس نے قرنی کے مقام پر ایک عمورہ قائم کیا تھا۔ ایک سال بعد ایک گالم گلوچ سے بھرا پمفلٹ شایع ہوا جس میں ولیٹ کی زندگی کی ہم جنس پرستی کا جایزہ

لیا گیا اوراس کی مبتذل تفصیلات بیان کی گئیں۔

ان الزامات کا رجعت پسندانہ مصرف جس سے انقلاب کی بے توقیری ہو جس نے ولیٹ کے ایک دوست کو جھنجھوڑا کہ وہ اس کا جواب دے۔ یہ جواب جو تفصیلات کی حد تک نادر تھا جس میں اپنی بحث میں مردانہ عشق کے کردار کو جو وہ سماج میں ادا کرتا ہے وہ اناچارسس کلوٹس کی ذہنی کاوش کا نتیجہ تھا۔ جو فرانسیسی انقلاب کے اسٹیج پر ہونے والے ناٹک کے سب سے زیادہ رنگین اداکاروں میں سے ایک تھا۔ وہ ولندیزی نژاد شرفاء میں شامل ہوتا مگر پر جوش جیکو بن تھا۔ وہ چھوٹی سی ریاست کلیوز کا شہری نواب تھا۔ جوان دنوں پروسیا کا حصہ تھی۔ جون کی ۱۹، ۱۷۹۰ء کو کلوٹس کی وسیع النظری نے اسے مجبور کیا کہ وہ ایک یادگار ناٹکی انداز اختیار کرے۔ وہ ایک وفد کا سربراہ بن گیا جس کے ارکان چھتیس ملکوں کے افراد تھے اور وہ نیشنل اسمبلی پہنچ کر دنیا بھر سے یکجہتی کا اظہار کر رہے تھے یعنی 'فرد کے حقوق' کے اعلانیہ کے لئے۔ اس کے بعد اس کی شناخت ''نسل انسانی کا ترجمان'' ہوگئی اور مارچ ۱۷۹۱ء میں اس نے ایک پروسیائی نقاد کا ایک مضمون میں جواب دیا اوراس کا وہی نام رہنے دیا۔

یہ متنوع منشور جو نئے ضابطہ فوجداری سے چار ماہ پہلے ظہور پذیر ہوا تھا جس میں روایتی آزاد خیال نظریات کوانوکھے واضح نظریات سے جوایک ہی جنس کے درمیان عشق پر مبنی تھے ملادیا گیا تھا۔ کلوٹس ایک اڑیل قسم کا افادیت پسند تھا جب ضابطے بنانا ہوں تو استدلال سے مدد لو یوں تم متعدد فانی اور قابل درگزر گناہوں سے بچ جاؤ گے جو تمہارے دلوں میں بربری سوال جواب کے گورکھ دھندے ڈالتا ہے۔۔۔ خوبی کیا ہے؟ بدی کیا ہے؟ پر مفید چیز جو سماج کے لئے ہے خوبی ہے اور ہر ضرر رساں ایک بدی۔ کلوٹس مانتا ہے کہ یہ اصول ہم کواس نتیجے پر پہنچایں گے جن سے کچھ کو جھٹکا لگے گا—— اس کے بعد جنسی جرائم نہ ہوں گے ''جماع بالجبر، اغوا، ورغلانا یا پھر کاروکاری کے۔'' وہ اس کی بھی جرأت کر لیتا ہے کہ قاری کے جنسیاتی عاشقانہ تعلقات کا ذکر چھیڑ دیتا ہے جو دیگر حوالوں سے ہو سکتے ہیں۔ ''یہ بہتر ہے کہ ہم قانون سازوں کی سنگدلی کو نرم کر دیں اور انہیں یاد دہانی کرایں کہ نو عمری میں دوستی اپنے اندر سے بوسے، آنسوان سب کا وجود عشق ہی ہے۔''

اس کے بعد کلوٹس ایک طویل پیراگراف زیریں حاشیے کی طرح لکھتا ہے جس میں وہ ولیٹ کو بری کر دتیا ہے اور ایک ہی جنس میں ہونے والے تعلق کے فوائد گنواتا ہے۔

اگر ایچلز نے پیٹروکلس سے عشق کیا، اگر اوریسٹس نے پای لیڈز سے عشق کیا، اگر آرسٹوجیٹن نے ہارموڈیس سے عشق کیا اگر سقراط نے السیبیاڈز سے عشق کیا تھا وغیرہ وغیرہ کیا اس طرح وہ اپنی دھرتی کے لئے کم مفید ہو گئے تھے۔ بریزیز کی دلکشی کی قیمت یہ تھی کہ ٹرائے کا حصول پیٹروکلس کے حسن کے بغیر ہوتا۔ اور اہل ایتھنز پی سس ٹراٹڈس کے استبدادی حکمرانی میں کہیں زیادہ عرصے تک گلا سڑا کرتے اور دو نیک عشاق کے درمیان وصل نہ ہو پاتا جن کے متعلق یہ مشہور ہو چکا تھا کہ وہ اپنے وطن مالوف کو آزاد کرانا چاہتے تھے۔ لوگ عموماً فطرت کو جانے بغیر اس کے متعلق گفتگو کرتے رہتے ہیں وہ اس کی حدود من مانی طور پر طے کر لیتے ہیں۔ وہ نہیں جانتے یا پھر وہ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ جانتے ہیں کہ یہ ناممکن ہے کہ اس کے خلاف کچھ کیا جائے۔

کلوٹس اس میں ایک دلچسپ مشاہدے کا اضافہ کرتا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ کوئی بھی ثانوی درجے کا اسکول ہم جنس پرستی کے رویے سے عاری نہیں ہے چونکہ یہ ''فطرت عالمگیر ہے''۔ میری پرورش برسلز کے پادریوں میں ہوئی تھی جو شہر مونز میں جیسوٹ فرقے کے تھے جو پیرس کے قسیس تھے اور برلن کے فوجی تھے اور میں نے ہر جگہ ہم جنس پرست پائے۔ اس کے باوجود کلوٹس اعلان کرتا ہے جس سے شکوک کا خاتمہ ہو جاتا ہے کہ ''انقلاب میری تمام فرصت اور فراغت کو جذب کر لیتا ہے اور ہمیں اس کی ضرورت ہوتی ہے کہ پوری پوری توانائی کو اس خوبصورت مقصد پر لگا دیں۔'' صد افسوس دو سال بعد ''خوبصورت مقصد'' نے عہد دہشت کے نقطہ عروج پر اس کی جان لے لی۔ کلوٹس کو رابس پیری کے احکام پر دیگر جیکو بن کے ہمراہ ۲۴، مارچ ۱۷۹۴ء کو سولی پر چڑھا دیا گیا۔

کلوٹس کا مضمون اس لئے قابل ذکر ہے کیونکہ اس کا انداز بیان پر تخیل ہمدردی سے معمور ہے اور اس لئے بھی کہ وہ بدکلامی سے بھی محفوظ ہے جسے مونٹسکیو، والٹیر، ماراٹ اور یہاں تک کہ ڈایڈروٹ تک نے استعمال کیا تھا۔ (۱)۔ عصری تقاضوں کے مطابق تو والٹیر کا

بیان ہے جسے کیہل ایڈیشن میں والٹیر کے کلیات میں شامل کیا گیا تھا جن کا سن اشاعت (۱۷۸۴۔۱۷۸۹ء) ہے۔ یہیں پر اس نے فیصلہ کن اقدام کیا اور اس بات کا علان کیا کہ وقت آ گیا ہے کہ اغلام بازی کی حیثیت کو متعین کیا جائے لیکن اس نے اپنی قانونی آزاد خیالی کو اس طرح متوازن بنایا کہ اسے روایتی اظہار بےلطفی سے ''اغلام بازی جب اس میں کسی قسم کا تشدد نہ شامل ہو تو اسے کسی حالت میں مجرمانہ قوانین کے زمرے میں نہیں لایا جا سکتا یہ کارروائی کسی صورت میں کسی اور فرد کے حق کے خلاف ورزی نہیں ہے۔ اس کا ایک بالواسطہ اثر ہوتا ہے وہ بھی سماج کے اچھے تانے بانے پر جس طرح مدہوشی سے یا پھر جوئے کی لت سے۔ یہ ایک پست درجہ کی بدمزہ کرنے ولی بدی ہے جس کی مناسب سزا لعنت ملامت ہے۔ اس کے لئے جلانا ایک وحشیانہ حرکت ہے۔ باقی کے لئے ہمیں فراموش نہ کر دینا چاہئے اور یہ کہنا چاہئے کہ یہ ایک تو ہم پرستی ہے کہ ہم بربریت کے ممنون ہیں جو یہ سزا دیتے ہیں۔'' کنڈورسٹ، کرونک ڈی پیرس، کی تصنیف میں ولیٹ کا ہمکار رہا اور روشن خیالی کی تحریک کا ایک روشن ترین ستارہ۔ بطور ریاضی دان، سماجی نظریہ داں، اور فرانس کے نئے دیوانی نظام تعلیم کا معمار۔ وہ بھی دہشت کی لہر کا شکار ہوا۔ ولیٹ کہیں زیادہ خوش نصیب نکلا اور جولائی ۱۷۹۳ء میں فطری موت کے سبب گلوٹین کے نیچے آنے سے بچ گیا۔

لیکن اس سے پہلے کہ موت کا رقص شروع ہوتا ترقی قدم جما چکی تھی۔ آ ین ساز اسمبلی اپنے اساسی تعزیراتی قوانین میں اصلاحات کا بل دو مراحل میں منظور کرا چکی تھی۔ مئی کی ۲۳، ۱۷۹۱ء کو لی پیلیٹر ڈی سینٹ۔ فارگیو نے اپنا جایزہ مسودے کی تیاری کے متعلق پیش کیا جب اس نے اپنے سامعین کو اطمینان دلایا کہ اس میں حقیقی جرایم کے لئے سزائیں رکھی گئی ہیں نہ کہ مصنوعی جرایم کی ''جنہیں اوہام نے تخلیق کیا، جاگیرداری اس کا سبب تھی، ٹیکس نظام اور یا پھر آمریت۔'' اس نے ان نام نہاد جرایم کا نام نہ لیا لیکن ان میں لازماً مسلمہ کلیسائی عقاید سے انحراف، توہین مسیحیت اور اغلام بازی شامل تھے۔ نیا شہری پولس کا ضابطہ (جولائی ۱۹۔۲۲) اپنے اندر قابل تعزیر حرکات کو لئے ہوئے تھا۔ نیا ضابطہ تعزیر (ستمبر ۲۵، اکتوبر۔۶) شدید ترین جرایم۔ جہاں تک جنسی جرایم کا تعلق تھا تعزیری ضابطے میں

صرف جماع بالجبر کو رکھا گیا اور پولیس ضابطے میں صرف سر عام غیر شائستگی، ایسے پرچے بیچنا جس میں فحش مسالا ہو اور کمسن لڑکوں کو ورغلانا (بچوں کی جسم فروشی)۔ دونوں ضابطوں میں اغلام بازی کا ذکر نہ تھا جو پہلے ایک سنگین جرم تھا اب کنایتاً یہ جرم ہی نہ رہا۔

اغلام بازی کو ۱۷۹۱ء میں حیطہ جرم سے نکالا ملنے کے دور رس نتائج برآمد ہوئے خاص طور سے جب نپولین والا ضابطہ ۱۸۱۰ء میں اختراع کی گنجایش موجود تھی۔ آخر الذکر کی موجودگی نے پورے یورپ کے لئے اہم اثر چھوڑا۔ ان مملکتوں کے لئے ایک مثال جو جاگیرداری سے آگے جانا چاہتی تھیں۔ نہ صرف یہ کہ ان تمام ممالک میں نافذ کر دیا گیا جن کو نپولین نے فتح کرلیا تھا (جیسے کہ ولندیز) بلکہ یہ سب کیتھولک ممالک کے لئے ایک نمونہ بن گیا جنہوں نے اپنے تعزیری قوانین کا انیسویں صدی کے آخر میں از سر نو جایزہ لیا۔ جن میں باویرا، اسپین، پرتگال اور اٹلی کی نئی بادشاہت۔ یورپ کی حدود کے باہر اس مثال نے اس کی راہ ہموار کی کہ اغلام بازی کے جرم کی سزا کا نئی ابھرتی ہوئی وسطی اور جنوبی امریکہ اور ان کی نو آبادیوں میں خاتمہ ہو گیا جو سب مل کر فرانس کی سلطنت میں افریقہ اور ایشیا میں اور بحرالکاہل میں پھیلی ہوئی تھیں۔ ہم جنس پرستوں کے لئے فرانس میں اور دیگر کئی ممالک میں پھانسی پانے اور طویل اسیری کے خطرات اب فرسودہ ہو چکے تھے۔

ہمیں ان تبدیلیوں کو زیادہ نہ سمجھ لینا چاہئے عوامی رائے اب بھی اخلاقی ناپسندیدگی کی حامل تھی جیسی فلاسفہ کی تھی اور اغلام بازی اب بھی حقارت اور استہزا کا شکار تھی۔ نپولین جس کا فیصلہ ان معاملات میں حتمی ہوتا اس تک نے یہ اجازت دے دی کہ ۱۷۹۱ء میں زمرہ جرم سے نکالنے کے باوجود اسے نئے ضابطہ قانون میں رکھ لیا جائے لیکن قوم کی ثنویت کی بازگشت سنائی دینے لگی۔ اگرچہ اب اغلام بازی کوئی جرم نہ تھا لیکن اغلام بازوں کو اب بھی پولس کی دیکھ بھال کا سامنا تھا جو اگرچہ من مانی اور جبریہ تھی اور بلیک میل میں شمار ہو سکتا تھا۔ نپولین نے بذات خود ایسے طریقے کی حمایت کی جب ۱۸۰۵ء میں اس کے سامنے ایک مقدمہ نظر ثانی کے لیے پیش کیا گیا۔ ''ہم نہیں ہیں۔'' اس نے اپنے وزیر عدل سے کہا'' ایک ایسے ملک میں جہاں قانون کا کام ان جرایم سے نمٹنا ہے۔ فطرت خود دیکھے گی کہ ان میں تواتر نہ آنے پائے۔ قانونی کارروایوں کی رسوایاں محض ان معاملات کی ہوا

دیں گی۔ یہ کہیں بہتر ہوگا کہ ان کا رروایوں کو کوئی اور رخ دے دیا جائے۔'' اس طرح شہنشاہ نے درشت قانونی ضابطے کو بدل دینے کی حمایت کردی اور وہ بھی انتظامی اقدام کے وسیلے سے جس کے ذریعے پولس عدالتی نظام کو جوابدہ ہوئے بغیر لوگوں کو مختصر مدت کے لئے جیل میں رکھتی یا پھر اندرونی ملک بدری کر دیتی۔ بے شک یہ وطیرہ ایک عرصے تک فرانس میں جاری رہا یعنی دو صدیوں تک۔ ایک خاص محکمہ جو پولس نے پیرس میں قائم کیا تھا تا کہ ہم جنس پرستوں پر قابو پایا جا سکے ان کا خاتمہ ۱۹۸۱ء تک نہ ہوا۔

بنتھم بمقابلہ بلیک سٹون:

جوں ہی موت کا خوف فرانس سے رخصت ہوا وہ ایک عفریت بن کر انگلینڈ پر مسلط ہوگیا۔ اہل برطانیہ کو فرانس کی انقلابی اصلاحات یوں لگتیں جیسے یہ عقل و دانش کی فتوحات نہ ہوں بلکہ ایک پوری قوم کی حماقت ہو جس نے محض کیتھولک اوہام سے پنڈا چھڑا کر بے خدا اخلاقیات کو گلے لگالیا ہو۔ برطانیہ میں روشن خیالی والے مفکرین اغلام بازی والے قوانین کی اصلاح کے معاملات پر منقار زیر پر رہے۔ ان میں سے کسی میں بھی اس قسم کی جرأت نہ تھی جس طرز کی کلوٹس اور ڈایڈروٹ میں تھی۔ خاموش ممانعت کی جڑیں بہت گہری تھیں، قومی احساسات تبدیلی کے دشمن تھے۔ حالانکہ اٹھارہویں صدی کا یورپ ایڈنبرگ کو شمال کا ایتھنز کہتا تھا مگر انسایکلو پیڈیا برٹینی کا کا تیسرا اڈیشن جس میں اغلام بازی پر مضمون شامل کیا گیا اور جو ۱۷۹۷ء میں شایع ہوا وہ مونٹسکیو کے بجائے جان نوکس کی یاد دلاتا ہے۔ جہاں تک سزا کا تعلق ہے اس نے مجمل انداز میں اعلان کیا: اسکاٹ لینڈ میں اغلام بازی کے خلاف کوئی قانون موجود نہیں ہے اس لئے قانونی طور پر وہاں لوگوں کے خلاف اس قانون کے تحت کارروائی کی جاتی ہے جو الوہی قوانین سے ماخوذ ہیں اور روایت کے تحت سزا صرف زندہ جلانے والی ہے۔

ایڈورڈ گبن اگر چہ ایک مذہبی تشکیک والا شخص تھا۔ اس نے اپنی تصنیف 'ڈیکلاین اینڈ فال آف رومن ایمپایر' (۱۷۷۶۔۱۷۸۸ء) میں کسی قسم کا شک نہ چھوڑا۔ اپنی نا قابل

فراموش تصنیف کے ۴۴ ویں باب میں گبنؔ نے اپنی گفتگو میں جسٹینینؔ کے درشت قوانین کو بدمزہ ہوکر شامل کیا ''میں انہیں بڑے تذبذب کے عالم میں چھوڑ رہا ہوں ایک اور قابل نفرت بدی (کاروکاری سے زیادہ) جسے شایستگی مسترد کردیتی ہے اور نام اور فطرت خیالات سے گھن کھانے لگتے ہیں۔ قدیم رومی تو یوں مبتلا ہوگئے تھے کہ ان کے سامنے ایٹر سکانس اور یونانیوں کی مثالیں تھیں۔ اگرچہ اس نے ان مشکوک الزامات کو جو جسٹینینؔ اور تھیوڈورا نے پیش کئے تھے کی مذمت کی لیکن گبنؔ نے مانٹسکیو کے اصلاح قانون کے خیالات کو قبول کرنے سے انکار کردیا تھا۔ ایک فرانسیسی فلسفی نے یہ جرأت کی اور کہا کہ جو چیز بھی پردہ اخفا میں ہے وہ مشکوک ہوتی ہے اور یہ بھی کہ ہمارا بدی کا ہول بھی غلط استعمال کے سبب بگڑ کر استبداد کا انجن بن سکتا ہے۔ لیکن اسی مصنف کی پرحمایت ترغیب کہ کوئی قانون ساز اس طرح ہمراز بن سکتا ہے کہ نوع انسان کے ذایقے اور استدلال کا مواخذہ کیا جائے: اگر ناخوشگوار حالات دریافت ہوں وہ بھی زمانہ قدیم کے تا کہ عارضے کی سنگینی کا اندازہ ہوسکے۔ گبنؔ کو ایک ہی جنس کے درمیان پائے جانے والے تعلقات جو چارسو پھیلے ہوئے تھے کا گہرا علم تھا جو قدیم یونان اور روم، چین میں، اور دونوں امریکہ میں پھیلے ہوئے تھے اس کے باوجود قانونی کارروایوں پر اس کا اعتبار کم نہ ہوا۔ نجی زندگی میں، وہ بہت بضد رہا۔ جب ولیم بکفورڈؔ نے سویٹزرلینڈ میں سیاسی پناہ حاصل کرنا چاہی تو ہمارا مورخ جو ان دنوں لاوسین (سویٹزرلینڈ) کی شہریت رکھتا تھا۔ اس نے اس بات پر اصرار کیا کہ برطانوی قانون برائے برادری بدری پر غیر ممالک میں بھی عملدارآمد کیا جائے اور اس نے ایک نوجوان برطانوی کی اعلانیہ مذمت کی جس میں اتنا دم خم تھا کہ وہ اس ممتاز لکھ پتی سے ملنے پہنچ گیا تھا۔

ولیم بلیک سٹونؔ کی تحکم آمیز کتاب (کمنٹریز آن دی لاز آف انگلینڈ) (۱۷۶۵۔ ۱۷۶۹ء) یہ ایک ایسا کام تھا جس کا برطانیہ اور امریکہ کے قانون پر اثر ناقابل بیان ہے۔ بلیک سٹونؔ کی مذمت اتنی ہی بے رحمانہ تھی جیسی گبنؔ کی، اور اتنی ہی براعظم یورپ کے فکری معاملات سے لاتعلق اور نہایت طاقتور قوت جو پورے اینگلوسیکسن دنیا کی روایت پسندی سمیٹے ہوئے تھی۔ بدنامی کی حد تک بلیک سٹونؔ نے اغلام بازی کو ایک جرم کہا ''ایسی تاریک

فطرت چیز ہے کہ الزام اگر غلط بھی ہو تو سزا کا مستحق ہے اور اس سے پست صرف جرم ہی ہوسکتا ہے۔'' اس کے بعد وہ اضافہ کرتا ہے ''میں اس حد تک نہ جاؤں گا کہ اتنا ناپسندیدہ کام اختیار کرلوں جو میری ذات اور قاری کے درمیان آجائے اور دیر تک اس پر بحث جاری رکھوں، جس کا ذکر بھی انسانی وقار کی ایک تحقیر ہے۔ یہ کہیں زیادہ مناسب ہوگا کہ اس سلسلے میں ہم پیروی کریں اپنے برطانوی قانون کی نفاست کی جو اس سے اس طرح پیش آتا ہے کہ تعزیری کارروائی کرکے کہ یہ ایسا جرم ہے جس کا کوئی نام دینا مناسب نہیں۔ جہاں تک سزا کا تعلق ہے بلیک سٹوؔن پوری طرح مذہبی تھا۔ یہ (جرم) جو قدرت کی آواز اور دلیل کے مطابق اور خدا کا صریح قانون ہے جس کی سزا موت ہے۔ جس کے متعلق ہمارے پاس ایک اشارے والی مثال ہے، یہودی دین کے پھیلنے سے بہت پہلے (یعنی احبار) جب دو شہر آسمانی آگ میں بھسم ہوگئے تھے اس لئے یہ کائناتی مسئلہ ہے نہ کہ کوئی صوبائی خیال۔''

بلیک سٹوؔن کا سب سے بڑا حریف کارپرداز فلسفی جرمی بینتھم تھا۔ جو اس کی غیر ناقدانہ تعریف وتوصیف جو وہ برطانوی قانون کی کیا کرتا تھا کہ اس میں مزید بہتری ممکن نہیں اس سے متفق نہ تھا۔ بلاشبہ برطانوی خونی اور قدیم تعزیری ضابطے کی اصلاح بینتھم کی طویل زندگی کا اہم ترین مقصد تھا (۱۷۴۰ـ۱۸۳۲ء) ابھی وہ تیس برس کا نہ ہوا تھا کہ اس نے تعزیری ضابطے کا ایک نیا مسودہ تیار کرنا شروع کردیا۔ لیکن فرانسیسی انقلاب کے خلاف معاندانہ جذبات جو ۱۷۹۰ء میں پیدا ہوئے اس نے برطانیہ میں تمام اصلاحات کا کام ٹھپ کردیا۔ نتیجتاً بینتھم کی بطور مفکر اہمیت کو لاطینی ممالک مثلاً فرانس اور اسپین میں پہلے تسلیم کیا گیا۔ نپولیؔن نے اس کی کتاب '' Introduction to the Poinciples of morals and Legislation'' کو جو ۱۷۸۹ء میں پہلی مرتبہ فرانسیسی زبان میں شایع ہوئی ''ایک نابغہ روزگار کا کام'' کہا اور اسی سے اپنے ضابطے کی ترتیب میں استنباط کیا۔ جب آزاد خیالی نے اسپین میں ۱۸۱۲ء میں قدم جمالئے تو کورٹیز نے بینتھم سے اپنے قومی تعزیراتی قوانین کا جائزہ لینے کے لئے مدد چاہی۔ اور یہی وسطی اور جنوبی امریکہ کے متعدد ممالک نے کیا جہاں پر بینتھم کو (ساری دنیا کو قانون دینے والا'')

کہا جاتا)۔ بالآخر فرانس کے خلاف دشمنی کے کافور ہوجانے پر اور ۱۸۳۲ء میں ریفارم بل کی منظوری کے بعد بنتھم کے خیالات کا اثر برطانوی اور امریکی قوانین پر بہت پڑا۔ بڑی حد تک وہ سب سے اہم مصلح تھا جو کبھی بھی برطانیہ میں پیدا ہوا ہو۔

بدقسمتی سے بنتھم کے اغلام بازی کے قوانین کی اصلاح کے متعلق خیالات ابھی تک مخطوطات میں پوشیدہ ہیں جن سے اہل برطانیہ کی ہم جنس پرستی سے خوفزدہ ہونے کی پوری طرح سے تصدیق ہوجاتی ہے۔ اس ضخیم مسودے میں بینتھم نے اس پر آہ وزاری کی ہے کہ انگلینڈ میں کسی قسم کا کوئی معقول مباحثہ ممکن نہیں ہے اور جس کا ذمہ دار اس نے بطور خاص صحافت کو ٹھہرایا ہے: ''اخلاقیات کے میدان کے تمام حصوں میں —— عوام اور مسلمہ مذہب تو سوال سے باہر ہیں —— صحافت اس صدی میں یا اس سے زیادہ عرصے سے عملاً آزاد ہے۔ لیکن اصل صورتحال تو یہ ہے کہ اس موضوع پر یہ نہ آزاد ہے اور نہ ہی یہ کبھی آزاد رہی تھی۔ یہ ایسے توپخانے کی بمباری ہے جو گرنے کے بعد پھٹتی ہے جس میں کراہت والے تمام رنگ ہوتے ہیں جنہیں زبان نے جنم دیا ہے جن سے ہر اخبار اور ہر رسالہ اس میدان میں کھیلتا رہتا ہے۔ بے شک بنتھم نے یہ محسوس کیا کہ کسی خیال کو اگر للکارا جائے گا تو نتیجے میں کسی فرد پر حملہ کیا جائے گا۔ اس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں کہ اس لمحے (۱۸۱۶ء) تک کوئی بھی شخص جو دلیل کی مشعل اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے ہو یہ ہمت کر سکے اور اس پر پاؤں رکھ دے۔ ''بدمعاش'' آپ ان میں سے ایک ہیں'' پھر اس قسم کی ممنونیت جسے کوئی بھی شخص (وصول کرسکتا ہے) جو یہ کوشاں ہو کہ میدان کے اس اخلاقی حصے میں اٹھا کر لے آئے اور ان روشنیوں میں لے آئے جن کے سامنے تمام گوشے واضح ہوجائیں۔''

یہ بات کوئی ۱۷۷۴ء کی ہے جب بنتھمؔ نے ہم جنس پرستی پر چند نکات پر مبنی خاکہ تیار کیا تھا۔ اس میں قدیم کلاسیکل اور روشن خیالی والے اصول بیان کئے۔ ایک دہائی بعد اس نے ایک مضمون تحریر کیا جو ''لونڈے بازی'' پر تھا جس میں اس نے بڑے زوردار طریقے سے قانون اور سماجی رویوں میں تبدیلی کے لئے کہا۔ ایک ہی جنس کے رشتوں میں بنتھم کا کہنا تھا کہ انہیں مسرت ملے جو اس میں شریک ہوتے ہیں اور کسی اور کو ضرر نہیں پہنچاتے۔ مونٹسکیو کے دلایل کا جواب دینے کی خاطر کہ اس سے مردوں میں عورتوں والی ''کمزوری''

پیدا ہو جاتی ہے اس نے مشہور یونانی اور رومی جرنلوں کی نظیر پیش کی۔ والٹیر کے نظریہ پر کہ ہم جنس پرستی سے نسل انسان کے وجود کو خطرہ ہے اس کے جواب میں اس نے کہا کہ قدیم یونان جہاں مردانہ عشق اتنا مقبول تھا اس کو کم آبادی کے مسئلے کے بجائے زیادہ آبادی کا مسئلہ درپیش تھا۔ بنتھم نہ تو یہ لقب برداشت کرتا کہ ''غیر فطری'' جو اس اصطلاح کو استعمال کرتے ہیں ان کے خیال میں اس کے معنی ایک جنسی عمل ہوتا ہے جو غیر تخلیقی ہوتا ہے۔ لیکن اگر ہم تمام نشاط آور سرگرمیوں کو جو جسمانی طور پر لازمی نہیں ہیں تو سب ہی غیر فطری ٹھہریں گی۔ اس کے لئے ہمیں مثال کے طور پر اس اصطلاح کو موسیقی کے ذوق پر استعمال کرنا ہوگا۔

بنتھم متعدد محاذوں پر چومکھی لڑنے کو تیار تھا اور یہ بھی کہ ٹوٹ پڑے۔ اگر چہ وہ گفتگو میں اختصار سے کام لیتا بنتھم کے ذہن میں یہ بات واضح تھی کہ ہم جنس پرستی سے خوف کے کیا معنی ہیں۔ بنتھم کی نظر میں یہ ہم جنس پرستی نہ تھی جو وضاحت طلب تھی بلکہ غیر منطقی ''عمیق تنفر'' تھا جو بالکل اس سے ملتا جلتا ہے جس میں انسان ایک غیر منطقی گھن محسوس کرتا ہے جو لوگوں کو بے ضرر حیوانوں کو مارنے پر اکساتا ہے جیسے مینڈک اور مکڑیاں۔ اخلاقی فلسفی صاحبان جو مسرت کی مذمت کرتے ہیں۔ جس میں جنسی مسرت بھی شامل ہے—— وہ یہ سب کچھ ایک احمقانہ افتخار میں کرتے ہیں جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اپنے زہد پر کاربند ہونے پر داد و تحسین وصول کریں۔ ایسا خدا جو چاہتا تھا کہ ہم مسرت سے پرہیز کریں وہ ایک خیر خواہ اور ہمدرد ذات ہوگی۔ چونکہ بنتھم کے خیال میں مسرت اچھی اور تکلیف بدی ہے۔ لونڈے بازی کی کہانی جس کا اکثر ذکر سزائے موت کو جایز قرار دینے کے لئے کیا جاتا ہے کا حوالہ دیا جاتا ہے اور بنتھم اشارہ کرتا ہے۔ منشا کے مطابق رشتوں کے لئے نہیں بلکہ ان کے متعلق جن میں جبر تک معاملہ پہنچ جائے۔ برطانوی بد مذاقی کی دھن پر کہ کیتھولک کی دارو گیر ہو۔ بنتھم نے انگلینڈ والوں کی لونڈے بازی کے خلاف اندھی نفرت کا موازنہ کیا جس نے کلیسائی عدالتوں کا نظام قائم کیا تا کہ مسلمانوں اور یہودیوں کو جلایا جائے۔

یہاں تک کہ فرانس اور اٹلی میں بنتھم کے جوش مدافعت کا بطور خاص استقبال کیا

جاتا۔ جیورج والے انگلینڈ میں ان خیالات کا اظہار خواب وخیال میں نہیں آ سکتا تھا۔ ایک صفحے میں جس میں وہ باریک بینی سے اس خطرے کے متعلق اظہار غم کرتا ہے ''دیگر موضوعات پر اس کی توقع کی جاتی ہے کہ تم چپ ہوکر بیٹھ گئے ہو، لیکن اس مسئلے پر اگر تم نے یہ ظاہر ہونے دیا کہ آتش زیرپا نہیں ہو تو فی الواقع تم نے اپنے ہی خلاف یکا یک فیصلہ دے دیا ہے''۔ ''جب کوئی شخص اس کے لئے سرگرداں ہوتا ہے کہ اس موضوع پر جستجو کرے تو لگتا ہے جیسے اس کی گردن میں پھندا پڑ چکا ہے۔ اس موضوع پر کوئی بھی فرد آگ بگولہ ہو چکا ہے اور اس کا اس پر کوئی اختیار نہیں ہے تشدد اور غیر رواداری جو گھناؤنے اور نہایت شر آمیز جذبات ہیں انسانی فطرت میں ہوتے ہیں، ہمیں چاہیے کہ نیکی کی چھلنی میں ہم انہیں پس پشت ڈال دیں۔'' ایک موقع پر بنتھم کا تعصب سے آمنا سامنا ایک جج کی صورت میں ہوا۔ جس نے ذرا ہی دیر پہلے دو افراد کو پھانسی دینے کی سزا سنائی تھی ''ان کا جرم کچھ اس نوعیت کا تھا'' بنتھم کو اس کے نشست برخواست کے طریقے سے سخت صدمہ ہوا۔ ''بے حد خوش اور شادمانی'' وہ بیان کرتا ہے ''اس کے چہرے پر جھلملا رہی تھی، اس کا چہرہ اس لئے بے تاب تھا کہ کوئی واہ وا کرے اور مبارکباد دے اس مجمع میں سے کوئی جو اس وقت گھیرے تھا۔''

جب لپزگ کی لڑائی کے بعد ۱۸۱۴ء میں فرانس سے امن قائم ہوا تو بنتھم نے ایک مرتبہ پھر سے موضوع کو اٹھایا۔ اس مرتبہ اس کا منصوبہ کچھ نہ تھا سوائے ایک ناقدانہ کتاب پر تنقید کے جو انجیلی تعلیمات کے خلاف تھی۔ اس عنوان کے تحت 'ناٹ پالؔ بٹ جیسز' یہ فرق دکھانا تھا کہ انسان نواز مسیح جس نے تارک الدنیا کے تصور کو مسترد کیا تھا اور جو ہم جنس پرستی کے موضوع پر پالؔ کے سامنے خاموش رہا جس کی علانیہ ملامت اتنی ''زوردار تھی''۔ ۱۸۱۸ء تک بنتھم کوئی پانسو طویل صفحات لکھ چکا تھا جن کا اثر اغلام بازی کو زمرہ جرایم سے نکالنے سے بھی آگے گیا۔ یہاں پر مردانہ عشق اپنی ''انسیت کے بندھن'' سے آگے جا کر اپنی حیثیت میں غیر مبہم شئے بن جاتا ہے۔ وہ دہائی جو برطانوی تاریخ میں انتہائی خونخوار رہی اگر ہم اسے پھانسی پانے والوں کی تعداد کے لحاظ سے دیکھیں اور قومی اخبارات کے لب و لہجے پر غور کریں۔ بنتھم اپنے عہد سے کوئی ڈیڑھ صدی آگے تھا جو ہم نے ۱۹۶۹ء میں 'گے'

آزادی کے نام پر قومی رویے میں دیکھا۔
بنتھم نے بطور خاص روایتی ذلت آمیز زبان کے استعمال کے خلاف احتجاج کیا۔ ایسی اصطلاحات مثلاً ''مکروہ'' اور ''بے راہ روی'' کے متعلق اس کا شکوہ تھا مایوسی سے لبریز متعصب مباحثہ ہے۔ یہ ناموں کی قوت ہے یا نشانات جو آغاز ہی میں یکطرفہ اور بے معنی ہیں، اس نے لکھا '' کہ راہ تخیل بڑی حد تک طے شدہ ہے۔ ایسے گڑھوں سے بچنے کے لئے بنتھم نے وہی کیا جو جرمن ماہر جنسیات نے انیسویں صدی کے آخر میں کیا تھا جب انہوں نے پہلی مرتبہ یہ کوشش کی کہ ہم جنس پرستی کے متعلق لکھیں اور وہ بھی سائینسی نقطہ نظر سے۔ اس نے کوشش کی کہ ایک غیر جانبدار لغت مرتب کی جائے جس میں ایسی اصطلاحات ڈھالی جائیں جیسے ''غیر وافر اولاد والا'' اور (بیکاریا کی بازگشت) ''اٹاری والا۔''
بنتھم نے بڑی مستقل مزاجی سے لکھا لیکن اس میں دکھ بڑھتا جارہا تھا اس کی تحریریں نہ چھپیں، اس نے اعلان کیا ''جس کی وجہ سے اور عوامی احساسات کے ہاتھوں کسی پر اس قدر خوف سوار ہے کہ کم ہی امید بچی تھی۔ بلاشبہ اہل برطانیہ کی اغلام بازی کے خلاف احساسات بڑھ کر ان دنوں اتنے توانا ہو چکے تھے جب کہ بنتھم اس مسئلے پر لکھے جارہا تھا۔ اور یہ برہمی بڑھتی ہوئی اس شاہی منصب کے زمانے میں ہسٹیریا میں ڈھل گئی (۱۸۱۰۔ ۱۸۲۰ء) جب بڑی بے رحمی سے قاپوق میں لوگوں کو بیچ لندن میں کسا جاتا جسے دیکھنے جوق در جوق مجمع جمع ہو جاتا جو جارحیت سے ابلتے ہوتے اور اس سے شہر کا سارا کاروبار ٹھپ ہو کر رہ جاتا۔ زمانہ ۱۸۰۶ء سے ۱۸۳۵ء کے درمیان انگلینڈ میں کوئی ساٹھ افراد کو پھانسی دی گئی اور بیس افراد کو بحری فوج میں اور یہ تعداد گذشتہ صدیوں کے مقابلے میں بہت زیادہ تھی۔ بلاشبہ یہ سزا دینے پر اصرار اس وقت نقطہ کمال کو پہنچ گیا جب پورے یورپ میں اس کا رواج ختم ہو چکا تھا۔ (براعظم یورپ میں معلوم اطلاع کے مطابق آخری سولی روٹرڈیم کے نزدیک ایک چھوٹے سے قصبے شیڈام میں ۱۸۰۳ء میں ہوئی تھی)۔ ان حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں ہے کہ بنتھم کی کسی بھی تحریر نے جو اس موضوع پر تھی چھاپہ خانے کا منہ دیکھا ہو یہاں تک کہ بیسویں صدی آ لگی۔
روشن خیالی اور جو ٹوٹ پھوٹ اس سے پیدا ہوئی اس نے یورپ پر متنوع اثرات

ڈالے۔ انقلابی فرانس میں، کلیسا دشمن احساسات اتنے زوروں پر تھے کہ انہوں نے اغلام بازی کے خلاف جو قوانین تھے انہیں کھرچ کر پھینک دیا گیا۔ اور وہ کیتھولک علاقہ جات اور خطے جو یورپ میں واقع تھے اور نپولین کے ضابطوں کے زیر اثر آئے جو جاگیرداری دشمن اور کلیسا دشمن تھے انہیں بھی اس آزادروی میں شریک ہونا پڑا۔ پولس کی نگہداشت بھی جاری رہی تاہم اسے زیادہ جانچ پڑتال اس لئے نہ کرنا پڑی کیونکہ نفاذ یکطرفہ نہ تھا کیونکہ چند ہی لوگ اس کی ہمت کرسکتے اور پھانسنے کی شکایت کرسکتے، رشوت ستانی یا پولس کی بے رحمی کی۔ لیکن پروٹسٹنٹ ممالک میں جہاں کلیسا کا جبر مقابلتاً کم تھا وہاں قوانین کے خلاف کوئی عمومی ردعمل نہ ہوا جو بنیادی طور پر مذہبی تھے۔ فریڈرک اعظم کی موت کے بعد وہ قوانین پھر بھی پروسیا میں نافذ رہے جو فریقین کی منشا سے جنسکاری کرتے۔ جرمنی کے اتحاد کے بعد ان کے دائرہ اثر کو بڑھا کر ۱۸۷۱ء میں کیتھولک باویریا تک کردیا گیا جہاں نپولین کے ضابطوں کے زیر اثر انہیں پہلے ہی ساقط کیا جاچکا تھا۔ جس کے نتیجے میں جرمنی، برطانیہ اور ریاست ہائے متحدہ تینوں نے اغلام بازی پر اپنے قوانین انیسویں صدی کے آخر تک برقرار رکھے یہ ایک ایسا طریقہ تھا جس نے نازی جرمنی میں انوکھے نتائج مرتب کئے۔ ایک مقالہ جس کا مقصد یہ تھا کہ وہ دلایل پیش کئے جائیں جس سے قوانین کو مزید سخت بنایا جاسکے اس کے لئے جسٹس روڈالف کلار نے یورپی روایات کی ایک نسلی تفسیر پیش کی۔ کلار کی دلیل یہ تھی کہ ٹیوٹانک عدالتی حدود (جیسے جرمنی، انگلینڈ اور دیگر ۴۸ امریکہ کی ریاستیں جو برطانوی قانون پر عمل پیرا ہیں) اخلاقی بنیادوں پر انحطاط پذیر لاطینی ممالک (جیسے فرانس، اسپین، اٹلی اور پولینڈ) سے برتر ہیں جہاں اب ہم جنس پرستی کے جرم پر سزائیں نہیں دی جاتی۔ چند جایزوں کے بعد جن سے ان کے دائرہ اثر میں اضافہ ہوا تاریخی دفعہ ۱۷۵ جو جرمن امپریل کوڈ میں ہے یہی نازی پالیسی کا موثر ہتھیار بن گئی۔ یہ تخمینہ لگایا گیا ہے کہ کوئی پچاس ہزار ہم جنس پرستوں پر ہٹلر کے دور حکومت میں مقدمہ چلایا گیا اور یہی کوئی ۱۵۰۰۰، افراد خیام موت میں ہلاک ہوگئے۔ یہ قانون ۱۹۶۹ء تک منسوخ نہ کیا جاسکا۔ انگلینڈ میں موت کی سزا ۱۸۶۱ء تک موجود رہی جب اسے بدل کر عمر قید کردیا گیا۔ یوں تبدیل ہونے سے الزبتھ اول کا قانون ایک اور صدی تک نافذالعمل رہا یہاں تک کہ

۱۹۶۷ء میں منسوخ ہوا جب پارلیمنٹ نے کوئی ایک دہائی کے بحث مباحثے کے بعد اسے ختم کردیا جس کی محرک والفنڈن کی رپورٹ تھی۔

جب کہ ریاست ہائے متحدہ میں معاملات نے ایک مختلف موڑ کاٹا۔ امریکی انقلاب نے کسی قسم کی تحریک نہ پیدا کی جس سے کلیسائی اثر میں پیدا ہونے والے قوانین جو فلاسفہ سے ملتے جلتے تھے کہ ان سے نجات حاصل کی جائے۔ اس کے باوجود اغلام بازی پر موت کی سزا انیسویں صدی میں یکے بعد دیگرے ایک ریاست کے بعد دوسری امریکہ کی ریاست میں ختم ہوتی چلی گئی، اگر چہ ساوتھ کا رولینا نے قانون کی کتابوں میں اسے خانہ جنگی کے بعد تک رکھا۔ کنسے رپورٹ کی اشاعت (۱۹۴۸ء) تک اور اس کے بعد آنے والی تجاویز جو امریکی بار ایسوسی ایشن (۱۹۶۱ء) نے پیش کیں کہ وہ قوانین جو نجی طور پر اتفاق رائے والے تعلقات جو بالغان کے مابین ہوں اس وقت تک کے لئے ساقط کردیں جائیں جب تک ہم جنس پرستی کو غیر جرم بنانے والی تحریک میں کوئی پیش رفت ہو۔ قانونی اصلاحات کی ایک لہر جو ۱۹۶۰ء اور ۱۹۷۰ء میں چلی اس نے زیادہ تر شمالی مغربی اور وسط مغربی ریاستوں کی قانونی کتب سے صفایا کرڈالا۔ دیگر آدھی درجن ریاستوں میں سپریم کورٹ نے اغلام بازی سے متعلق قوانین کو غیر آئینی قرار دے دیا۔ بدقسمتی سے متحدہ امریکہ کی سپریم کورٹ اس بات سے چوکنا ہوکر کہ اس کے فیصلے جو اسکول کی دعاوں اور رضا کارانہ اسقاط سے متعلق تھے ان سے تنازعات پیدا ہوگئے ہیں اپنی پیش قدمی جاری نہ رکھ سکی۔ باورز بمقابلہ ہارڈوک (۱۹۸۶ء) مقدمے میں اس عدالت نے چار کے مقابلے میں پانچ ووٹ سے اغلام بازی سے متعلق تمام آئینی قوانین کو منظور کرلیا۔ اگر چہ جسٹس لیوس پاول نے فیصلہ کن ووٹ ڈالا جس نے بعد میں تسلیم کیا کہ اس ''نے ایک غلطی کی تھی'' (۲) جس کے نتیجے میں ۱۶، امریکی ریاستیں تیسرے ہزاریے میں اس طرح داخل ہوئیں کہ ان کے ہاں ایسے قوانین موجود تھے جنہیں کوئی بھی جدید مصلح جیسے مونٹسکیو انقلاب فرانس سے کوئی نسل بھر پہلے قدیم اور فرسودہ سمجھتا تھا۔ تب پھر ۲۶، جون ۲۰۰۳ء کو متحدہ امریکہ کی سپریم کورٹ نے ایک ٹیکساس کے قانون پر فیصلہ دیتے ہوئے باورز کے حق میں ہونے والے فیصلے کو الٹ دیا۔ امریکہ اب یورپ کی صف میں آچکا ہے جہاں پینتالیس ممالک

جن پر کاونسل آف یورپ مشتمل ہے لوتھران آئس لینڈ سے مسلم آذربایجان تک سب کلنک کے اس ٹیکے کو دھو چکے ہیں۔

---

(۱) یہاں ہمارا فاصل مصنف انقلابی زبان پر استہزا کررہا ہے۔

(۲) اسی طرح ایک جسٹس نے صدر بش سینئر کا احسان چکانے کی خاطر ۲۰۰۰ء میں ووٹوں کی گنتی رکوا کر بش جونیئر کو صدر بنوادیا اور نو برس کے بعد اپنی سوانح میں اعتراف جرم کرلیا 'جنگ کراچی مورخہ ۱۵، اکتوبر ۲۰۱۰'۔

آخری نتیجہ:

ہماری داستان یہاں ختم ہوتی ہے ایسے لمحات میں جب سولی اور پھانسی کی سزا بالآخر پورے یورپ میں ختم ہوجاتی ہے۔ پیچھے مڑ کر چوبیس صدیوں کو دیکھتے ہوئے ہم ان درجن بھر سماجوں میں کس نوعیت کا سماج دیکھنے کی توقع کر رہے ہیں جنہیں ہم نے کھنگالا ہے۔ سب سے زیادہ پراثر یقیناً وہ تقسیم ہے جو ان دو طبقات میں ہے جو خود کو مسیحی کہتے ہیں اور وہ لوگ جو یا تو مسیحیت سے پہلے پھلے پھولے یا اس سے کسی تعلق کے بغیر آزادانہ۔ پہلے میں ہم قوانین اور تبلیغ پاتے ہیں جس نے نفرت، حقارت اور موت کو فروغ دیا جب کہ دوسرے میں مختلف رجحانات ہیں جن میں سب ہی (اسلام کو چھوڑ کر جسے بالکل مسیحیت کی طرح عبرانی مقدس صحیفوں سے روایات ملیں) ایک حد تک کہیں زیادہ روادار تھیں۔

اس کے بالکل برعکس قدیم یونان کھڑا ہے۔ اس معاملے میں ایک ناقابل تخیل فاصلے پر ان تینوں عظیم ابراہیمی مذاہب سے علیحدہ کھڑا ہے۔ اس کی ادارہ سازی اسپارٹا میں ہوتی ہے اور ایتھنز میں ان کی اس لئے مدح وثنا ہوتی رہی کیونکہ اس کے ہیرو ظلم کشی پر کمر بستہ رہتے تھے۔ اور انہوں نے تھیبز شہر میں استحصال کیا جو اس شہر کے زبردست مقدس بندھن کی بنیاد تھی یعنی مردوں کے درمیان عشق کو یہ عزت دی جاتی جو فوجی مہارت کی ضامن اور شہری آزادیوں کی علامت تھی۔ یہ شاعری اور فن دونوں کی تخلیق کے لئے ولولہ خیز تھی۔ اس کی تھیٹروں اور اسمبلیوں میں داد وتحسین کی جاتی اور بڑے جوش وخروش سے فلسفیوں کی طرف سے تعریف ہوتی جو اسے نوجوان مردوں کے لئے مفید تر سمجھتے کہ ان کے عاشق مربی موجود ہیں۔ بے شک، افلاطونی اسکول جو جسمانی رشتوں کو مسترد کرتا تھا مگر جسے یونانی سماج نے کسی طرح سے اپنا شریک نہ سمجھا۔ مجازی طور پر بلند مرتبہ کرّے کو آسمانوں کا مردانہ ایروز (عاشق) بنا ڈالا۔

روم میں کوئی بھی قابل موازنہ مثالیت کا اثر ورسوخ قائم نہ ہوسکا۔ مردانہ ہم جنس پرستی کوئی ایسی چیز نہ تھی جس کی مذمت کی جائے کیونکہ غلاموں سے تعلقات رکھنا قانونی اور

سماجی طور پر قابل قبول تھا۔ لیکن ہم جنس پرستی کا غلامی سے تعلق جس کا انحصار مفعولیت پر تھا روم کے جنسی سیاسی قوانین کے مطابق آزاد رومن شہریوں کے لئے قابل قبول نہ تھا کیونکہ اس سے اس کے بالا دست کردار میں کمی آنے کا امکان ہوتا۔ مفعولیت کے الزامات کا یہ نتیجہ نکل سکتا تھا کہ کوئی شخص شہری حقوق سے محروم ہو جائے اور جو رومی سیاست میں اکثر ہو جاتا۔ سابقہ ریپبلک کے چند رہنما اور ابتدائی سلطنت کے ارکان بے داغ رہے اس کے باوجود تقریباً تمام رومی قابل ذکر شعرا نے لڑکوں پر عشقیہ نظمیں لکھیں اور ورجل نے آینیڈ میں یہ کوشش کی ''کہ یونانی عشق'' کو نایسس اور یورالس کی کہانیوں میں غیر موثر کر دے۔ وہ مگر کامیاب نہ ہوا اگر چہ یونانی مثالیت نے دوسری صدی کے روم میں کچھ کامیابی بھی حاصل کی۔ اس کے باوجود (کلیجی کا قیمہ) ایک عمومی تحقیر کا نشانہ بنا رہا اور یہ مخصوص قسم کا ہم جنس پرستی سے خوف۔ جو ایک ساتھی کی مذمت کرتا مگر دوسرے کی نہ کرتا۔ اس نے اس کی راہ ہموار کی جس سے مسیحی عہد کے آغاز ہی میں موت کی سزا طے کر لی گئی۔

یہ وہ لمحہ ہے جب ہم دنیا کے کلاسیکل عہد سے علیحدہ ہو کر ان سماجوں کی جانب رخ کرتے ہیں جن پر انجیلی قوانین کا اثر و رسوخ تھا اور اسی میں ہمیں ایک مہیب تقسیم نظر آتی ہے۔ احباری خشونت کی جڑیں جو مردانہ عشق کے خلاف ہیں وہ پوشیدہ رہتی ہیں اگر چہ ان کا امکانی طور پر آغاز لگتا ہے جیسے وہ رقابتیں ہوں جن میں مشرق قریب کے مسالک کے دگر جنس پوشا کی کے دلدادہ عاملین ہوں جن کی بہت عزت کی جاتی تھی۔ اس کا چاہے جو بھی منبع ہو۔ زہر سے بھرا ہوا پچی کاری کا سیاسی نظام سب کچھ ہے الا انوکھے پن کے جو قدیم مذاہب میں پایا جاتا تھا۔ اس کے اثر کے تحت اسکندریہ کا فیلو۔ واحد قدیم یہودی مصنف جس کا کام ہم تک پہنچ سکا ہے اس میں اس موضوع پر تفصیلات ملتی ہیں۔ وہ اس طرح پرتشدد ہجوم کو بلا سکتے تھے اور یہ کہتے کہ مشکوک زنخے مرد کو اس کی اجازت نہ ہونا چاہیے ''کہ وہ ایک دن بلکہ ایک گھنٹہ بھی جئیں۔'' بدقسمتی سے مسیحیت کے فروغ پانے سے یہ خونی روایت جس میں یہ حکم تھا کہ تمام مرد ہم جنس پرستوں کو بے رحمی سے نیست و نابود کر دیا جائے اور یہی روایت ٹھوس بن کر یورپی ریاستوں میں چودہ صدیوں تک کٹر عقیدہ بنی رہی۔

لگتا ہے کہ فیلو کی آرزو کانسٹنٹائین کے عہد میں شرمندہ تعبیر ہوئی جو روم کا پہلا مسیحی شہنشاہ تھا جو جیسا کہ ہمیں بتایا جاتا ہے کہ اس نے اپنے اختیار کو پوری طرح استعمال کر کے زنخے راہبوں کا قلع قمع کر دیا جیسے کہ فیلو مصر میں ان کی مذمت کر چکا تھا۔ ایسی مہم جسے احبار میں دی ہوئی سزائے موت کی حمایت حاصل تھی وہ بھی ایسے مسیحی قلمکاروں کی تحریروں میں جن کے نام ٹرٹولیان، ایوسیبئس اور پاپائی آئین کے مصنفین کے۔ اس میں مزید اضافہ یوں ہوا جب اغلام بازی کی کہانی میں منطقی انجام والی تبدیلی آنے لگی جو مذہبی تعلیمات کی ایسی کہانی ہے جس میں خود غرضی اور اجنبیوں سے بدسلوکی سے لے کر تمام راضی بہ رضا ہم جنس پرستی والے افعال پر تعزیری کارروائی کے ذکر سے بھری ہوئی تھی۔ اس طرح ۳۹۰ء تک جنونی شہنشاہ تھیوڈوسیئس نے یہ اپنی ذمہ داری سمجھی کہ روم کو ''زہریلے اور شرمناک زنانہ پن سے نجات دلا دے۔'' یوں وہ گانڈووں کو ''لوگوں کی نگاہوں کے سامنے انتقامی شعلوں میں ڈلوا دیتا۔ اور اسی لمحے سینٹ جون کرای سوسٹوم جو مسیحی انٹی اوچ کی تبلیغ کر رہا تھا اس نے تمام ہم جنس پرستوں سے کہا ''اپنی کمین گاہوں سے نکلو تا کہ تمہیں سنگسار کیا جائے۔'' جس کے نتیجے میں نفرت کی ایک آتشیں لہر اٹھی جو مشرقی سلطنت میں بھیانک نتائج کا باعث بنی جب جسٹینین نے اپنی خونی مہم اسقفوں، دولتمند افراد اور سیاسی مخالفین کے خلاف ایک صدی بعد چلائی جس سے بہت سی اموات ہوئیں۔

جسٹینین کے قوانین جو حریصی تشدد کو چھپائے ہوئے تھے جس میں گلہ بانوں کے اشتیاق والی زبان استعمال کی گئی تھی۔ جس نے سدوم کے افسانے کو یہ کہہ کر عمومیت دے دی اور الزام عاید کر دیا اغلام بازی ''زلزلے، قحط سالی اور طاعون کا'' سبب ہے۔ یہ اندیشے بعد میں کارولنجی عہد میں پورے مغربی یورپ میں پھیل گئے۔ یوں کاونسل آف پیرس (۸۲۹ء) جو تاراج کرنے والے وائی کنگز اور صحرایوں سے دہشت زدہ تھے، انہوں نے کفار سے شکست کھانے کی پیش گوئی کر دی اگر اغلام بازی والے گناہوں کی سزا نہ دی گئی اور اس کے لئے انہوں نے موت کی سزا تجویز کر دی۔ جس کے لئے انہوں نے سینٹ پال کا مستند قول رومی زبان میں پیش کر دیا کہ ایسے کرتوت ''موت کے مستحق'' ہیں۔ دھڑے کے ایک مرتبہ اور گھومنے سے قرون وسطی نے ہم جنس پرستی کا ناطہ عقایدی آزاد خیالی سے جوڑ دیا۔ یہ

گفتگو کرتے ہوئے ''روح القدس کے نظریے کے خلاف'' یا پھر ''جسم کے مسلمہ عقیدے کے خلاف'' جس کے نتیجے میں تیرہویں صدی کے اٹلی کے شہروں میں پائی جانے والی باہمی تنظمیں اس پر متحد ہوگئیں کہ دونوں اقسام کے گناہگاروں کو نوساختہ پاپائی مسیحی عدالتوں کے سپرد کر دیا جائے۔ اس بندھن نے ایک اور سہولت پیدا کر دی جس سے فلپ چہارم کی ٹمپلرز کے خلاف داروگیری میں آسانی ہوگئی جن میں دونوں الزامات یعنی اغلام بازی اور مسلمہ مسیحی عقاید سے انحراف سے تمام قوانین ساقط ہوجاتے اور ساری دولت اس کے ہاتھ آجاتی۔ اسپین میں فرڈی نینڈ اور ازابیلا اغلام بازوں کو جلوادیتے اور ان کی ملکیت کو ضبط کر لیتے۔ پروٹسٹنٹ برطانیہ میں ہنری ہشتم کے گماشتے اغلام بازی کے الزام کو بطور جواز پیش کرتے کہ بادشاہ اس لئے خانقاہوں کی دولت سمیٹ لیتا ہے۔ دوصدیوں بعد مونٹسکیو کے پاس معقول وجوہ تھیں جس کی وجہ سے وہ مستبد حکمرانوں کے ہاتھوں اغلام بازی کے خلاف استعمال ہونے والے قوانین کی مذمت کرے۔

قرون وسطی اور نشاۃ ثانیہ کے دوران میں اغلام بازی کے خلاف درشت قانونی احکام عموماً اپنے لئے جواز مسیحی تعلیمات میں تلاش کر لیتے۔ برہمی سے پروعظ نفرت کو پیدا کرتے، تباہیوں کی پیش گویاں ہوتیں، اور جب ایسا ہوتا تو اغلام بازوں پر الزام دھر دیا جاتا، مجمعوں کو اکسایا جاتا اور انہیں جلانے اور سنگسار کرنے کی ترغیب دی جاتی اور اس وقت شکرانے ادا کئے جاتے جب ایسے واقعات درپیش آتے۔ وہی کلیسا جو رحم اور شفقت کی تعلیم دیتا تھا کیونکر ایسے انتہائی اقدام کی حمایت کرتا تھا۔ موت کی سزا کو قبول کرنے والے احبار کے پروہتی مصنفین ممکن ہے محض اتفاقی نہ ہوں اور قدیم یہودیت کے لئے شرع میں یہ ناگزیر بھی ہو۔ کوئی دلیل بھی نہیں دی گئی جو اس انتہا پسندی کے لئے ہو سوائے اس کے کہ کسی مرد کے ساتھ لیٹنا ایک ''نفرت انگیز'' کام ہے۔ یہ ایسی اصطلاح ہے جو عموماً ایسی باتوں کے لئے استعمال ہوتی ہے جنہیں پسند نہیں کیا جاتا اور جن پر نہ ہم قیاس آرائی کر سکتے ہیں کہ ان تعصّبات کے پیچھے کون سے اسباب ہیں۔

عہد وسطی کی مسیحیت اس کے برعکس اس پر فخر کرتی تھی کہ اس نے عقیدے اور دلایل میں سمجھوتہ کرادیا تھا۔ اس لئے تھومس ایکیناس نے یہ محسوس کیا کہ کوئی ایسی دلیل پیش کرے

جس سے ہم جنس پرستی ایک ہولناک حد تک سنجیدہ جرم بن جائے۔ اس نے اس کے لئے یونانی رومی تصور برائے فطری قانون کو ندا دی اور یہ اعلان کر دیا کہ ایسی تمام جنسکاری جس کا مقصد نسل کشی نہ ہو غداری اور بغاوت کی حد تک خدا دشمنی ہے۔

کیونکہ کلیسا اور مملکت جب تاریک عہد سے نکل رہی تھیں کہیں زیادہ تیرہویں صدی میں جانفشانی سے منظّم ہو گئیں۔ مردوں کو کلیسائی عدالتوں اور شہری افسران کی مدد سے کہیں زیادہ منظّم طریقوں سے کھدیڑا جانے لگا۔ اس طرح ایک ہم عصر قانونی مقالہ یہ حکم دیتا ہے اور وہ بھی ایک سمیٹنے والے فرمان میں کہ ''مقدس کلیسا کے تفتیش کرنے والے'' کو چاہئے کہ مرتدوں کو ڈھونڈ نکالیں اور بدعتیوں کو اور لونڈے بازوں کو اور انہیں موت کی سزا دے دیں۔ یہی وہ زمانہ تھا جب قوانین کو درج کیا جانے لگا تھا اور اغلام بازی کے خلاف قوانین باقاعدہ قانونی کتب میں درج کئے جانے لگے جیسے انگلستان، فرانس، اسپین اور اٹلی میں۔ یہ قوانین تواتر کے ساتھ اپنا ماخذ احبار کو بتاتے، پاؔل کا حوالہ دیتے اور ان کا دارومدار اوہامی خوف پر ہوتا۔ ان میں سے چند ایک تو اپنی بے رحمی میں اختراعی ہوتے جیسا کہ فیورو ریئل آف الفونؔسو۔ دہم آف کاسٹایل (۱۲۵۵ء) کے مقدمے میں ہوا۔ جس میں یہ حکم دیا گیا کہ سزا پانے والا شخص خصی کر دیا جائے اور پھر تین دن کے بعد ٹانگیں باندھ کر اسے لٹکا دیا جائے یہاں تک کہ وہ مر جائے۔

یہ سب کوئی مثالی دھمکیاں نہ تھیں۔ اگرچہ ریکارڈ بہت کم دستیاب ہے اور تحقیقاً ت حال ہی میں شروع ہوئی ہے۔ ہمیں معلوم ہے کہ عہد وسطی کے سویٹزرلینڈ میں پھانسیاں دی جاتی تھیں اسپین میں، نشیبی ممالک میں، فرانس میں اور اطالوی شہروں میں خاص طور پر وینس میں۔ مسیحیت کے نام پر سان برنارڈینو نے پندرہویں صدی میں سینا میں پھانسی دینے کو رواج دیا اور ساوونارولا فلورنس میں۔ تاہم کہیں بھی کلیسا کا عمل دخل اتنا نہ تھا جتنا کہ اسپین میں ہم جنس پرستوں کو سزا دلانے میں اس نے براہ راست حصہ لیا۔ یہ وہی سرگرم سال تھے جب اسپینی کلیسائی عدالتیں جوش و خروش سے کام کر رہی تھیں۔ آراگون میں ،کٹالونیہ میں اور والنشیا میں کوئی ایک ہزار سے اوپر مردوں پر کلیسائی عدالتوں نے اغلام بازی کے الزام پر مقدمے چلائے اور چند دہائیاں ایسی بھی گزریں جب جنسی الزامات پر

زیادہ پھانسیاں دی گئیں بہ مقابلہ مسلمہ مسیحی عقاید سے انحراف پر۔ دیوانی صاحبان اختیار بھی فرانس میں سرگرم تھے اور اسپین میں دوسری جگہوں پر۔ جنہیں یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ اغلام بازوں کو جلانے کو کلیسا سے منسوب صاحبان اختیار کی توثیق اور حمایت انہیں حاصل ہے۔

نہ صرف لاطینی مسیحیت نے ان پھانسیوں کو ہوتے دیکھا یوں بہت سے لوگوں کی زندگی ایک خوفناک تجربہ لگتا ہوگا۔ پروٹسٹنٹ جن کا عقیدہ صرف انجیل پر دارومدار رکھتا ہے وہ بھی اسی دہشت کے مارے ماحول پر کاربند رہے۔ سولی دینے کا سلسلہ کالون اور اس کے اخلاف جو جینوا میں تھے ان میں بھی جاری رہا۔ اور نیدرلینڈ میں ایک قومی منظّم قتل عام اس لئے شروع کیا گیا تاکہ، جیسا کہ صاحبان اختیار بتاتے ہیں ''خدا ممکن ہے اس زمین پر پائی جانے والی بے انصافی کی سزا چاہے کسی سخت سزا سے نہ دے۔''، ''اور نہ ہی اس میں کوئی شک ہے کہ انگلستان میں دی جانے والی پھانسیاں جن کو نقطہ کمال انیسویں صدی میں حاصل ہوا وہ نتیجہ تھیں اس سو برس کی مہم جوئی کا جو پادریوں نے چلائی تھی جس میں قوم سے کہا جاتا تھا کہ وہ ''اس عفریت کا قلع قمع'' کر ڈالے۔

یہ بہ مشکل استدلال کیا جا سکتا ہے کہ ایسے ہولناک واقعات مہذب سماج کے فروغ کے واسطے ضروری مراحل تھے۔ چین اور جاپان میں کنفیوشسزم کی فلسفیانہ دانش مندی اور بدھ مت کی مذہبی تعلیمات نے ایسا نہ کیا۔ بلاشبہ چین قدیم روم کے مقابلے میں کہیں زیادہ روادار تھا اور اس سلطنت کے اندر مردوں میں زنانہ پن پیدا ہو جانے کا خوف بھی مضمر تھا اور جاپان نے اپنے سمورائی ضابطہ قانون میں ایسا عمومی رویہ پیدا کر لیا جو بڑی حد تک کلاسیکل یونانی اطوار سے ملتا جلتا تھا۔ اس کے برعکس اگر ہم مغرب کی ہم جنس پرستی کی تاریخ کا جائزہ لیں تو ہمیں جام جم میں ڈراؤنے منظر دکھائی دیں گے۔ جسٹینین نے اسقفوں کو آختہ کیا اور المیریا میں لٹکتی ہوئی لاشیں اور نشاہ ثانیہ والے روم میں ''شادی شدہ'' جوڑوں کا جلایا جانا۔ پادریوں کا فاقوں سے وینس کے سینٹ مارکس چوک پر بھوکوں مرنا۔ جلی ہوئی عورتیں، سولی پر لٹکتی ہوئی یا پھر سیفو ویت کے الزام میں سروں کا قلم کیا جانا۔ مردوں پر تشدد اور اسپین کی مسیحی عدالتوں سے جلانے کے احکام۔ انڈین (سرخ) پر بالباو کے بڑے

کانوں اور ہونٹوں والے کتوں کے ذریعے وحشیانہ ظلم وستم یا پھر پیرو میں جلایا جانا۔ میکسیکو سٹی میں ٹلٹکیوں پر اموات فان میں مردوں اور لڑکوں کا اجتماع اور لاتعداد مردوں اور نوبالغان کا جیور جائی انگلینڈ میں پھانسی پانا۔ یہ تمام ظلم وستم اس لئے کئے گئے کیونکہ ستم رانی کرنے والوں کے دل میں یہ خیال بیٹھا ہوا تھا کہ یہ امر ربی ہے جو اس لئے ضروری تھا کہ اس تباہی سے بچا جا سکے جو میدانی خطوں کے شہروں کو بھاری بوجھ سے دابنے والی ہے۔

ہم جنس پرست ہی بلاشبہ وہ واحد طبقہ نہ تھا جو عقاید کی پیدا کردہ عدم رواداری کا شکار ہوئے۔ تاریخی طور پر بدعتیوں کے خلاف جہاد، مسلمانوں کے خلاف، یہودیوں اور جادوگرنیوں سے۔ ان سب کے لئے جواز بائیبل سے نکالا گیا۔ جس سے اموات میں اضافہ ہوا بہ مقابلہ ان اموات کے جو ہم جنس پرستی کے خلاف قوانین کی وجہ سے ہوئیں۔ سنگدل اور غیر منصفانہ ادارے جیسے غلامی جو بہت پرانی بات نہیں ہے۔ ان کی اہل دینیات نے خوب حمایت کی تھی جن میں پروٹسٹنٹ اہل کلیسا بھی شامل تھے جو ریاست ہائے متحدہ کے تھے۔ لیکن مذہبی رہنما ایسے جرایم کی مذمت کرتے اور آج بھی کرتے ہیں۔ یہ سب کچھ مسیحیت کے کھاتے میں لکھا ہے کہ وہ ان تمام عقاید کو ترک کرنے کے قابل ہوگئی جن پر وہ صدیوں سے اڑی ہوئی تھی اب ماضی کی غلطیوں کا اعتراف کرتی ہے اور مصالحت کی خواہاں ہے۔ اسی لئے ویٹیکن نے اپنے صیہونیت دشمن رویے اور مذہبی اختلاف پر دی جانے والی سزاؤں اور امریکہ کی جنوبی باپٹسٹ کا موقف جو انہوں نے غلامی کی حمایت میں انیسویں صدی میں اختیار کیا تھا اور نسلی علاحدگی کے معاملے میں جو انہوں نے بیسویں صدی میں کیا۔

تہذیب نے جو کچھ مسیحیت سے خوشہ چینی کی وہ بے حد وحساب ہے۔ ہم کیونکر اس بات کے لئے ممنون نہ ہوں جو اس نے خیر خیرات کی راہ میں کیا اور تعلیم کے لئے اس کی مساعی اور عظیم فنون کے لئے جو عالمی خزانہ جمع کیا فن تعمیر اور موسیقی کے واسطے۔ ہمیں کلیسا کے ان رہنماؤں کو بھی تسلیم کرنا چاہیئے جنہوں نے سارے ماضی میں امن کے لئے کام کیا اور جبر واستبداد کے خاتمے کے لئے لگے رہے اور ہمیں ان لاتعداد اہل کلیسا کا شکریہ ادا کرنا ہوگا جن میں راہبات بھی شامل تھیں اور پروٹسٹنٹ اہل کلیسا کا جنہوں نے بے لوث محنت

کی۔کبھی کبھار تو اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر—— وہ بھی انسانیت کی خدمت کے لئے۔ ایک مذہب جس نے محبت اور نفرت دونوں چیزوں کی تبلیغ کی مگر نفرت کو اس نے اب پس پشت ڈال دیا ہے۔مسیحیت نے خود کو ایسا مسلک ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جو باضمیر ہے جو ان مردوں اور عورتوں میں وجود رکھتا ہے جو نیک نیت ہیں۔ یہاں تک کہ ہم جنس پرستی کے معاملات میں ان میں مسیحی عیسائی بھی ہیں اگر چہ وہ ابھی تک پیغمبرانہ اقلیت ہیں جو کلیسائی حکمرانی سے خلفشار میں پڑ جاتے ہیں۔

مستقبل کے لئے ہم میں سے کوئی بھی منسکرانہ رجایت پسند ہوسکتا ہے اگر چہ تنازع بلاشبہ طویل اور پرجوش رہے گا۔لیکن علمیت نے تمام المناک ریکارڈ جو استبداد اور بدسلوکی کے متعلق تھا اسے روشنی میں نہلا دیا ہے اور وہ مرد اور عورتیں جو خود کو مسیحی کہتے ہیں اب یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ بے خبر تھے یا پھر اس قابل مذمت بوجھ سے پہلوتہی کر سکیں گے جو بہت عرصے سے ماضی کے دھندلکے میں مخفی تھا۔